دانشکدہ عظیم

تعلیم الاسلام اسکول وکالج کی درخشندہ تاریخ

رانا عبدالرزاق خاں کاٹھگڑھی

نام کتاب : دانشکدہ عظیم
(تعلیم الاسلام اسکول وکالج کی درخشندہ تاریخ)

مصنف : رانا عبدالرزاق خاں کاٹھ گڑھی۔لندن

سنِ اشاعت : 2017ء

ملنے کا پتہ :

14 WOBURN ROAD SM5 1RT
CARSHALTON - SURREY LONDON
United Kingdom.
ranarazzaq52@gmail.com
00-44-7886304637

Danish-Kadah

The Great Talim-ul Islam College

by: Rana Abdul Razaq Khan

London - U.K

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی مُحَمَّدٍ رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَحۡمَدَ الۡمَوۡعُوۡدِ

فہرست مضامین

دور مصلح موعودؓ میں کالج کا ازسرنو قیام اور دوبارہ افتتاح

قادیان میں تعلیم الاسلام کالج کی تعلیمی وتربیتی سرگرمیوں کے تین سال

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے خصوصی فیصلہ پر پاکستان میں کالج کی بنیاد
لاہور میں کالج کی زندگی کا سات سالہ دور ماہ اکتوبر 1954ء تک

ربوہ میں تعلیم الاسلام کالج کی مستقل عمارت کی تعمیر وافتتاح اور
اس کی گرانقدر مساعی عہد مصلح موعودؓ کے اختتام تک

تعلیم الاسلام کالج کے اساتذہ کا ذکر خیر

تعلیم الاسلام کالج کے اساتذہ وطلباء کی حسین یادیں

تعلیم الاسلام کالج کے چند طلباء کا مختصر تعارف

تعلیم الاسلام کالج کے خوش نصیب شہداء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ



پیش لفظ

2015ء کا سال تھا ایک دن خاکسار مولانا عطاء المجیب راشد صاحب امام مسجد فضل لندن سے ملاقات کے لئے، اُن کے دفتر حاضر ہوا۔ باتوں ہی باتوں میں محترم مولانا صاحب نے مجھے فرمایا کہ رانا صاحب آپ تعلیم الاسلام کالج کی تاریخ مرتب کریں جو بعدہ کتاب کی شکل میں شائع ہو۔ میں نے آپ کو دعا کرنے کو بھی کہا۔ خاکسار اُن ہی کے حکم سے تعلیم الاسلام کالج اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کی مجلس عاملہ میں سیکرٹری اشاعت منتخب ہوا۔ دوسال بعد سیکرٹری تجنید اور پھر دوسال بعد جنرل سیکرٹری منتخب ہوا۔ اسی تعلق سے ماہنامہ المنار لندن میں بھی کام کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ محترم مولانا عطاء المجیب راشد صاحب خاکسار سے یہ توقع رکھتے تھے۔ لہٰذا میں نے ان کی بات کو اپنے لئے حکم سمجھا اور یہ بات گرہ سے باندھ لی۔

خاکسار نے پاکستان اپنے دوست محترم عبد الحق بدر صاحب استاد الجامعہ سے اس معاملہ میں مدد چاہی تو انہوں نے بھرپور تعاون کی حامی بھرلی۔ چنانچہ سارا مواد تاریخ احمدیت اور رسائل و اخبارات سے اکٹھا کر کے کمپوز کروایا گیا۔ ماہنامہ المنار وغیرہ سے بھی استفادہ کیا گیا۔ ایک سال بعد خاکسار اس مسوّدے کو منظرِ عام پر لانے کے قابل ہوا۔ مکرم مولانا بشیر احمد رفیق صاحب مرحوم سے بھی مشورہ جات حاصل کرتا رہا اور دعاؤں کی درخواست بھی۔ یہ سب میرے بزرگوں اور دوستوں کی دعاؤں سے ممکن ہوا۔ ورنہ میں کہاں اور یہ علمی کام کہاں۔ اسی طرح اس کتاب کی تالیف کے متعلق ہدایات محترم مولانا عطاء المجیب راشد صاحب امام فضل لندن نے مرحمت فرمائیں۔ محترم پروفیسر چوہدری حمید احمد صاحب جرمنی، محترم پروفیسر محمد شریف خان صاحب امریکہ اور محترم زکریا

ورک صاحب کینیڈا نے تصاویر کی فراہمی میں مدد کی نیز کتاب کی تیاری کے دوران اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا۔ میں ان سب کا تہہ دل سے ممنون ہوں ورنہ خاکسار کے لئے ممکن نہ تھا کہ یہ کام سرانجام دے سکتا۔ کتاب ھذا میں جن پروفیسر صاحبان و مایہ ناز طلباء کرام کی تصاویر بصد کوشش دستیاب ہو پائیں وہ لگادی گئی ہیں۔ چند کی تصاویر دستیاب نہیں ہو پائیں۔

خاکسار تعلیم الاسلام کالج کے اُن تمام اساتذہ اور طلباء کا ممنون و مشکور ہے جنہوں نے تعلیم الاسلام کالج کے بارہ میں اپنی یادداشتیں ضبط تحریر کیں۔ پروفیسر محمد شریف خان صاحب امریکہ اور پروفیسر چوہدری حمید احمد خان صاحب جرمنی نے تصاویر اور قیمتی مشورہ جات سے نوازا۔ ورنہ اس کتاب کا مرتب کرنا آسان نہ ہوتا۔ خاکسار اپنے تمام کرم فرماؤں کا ممنون و مشکور ہے اور ان سب کے لئے دعا گو ہے کہ یہ سب اس کارِ خیر کی تکمیل میں میرے ممد اور معاون بنے۔

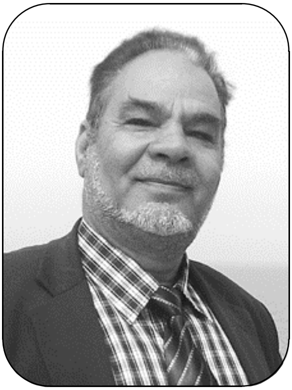
اس کتاب میں تعلیم الاسلام کالج کی کچھ یادیں اور واقعات نقل کرنے کی حقیر کوشش کی گئی ہے تاکہ اس کتاب کو پڑھ کر تعلیم الاسلام کالج کے دیگر طلباء کو بھی یہ ترغیب ہو کہ تعلیم الاسلام کالج کے متعلق جو یادداشتیں اُن کے سینہ میں محفوظ ہیں انہیں جلد از جلد ضبط تحریر میں لائیں اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ کریں۔ چونکہ اس کتاب میں مختلف طلباء کی کالج سے متعلق یادداشتیں جمع ہیں اسلئے ممکن ہے کہ بعض جگہ کسی کو ایک ہی مضمون کا دوبارہ اندراج نظر آئے لیکن ہر طالب علم کا اپنے کالج اور اساتذہ کے بارے میں اپنا نقطہ نظر اور زاویہ خیال ہے۔ لہٰذا اس بات کو اسی طرح رکھا گیا ہے۔ خاکسار نے حتی الوسع کوشش کی ہے کہ کتاب میں کوئی کوئی غلطی نہ رہے مگر خطا اور نسیاں سے کون محفوظ ہے؟ قارئین سے درخواست ہے کہ اگر کسی قسم کی کوئی غلطی نظر آئے تو خاکسار کو مطلع فرمائیں تا آئندہ ایڈیشن میں اسے درست کیا جا سکے۔

خاکسار

رانا عبدالرزاق خان۔لندن

تعارف رانا عبدالرزاق خاں

(جنرل سیکرٹری TICOSA UK۔ایڈیٹر ماہنامہ قندیلِ ادب لندن)



نام: رانا عبدالرزاق خاں ولد رانا عبداللطیف خان ولد چودھری عبدالحمید خان صحابی کاٹھگڑی۔تخلص: عاصی صحرائی۔قوم :راجپوت گھوڑے واہ (والدین کا اصل وطن کاٹھگڑھ ہوشیار پور پنجاب انڈیا) قلمی نام: اے آر راجپوت، رجل خوشاب،ابنِ لطیف۔اے آر خاں۔تاریخ پیدائش: 13۔اپریل 1951ءکلی نو،شورکوٹ جھنگ پنجاب پاکستان۔پرائمری تک تعلیم چک نمبر 2ٹی ڈی اے قائدآباد خوشاب۔ٹی آئی ہائی اسکول ربوہ سے میٹرک،ٹی آئی کالج ربوہ سے 1970ء میں ایف اے کیا۔میٹرک اورایف ان مشہوراداروں سے ہی پاس کیا۔جن سے پدرانہ شفقت بھی ملا کرتی تھی ۔یہ ایسے اساتذہ تھے جواپنے طلباء کے لئے ہمہ وقت دعا گو رہتے تھے۔ڈسپلن، کی سارے پاکستان میں منفرد حیثیت تھی۔تعلیم وتربیت میں یہ ادارہ ایک مثال تھا۔تعلیم الاسلام کالج کے اساتذہ تعلیم،تربیت،اوراپنے طلباء کا اپنے بچوں کی طرح خیال رکھنا ان سب کا وطیرہ تھا۔ہم سب بلاخوف وخطرسب پروفیسران سے کسی بھی وقت مل سکتے تھے۔آج بھی ہم اُن ہی کی تربیت اوردعاؤں کے طفیل دنیا میں کامیابیاں حاصل کررہے ہیں۔جب کبھی بھی ان اساتذہ کا ذکر کسی بھی جگہ پڑھتے ہیں تو ان سب کے لئے ہمارے دل سے دعائیں نکلنا شروع ہو جاتی ہیں۔آج بھی جب مجھے اُن کی پدرانہ شفقت،معلمانہ پیار،لگن اورمحبت یادآتی ہےتو میرے دل سے اُن کی بلندی درجات کے لئے بے اختیار دعائیں نکلتی ہیں۔اُن کی محنت اورتوجہ نے ہم پتھروں کوتراش کر

ہیرے بنادیا۔ہم سب طلباءاُنہی بقراط وسقراط کے کارنامے ہیں ۔ ہمارے ادارے میں کمرشل تعلقات، بناوٹ، یا بیگانہ پن نام کو نہ تھا، ہر پروفیسر سے مل کر اپنائیت کا احساس ہوتا تھا، دور دراز سے برائے تعلیم آئے ہوئے طلباء جلد ہی اس ماحول میں گھل مل جایا کرتے تھے۔اس گھریلو ماحول کو بھرپور پرامن جنت بنانے میں ہمارے پروفیسران اور پرنسپل صاحب کے مشفق رویوں کا عمل دخل تھا۔خدا تعالیٰ اُن سب کو غریق رحمت کرے۔آمین۔

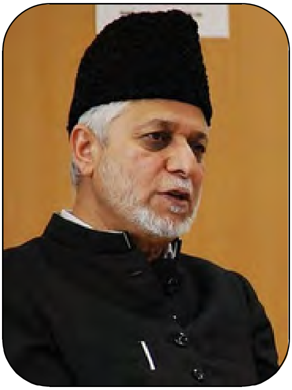
تعلیم۔بی اے پنجاب یونیورسٹی لاہور(1975ء) اُردو فارسی سپیشل مضامین تھے۔ملازمت۔ سپروائزر پیپر بورڈ ملز پیکیجز لمیٹڈ لاہور(11 مئی 1972ء تا 16 ستمبر 1975ء)۔17/ستمبر 1975ء تا یکم مارچ 1984ء تک بحرین عربین گلف(دیوان الامیری بطورایگریکلچر اسسٹنٹ(سلطان البحرین عیسیٰ بن سلمان الخلیفہ)۔مارچ 1984ء تا جولائی 2008ء نمبر دار چک نمبر 2ٹی ڈی اے خوشاب پنجاب پاکستان۔شادی۔محترم ناصر احمد بہادر شیر مرحوم سابق افسر حفاظت خاص کی بڑی بیٹی سے ہوئی۔ جس میں سے ایک بیٹا اور بیٹی ہیں۔وہ دونوں صاحب اولاد ہیں۔صدر جماعت احمدیہ چک نمبر 2ٹی ڈی اے خوشاب عرصہ پندرہ سال رہا لیے۔ضلع خوشاب کی مجلس عاملہ میں سات سال ناظم مجلس انصاراللہ خوشاب، سکریٹری مال ضلع، سکریٹری تبلیغ ضلع، سکرٹری تربیت، دعوت الی اللہ ضلع خوشاب، نگران اور ریجنل امیر خدمات سرانجام دینے کی توفیق پائی۔2014 میں امیر جماعت ضلع خوشاب بھی منتخب ہوا۔لندن یو کے آمد 29/اکتوبر 2005ء ٹوٹنگ وانڈز ورتھ لندن۔لندن میں مجلس انصاراللہ برطانیہ میں مسلسل چھ سال قیادت عمومی میں، قیادت تعلیم القرآن میں، قیادت تربیت میں خدمت کرنے کی توفیق پائی۔نیز جماعت بالہم، ٹوٹنگ بیک سکرٹری وصایا، اب جماعت برن وُڈ میں سکرٹری اشاعت وتعلیم میں خدمات کی توفیق مل رہی ہے۔پاکستان میں 1991ء سے روزناموں میں مختلف شخصیات کے تعارف لکھتا رہا۔لندن میں آکر 2009ء میں ''بزم قندیل شعروسخن'' تشکیل دی۔ پہلا مشاعرہ 2009ء میں منعقد کیا۔جس میں آدم چغتائی، مبارک صدیقی، سید نصیر احمد شاہ، عامر امیر،

عبدالمجید ظفر، نورالجمیل نجمی، جواد عالم، سہیل لون، اور دیگر بہت سے شعراء شامل ہوئے۔ اب تک تقریباً تیس عدد کامیاب مشاعرے کروا چکا ہوں۔ جس میں لندن کے نامور شعراء نے بھی حصہ لیا ہے۔ اقبال مجیدی، جمیل الرحمن، امجد مرزا امجد، ارشد لطیف، باسط کانپوری، سوہن راہی، ایوب اولیاء، آدم چغتائی، محمود، ہارون الرشید، اقبال مرزا، عبدالغفار عزم، کرشن بیدنت، فرحانہ غزالی، قمر مجتبٰی قریشی، زہرہ نسیم، عابدہ لال، حمیدہ معین رضوی، ڈاکٹر مختار الدین احمد، یشب تمنا، جمیل الرحمن، نوین حیدر، سلطان صابری، شکیب مرزا، ابراہیم رضوی، ریاست رضوی، ڈاکٹر صوفیہ سطوت، عذرا ناز، عابدہ شیخ، کوثر علی، پاکستان سے ڈاکٹر نکہت افتخار، فرحت عباس شاہ، لئیق عابد، محترم افتخار احمد ایاز (ایم بی اے) جرمنی سے وسیم احمد طاہر اور اسحاق اطہر بھی شامل ہوئے۔ 2011ء میں یو کے ٹائمز میں بھی کالم لکھنے شروع کیے۔ اور گوشہ اَدب کی ادارت سنبھالی۔ جنوری 2013ء سے ''قندیلِ اَدب انٹرنیشنل لندن'' سے آن لائن میگزین نکال رہا ہوں جو کہ ساری دنیا میں لاکھوں قارئین تک بذریعہ ای میل اور ویب سائٹ پہنچتا ہے۔ پاکستان، لندن، امریکہ، آسٹریلیا، انڈیا کے مختلف جرائد میں چار صد سے زائد مختلف عناوین پر سیاسی، علمی، مذہبی، اور اُردو زبان پر مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ پانچ کتب بھی زیر طبع ہیں۔ جو کہ ابھی ابتدائی مراحل میں ہیں۔ ''بزم قندیل شعر و سخن'' جو کہ 2009ء سے قائم ہے جس کے تحت بیسیوں مشاعروں کے انعقاد کی توفیق ملی، نیز 2013ء سے تعلیم الاسلام اولڈ بوائز ایسوسی ایشن برطانیہ میں بطور سکریٹری تجنید، جنرل سکرٹری، المنار، اخبار احمدیہ برطانیہ کے ادارتی بورڈ میں شامل ہونے کی سعادت پا رہا ہوں۔

۞

حرفِ تعارف

(از محترم مولانا عطاء المجیب راشد صاحب - امام مسجد فضل لندن برطانیہ)



کالجوں کی شہرت عام طور پر اس علاقہ یا ملک تک محدود ہوتی ہے ۔جہاں وہ کالج واقع ہوتا ہے بہت کم ایسے کالج ہوتے ہیں ۔کہ ان کی شہرت دیگر ممالک میں بھی ہوتی ہے۔عالمگیر شہرت کا حامل ایک ایسا عظیم الشان کالج تعلیم الاسلام کالج ہے۔جو برّ صغیر میں جاری ہوا۔بعدازاں پاکستان میں قائم ہوا۔اس کالج کی شہرت اس پہلو سے عالمگیر ہے کہ اس درسگاہِ علمی سے فارغ التحصیل ہونے والے طلباء اور (طالبات) نے بھی دنیا کے مختلف ممالک میں پھیل جانے کے بعد نہ صرف اس عظیم درسگاہ کی نیک شہرت کو دوام بخشا بلکہ اس درسگاہ کے ماٹو ''علم و عمل'' کو سر بلند کرتے ہوئے اس مادرِ علمی سے سیکھے ہوئے علوم اور اعلیٰ اخلاق کو ساری دنیا میں پھیلاتے ہوئے اس درسگاہ کے نام کو روشن کیا۔اور یہ مبارک سلسلہ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو قیامت تک چلتا چلا جائے گا اور اس کالج کی نیک شہرت نہ ماند پڑے گی نہ فراموش کی جاسکے گی۔

اس وقت آپ کے ہاتھ میں اس عظیم درسگاہ کے حوالہ سے لکھی گئی ایک کتاب ہے۔چند سال قبل کی بات ہے کہ مکرم رانا عبدالرزاق خان صاحب میرے دفتر میں آئے اور تعلیم الاسلام کالج کے حوالہ سے بات شروع ہوئی تو میں نے ان سے ذکر کیا کہ اس عظیم کالج کا ذکر تو ہوتا رہتا ہے۔لیکن اس کے بارہ میں کوئی جامع کتاب ابھی تک منصۂ شہود پر نہیں آسکی۔آپ ہمت کریں تو آپ اپنے علمی ذوق کی وجہ سے یہ کام بخوبی کر سکتے ہیں۔میں ممنون ہوں جناب مکرم رانا عبدالرزاق خان

صاحب کا کہ انہوں نے میری اس تجویز کو یاد رکھا۔ اور کچھ ہی عرصہ بعد ایک تفصیلی دستاویز میرے سامنے لا کر مجھے حیران کر دیا۔ کتاب لکھنا کچھ آسان نہیں۔ لیکن مکرم رانا عبدالرزاق خان صاحب کچھ اس جذبہ اور شوق سے اس کام کے پیچھے لگے کہ لمبا عرصے کی محنت اور تحقیق کے نتیجہ میں ایک تفصیلی کتاب مرتب کر لی۔ جو اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے۔

مجھے اس کتاب کو مکمل طور پر بالاستعاب پڑھنے کا تو موقع نہیں مل سکا لیکن میں نے اس کے مندرجات کی فہرست دیکھی ہے اور اس سلسلہ میں مکرم رانا صاحب کو بعض مشورے بھی دیئے ہیں ۔ امید ہے کہ یہ مشورے فائدہ مند ثابت ہوئے ہونگے ۔ ایک عظیم درسگاہ کی تاریخ کو اور ایک لمبے عرصہ پر محیط واقعات اور حالات کو ایک جلد میں مرتب کرنا ہرگز آسان کام نہیں۔ مکرم رانا صاحب کی اس سلسلہ میں محنت یقیناً بہت قابل تعریف ہے۔ ہر کتاب میں مزید بہتری کی گنجائش تو ہمیشہ رہتی ہے۔ امید ہے کہ کتاب کے پہلے ایڈیشن کی اشاعت کے بعد دنیا بھر میں پھیلے ہوئے سابق طلباء تعلیم الاسلام کالج کے مشوروں اور مضامین سے کتاب کے اگلے ایڈیشن میں مزید نکھار اور جامعیت پیدا ہو جائے گی۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو اپنے فضل سے قبول فرمائے اور مصنفِ کتاب کو اس بے لوث محنت کی جزائے خیر عطا فرمائے۔ خدا کرے کہ اس عظیم مادرِ علمی کا علمی ورثہ اور فیض ساری دنیا میں پھیلتا چلا جائے۔ آمین۔

خاکسار

عطاالمجیب راشد۔لندن

۶ ستمبر ۲۰۱۷

مورّخ کا حق ادا کیا ہے!

(ازمحترم مولانا بشیر احمد رفیق صاحب مرحوم- سابق امام مسجد لندن)



تعلیم الاسلام کالج کے بارے میں جو مقالہ کتاب کی شکل میں مکرم رانا عبدالرزاق خان صاحب کر رہے ہیں اب تک جو انہوں مواد اکٹھا کیا ہے، اس کو پڑھ کر میں ان کی محنت اور شوق کی داد دینے پر مجبور ہوں۔انہوں نے اس کالج کی ابتدائی تاریخ کا بھی ذکر کیا ہے اور پھر پرانے صحابہ اساتذہ کا بھی ذکر کیا ہے۔1944ء سے اس کے دوبارہ قیام اور حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کی قیادت میں اس کی بے مثال ترقی کا بھی ذکر رہے۔پھر اس کالج کے ہونہار طلباء کا بھی ذکر ہے۔مشفق پروفیسران کا روّیہ اور ان کا شفقتِ پدری سے طلباء کو پڑھانا ان کی تربیت کرنا، ان کو اچھے اخلاق سکھانے کا بھی ذکر ہے۔کالج کے معیار، کھیلوں کے انعقاد، جلسہ ہائے تقسیم انعامات کا بھی ذکر کیا ہے اور کالج کی عظیم کاوش جو کہ دو اردو کانفرنس کرنے کی توفیق ملی۔سارے پاکستان سے علمی و ادبی اکابرین کی آمد، ان کے بیانات، تعریف وتوصیف کو بھی رقم کیا گیا ہے۔الفضل ربوہ، المنار کالج، اور باقی ساری دنیا سے جو المنار نکل رہے ہیں ان میں سے قیمتی اور معلوماتی مضامین کو یکجا کر کے مکرم رانا عبدالرزاق خان نے ایک مورّخ کا حق عطا کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔یہ کتاب اپنی تکمیل کے بعد ایک معقول دستاویز ہوگی جسے پڑھ کر قاری اس درخشندہ کالج کے مقام اور اہمیت کو بخوبی سمجھ سکے گا۔مکرم رانا صاحب عرصہ پانچ سال سے رسالہ بھی نکال رہے ہیں جس کا نام قندیل ادب ہے اور اخبارات میں کالم نگاری بھی کرتے ہیں نیز ماہنامہ اخبار احمدیہ لندن اور المنار لندن کے ادارتی بورڈ میں شامل ہیں۔اُمید ہے یہ اس کتاب کو مزید معلوماتی بنانے میں اپنی علمی اور ادبی استعدادوں کو کام میں لائیں گے۔میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کی تکمیل میں اُن کی مدد کرے۔آمین۔

والسلام — بشیر احمد رفیق۔لندن

خراجِ تحسین



(ازمحترم ڈاکٹر سر افتخار احمد ایاز صاحب ـ OBE, KBE)

یہ کتاب ”دانشکدہ عظیم“ جو کہ تعلیم الاسلام (اسکول) کالج قادیان، لاہور، ربوہ کی تاریخ پر مشتمل ہے ۔ اس پر مکرم رانا عبدالرزاق خان نے بڑی عرقریزی سے تاریخ احمدیت، ماہنامہ المنار ربوہ، المنار جرمنی، کنیڈا اور امریکہ کے جرائد سے مواد کو یکجا کرنے کی کوشش کی ہے ۔ چیدہ چیدہ واقعات کو نوٹ کرکے کالج کی تاریخ کو اکٹھا کرنے کی ایک بہترین کوشش ہے ۔ اس میں کالج و اسکول کی ابتدائی تاریخ، اس کا قیام، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس ادارے کے لئے دعا، خواہش اور مقاصد کا ذکر ہے ۔ 1944ء میں حضرت مصلح موعودؓ کے ہاتھوں اس کا دوبارہ قیام، اور نافلہ موعود (حضرت مرزا ناصر احمد صاحب) کے ہاتھوں اس کی آبیاری کا بھی ذکر موجود ہے۔ پرانے اصحاب اساتذہ کی خدمات، کردار، نام واحوال کا بھی کچھ ذکر ہے ۔ ساری دنیا میں پھیلے ہوئے اس کے طلباء کی یادوں کو یکجا کرکے اس دانشکدہ کے عظیم اساتذہ کی لگن اور اصل کارکردگی، روّیے، کردار، حسن سلوک، کھیلوں کے مقابلہ جات، ادبی سرگرمیوں کا مفصل ذکر کرکے کتاب کو بہت ہی دلچسپ اور معلوماتی بنادیا گیا ہے۔ آل پاکستان اردو کانفرنسز (دونوں) کا بھی ذکر ہے۔ کالج کو جو سارے پاکستان میں نمایاں کامیابیاں جس فیلڈ میں بھی ملیں ۔ کالج کے ہونہار طلباء کی کارکردگی کا ذکر موجود ہے بلکہ چیدہ چیدہ اوراہم واقعات کو اس میں سمیٹا گیا ہے۔ موصوف ایک درویش صفت اور منکسر المزاج انسان ہیں ۔ موصوف نے تعلیم الاسلام کالج کے ممتاز اساتذہ کے اُسوہ حسنہ کے عملی نظاروں سے مزّین

پاکیزہ ماحول میں تعلیم وتربیت پائی اور پھر مسلسل تنظیمی و جماعتی خدمات کی توفیق بھی پا رہے ہیں۔ بایں ہمہ اُن کی یہ تالیفِ لطیف ایک مبارک خدمت ہے۔ جو تاریخ احمدیت میں ہمیشہ یاد رہے گی۔ اس میں ایمان افروز اور رُوحوں کو سیراب کرنے والے واقعات کو مصنف کے اندازِ تحریر کی روانی اور دلچسپی نے چار چاند لگا دیئے ہیں۔ موصوف کالج کے ابتدائی ایام کا نقشہ کھینچتے ہیں تو انسان کچھ لمحات کے لئے ایامِ رفتہ میں چلا جاتا ہے۔ اور وہ شب وروز آنکھوں میں پھر جاتے ہیں۔ اُمید ہے آپ کی یہ کتاب جلد زیورِ طبع سے آراستہ ہوگی۔ انشاء اللہ۔ اس کتاب کے تصوّر سے ہی کالج کے زمانے کے اساتذہ کرام اور دوست احباب یاد آرہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کو جو قدرتِ قلم عطا ہوئی ہے۔ آپ کا ماہنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل اس کا شاہد ہے۔ جس کے چرچے عام ہیں۔ صرف کالج کے طلباء میں ہی نہیں بلکہ عوام وخواص میں بھی جن میں ادبی ذوق ہے۔ اور آپ کی ہر دلعزیز نظم ونثر کے شیدائی ہیں۔ آپ کی تحریر میں انفرادیت اور اپنی منفرد شخصیت کی چھاپ ہمیشہ نمایاں دکھائی دیتی ہے۔ جس میں کہ ایک امتیازی رنگ نمایاں ہوتا ہے۔ جو دل پر گہرے نقوش چھوڑتا ہے۔ آپ کا منظوم کلام بھی دل نشیں اور رُوح پر وجد کی سی کیفیت پیدا کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی کتاب اور آپ کا کلام پڑھنے والوں کو اس میں ڈوب کر اعلیٰ خیالات کے موتی تلاش کرنے کی توفیق دے۔ آپ کی تحریرات میں ڈوب کر اپنے اپنے ذوق اور استعداد کے مطابق حکمت وعرفان کی تلاش ہر پڑھنے والا کرتا رہے۔ اللہ کرے تمام پڑھنے والے اس منفرد لاثانی ادارے کی تاریخ کے علم سے رُوحانی نور حاصل کرسکیں۔ اور اس ادارے کی اقدار کو زندہ رکھنے اور پھیلانے والے ہوں۔ اللہ تعالیٰ مکرم رانا عبدالرزاق خان کو صحت وسلامتی والی لمبی زندگی عطا فرمائے تاکہ آپ کے دل سے نکلی علم وعرفان کی باتیں ہمیں ہمیشہ پڑھنے کو ملتی رہیں۔ آمین۔

افتخار احمد ایاز

سابق امیر جماعت ہائے احمدیہ برطانیہ

ایک عظیم کام



(از محترم مبارک احمد صدیقی صاحب-صدر TICOSA برطانیہ)

میری شناسائی مکرم رانا عبدالرزاق خان صاحب سے عرصہ دس سال سے ہے ۔یہیں لندن میں ملاقات ہوئی ۔ 1970ء میں تعلیم الاسلام کالج ربوہ سے ایف ۔ اے کرنے کے بعد پنجاب یونیورسٹی لاہور سے بی ۔اے کیا۔اب بھی مجلس انصاراللہ لندن میں خدمات بجالا رہے ہیں ۔علم وادب سے انہیں بہت پیار ہے ۔اخبارات میں کالم نگاری کے علاوہ مشاعرے بھی منعقد کرواتے رہتے ہیں۔اب تک بیسیوں مشاعرے کرا چکے ہیں۔میں جب 2014ء میں تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن یوکے کا صدر منتخب ہوا تو یہ سیکرٹری تجنید تھے۔اب جنرل سیکرٹری ہیں۔کام بہت دلجمعی سے کرتے ہیں۔کتاب ہذا بھی ان کی محنت اور شوق کا مرقّع ہے۔اس میں انہوں نے کالج کی تاریخ کو یکجا کرنے کی کوشش کی ہے۔کوئی بھی کام انسان سو فیصد مکمل تو نہیں کرسکتا مگر پھر بھی اگر اس کی تفصیل کے نشیب وفراز کو بالترتیب بیان کردیا جائے۔تو کتاب کا مقصد پورا ہوجاتا ہے۔میرے خیال میں مکرم رانا عبدالرزاق خان صاحب نے اس کتاب کو لکھ کر عظیم کام کیا ہے۔اس کتاب کا مطالعہ کرکے جماعت کے ابتدائی اکابرین کے کردار کا پتا چلتا ہے۔حضرت مصلح موعودؓ کے تعلیم سے متعلق مصمّم ارادوں کا علم ہوتا ہے۔اور نافلہ موعود حضرت مرزا ناصر احمد کی کاوشوں کا ادراک ہوتا ہے ۔پھر جماعت کی تعلیم کے متعلق منصوبہ بندی،اور اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔پھر اس کالج کے مقام کا پتا چلتا ہے۔اس کالج میں آنے والے وزراء اور اکابرین نے جلسہ تقسیم اسناد کے مواقع پر جو تبصرے کئے۔اور کمنٹس لکھے۔وہ اس عظیم کالج کے معیار کا پتا دیتے ہیں۔وہ بھی سب اس کتاب میں درج ہیں۔بہرحال مکرم رانا عبدالرزاق خان صاحب کی اس کاوش پر میں انہیں داد دیتا ہوں اور ان کی صحت کے لئے دعاگو ہوں۔ آمین۔

مبارک صدیقی

مکرم رانا عبدالرزاق صاحب نے یہ فرض پورا کرکے ہم پر احسان کیا ہے



(از محترم پروفیسر جناب چوہدری حمید احمد صاحب)

مکرم محترم مبارک صدیقی صاحب کے سربراہی میں تعلیم الاسلام اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بڑی خوبی کے ساتھ اور توقعات سے بڑھ کر ایسوسی ایشن کے قیام کا مقصد پورا کر رہی ہے۔ وہ اس لحاظ سے خوش قسمت ہیں کہ انہیں ایک فعال ٹیم کا تعاون حاصل ہے جس میں برادرم مکرم رانا عبد الرزاق جیسا لائق اور مستعد جنرل سیکرٹری شامل ہے۔ پیشتر یہ کہ بہت دیر ہو جائے تعلیم الاسلام کالج کی تاریخ مرتب کرنا ضروری تھا مگر مشکل امر معلوم ہوتا تھا۔ برادرم مکرم رانا عبدالرزاق صاحب نے یہ فرض پورا کر کے ہم پر احسان کیا ہے۔ وہ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس خدمت کا اجر عطاء فرمائے۔ آمین۔

یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضور کے فرزند ارجمند حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا احسان ہے کہ تعلیم الاسلام کالج قائم ہوا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب، حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ جیسا شفیق وجود پرنسپل بنا اور ہماری خوش قسمتی تھی کہ ہمیں اس عظیم درسگاہ سے منسلک ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ باوجود اس کے کہ اس کالج کے قیام کے پہلے ہی دس سالوں میں اسے دو دفعہ ہجرت کرنی پڑی مگر انہی ابتدائی سالوں میں یہ پاکستان کے بہترین تعلیمی اداروں میں شامل ہو گیا۔ یہ سب حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعاؤں اور حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی قیادت اور لیاقت کا مرہون منت ہے۔ یہ ان دعاؤں ہی کی برکت تھی کہ

ابتداء میں جب کہ جماعت کے مالی حالت کمزور تھی اللہ تعالیٰ نے جماعت کو ہندوستان کے قابل ترین فدائی جذبہ رکھنے والے ماہرین تعلیم عطا فرمائے جنہوں نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے آپ کو اس قومی خدمت کے لئے پیش کر دیا۔

تمام اساتذہ کی قربانیوں کا ذکر تو ایک مکمل کتاب چاہتا ہے۔ میں بطور نمونہ صرف ایک بزرگ پروفیسر کی فدائیت کا ذکر کر دیتا ہوں اور وہ ہمارے پروفیسر حبیب اللہ خان صاحب کا ہے جن کا تعلق ہندوستان کے ایک چوٹی کے سیاسی خاندان سے تھا۔ ان کے دو چچا علی برادرز کے ناموں سے جانے جاتے تھے یعنی مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی۔ پروفیسر حبیب اللہ خان صاحب کے والد محترم خاں صاحب ذوالفقار علی خان نے احمدیت قبول کر لی تھی اور سیاست میں نہیں آئے۔ پروفیسر حبیب اللہ خان صاحب علی گڑھ یونیورسٹی سے ایم ایس سی کیمسٹری کر کے ریاست حیدر آباد دکن کے عثمانیہ کالج میں پروفیسر لگ گئے تھے۔ یہ ادارہ ہندوستان کے بہترین اداروں میں شمار ہوتا تھا اور بعض لحاظ سے لاہور کے اپچی سن کالج المعروف چیفس کالج سے بھی بہتر تھا۔ انکی تنخواہ پانچ سو روپے شروع ہوئی تھی اور رہائش کے علاوہ اور بہت ساری سہولیات تھیں۔ وہ بتایا کرتے تھے کہ جب 1944ء میں کالج کھلا تو اُن کو حضرت مصلح موعودؓ کا ایک خط ملا کہ کالج کے لئے تمہاری ضرورت ہے۔ اس پر انہوں نے ملازمت سے استعفیٰ پیش کر دیا مگر ان کو بتایا گیا کہ استعفیٰ تب منظور ہوگا جب انکا بدل مل جائے گا۔ یہ عذر حضور نے منظور فرمالیا۔ تاہم جب موسمی تعطیلات ہوئیں تو وہ قادیان چلے گئے اور کالج کا کام شروع ہو گیا۔ تعطیلات کے بعد پھر واپس حیدر آباد چلے گئے کیونکہ ان کا بدل ابھی نہیں مل سکا تھا۔ آخر جب ان کو ریلیز کیا گیا تو ہندوستان کا بٹوارہ ہو چکا تھا اور اس وقت پاکستان آنا مشکل ہو گیا تھا۔ ادھر خان صاحب کو حضرت مصلح موعودؓ کا ارشاد تڑپا رہا تھا۔ وہ بتایا کرتے تھے کہ ان دنوں اللہ تعالیٰ نے یوں مدد فرمائی کہ وہاں ایک احمدی ملٹری کے کیپٹن تھے۔ میں نے ان سے مدد کی درخواست کی۔ کیپٹن صاحب نے کہا کہ میرا تو صرف یہ اختیار ہے کہ اپنے

ساتھ ذاتی بیرا لے کر جا سکتا ہوں۔ اگر آپ میرا بیرا ابن کا جانا چاہیں تو میں لے جاؤں گا۔ خان صاحب کہا کرتے تھے کہ مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی اس میں کوئی حجاب مانع نہیں ہوا۔ میں تو خلیفۃ المسیح کے حکم کی پابندی کرنا فرض سمجھتا تھا۔ یوں وہ فوج کا بیرا ابن کر پاکستان آئے اور خلیفۃ المسیح کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اگر میں غلطی نہیں کرتا تو ان کی تنخواہ اسی روپے مقرر ہوئی۔ ہم میں سے جنہوں نے انہیں کالج میں کام کرتے دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کس محنت اور لگن سے کام کرتے تھے۔ یہ انہی جیسے لوگوں کی محنت کا نتیجہ تھا کہ کالج بہت جلد پاکستان کے بہترین تعلیمی اداروں میں شامل ہونے لگا۔

یہ امر بھی باعث شکر ہے کے کالج کے فارغ التحصیل طلباء میں سے ایک کثیر تعداد نے اس مقصد کو پورا کیا اور کر رہے ہیں۔ جس کے لئے یہ قائم کیا گیا۔ اور وہ مقصد تھا خدمت دین اور خدمت انسانیت۔ اگر ہم اپنے روحانی باپ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ سے شروع کریں تو دیکھتے ہیں کہ کالج کے سابق طلباء کی بہت بڑی تعداد خدمت دین میں مصروف ہے۔ ناظر اعلیٰ صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب، وکیل اعلیٰ چوہدری حمید اللہ صاحب، امیر جماعت امریکہ صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا مغفور احمد صاحب، امیر کینیڈا مکرم لال خان صاحب، امیر جماعت کراچی مکرم مولود احمد خان صاحب، حضرت صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب، مکرم ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب، مکرم سمیع اللہ سیال صاحب، مکرم ڈاکٹر محمد شفیق سہگل صاحب، مکرم کمانڈر شمیم احمد صاحب، مکرم لئیق احمد عابد صاحب، مکرم مبارک مصلح الدین صاحب مرحوم (یہ فہرست بہت لمبی ہے) عملی تبلیغ کے میدان میں محترم مولانا فضل الٰہی انوری صاحب مرحوم، محترم بشیر احمد رفیق مرحوم، مکرم مولانا جمیل الرحمٰن رفیق، مکرم عطاء المجیب راشد صاحب، مکرم عطاء الکریم صاحب مرحوم، محترم چوہدری محمود احمد المعروف بی ٹی صاحب (یہ فہرست بھی بہت لمبی ہے) ملکی خدمت میں جن سابق طلباء کے نام میرے ذہن میں آ رہے ہیں۔ ان میں محترم محمد اسلام بھٹی ریٹائرڈ جج ہائی کورٹ، محترم ڈاکٹر عبد الکریم صاحب

سابق مشیر وزارت اقتصادیات، مکرم کنور ادریس صاحب چیف سیکرٹری حکومت سندھ، محترم طاہر عارف صاحب، محترم محمد داؤد طاہر صاحب، محترم چوہدری حمید نصر اللہ خاں صاحب مرحوم۔ محترم ڈاکٹر مظفر احمد صاحب، محترم محمود احمد لون صاحب، محترم ڈاکٹر نعیم احمد طاہر صاحب، محترم ڈاکٹر محمد ظفر اللہ صاحب، محترم ڈاکٹر محمد شریف خان صاحب، محترم بریگیڈیر محمد لطیف گجراتی صاحب، محترم کرنل ڈاکٹر محمد خیر البشر صاحب، محترم مبشر لطیف صاحب، محترم کرنل راجا محمد اسلم صاحب، محترم چوہدری عبدالرحمٰن صاحب، محترم مجیب الرحمٰن صاحب، محترم رانا محمد خان صاحب مرحوم کے علاوہ بے شمار نام میرے ذہن میں آ رہے ہیں۔ اور اگر میں صرف وہی نام لکھنے لگوں جن سے میرا ذاتی تعارف ہے یہ لسٹ ایک کتاب بن جائے گی۔ ممکن ہے کالج کی تاریخ کے مصنفین اس فہرست کو مکمل کر سکیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ محرم رانا عبدالرزاق صاحب کی اس قابل قدر کاوش کو قبول فرمائے۔ اور ہم سب کا فرض ہے کہ اس کالج کے بنانے والوں اور اس میں تعلیم و تربیت کرنے والوں کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔

حمید احمد

فرینکفرٹ۔ جرمنی



پڑھنے کے لائق کتاب

(ازمحترم پروفیسر آصف علی پرویز صاحب

سابق پروفیسر تعلیم الاسلام کالج ربوہ)

محترم رانا عبد الرزاق صاحب کی کتاب دانشکدہ عظیم کا مسودہ میری نظر سے گذرا۔ ارادہ تو یہ تھا کہ یونہی ایک سرسری نظر ڈال لوں گا۔ مگر جب میں نے کتاب کا مطالعہ شروع کیا تو پڑھتا ہی چلا گیا اس کتاب میں محترم رانا عبد الرزاق صاحب نے مختلف قسم کے مضامین کو جمع کیا ہے۔ مختلف احباب کرام نے اپنے اپنے انداز میں تعلیم الاسلام کالج اور اساتذہ کرام کے ساتھ جس محبت اور دلی تعلق کا اظہار کیا ہے وہ یقیناً اپنی مثال آپ ہے۔

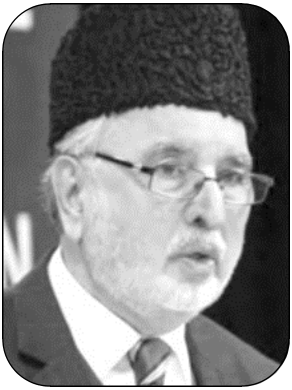
خاکسار کو چھ سال یعنی FSE سے MSE (1965ء سے 1971ء) یہاں تعلیم حاصل کرنے کا موقعہ ملا۔ اس کے بعد تقریباً چار سال بطور پروفیسر فزکس BSE اور M.SE کو پڑھانے کا موقعہ ملا۔ اس لحاظ سے خاکسار ان خوش قسمت افراد میں شامل ہے جس کی تعلیم کا محور صرف اور صرف تعلیم الاسلام کالج ہی ہے۔ تعلیم الاسلام کالج کے اساتذہ کرام نے نہ صرف خاکسار کو علم کی دولت سے مالا مال کیا بلکہ خاکسار کی تربیت میں بھی ایک نمایاں کردار ادا کیا۔ محترم رانا صاحب نے مختلف مضامین کو اکٹھا کر کے ان تمام اساتذہ کو نظروں کے سامنے لا کھڑا کیا ہے جن میں سے بعض اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو چکے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ، حضرت قاضی محمد اسلم صاحب، پروفیسر محمد علی صاحب، پروفیسر نصیر احمد خان صاحب، پروفیسر میاں عطاء الرحمٰن صاحب اور پروفیسر سلطان محمود شاہد صاحب وغیرہ شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام مرحومین کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین الھم آمین۔

اللہ تعالیٰ ان اساتذہ کرام کو بھی جو ابھی بقید حیات ہیں جن میں بالخصوص چوہدری حمید اللہ صاحب ، پروفیسر مرزا خورشید احمد صاحب ، پروفیسر ناصر احمد صاحب پرویز پروازی وغیرہ شامل ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں صحت والی طویل زندگی عطا فرمائے آمین۔ ان سب اساتذہ کا ذکر مختلف مضامین میں شامل ہے۔میں امید رکھتا ہوں کہ ہر وہ طالب علم جس نے تعلیم الاسلام کالج میں تعلیم حاصل کی ہے اس کتاب کو ایک قیمتی تحفہ سمجھتے ہوئے ضرور حاصل کرے گا۔اور میری خواہش ہے کہ دنیا میں پھیلی ہوئی احمدیہ جماعتیں اس کتاب کو اپنی لائبریریوں کی زینت بنائیں گی۔اللہ تعالی تمام مضامین لکھنے والوں کو جزائے خیر دے۔آمین۔اسی طرح محترم رانا عبدالرزاق صاحب کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے سخت محنت کر کے ان تمام مضامین کو جمع کیا جو یقیناً ایک قابل قدر کام ہے۔

آصف علی پرویز

سابق پروفیسر تعلیم الاسلام کالج (حال مقیم لندن)

محترم زرتشت منیر احمد خان صاحب

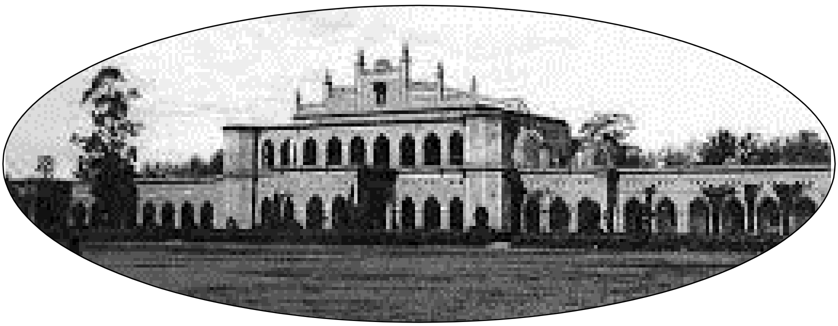


سابق امیر جماعت ہائے احمدیہ ناروے کے تاثرات

زندہ قومیں اپنی تاریخ کو یاد رکھتی ہیں اپنی اعلیٰ روایات کو یاد رکھتی ہیں۔ آنے والی نسلیں اپنے اسلاف کے عظیم اقدار پر فخر کرتی ہیں اور انہیں اپنے لئے مشعل راہ بنانے کی کوشش کرتی ہیں۔

مکرم و محترم رانا عبدالرزاق خاں صاحب نے بہت محنت کے ساتھ تعلیم الاسلام کالج کی تاریخ کو جمع کیا ہے اور پھر اُسے احسن رنگ میں ترتیب دیا ہے اللہ تعالیٰ اُنہیں اس شاندار کام پر جزائے عظیم سے نوازے آمین۔ تعلیم الاسلام کالج صرف مادر علمی ہی نہیں تھا بلکہ ایک ایسی ماں کی گود تھا جہاں سے نوجوان مثالی اور روحانی تربیت لے کر نکلتے تھے وہ ایسی درسگاہ تھی جہاں اعلیٰ اخلاق صرف سکھائے ہی نہیں جاتے تھے بلکہ انہیں عملی زندگی کا حصہ بنایا جاتا تھا۔ یہاں اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے کے علاوہ لباس اور گفتگو کے آداب بھی سکھائے جاتے تھے۔ پاکستان بھر میں بلکہ دنیا بھر میں یہ واحد درسگاہ تھی جہاں کے اساتذہ اپنے طالب علموں کا دینی دنیاوی کامیابیوں اور ترقیوں کے لئے خدا تعالیٰ کے حضور رو رو کر دعائیں کیا کرتے تھے۔ آج یہ عظیم کالج ظالم حکمرانوں کی متعصّبانہ پالسیوں کی وجہ سے تعلیمی اخلاقی اور روحانی لحاظ سے تباہی سے دوچار ہے۔ کاش طاقت کے نشہ میں مخمور فرعونی اربابِ اقتدار انصاف سے کام لیتے ہوئے ادارہ اُس کے اصل امین کو واپس لوٹا دیں۔ خدا کرے کہ وہ رونقیں اور پاکیزہ ماحول پھر لوٹ آئے۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ آمین۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے عہدِ مبارک کا تعلیم الاسلام اسکول قادیان



تعلیم الاسلام کالج کا اِفتتاح

بانی سلسلہ احمدیہ سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ”اسلامی روشنی ملک میں پھیلانے“ اور طوفان ضلالت سے اسلامی ذریت کو غیر مذاہب کے وساوس سے بچانے کے لئے 3/جنوری 1898ء میں مدرسہ تعلیم الاسلام کی بنیاد رکھی اور حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب رضی اللہ عنہ (عرفانی کبیر) مدیر الحکم اس کے ہیڈ ماسٹر مقرر کئے گئے۔ ابتداء میں یہ مدرسہ صرف پرائمری تک تھا مگر 5/مئی 1898ء سے مڈل کی جماعتیں بھی کھل گئیں اور فروری 1900ء میں نویں جماعت اور مارچ 1901ء میں دسویں جماعت کا اضافہ ہوا۔ 1902ء میں پہلی بار اس کے چار طلباء انٹرینس کے امتحان میں شامل ہوئے۔ بعد ازاں 1903ء اور 1904ء میں سات سات طلباء نے امتحان دیا۔ 1905ء میں شریک ہونے والوں کی تعداد دس تک پہنچی۔ (تاریخ احمدیت، جلد سوم صفحہ 3 تا 9)

یہی مدرسہ تعلیم الاسلام جس کا آغاز جنوری 1898ء کو پرائمری اسکول سے ہوا تھا، اس کے تین

سال بعد ترقی دے کر کالج بنا دیا گیا جو ''تعلیم الاسلام کالج'' کے نام سے موسوم ہوا۔

''تعلیم الاسلام کالج'' کا افتتاح 15 مئی 1903ء کو قرار پایا تھا مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ناسازیٔ طبع کے باعث 28 مئی 1903ء کی تاریخ مقرر کی گئی۔ یہ موجودہ دُنیا میں غالباً پہلا کالج تھا جس کی افتتاحی تقریب ہر قسم کی عرفی رسومات سے بالکل منزہ تھی۔ اس موقع پر اگر کالج کی طرف سے حکام کو دعوت دی جاتی تو وہ ضرور شریک ہوتے۔ مگر ایک ایسے مذہبی کالج کے افتتاح پر جس کے قیام کی واحد غرض اسلامی عظمت اور مذہبی تعلیم کی اشاعت ہے، حُکام کی شمولیت محض تکلّف سمجھی گئی چنانچہ نہ اس میں دعوت کے کارڈ جاری ہوئے نہ اس میں کسی پارٹی کا اہتمام کیا گیا بلکہ سیدھے سادے طریق پر محض دعا کیلئے ایک جلسہ کا انتظام کیا گیا۔

28 مئی 1903 کو صبح ساڑھے چھ بجے کے بعد احاطہ اسکول میں بورڈنگ ہاؤس اور اس کے درمیانی میدان میں ایک شامیانہ نصب کیا گیا۔ شامیانہ کے نیچے شمالی جانب ایک عارضی چبوترہ بنایا گیا جس پر اراکین مدرسہ اور دوسرے معززین کیلئے کرسیاں بچھائی گئیں اور جنوبی طرف ایک میز رکھی گئی۔ میز پر دائیں جانب قرآن کریم اور بائیں جانب کرۂ ارض (گلوب) رکھا تھا۔ میز کے سامنے طالبعلموں کی ورزش کیلئے ایک ستون قائم کیا گیا۔ جلسہ کی اصل غرض تو صرف یہ تھی کہ حضرت امام الزمان مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام قدم رنجہ فرما کر دعا کریں اور اپنی زبان فیض ترجمان سے ارشاد بھی فرمائیں اور اسی لئے پہلے ہی یہ جلسہ ملتوی کر دیا گیا تھا مگر افسوس اس روز بھی حضور خرابی صحت کی وجہ سے تشریف نہ لا سکے اور اپنی طرف سے حضرت مولوی عبد الکریم صاحبؓ کو اپنا پیغام دے کر بھجوایا۔ چنانچہ عین اس وقت جبکہ سب کی نظریں دروازے کی طرف اپنے محبوب آقا کے استقبال کیلئے لگی ہوئی تھیں، حضرت مولوی عبد الکریم صاحبؓ نے کھڑے ہو کر حضرت اقدسؑ کا پیغام سنایا۔ اور یہی پیغام جلسہ کی افتتاحی تقریر کہنا چاہیئے۔ انہوں نے فرمایا ''حضرت اقدسؑ نے مجھے ایک پیغام دے کر روانہ کیا ہے۔ میں نے خلیفۃ اللہ علیہ السلام کی خدمت میں تشریف آوری کے

واسطے عرض کی تھی آپ نے فرمایا کہ میں اِس وقت بیمار ہوں حتیٰ کہ چلنے سے بھی معذور ہوں لیکن وہاں حاضر ہونے سے بہت بہتر کام یہاں کرسکتا ہوں کہ اُدھر جس وقت افتتاح کا جلسہ ہوگا میں بیت الدّعا میں جا کر دُعا کروں گا۔ یہ کلمہ اور وعدہ حضرت خلیفۃ اللہ علیہ السلام کا بہت خوشکن اور اُمید دلانے والا ہے۔ اگر آپ خود تشریف لاتے تو بھی باعث برکت تھا اور اگر اب نہیں لائے تو دعا فرماویں گے اور یہ بھی خیر و برکت کا موجب ہوگی'' حضرت مولوی صاحبؓ اِس قدر تقریر فرما کر کُرسی پر بیٹھ گئے۔ پھر حضرت حکیم الامت مولوی نورالدین صاحبؓ کی صدارت میں جلسہ کی باضابطہ کارروائی شروع ہوئی۔

اوّل تعلیم الاسلام کالج کے ڈائریکٹر حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ نے مختصر سی تقریر فرمائی جس میں بتایا کہ اسکول نے جو فوق العادت ترقی کی ہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں کا نتیجہ ہے تاہم ظاہری اسباب کے لحاظ سے طلباء، اُن کے والدین اور دوسرے احباب کو اس کی مالی اعانت میں ضرور حصہ لینا چاہیئے۔ حضرت نواب صاحبؓ کے بعد حضرت حکیم الامُت نے نہایت لطیف اور باموقع اور برجستہ صدارتی خطاب فرمایا۔ چنانچہ آپ نے میز پر رکھے ہوئے قرآن مجید اور کرۂ ارض نیز سائبان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نصیحت فرمائی کہ تم کو اس قُرب الٰہی کے حاصل کرنے کی ضرورت ہے جس سے عرب کی نابود ہستی بود ہوکر نظر آئی وہ ذریعہ قرآن کریم ہے کہ جس سے اِس کُرہ پر اُن کو حکمرانی حاصل ہوئی تھی۔ مگر اس کے ساتھ ہی اصل جڑھ یہ تھی کہ فضلِ الٰہی کا سائبان بھی اُن پر تھا۔ کالج کی اصل غرض یہی ہے کہ دینی و دنیوی تربیت ہو مگر اوّل فضل کا سایہ ہو پھر کتاب پر دستور العمل ہو۔ اس کے بعد دیکھو کہ کیا کامیابی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو توفیق دے کہ فضلِ خدا کا سایہ تم پر ہو۔ اس کی کتاب دستور العمل ہو۔ کُرّہٗ زمین پر عزّت سے زندگی بسر کرو۔

حضرت حکیم الاُمّت کی اس تقریر کے بعد مولوی ابو یوسف مبارک علی صاحب اور مولوی

عبداللہ صاحب نے نظمیں پڑھیں۔ بعدازاں دعا پر یہ افتتاحی رسم ختم ہوئی۔ جلسہ کے بعد حضرت نواب محمد علی خان صاحب ؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں جلسہ کا میابی سے اختتام پذیر ہونے کی اطلاع دی تو حضور نے جواباً تحریر فرمایا کہ:

''رات سے مجھ کو دل کے مقام پر درد ہوتی تھی اس لئے حاضر نہیں ہوسکا۔ لیکن میں نے اسی حالت میں بیت الدّعا میں نماز میں اس کالج کیلئے بہت دُعا کی۔ غالباً آپ کا وہ وقت اور میری دعاؤں کا وقت ایک ہی ہوگا۔ خدا تعالیٰ قبول فرماوے۔''

کالج کا اسٹاف

1۔ حضرت مولوی شیر علی صاحب (پرنسپل و پروفیسر انگریزی) 2۔ حضرت مفتی محمد ؐ صادق صاحب (منیجر و پروفیسر منطق و سپرنٹنڈنٹ) 3۔ حضرت حکیم مولوی عبید اللہ صاحب بسملؔ (پروفیسر فارسی) 4۔ حضرت حکیم الاُمت مولوی نورالدین صاحب (پروفیسر دینیات) 5۔ حضرت مولوی عبد الکریم صاحب (پروفیسر ادب عربی) 6۔ مولوی محمد علی صاحب ایم اے۔ (پروفیسر ریاضی)

مؤخرالذکر تینوں اصحاب محض آنریری طور پر یہ خدمت سرانجام دیتے تھے۔ (کالج میں تاریخ کا مضمون بھی تھا مگر اس کے پروفیسر کون تھے اس کا علم نہیں ہوسکا)۔ کالج کے ڈائریکٹر: جیسا کہ اُوپر ذکر آچکا ہے حضرت نواب محمد علی خاں صاحب کالج کے ڈائریکٹر تھے جن کا قریباً سارا وقت کالج کے لئے وقف تھا۔ آپ اسکول کے علاوہ کالج کو بھی گرانقدر عطیہ دیتے تھے بلکہ کالج کی بہت سی ضروریات کے کفیل آپ ہی تھے۔

ابتدائی طلباء

کالج کے بعض ابتدائی طلباء کے نام یہ ہیں۔ (حافظ صوفی) غلام محمد صاحب (مبلغ ماریشس) ڈاکٹر غلام محمد صاحب (ایم بی بی ایس، لاہور) غیر مبائع شیخ عالم دین صاحب (بی اے ایل ایل بی شیخوپورہ۔ غیر مبائع) مولوی محمد الدین صاحب (حال صدر، صدر انجمن احمدیہ ربوہ) نے بھی چند روز

تک اِس ادارہ میں پرائیویٹ طور پر تعلیم حاصل کی۔

مقام: حضرت مولوی محمد الدین صاحب کی یادداشت کے مطابق درزی خانہ والا کمرہ کلاس رُوم تھا مگر اس کے علاوہ پرانے صحن مدرسہ کا مشرقی کمرہ بھی استعمال ہوتا رہا ہے۔

فیس

کالج میں کوئی فیس نہیں لی جاتی تھی۔ تعلیم الاسلام کالج، دو سال تک برابر کامیابی سے چلتا رہا۔ اس کے نتائج بھی عمدہ تھے مگر حکومت کے کالج یونیورسٹی کمیشن کی کڑی شرائط کے باعث اسے بند کر دینا پڑا۔ تاہم حضرت امام الزمان علیہ السلام کی دعائیں قریباً چالیس سال بعد پھر رنگ لائیں اور 1944 میں قادیان میں ہی اس کا دوبارہ اجراء عمل میں آیا۔

(ماخوذ از تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ 321۔324)

قارئین کرام! تعلیم الاسلام اسکول و کالج کی یہ مختصر تاریخ و کوائف ہیں۔ آیئے ان امور کی تفصیل پر نگاہ ڈالیں۔

مدرسہ کی پریشان کن مالی حالت

مدرسہ تعلیم الاسلام کی اقتصادی صورت حال اس درجہ پریشان کن اور تشویش انگیز تھی کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے بنفس نفیس اس کی طرف کئی دفعہ مخلصین جماعت کو ایک اشتہار بعنوان ''ایک ضروری امر اپنی جماعت کی توجہ کے لئے'' کے ذریعہ توجہ دلائی جس میں اپنے قلم مبارک سے حسب ذیل تحریک کی۔ ''علاوہ لنگر خانہ اور میگزین کے جو انگریزی اور اُردو میں نکلتا ہے جس کے لئے دوستوں نے سرگرمی ظاہر کی ہے ایک مدرسہ بھی قادیان میں کھولا گیا ہے۔ اس سے یہ فائدہ ہے کہ نوعمر بچے ایک طرف تو تعلیم پاتے ہیں اور دوسری طرف ہمارے سلسلہ کے اصولوں سے واقفیت حاصل کرتے جاتے ہیں اس طرح پر بہت آسانی سے ایک جماعت تیار ہو جاتی ہے بلکہ بسا اوقات

ان کے ماں باپ بھی اس سلسلہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔لیکن ان دنوں ہمارا یہ مدرسہ بڑی مشکلات میں پڑا ہے اور باوجود یکہ محبی عزیزی اخویم نواب محمد علی خان صاحب رئیس مالیر کوٹلہ اپنے پاس سے اسی 80 روپیہ ماہوار اس مدرسہ کی مدد کرتے ہیں مگر پھر بھی اُستادوں کی تنخواہیں ماہ بہ ماہ ادا نہیں ہو سکتیں۔صدہا روپیہ قرضہ سر پر رہتا ہے۔علاوہ اس کے مدرسہ کے متعلق کئی عمارتیں ضروری ہیں جو اب تک تیار نہیں ہو سکیں۔یہ غم علاوہ اور غموں کے میری جان کو کھا رہا ہے۔اس کی بابت میں نے بہت سوچا کہ کیا کروں۔آخر تدبیر میرے خیال میں آئی کہ مَیں اس وقت اپنی جماعت کے مخلصوں کو بڑے درد کے ساتھ اس بات کی طرف توجہ دلاؤں کہ وہ اگر اس بات پر قادر ہوں کہ پوری توجہ سے اس مدرسہ کے لئے بھی کوئی ماہانہ چندہ مقرر کریں تو چاہیئے کہ ہر ایک ان میں سے ایک مستحکم عہد کے ساتھ کچھ نہ کچھ مقرر کرے جس کے لئے وہ ہرگز تخلّف نہ کرے مگر کسی مجبوری سے جو قضاء وقدر سے واقع ہو۔اور جو صاحب ایسا نہ کر سکیں ان کے لئے بہ ضرورت یہ تجویز سوچی گئی ہے کہ جو کچھ لنگر خانہ کے لئے بھیجتے ہیں اس کا چہارم حصہ براہ راست مدرسہ کے لئے نواب صاحب موصوف کے نام بھیج دیں۔لنگر خانہ میں شامل کر کے ہرگز نہ بھیجیں بلکہ علیحدہ منی آرڈر کرا کر بھیجیں۔اگرچہ لنگر خانہ کا فکر ہر روز مجھے کرنا پڑتا ہے لیکن یہ غم بھی مجھ سے دیکھا نہیں جاتا۔اس لئے میں لکھتا ہوں کہ اس سلسلہ کے جوانمرد لوگ جن سے مَیں ہر طرح اُمید رکھتا ہوں کہ وہ میری اس التماس کو ردّی کی طرح نہ پھینک دیں اور پوری توجہ سے اس پر کاربند ہوں میں اپنے نفس سے کچھ نہیں کہتا بلکہ وہی کہتا ہوں جو خدا تعالیٰ میرے دل میں ڈالتا ہے۔مَیں نے خوب سوچا ہے اور بار بار مطالعہ کیا ہے۔میری دانست میں اگر یہ مدرسہ قادیان کا قائم رہ جائے تو بڑی برکات کا موجب ہوگا اور اس کے ذریعہ سے ایک فوج نئے تعلیم یافتوں کی ہماری طرف آ سکتی ہے۔“

بےنفس اور ایثار پیشہ اساتذہ

مدرسہ کے قدیم اساتذہ انتہائی بےنفس یکرنگ، ایثار پیشہ اور بہت مخلص بزرگ تھے جن کی فدا کاری کا یہ عالم تھا کہ وہ محض خدمت دین کی خاطر قادیان جیسی چھوٹی بستی میں آ گئے تھے اور اپنی مسلمہ قابلیتوں اور اعلیٰ صلاحیتوں کے باوجود قلیل تنخواہ پر بخوشی بسر اوقات کرتے اور حضرت مسیح موعود و مہدی موعود علیہ السلام کے قدموں میں رہنے اور اس قومی تربیت گاہ کی خدمت کرنے کو ایک فخر و سعادت سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:

''یہ مدرسہ محض دینی اغراض کی وجہ سے ہے اور صبر سے اس میں کام کرنے والے خدا تعالیٰ کی رحمت کے قریب ہوتے جاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ مدرسہ کے اساتذہ کو دیکھ کر گزشتہ صوفیاء اور اہل اللہ کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ یہ بزرگ سچ مچ آئندہ نسل کے لئے روشنی کے مینار تھے۔

خالص دینی ماحول میں پرورش پانے والے شاگرد

تعلیم الاسلام اسکول اُنیسویں صدی میں اپنی نوعیت کا واحد مدرسہ تھا جس کے اساتذہ ہی کو نہیں شاگردوں کو بھی امام الزماں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تاثیرات قدسیہ کے طفیل ایک بے مثال روحانی اور مذہبی فضا میسر آ گئی تھی اور وہ چھوٹی عمر ہی سے دین محمدیؐ کے رنگ میں رنگین ہوتے جا رہے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ نے اس درسگاہ کے پس منظر، اس کی خصوصیات اور اس کے نونہالوں کی قابلِ رشک دینی حالت کا نقشہ درج ذیل الفاظ میں کھینچا:

''ہم صحیح اور پختہ تجربہ اور سچے استقراء سے اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ ایک بھی مدرسہ ایسا نہیں جو قوم کے بچوں کو اس مبارک اُسوہ پر نشو نما دینے کا متکفل ہو جسے خاتم النبیین رحمۃ للعالمین (علیہ الصلوٰۃ السلام) نے قائم کیا اور جس کی اِتّباع کے بغیر اللہ تعالیٰ کے رضوان اور خوشنودی کا سرٹیفکیٹ نہیں مل سکتا۔ کل مدرسے اور کالج بلا استثناء مقصود بالذات دنیا کو رکھتے اور محض دنیا پرست قوموں

کے نقش قدم پر چلنے اور چلانے کو قومی ترقی سمجھتے ہیں۔ ان مدرسوں کے درو دیوار سے ان کے تربیت یافتوں کی زبانوں اور دلوں سے لگاتار آوازیں آتی اوروں کے دلوں کو دُکھاتی ہیں کہ دنیا سب چیزوں پر مقدم ہے۔

کیا ہم نے بھی قادیان میں لڑکوں کو وہی چند کتابیں مذہبی پڑھا دیں یا بیگانہ وار واعظوں کے روکھے پھیکے جملے ان کے سامنے پیش کئے۔ اگر ہماری قدرت کی رسائی اسی حد تک ہوتی تو ہم بھی ویسے ہی بیسود کام کرنے والے ہوتے۔ لیکن خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں خاص خصائص سے شرف امتیاز بخشا جن میں روئے زمین کے مسلمانوں میں سے کوئی طبقہ اور مشرب ہمارا شریک نہیں۔ سب سے بڑی اور قابل قدر تحریک جو ہم نے معصوم فطرۃ اور اثر پذیر بچوں کے آگے پیش کی وہ خدا تعالیٰ کے مقدس مسیح کا مبارک وجود ہے جو اپنے ایمان اور عمل سے ہو بہو وہی اُسوہ اور نمونہ ہے جس کے اتباع کے لئے قرآن کریم آیا۔ سوچنے والے سوچیں اور غیرت مند خوب فکر کریں کہ کس قدر خوش نصیب وہ والدین ہیں جن کے بچوں کی آنکھوں کو یہ شرف ملے کہ زندگی کے رنگا رنگ اور پر ابتلا نظارہ گاہ میں وا ہوتے ہی ان کے سامنے وہ مبارک اور فرخندہ چہرہ آجائے جو خدا تعالیٰ کی سچی خلافت اور بے عیب مورت ہے۔ ہمارے مدرسہ کے لڑکے خدا کے مسیح کو دیکھتے ہیں۔ آپ کی تقریروں کو سنتے ہیں۔ آپ کے پاک نمونہ کو مشاہدہ کرتے ہیں۔ اسی ایک امر کو اگر ہم بڑی تفصیل سے بیان کرنا چاہیں تو اس جملہ سے اس کا پورا حق ادا ہو جائے گا کہ خدا کے خلیفہ کو دیکھتے ہیں تو سبھی کچھ دیکھتے ہیں۔ دوسری بات اور لاشریک خصوصیت یہ ہے کہ ہم ہر روز باقاعدہ عصر کے بعد لڑکوں کو حضرت مولوی نور الدین صاحب کے درس قرآن مجید میں شامل ہونے کی عزت دیتے ہیں یہ بھی ایسی نعمت ہے کہ کوئی ملک اور شہر اس میں ہمارا شریک نہیں۔ ان سب باتوں اور نمونہ کا اثر اور نتیجہ ہے کہ مڈل اور انٹرس کے اکثر لڑکے دین کی پابندی اور اس سلسلہ حقہ احمدیہ کی نسبت سچی غیرت اور عصبیت رکھتے اور امید دلاتے ہیں کہ وہ دنیا کے لئے نیک نمونہ ہوں۔ میری فطرت ایسی بنائی گئی

ہے کہ میں بہت جلد کسی شخص کی طرف مائل اور کسی بات کا گرویدہ نہیں ہوتا۔ اگر میں صحیح تجربہ اور بصیرت سے لڑکوں میں آثار رشد وسعادت محسوس نہ کرتا تو میں قوم کو دھوکہ دینے کا مجرم ہوتا میں سچ سچ کہتا ہوں کہ بعض لڑکوں کی غیرت اور پابندی اور ان کا عاشقانہ آنکھوں سے حضرت خلیفۃ اللہ کے چہرۂ مبارک کو ساری نشست میں دیکھتے رہنا میرے لئے باعث رشک ہوتا ہے۔ وہ اپنے کھیلوں اور بچپنے کے دل لگی کے سامانوں سے الگ ہو کر سب سے پہلے مسجد میں حاضر ہونے کی کوشش کرتے ہیں اس لئے کہ صف اول میں جگہ لے کر خلیفۃ اللہ کے بہت قریب بیٹھ سکیں۔

قیام کالج کے لئے دلی تحریک

مدرسہ کے بچوں میں ان پاک تاثیرات کا پیدا ہو جانا ایک غیر معمولی اور مسرت انگیز اور اطمینان بخش بات تھی جس نے مدرسہ کے منتظم ''حجۃ اللہ'' حضرت نواب محمد علی خان صاحب (رئیس مالیر کوٹلہ) اور اس کے ہیڈ ماسٹر حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ اور ادارہ سے متعلق دوسرے بزرگوں کے دل میں ہائی اسکول کو کالج تک ترقی دینے کا پرزور خیال پیدا کر دیا اور بالآخر کالج جاری کئے جانے کا فیصلہ ہو گیا۔ جب یہ معاملہ حتمی طور پر طے پا گیا تو حضرت مولوی عبدالکریم صاحب نے (جو قبل ازیں مدرسہ کی انتظامیہ کمیٹی انجمن تعلیم الاسلام قادیان کے سیکرٹری بھی رہ چکے تھے) 4 فروری 1903ء کو ایک مفصل مضمون لکھا۔ حضرت مولوی صاحب نے اپنے اس مضمون میں (جسے تعلیم الاسلام کالج کی قدیم تاریخ کا پہلا ورق قرار دینا چاہیئے)۔ مدرسہ تعلیم الاسلام کے نونہالوں کی خالص اسلامی روحانی ماحول میں ہونے والی تربیت واصلاح کے عمدہ نتائج واثرات کا ذکر کیا اور پھر کالج کے پس منظر اور اس کے فوری تقاضوں پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرمایا:

''غرض لڑکوں کی اس خوشنما اور امید افزاء حالت کو دیکھ کر جو انٹرنس کی منزل میں پاؤں رکھنے کے ساتھ ان میں پیدا ہو گئی مدرسہ کے کارکنوں کے دل میں یہ خیال یا حوصلہ پیدا ہوا اور غور وفکر کے بعد ارادہ نے عزم کی صورت پکڑ لی کہ مدرسہ کو کالج بنایا جائے اس لئے کہ انٹرنس تک ابھی بہت خام

اور نا تمام عمر اور تجربہ ہوتا ہے اور اگر دو برس ایف اے کی تقریب سے اور اگر خدا چاہے تو دو برس اور بی اے کی تحریک سے اور ایک سال اور ایم اے کی وساطت سے ہمارے پاس رہ سکیں تو پھر خاصے عمر رسیدہ، تجربہ کار، قوی دل اشداء ہوکر یہاں سے نکلیں گے۔ سر دست تو کالج ایف ۔اے تک ہو گا اور اس میں بھی سارا دارو مدار توکل پر، ورنہ حق تو یہ تھا کہ آغاز ہی میں پورا کالج بنایا جاتا۔ ممکن ہے بعض لوگ اس کارروائی کو جلد بازی پر محمول کریں اور جوش سے کہہ دیں یا رائے دیں کہ ابھی وقت قلت سرمایہ کے سبب سے اس امر کا مقتضی نہیں کہ کالج جاری کیا جائے مگر رائے زنی میں وہ خود جلد باز اور غور نہ کرنے والے ٹھہریں گے اس لئے کہ انٹرنس تک محدود ہوکر رہنے میں مدرسہ کی وہ غرض پوری نہیں ہوتی یا آخر کار اس کے نابود ہو جانے کا اندیشہ ہے جو ہمیں اس کار خیر کی محرک ہوئی ہے۔ ابتدائی عمر کے جوش، فوری جوش اور ہنڈیا کے سے ہوتے ہیں۔ عمر کی لمبی رفتار میں اور دنیا کے ہر امتحان اور پرفتنہ نظاروں اور کاموں میں بسا اوقات ان میں سردی آ جاتی ہے اور ہر وقت امکان رہتا ہے کہ بالعوض بدتحریک اپنا کام کرے مگر کالج کی چکی سے نکل کر ایک عمدہ پختگی اور مضبوط بصیرت رفیق طریق ہو جاتی ہے اور یقین مربیوں کے دلوں میں بھر جاتا ہے کہ ان کے برسوں کے اندوختہ اور محنت پر کسی بدمعاش کا ہاتھ نہیں پڑ سکے گا۔ غرض یہ تو بالکل عین مصلحت اور طے شدہ بات ہے کہ کالج ہو جب ہمارا مقصود پورا ہوتا ہے اور کالج کی تجویز پختہ بھی ہو گئی اور امید ہے آئندہ مئی سے جاری بھی ہو جائے مگر خدا تعالیٰ کی توفیق سے قوم کا یہ کام ہے کہ اس نیک کام میں دل کھول کر شریک ہوں ۔کالج کھولنے سے ایک سال تک تو کوئی زائد خرچ نہیں پڑے گا۔ مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ ریاضی پڑھائیں گے اور وہ ریاضی میں مسلم ہیں ۔ ماسٹر شیر علی صاحب بی۔اے جو انگلش میں بالخصوص قابل ہیں انگریزی پڑھائیں گے۔ حضرت مولوی نور الدین صاحب با قاعدہ ایک گھنٹہ کالج میں دینیات کے معلم ہوں گے اور خاکسار راقم بھی ایک گھنٹہ با قاعدہ عربی کی تعلیم دے گا اور یہ تینوں معلم بلا کسی دنیوی، اُجرت کے کالج کو مدد دیں گے اور دوسرے سال صرف پچاس روپے

کا زیادہ بار ہوگا۔ اگر مدرسہ کی امداد میں وہی پہلا جوش ہوتا جو ایک عرصہ تک قائم رہا تو اتنی ہی امداد اور آمدنی ایف۔ اے تک کالج بنانے میں بھی کافی تھی۔ مگر افسوس بہت لوگوں نے بے توجہی کی اور ان کے جوشوں میں سردی پیدا ہوگئی۔ بہت سے شہر ہیں کہ ان سے کچھ بھی امداد اب تک مدرسہ کو نہیں پہنچی اور بعض ایسے ہیں کہ ان سے ناقابل اعتداء مدد ملتی ہے۔ سیالکوٹ اور لاہور دو شہر ہیں جنہوں نے اس کام میں پوری فیاضی سے حصہ لیا ہے اور ایک معقول رقم ماہ بماہ ان کی طرف سے مدرسہ کو ملتی ہے۔ مگر اکثر شہر بعض غلط فہمیوں یا ناعاقبت اندیشی کے سبب سے اس کی طرف سے پہلوتہی کئے بیٹھے ہیں اور وہ اس طرح روا رکھتے ہیں کہ مدرسہ کو خدانخواستہ کوئی صدمہ پہنچے اور اعدائے ملت کو شماتت کا عمدہ موقع ملے۔ ہر ایک شخص کو خوب ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ یہ مدرسہ حضرت کا مدرسہ ہے۔ اور ان کے حکم سے جاری کیا گیا ہے اور اس کی شکست کی زد آخر کار سوچ لینا چاہئے کس کی ہمت اور قصد پر پڑتی ہے... غرض سب سے اول اور بہت جلد مدرسہ کو جانکاہ فکر سے سبکدوش کریں اور کالج کے لئے عزم صمیم سے خط مستقیم پر قدم اُٹھائیں... اے الرحم الراحمین سمیع وبصیر مولیٰ! تو خود ان دردمندانہ فکروں کو پہلے قبول فرما اور پھر قوم کے دلوں میں انہیں جگہ دے کہ ساری توفیقیں تجھ ہی سے اور تیرے ساتھ ہیں۔''

کالج کے افتتاح کی نہایت سادہ مگر پُروقار دعائیہ تقریب

طے شدہ پروگرام کے مطابق کالج کا افتتاح 15 مئی 1903ء کو مقرر تھا مگر حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طبع مبارک علیل ہوگئی اور یہ مبارک تقریب 28 مئی 1903ء پر ملتوی کر دی گئی۔ اس روز (28 مئی 1903ء) ساڑھے چھ بجے کے بعد مدرسہ تعلیم الاسلام کے احاطہ اور بورڈنگ مدرسہ کے درمیانی میدان میں ایک شامیانے کے نیچے جلسہ کا انتظام کیا گیا جو حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ سپرنٹنڈنٹ مدرسہ وکالج کی زیرنگرانی مدرسہ کے اساتذہ اور طالبعلموں کی کوشش کا نتیجہ تھا۔ سٹیج کے لئے شمالی جانب ایک عارضی چبوترہ بنایا گیا جہاں ارکان مدرسہ اور

دوسرے بزرگوں کے لئے کرسیاں بچھائی گئیں تھیں۔جنوبی طرف ایک میز رکھی گئی تھی جس کے اوپر دائیں جانب قرآن کریم اور بائیں جانب کرہ ارض (گلوب Globe) رکھا گیا۔میز کے سامنے طالب علموں کی ورزش جسمانی کے لئے ایک ستون کھڑا تھا۔اس موقع پر نہ کوئی دعوتی کارڈ جاری کئے گئے نہ اس میں کسی پارٹی کا اہتمام کیا گیا کیونکہ اس جلسہ کی اصل غرض تو صرف یہ تھی کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام قدیم رنجہ فرما کر دعا فرمائیں اور اگر حضور مناسب سمجھیں تو کالج کے اساتذہ اور طلباء اور دوسرے حاضرین کو اپنے مقدس اور بابرکت ارشادات سے نوازیں اور حضرت اقدس اس جلسہ میں بڑی خوشی کے ساتھ شریک ہونے کے لئے تیار بھی تھے۔مگر رات کے وقت حضور کی طبیعت پھر ناساز ہوگئی۔ ہر ایک پروفیسر اور مدرس اور لڑکے کی آنکھ خدا کے محبوب اور برگزیدہ حضرت مسیح موعود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد پر لگی ہوئی تھی اس اثناء میں حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹیؓ نے آکر اطلاع دی کی ''حضرت اقدس نے مجھے ایک پیغام دے کر روانہ کیا اور وہ اس طرح سے ہے کہ میں نے حضرت خلیفۃ اللہ علیہ السلام کی خدمت میں تشریف آوری کے واسطے عرض کی تھی،آپ نے فرمایا:

''میں اس وقت بیمار ہوں حتیٰ کہ چلنے سے بھی معذور ہوں لیکن وہاں حاضر ہونے سے بہت بہتر کام یہاں کرسکتا ہوں کہ اِدھر جس وقت افتتاح کا جلسہ شروع ہوگا میں بیت الدعا میں جا کر دعا کروں گا''۔

یہ کلمہ اور وعدہ حضرت خلیفۃ اللہ علیہ السلام کا بہت خوش کُن اور اُمید دلانے والا ہے۔اگر آپ خود تشریف لاتے تو بھی باعث برکت تھا اور اگر اب نہیں لائے تو دعا فرماویں گے اور یہ بھی خیر و برکت کا موجب ہوگی۔حضرت مولوی عبدالکریم صاحب اسی قدر کلمات فرما کر کرسی پر بیٹھ گئے۔آپ کے بعد حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ رئیس مالیرکوٹلہ ڈائریکٹر تعلیم الاسلام کالج نے مختصر تقریر کی جس میں فرمایا:۔''اس کالج کی غرض کوئی عام طور پر یہ نہیں ہے کہ معمولی طور پر دنیاوی تعلیم ہو اور صرف معاش کا

ذریعہ اِسے سمجھا جاوے بلکہ اصل غرض یہ ہے کہ ایک عالم اس پاک سلسلہ کی تعلیم سے مستفیض ہو جو کہ خدا نے قائم کیا ہے۔ دینوی تعلیم کا اگر حصہ اس میں ہے تو اس لئے کہ مروّجہ علوم سے بھی واقفیت ہو جو کہ خدا نے قائم کیا ہے۔ جس سے خدا تعالیٰ کی معرفت میں مدد ملے ورنہ اصل غرض دین اور دین کی تعلیم ہی ہے اور ایک بڑی غرض یہ بھی ہے کہ اپنی احمدی جماعت کے کمسن بچے ابتداء سے دینی علوم سے واقف ہوں اور حضور مسیح موعودؑ کے فیضانِ صحبت سے فائدہ اٹھاویں اور بڑے ہو کر اس پاک چشمہ سے ایک عالم کو سیراب کریں جس سے وہ خود سیراب ہو چکے ہیں۔

یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ کالج کی موجودہ حالت سب احباب پر ظاہر ہے۔ اس کے کارکنوں نے جو آج تک کیا ہے وہ کسی انسانی طاقت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ سب کچھ محض خدا کے فضل سے ہی ہوا ہے... امید ہے جیسے کہ مولانا عبدالکریم صاحبؓ نے فرمایا ہے کہ حضرت اقدس نے دعاؤں کا وعدہ کیا ہے خدا کی ذات سے بڑی امید ہے کہ یہ کالج بہت جلد ایک یونیورسٹی ہو گا اور اس احمدی جماعت کے لئے ایک بڑا مفید دار العلوم ثابت ہو گا... یہ کالج خدا کے فضل سے چلے گا اور خدا کے صادق بندے مسیح موعودؑ کی دعاؤں سے نشوونما پائے گا۔"

(حاشیہ اخبار ''البدر'' 24 جون 1903 صفحہ 154 کالم 3)

اِس تقریر کے بعد حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ نے ایک نہایت ہی جلوہ افروز صدارتی خطاب کیا جس میں ارشاد فرمایا کہ ''تمام ترقیوں عزت اور حقیقی خوشی کی جڑ یہ کتاب ہے اور اسی کے ذریعہ سے ہم اس (کرہ ارض) پر حکمرانی کرتے ہیں اور اسی کے ذریعہ فضل الٰہی کا سایہ ہم پر پڑ سکتا ہے... بڑے بڑے لائق، چالاک اور پھرتی سے بات کرنے والوں کے ساتھ ناچیز کی حالت میں میرا مقابلہ ہوا ہے مگر اس قرآن کے ہتھیار سے جب میں نے اس سے بات کی ہے تو ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگ گئیں۔ میں تم کو ایک بچے کا قصہ سناتا ہوں کیونکہ تم بھی بچے ہو لیکن وہ عمر میں سب سے چھوٹا تھا۔ اس کا نام یوسفؑ ہے۔ جس وقت بھائیوں نے اسے باپ سے مانگا اور چاہا کہ

اُسے باپ سے الگ کر دیں اور جنگل میں جا کر ایک کنوئیں میں اُتار دیا نہ اُس وقت کوئی یار نہ آشنا نہ ماں اور نہ باپ، اگر ہوتے بھی تو اُسے وہ بات نہ بتلا سکتے جو خدا نے بتائی اور ان کو کیا علم تھا کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ مگر خدا کا سایہ اُس پر تھا۔ خدا نے اسے بتلایا **لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ** (سورہ یوسف 16) کہ اے یوسف دیکھ تجھے باپ سے الگ کیا، تیری زمین سے تجھے الگ کیا اور اندھیرے کنوئیں میں ڈالا مگر میں تیرے ساتھ ہوں گا اور اس علیحدگی کی تعبیر کو تو بھائیوں کے سامنے بیان کرے گا اور ان کو اس بات کا شعور نہیں ہے۔ دیکھ لو۔ یہ باتیں باپ نہیں کر سکتا نہ وعدے دے سکتا ہے کہ یوں ہوگا یا جاہ و جلال کے وقت یہ تندرستی بھی ہوگی۔ ایک باپ بچے سے پیار تو کر سکتا ہے مگر وہ اس کی آئندہ حالت کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ ان باتوں کو جمع کر کے دیکھو۔ اگر کوئی انسان تسلی دیتا تو بچہ کو پیار کرتا گلے میں ہاتھ ڈالتا اور اسے کہتا کہ ہم چیلنج دیویں گے مگر خدا کی ذات کیا رحیم ہے وہ فرماتا ہے **لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هٰذَا** وہ عروج دیویں گے کہ تو ان احمقوں کو بتلا دے گا۔'' (حاشیہ ''البدر'' 5 جون 1903ء صفحہ 154,155)

یہ مثال دینے کے بعد حضرت مولوی صاحبؓ نے فرمایا:

''یہ حقیقت ہے اِس سایہ کی جسے میں چاہتا ہوں تم پر ہو۔ علوم کی تحصیل آسان ہے مگر خدا کے فضل کے نیچے اُسے تحصیل کرنا یہ مشکل ہے۔ کالج کی اصل غرض یہ ہے کہ دینی اور دنیوی تربیت ہو۔ مگر اوّل فضل کا سایہ ہو پھر کتاب پھر دستور العمل ہو۔ اس کے بعد دیکھو کہ کیا کامیابی ہوتی ہے۔ فضل الٰہی کے لئے بہت پہلی بشارت پیارے عبدالکریمؓ نے دی ہے۔ وہ کیا ہے۔ حضرت صاحب کی دعائیں ہیں۔ میں اِن دعاؤں کو کیا سمجھتا ہوں۔ یہ بہت بڑی بات ہے اور یقینا تمہارے اِدراک سے بالاتر ہوگی مگر میں کچھ بتلاتا ہوں۔

مخالفتوں سے انسان ناکامیاب ہوتا ہے۔ گھبراتا ہے۔ ایک لڑکا ماسٹر کی مخالفت کرے تو اُسے مدرسہ چھوڑنا پڑتا ہے۔ جس قدر مہتمم مدرسہ کے ہیں اگر وہ سب مخالفت میں آویں تو زندگی بسر کرنی

مشکل ہو۔اگرچہ افسر بھی لڑکوں کے محتاج ہیں مگر ایک ذرہ سے نقطہ سے اُسے بورڈنگ میں رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔اب اِس پر اندازہ کرو کہ ایک کی مخالفت انسان کو کیسے مشکلات میں ڈالتی ہے لیکن ہمارے امام کی ساری برادری مخالف ہے۔رات دن یہی تاک ہے کہ اُسے دکھ پہنچے پھر گاؤں والے مخالف ،سنی مخالف ،آریہ مخالف،مشنری مخالف، دہریوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا مگر وہ بھی مخالف اور نہایت خطرناک دشمن اس سلسلہ کے ہیں ۔ان تمام مشکلات کے مقابلہ میں دیکھو وہ(حضرت مرزا صاحب) کیسے کامیاب ہیں ۔یہاں ہمارا رہنا تمہارا رہنا سب اسی کے نظارے ہیں کہ باوجود اِس قدر مخالفت کے پھر پروانہ وار اُس پر گرتے ہیں۔اِس کا باعث یہی ہے کہ وہ کتاب اللہ کا سچا حامی ہے اور رات دن دعاؤں میں لگا ہوا ہے۔اِس لڑکے سے بڑھ کر خوش قسمت نہیں جس کے لئے یہ دعائیں ہوں۔مگر اِن باتوں کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کی آنکھ بینا اور کان شنوا ہوں۔لتنبئنهم بامرهم هذا کی صدا یوسفؑ کے کان میں پڑی۔اس سے سوچو کہ خدا کا فضل ساتھ ہوتا ہے تو کوئی دشمن ایذا نہیں پہنچا سکتا۔کس طرح کے جاہ جلال اور بحالی یوسفؑ کو ملی اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ ان بھائیوں کو آخر کہنا پڑا انا کنا خاطئین۔اس کا جواب یوسفؑ نے دیا۔لا تثریب علیکم الیوم ویغفر اللہ لکم۔یہ سب دیکھ اللہ پر یقین کا نتیجہ۔تم بھی اللہ پر کامل یقین کرو اور ان دعاؤں کے ذریعے جو کہ دنیا کی مخالفت میں سپر ہیں فضل چاہو۔کتاب اللہ کو دستور العمل بناؤ تا کہ تم کو عزت حاصل ہو۔باتوں سے نہیں بلکہ کاموں سے اپنے آپ کو اس کتاب کے تابع ثابت کرو۔ہنسی،تمسخر،ٹھٹھا،ایذا،گالی یہ سب اس کتاب کی تعلیم کے خلاف ہے۔جھوٹ سے،لعنت سے،تکلیف اور ایذا دینے سے ممانعت اور لغو سے بچنا اس کتاب کا ارشاد ہے۔صوم اور صلوۃ اور ذکر شغل الٰہی کی پابندی اس کا اصول ہے۔حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ اس اثر انگیز تقریر کے بعد کرسی صدارت پر تشریف فرما ہوئے اور پھر مولوی ابو یوسف مبارک علی صاحب سیالکوٹی اور مولوی عبد اللہ صاحب (کشمیری) نے افتتاح کالج کی نسبت اپنی

اپنی فارسی نظمیں پڑھیں۔ازاں بعد حضرت نواب محمد علی کان صاحبؓ نے کھڑے ہوکر فرمایا کہ خدا کے فضل و احسان سے افتتاح کالج کی رسم ادا ہو چکی ۔اِس کے بعد دعا کی گئی اور جلسہ برخاست ہوا۔حضرت نواب محمد علی خانؓ کی طرف سے حضرت مسیح موعود کی خدمت میں درخواست دعا۔ تقریب افتتاح بخیر وخوبی ختم ہوگئی تو حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حضور حسب ذیل عریضہ لکھا:۔

''سیدی ومولائی طبیب روحانی سلکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مولانا عبدالکریم صاحبؓ کی زبانی معلوم ہوا کہ حضور کی طبیعت نصیب اعداء علیل ہے۔اس لئے حضور تشریف نہیں لا سکتے گو کہ اس سے ایک گونہ افسوس ہوا مگر وہ کلمات جو مولانا موصوف نے نیا بتاً فرمائے۔ان سے روح تازہ ہوگئی اور خداوند تعالیٰ کے فضل اور حضور کی دعاؤں کے بھروسہ پر کارروائی شروع کی گئی۔جلسہ نہایت کامیابی سے تمام ہوا اور کالج کی رسم افتتاح ہوگئی۔اطلاعاً گزارش ہے۔خداوند تعالیٰ حضور کو صحت عطا فرمائے۔حضور نے دعا فرمائی ہوگی اب بھی استدعائے دعا ہے۔

راقم محمد علی خان''

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے جواب

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس درخواست کے جواب میں اپنے قلم سے تحریر فرمایا کہ:

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

عزیزی اخویم نواب صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

رات سے مجھ کو دل کے مقام پر درد ہوتی تھی۔ اس لئے حاضر نہیں ہو سکا۔ لیکن میں نے اسی حالت میں بیت الدعا میں نماز میں اس کالج کے لئے بہت دعا کی۔ غالباً آپ کا وہ وقت اور میرے دعاؤں کا وقت ایک ہی ہوگا۔ خدا تعالیٰ قبول فرماوے۔ آمین ثم آمین۔ والسلام

خاکسار

مرزا غلام احمد عفی عنہ

تعلیم الاسلام کالج کے ابتدائی کوائف

تعلیم الاسلام کالج عہد حاضر میں اپنی طرز کا پہلا کالج۔ جہاں دنیوی اور رسمی علوم مروجہ کے ساتھ دینیات کی تعلیم کا معقول انتظام تھا اور اس کی خاص نگرانی کی جاتی تھی اس کالج کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس کے طلباء امام الزمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پاک اور خدا نما مجلس سے مستفیض ہوتے۔ بزرگ صحابہ کی زیر تربیت اپنے اوقات گزارتے اور مرکز احمدیت کی برکتوں سے حصہ وافر لیتے تھے۔ کالج کے ڈائریکٹر حضرت نواب محمد علی خانؓ پرنسپل حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ اور سپرنٹنڈنٹ حضرت مفتی محمد صادق صاحب بھیرویؓ تھے کالج کے اولین اساتذہ چار تھے:

1 حضرت مولوی حکیم نور الدین صاحب بھیرویؓ (دینیات)

2 حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹیؓ (عربی)

3 حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ بی۔اے (انگریزی)

4 جناب مولوی محمد علی صاحب بی۔اے۔ایل ایل بی (ریاضی)

کالج کے لازمی نصاب میں دینیات، عربی، انگریزی اور ریاضی کے علاوہ فارسی اور تاریخ کے مضمون بھی شامل تھے۔ جو حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ اور بعض دوسرے بزرگ پڑھاتے تھے۔

طلباء کالج کے اخراجات کا پیچیدہ مسئلہ

جماعت احمدیہ ان دنوں بالکل ابتدائی مراحل میں سے گزر رہی تھی۔ اس دور میں مدرسہ تعلیم الاسلام کے اساتذہ کی تنخواہیں بھی بمشکل پوری ہوسکتی تھیں۔ اب جو مدرسہ کے ساتھ کالج کا اضافہ ہوا تو اس کے ارباب حل وعقد کو کالج کے طلباء کے اخراجات کی فکر بھی دامنگیر ہوگئی۔

چنانچہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے ہر شہر کی احمدی جماعتوں کو باہم مل جل کر مدرسہ اور کالج کے طلباء کے لئے تین یا پانچ روپے کے ''وظائف مساکین'' مقرر کر لینے کی اپیل کی اور اس تعلق میں آپ نے تین بزرگوں کی فیاضانہ امداد کا تذکرہ خاص بھی کیا چنانچہ فرمایا:

''اس جگہ مجھے تین بزرگوں کا شکریہ کے ساتھ ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ایک تو استاذی اعظم مولانا مولوی نورالدین صاحب جو کئی طلباء کو وقتاً فوقتاً ماہواری اور یک مشت مدد دیا کرتے ہیں۔ دوئم مخدومی نواب محمد علی خان صاحب جو اپنی جیب خاص سے مدرسہ کے چار طلباء کو ماہواری معقول وظیفہ دیتے ہیں اور تیسرے مکرم ومخدوم نواب فتح نواز جنگ مولوی مہدی حسن بیرا سٹریٹ لکھنو جنہوں نے کالج کے واسطے ایک مستقل وظیفہ ماہوار کا مقرر کر دیا ہے۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔''

کالج میں داخل طلباء کی ناداری اور تنگدستی کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ جب ایف۔اے کے امتحان میں داخلہ بھجوانے کا موقع آیا تو چار طلباء میں سے دو طالب علم داخلہ امتحان

کی (20 روپے) فیس تک ادا کرنے سے قاصر تھے جس پر اخبار الحکم اور البدر دونوں کو چندہ کی تحریک کرنا پڑی۔

کالج کے امید افزاء نتائج

اگرچہ کالج کے لئے یہ پہلا موقع تھا کہ اس کے طلباء پنجاب یونیورسٹی کے امتحان میں شریک ہوئے۔مگر جناب الٰہی کی یہ خاص عنایت ہوئی کہ جہاں یونیورسٹی کا نتیجہ قریباً اڑتیس فیصد تھا وہاں تعلیم الاسلام کالج کے نتائج کی اوسط پچھتر فیصد رہی یعنی چار طلباء میں سے تین ایف میں کامیاب قرار پائے۔کالج کے اس امید افزاء نتیجہ پر رسالہ ''ریویو آف ریلجنز'' (اردو) نے حسب ذیل نوٹ شائع کیا:۔ ''دوسال گزر چکے ہیں جب اس کالج کی بنیاد پہلے رکھی گئی تھی اور ابھی تک پبلک کو اس کی تعلیمی حالت کا صحیح اندازہ لگانے کا موقع نہ ملا تھا مگر 1905ء کے امتحان یونیورسٹی نے یہ ثابت کر دیا کہ علاوہ دینی تعلیم اور تعلیم قرآن شریف کے جو اس کالج کے خاص اغراض میں سے ہیں یہاں کی معمولی تعلیم بھی اعلیٰ درجہ کی ہے اور کالج کا سٹاف خصوصاً قابل تعریف ہے۔اس سال اس کالج سے چار طالب علم امتحان ایف۔اے میں شامل ہوئے تھے جن میں سے تین کامیاب ہوئے جہاں عام طور پر ایف۔اے کے امتحان میں 38 فیصد طالب علم پاس ہوئے ہیں اور بڑے بڑے مشہور کالجوں میں بھی نصف کے قریب قریب ہی تعداد پاس شدگان کی ہے۔ہمارے کالج کا نتیجہ 75 فیصدی کامیاب بتاتا ہے۔.زمانہ کی زہرناک ہواؤں کے اثر سے بچنے کے لئے یہ جگہ خدا کے فضل سے نہایت عمدہ ہے۔

یونیورسٹی ایکٹ کا نفاذ اور کالج کی بندش

تعلیم الاسلام کالج کی نئی فرسٹ ایر کلاس 15 مئی 1905ء کو کھول دی گئی مگر لارڈ کرزن وائسرائے ہند کی طرف سے یونیورسٹی ایکٹ نافذ کر دیا گیا جس کی رو سے حکومت کی یونیورسٹیوں

کے معاملات میں مداخلت کے وسیع اختیارات مل گئے نیز یہ پابندی عائد کر دی گئی کہ آئندہ کالجوں کے الحاق کی منظوری کالجوں کے مستحکم مالی حیثیت، ٹرینڈ سٹاف اور مستقل عمارت ہونے کی صورت میں ہی دی جا سکے گی۔ان شرائط کی موجودگی میں ایک غریب جماعت کے لئے کسی کالج کا جاری رکھنا نہایت دشوار تھا۔لہٰذا اسے بند کر دینا پڑا۔مگر جیسا کہ آئندہ حالات نے بتا دیا دراصل خدائے علیم وخبیر نے اپنی حکمت کاملہ اس جماعتی اور قومی ضرورت کی تکمیل حسن واحسان میں حضرت مسیح موعود ومہدی معہود کے مثیل ونظیر کے ساتھ وابستہ کر دی تھی اس لئے خلافت ثانیہ کے عہد میں یہ کام نہایت شان وشوکت کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچا۔

دورِ حضرت مصلح موعودؓ میں کالج کا ازسرنو قیام اور دوبارہ افتتاح

تعلیم الاسلام کالج کا ازسرنو قیام

حضرت مصلح موعودؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عہد مبارک جماعت احمدیہ کی تاریخ میں ایک عہد آفریں اور تاریخی دور ہے۔آپ کی بابرکت قیادت میں جماعت احمدیہ کا ننھا سا پودہ مضبوط و مستحکم بنیادوں پر کھڑا ہو گیا۔ جماعتی زندگی کے ہر شعبہ میں زندگی کی نئی رمق پہلے سے بڑھ کر نظر آتی ہے۔ تعلیم الاسلام اسکول و کالج کی اہمیت کے پیش نظر حضرت مصلح موعودؓ نے ان کی طرف خصوصی توجہ فرمائی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اپنے خلیفہ منتخب ہونے کے چند ہفتے بعد 12 اپریل 1914ء کو قادیان میں نمائندگان جماعت کا جو سب سے پہلا مشاورتی اجلاس بلوایا۔اس میں اپنی اس دلی آرزو کا بھی اظہار فرمایا کہ:

''اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ ہمارا اپنا ایک کالج ہو۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی بھی یہ خواہش تھی۔کالج کے دنوں میں کریکٹر بنتا ہے۔اسکول لائف میں تو چال چلن کا ایک خاکہ کھینچا جاتا ہے۔اس پر دوبارہ سیاہی کالج لائف ہی میں ہوتی ہے۔پس ضرورت ہے کہ ہم اپنے نوجوانوں کی زندگیوں کو مفید اور موثر بنانے کے لئے اپنا ایک کالج بنائیں۔پس تم اس بات کو مدنظر رکھو میں بھی غور کر رہا ہوں۔''

اس عزم بالجزم کے بعد ربع صدی سے زائد عرصہ گزر گیا۔مگر قیام کالج کے لئے حالات سازگار نہ ہو سکے۔اپریل 1943ء مجلس مشاورت کا انعقاد ہوا جس میں جماعت احمدیہ ایمن آباد ضلع گوجرانوالہ کے نمائندہ ملک مبارک احمد خان صاحب ایمن آبادیؓ نے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح

الثانیؓ کی خدمت میں بجٹ پر عام بحث کے دوران یہ عرض کی کہ قادیان میں ایف۔اے کلاس کھول دی جائے تو بہت بہتر ہو۔ یہ کالج جامعہ احمدیہ کی ایک شاخ کے طور پر کھولا جائے۔ کیونکہ ضلع گورداسپور میں کوئی کالج نہیں اس لئے بہت مفید ثابت ہوگا۔اس مخلصانہ تحریک کو اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت بخشا اور حضور کے دل میں یکا یک القاء ہوا کہ وقت آ گیا ہے کہ قادیان میں کالج جلد سے جلد کھول دیا جائے۔ چنانچہ حضورؓ نے 26 مئی 1944ء کوفرمایا:

''خدا تعالیٰ کی حکمت ہے ایک لمبے عرصہ تک میری اس طرف توجہ ہی نہیں ہوئی کہ قادیان میں ہمارا کالج ہونا چاہئے ۔ بلکہ ایسا ہوا کہ بعض لوگوں نے کالج کے قیام کے متعلق کوشش بھی کی تو میں نے انہیں کہا کہ ابھی اس کی ضرورت نہیں ۔ کالج پر بہت روپیہ خرچ ہوگا۔لیکن پچھلے سال شوریٰ کے موقع پر بجٹ کے بعد یکدم جب بعض دوسرے لوگوں نے تحریک کی تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ تحریک پیدا کر دی کہ واقعہ میں قادیان میں جلد سے جلد ہمیں اپنا کالج کھول دینا چاہئے حالانکہ اس وقت تک نہ صرف اس تحریک کا میرے دل میں کوئی خیال نہیں تھا بلکہ جب بھی کسی نے ایسی تحریک کی میں نے اس کی مخالفت کی۔لیکن اس وقت یکدم خدا تعالیٰ نے میرے دل میں اس خیال کی تائید پیدا کر دی اور نہ صرف تحریک پیدا کی بلکہ بعد میں اس تحریک کے فوائد اور نتائج بھی سمجھا دیئے۔''

چنانچہ حضرت امیر المومنین نے مجلس مشاورت کے چند دن بعد جب بجٹ کی مخصوص سب کمیٹی کے اجلاس میں قیام کالج کی تحریک فرمائی تو خدا تعالیٰ نے اپنے مقدس اور برگزیدہ خلیفہ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے سرسری اور مختصر الفاظ کو غیر معمولی قبولیت بخشی اور اجلاس میں حاضر چند گنتی کے اصحاب ہی نے کئی ہزار روپیہ نقد پیش کر دیا۔

کالج کمیٹی کا تقرر

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس عمومی تحریک کے معاً بعد پہلا قدم یہ اٹھایا کہ قیام کالج کے منصوبہ کو جلد سے جلد پایہ تکمیل تک پہنچانے اور اس کو جاری کرنے کے انتظامات کی انجام دہی کے لئے ایک کمیٹی مقرر فرمائی اور حسب ذیل اصحاب کو اس کا ممبر تجویز فرمایا:

1۔قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے صدر

2۔حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایم۔اے

3۔حضرت مولوی محمد دین صاحب بی۔اے

4۔قاضی محمد اسلم صاحب ایم۔اے

5۔ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے سیکرٹری

حکومت پنجاب سے منظوری

کالج کمیٹی کی تشکیل کے معاً بعد قیام کالج کے لئے حکومت سے اجازت لینے کا مرحلہ شروع ہوا۔اس سلسلہ میں ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے سکرٹری کالج کمیٹی کو ارشاد ہوا کہ وہ لاہور جا کر کوشش کریں اگر ممکن ہو تو یونیورسٹی کے 1943ء (1323ہش) کے تعلیمی سال (SESSION) شروع ہوتے ہی احمدیہ کالج کے اجراء کی اجازت مل جائے۔لیکن وقت بہت تنگ تھا اور حکومت سے منظوری بہت سے مراحل طے کرنے کے بعد ہی حاصل ہو سکتی تھی۔اس لئے اس سال تو کالج کا قیام عمل میں نہ آ سکا تاہم اگلے سال 22 صلح جنوری 1323ہش 1944ء کو پنجاب یونیورسٹی کا ایک کمیشن موقع پر حالات کے معائنہ کے لئے قادیان پہنچا جس نے تعلیم الاسلام ہائی اسکول کی عالیشان عمارت اور وسیع اراضیات دیکھ کر یونیورسٹی میں کالج کی منظوری دیئے جانے کی سفارش کر دی۔یونیورسٹی نے مطالبہ کیا کہ 45000 روپے نقد مجوزہ احمدیہ کالج کے نام پر کسی بینک میں جمع کیا

جائے۔ جماعت احمدیہ نے یہ مطالبہ پورا کردیا تو پنجاب یونیورسٹی کی سنڈیکیٹ (SYNDICATE) نے 11 فروری 1944ء کے اجلاس میں یونیورسٹی کی سینیٹ Senate نے اپنے اجلاس منعقدہ 25 مارچ 1944ء (25 امان 1323 ہش) میں مطلوبہ منظوری دے کر آخری منظوری کے لئے حکومت کے پاس سفارش کردی اور 2 جون 1944ء کو یونیورسٹی کی طرف سے بذریعہ تار اطلاع موصول ہوئی کہ حکومت نے کالج کے اجراء کی منظوری دے دی ہے۔

قیام کالج کے اخراجات کا تخمینہ اور ابتدائی انتظامات

کالج کمیٹی نے پنجاب یونیورسٹی کی انتظامیہ کی طرف سے احمدیہ کالج کی منظوری کی اطلاع ملتے ہی ایک طرف ''الفضل'' (5 امان 1323 ہش) میں اس کا اعلان کردیا دوسری طرف سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کے حضور کالج کا نام ''تعلیم الاسلام'' تجویز کیا اور فیصلہ فرمایا کہ یہ کالج تعلیم الاسلام ہائی اسکول کی عمارت میں کھولا جائے اور اس میں نویں دسویں جماعت کے ساتھ ہوسٹل کا قیام بھی ضروری تھا۔ اس غرض کے لئے تعلیم الاسلام اسکول کے وسیع بورڈنگ ہاؤس اور جامعہ احمدیہ کی عمارت تجویز کی گئی۔ کالج کے سٹاف کی بابت یہ اصولی فیصلہ ہوا کہ کچھ عملہ تعلیم الاسلام اسکول سے لیا جائے اور کچھ باہر سے مہیا کیا جائے۔

حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے اخراجات کالج کی تحریک اور مخلصین جماعت کی قربانی

کالج کی ابتدائی انتظامات کے لئے جو رقم کالج کمیٹی کو دی گئی تھی قرض تھا جس کی جلد ادائیگی ضروری تھی اس لئے حضرت اقدس المصلح الموعودؓ نے 24 مارچ 1944ء کو خطبہ جمعہ میں اور 9 اپریل کو مجلس مشاورت کے دوران ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی پرزور تحریک فرمائی اور اس کالج کی افادیت و اہمیت پر نہایت موثر رنگ میں روشنی ڈالی۔ اس تحریک کا خدا کے فضل وکرم سے مخلصین جماعت کی طرف سے پرجوش خیر مقدم کیا گیا اور ایک خطیر رقم اس مد میں جمع ہوگئی۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلی قابل

تقلید مثال خود حضرت امام ہمام کی تھی۔ آپ نے کالج کی منظوری دیتے ہی پہلے اپنی طرف سے پانچ ہزار روپے 5000 کا چیک عطا فرمایا اور پھر جلد ہی اپنے جملہ اہلِ بیت کی طرف سے چھ ہزار روپے عنایت فرما دیئے۔

کالج کے مجوزہ ڈھانچہ کی تشکیل کے لئے فوری اقدامات

اب تعلیم الاسلام کالج سے متعلق بنیادی فیصلوں پر عملی اقدام کا پہلا مرحلہ شروع ہوا۔ اس سلسلہ میں حضرت مرزا شریف احمد صاحب ناظر تعلیم وتربیت نے 3 اپریل 1944ء کو ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی اسکول کے نام درج ذیل حکم نامہ جاری فرمایا:

''چونکہ عنقریب تعلیم الاسلام کالج کھلنے والا ہے اور اس کے کھلنے پر اسکول ہذا کی ہائی کلاسز اس کے ساتھ ملا دی جائیں گی اس لئے آج سے اسکول کے مڈل کے حصہ کو ہائی کے حصہ سے جدا کیا جاتا ہے ہائی کے حصہ کے انچارج بدستور اخوند عبد القادر صاحب ایم۔اے رہیں گے اور فی الحال حصہ مڈل کے انچارج صوفی غلام محمد صاحب B Sc B.T ہوں گے۔ اخوند عبدالقادر صاحب اسکول کے مڈل اور پرائمری کے حصہ کا چارج صوفی صاحب موصوف کو دے دیں۔ اسکول کے موجودہ سٹاف میں سے اخوند عبدالقادر صاحب کے علاوہ مندرجہ ذیل اساتذہ ہائی کے حصہ میں ہی فی الحال کام کریں گے۔ ماسٹر محمد علی صاحب بی اے بی ٹی، صوفی محمد ابراہیم صاحب B.Sc, B.T ماسٹر محمد ابراہیم صاحب B.A.S.A.Y، ماسٹر محمد ابراہیم صاحب ناصر B.A,B.T اور بشارت الرحمن صاحب ایم۔اے''

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب کی نظر میں

کالج کا تاریخی پس منظر

صدر کالج کمیٹی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے ''الفضل'' (18 اپریل 1944ء) میں ''ہمارا تعلیم الاسلام کالج'' کے عنوان سے ایک نہایت اہم مضمون سپرد فرمایا جس میں اس نئے مرکزی ادارہ کے خصائص پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ ''سب سے پہلی خصوصیت جو اس کالج کو حاصل ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تصرف خاص کے ماتحت اس کے اجراء کو تاریخ احمدیت کے اس زمانہ کے ساتھ پیوند کر دیا ہے جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے دعوئے مصلح موعودؓ کے ماتحت جماعت کے ایک نئے دور کا حکم رکھتا ہے گویا منجملہ دوسری مبارک تحریکات کے جو اس وقت جماعت کے سامنے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے اس کالج کو بھی نئے دور کی نشانیوں میں سے ایک نشانی بنا دیا ہے اور اس طرح یہ کالج خدا کے فضل سے گویا اپنے جنم کے ساتھ ہی اپنے ساتھ خاص برکت وسعادت کا پیغام لا رہا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالك۔

دوسری خصوصیت اس کالج کو خدا تعالیٰ نے یہ دے دی ہے کہ وہ تاریخ عالم کے لحاظ سے بھی موجودہ جنگ عظیم کے آخری حصہ میں عالم وجود میں آ رہا ہے اور جنگ کا یہ حصہ وہ ہے جبکہ دنیا کے بہترین سیاسی مدبر دنیا کے بعد الحرب نئے نظام کے متعلق بڑے غور وخوض سے تجویز سوچ رہے اور غیر معمولی اقدامات عمل میں لا رہے ہیں۔ اس لحاظ سے ہمارا یہ کالج دو عظیم الشان دینی اور دنیوی تحریکوں کے ساتھ اس طرح مربوط ہو گیا ہے کہ الٰہی جماعت جو ہر امر میں خدائی تقدیر کا ہاتھ دیکھنے کی عادی ہوتی ہے اسے محض ایک اتفاق قرار دے کر نظر انداز نہیں کر سکتی۔''

المصلح الموعودؓ کی زبان مبارک سے تعلیم الاسلام کالج کے لئے طلباء بھجوانے کی تحریک

کالج کی ابتداء چونکہ انتظامی اعتبار سے ماہ مئی 1944ء سے ہو چکی تھی اس لئے سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ نے 5 مئی 1944ء کے خطبہ جمعہ میں احباب جماعت کو توجہ دلائی کہ ’’کالج شروع کر دیا گیا ہے۔ پروفیسر بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے مل گئے ہیں۔ اب ضرورت اس امر کی ہے چندہ جمع کیا جائے اور لڑکوں کو اس میں تعلیم کے لئے بھجوایا جائے ہر وہ احمدی جس کے شہر میں کالج نہیں وہ اگر اپنے لڑکے کو کسی اور شہر میں تعلیم کے لئے بھیجتا ہے تو کمزوری ایمان کا مظاہرہ کرتا ہے۔ بلکہ میں کہوں گا ہر وہ احمدی جو توفیق رکھتا ہے کہ اپنے لڑکے کو تعلیم کے لئے قادیان بھیج سکے خواہ اس کے گھر ہی کالج ہو اگر وہ نہیں بھیج سکتا اور اپنے ہی شہر میں تعلیم دلواتا ہے تو وہ بھی ایمان کی کمزوری کا مظاہرہ کرتا ہے‘‘

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ کا تقرر بحیثیت پرنسپل

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے کالج کمیٹی کی تجویز پر 7 مئی 1944ء کو حضرت صاحبزادہ حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ کا تقرر بطور پرنسپل منظور فرمایا۔ جناب پروفیسر محبوب عالم صاحب خالد کا بیان ہے:

’’1944ء کے ایام میں محترم حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب محترمہ بیگم صاحبہ کے علاج کے سلسلہ میں دہلی مقیم تھے۔ ایک بزرگ نے مجھ سے ذکر کیا کہ ان دنوں تعلیم الاسلام کالج کے انتظامات ہو رہے ہیں اور پرنسپل کے تقرر کا سوال ہے کہ انہیں لکھو کہ وہ اس موقع پر یہاں تشریف لے آئیں۔ میں نے ناسمجھی میں آپ کی خدمت میں ایک عریضہ تحریر کر دیا۔ چند دن کے بعد جواب موصول ہوا جس کا مفہوم یہ تھا کہ خالد! تم بچپن سے میرے ساتھ رہے ہو ابھی تک تمہیں یہ معلوم نہیں ہوا کہ میں نے کبھی کسی عہدہ کی خواہش نہیں کی میں تو ادنیٰ خادم سلسلہ ہوں۔‘‘

کالج کا پہلا سٹاف

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ (پرنسپل و لیکچرار اقتصادیات) کے علاوہ ابتداء میں حسب ذیل اساتذہ کا تقرر عمل میں آیا:

1 اخوند محمد عبد القادر صاحب ایم۔اے۔بی۔ٹی — لیکچرار انگریزی
2 قاضی محمد نذیر صاحب منشی فاضل ایف۔اے۔او۔ٹی — لیکچرار فارسی و دینیات
3 صوفی بشارت الرحمن صاحب ایم۔اے — لیکچرار عربی
4 رانا عبد الرحمن صاحب ناصر ایم۔اے ریاضی — لیکچرار ریاضی
5 عباس بن عبد القادر صاحب — لیکچرار تاریخ
6 چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے — لیکچرار فلاسفی

(آپ سے قبل عبد العزیز صاحب ایم اے چکوالی فلاسفی کے لیکچرار مقرر تھے جو 10 مئی 1944ء کو انتقال کر گئے۔ جس پر 26 مئی 1944ء کو آپ کا تقرر ہوا۔

7 چوہدری عبد الاحد صاحب ایم۔ایس۔سی۔پی ایچ ڈی — لیکچرار کیمسٹری

اس سٹاف میں وقتاً فوقتاً 1947ء تک مندرجہ ذیل اساتذہ کا اضافہ ہوا:

نام	تاریخ تقرر	مضمون	کیفیت
1۔مکرم عطاء الرحمن صاحب غنی ایم۔اے	1944	فزکس	
2۔یحییٰ بن عیسیٰ صاحب بہاری ایم ای سی	اکتوبر 1944ء		مئی 1947ء تک خدمت کرتے رہے۔
3۔میاں عطاء الرحمن صاحب ایم ایس سی	نومبر 1944ء		
4۔چوہدری محمد صفدر صاحب چوہان	مئی 1946ء		

5۔شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم اے بی ٹی	مئی 1946ء		
6۔ملک فیض الرحمن فیضی ایم اے	مئی 1946ء		
7۔حبیب اللہ صاحب ایم ایس سی	مئی 1946ء		
8۔سید سلطان محمو صاحب شاہد ایم ایس سی	جولائی 1946ء		یحیٰی بن عیسیٰ صاحب کالج میں منتقل ہوئے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؓ کا بحیثیت پرنسپل چارج

اگرچہ تعلیم الاسلام کالج کا انتظامی نقطہ نگاہ سے اجراء ماہ ہجرت مئی 1312 ہش 1944ء کے ابتدائی ایام میں ہو چکا تھا مگر انٹرمیڈیٹ کالج کی صورت میں اس کا باقاعدہ قیام 22 مئی کو ہوا جبکہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے جامعہ احمدیہ کا چارج مولانا ابو العطاء صاحب کو دے کر تعلیم الاسلام کالج کی باگ ڈور سنبھال لی اور ساتھ ہی اسکول کی نویں دسویں کی کلاسیں چند دنوں تک کالج کے ساتھ رہنے کے بعد باقاعدہ اسکول کے ساتھ ملحق کر دی گئیں اور کالج صرف انٹرمیڈیٹ کالج رہا۔

پہلے پراسپکٹس، داخلہ فارم اور پوسٹر کی اشاعت

کالج کو کامیابی سے جاری کرنے کے لئے اشد ضروری تھا کہ اسے قادیان کے گردونواح میں خصوصاً متعارف کرایا جائے اور اس کی افادیت عوام پر واضح کی جائے۔کالج کمیٹی نے ابتداء میں یہ ذمہ داری خود ہی اٹھائی ،ورنہ صرف اخبار ''الفضل'' میں کالج سے متعلق متعدد اعلانات شائع کئے گئے بلکہ کالج کے پہلے پراسپکٹس اور داخلہ فارم کے علاوہ ''اہالیان ضلع گورداسپور کے لئے ایک خوشخبری'' کے عنوان سے ایک پوسٹر بھی شائع کیا اور اسے ضلع بھر کے ہائی اسکولوں کے ہیڈ ماسٹروں اور دیگر معززین تک پہنچانے کا معقول انتظام کیا۔مقامی تبلیغ کے مبلغوں سے بھی اس کام میں مدد لی گئی۔اس ابتدائی کوشش کے بعد داخلہ کالج سے متعلق اعلانات اخبار ''الفضل''،''ڈان''،

''انقلاب'' اور دوسرے ملکی اخبارات میں براہ راست پرنسپل تعلیم الاسلام کالج کی طرف سے بھجوائے جانے لگے۔

طلباء کا انٹرویو

اس سلسلہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ کی طرف سے تعلیم الاسلام کالج سے متعلق پہلا اعلان ''الفضل'' 24 مئی 1944ء کے صفحہ 8 کالم 1 پر شائع ہوا۔ جس میں احباب جماعت کو سیدنا المصلح الموعودؓ کے الفاظ میں کالج کے چندہ اور داخلہ کی اپیل کرنے کے بعد اطلاع دی گئی کہ:

''ایف اے اور ایف ایس سی نان میڈیکل کے داخلہ کے لئے درخواستیں 27 مئی تک پہنچ جانی چاہئیں۔ انٹرویو کے لئے 29,30,31 مئی کی تاریخیں مقرر کی جاتی ہیں۔''

اس اعلان کے متعلق قادیان اور بیرون جات سے آنے والے طلباء کا انٹرویو 23 مئی 1944ء سے شروع ہوا جو تین روز جاری رہا۔ انٹرویو میں جملہ موجود الوقت لیکچرار صاحبان نے بصورت بورڈ شرکت کی۔ کالج کی ابتدائی حالت کے پیش نظر یہ خیال رکھا گیا کہ زیادہ سے زیادہ طلباء کو لیا جائے ۔داخلہ کی آخری تاریخ 8 جون مقرر تھی۔ پہلے سال 80 طلباء نے داخلہ لیا۔ ہائی کلاسز کے دوبارہ اسکول کی طرف منتقل ہونے کی وجہ سے کالج کے پاس اسکول کی بلڈنگ کے کچھ حصہ کے سوا اور کسی قسم کا کوئی سامان حتیٰ کہ طلباء کے لئے ڈیسک اور بینچ، پروفیسر صاحبان کے لئے کرسیاں، میزیں اور کلاس رومز کے لئے بلیک بورڈ موجود نہ تھے۔ فوری ضرورت کو پورا کرنے کے لئے دفتر خدام الاحمدیہ سے دو میزیں بارہ کرسیاں اور ہائی اسکول سے 120 طلباء کے لئے نشستوں کا انتظام کیا گیا۔

فضل عمر ہوسٹل کا قیام

26 مئی 1944ءکوفضل عمر ہوسٹل کا قیام دارالانوار کے گیسٹ ہاؤس میں ہوا۔سیدنا المصلح الموعودؓ نے چوہدری محمد علی صاحب ایم اے کواس کا سپرنٹنڈنٹ مقرر فرمایا۔اس مرکزی دارالاقامہ کی ابتداء انتہائی مختصر صورت میں ہوئی۔تین کمرے ہوسٹل کے لئے خالی کردیئے گئے۔نہ چارپائیاں تھیں نہ باورچی خانہ کا انتظام۔محلہ والوں سے چارپائیاں مانگی گئیں اور کھانے کا انتظام پہلے مدرسہ احمدیہ کے بورڈنگ ہاؤس میں کرنا پڑا۔دو ہفتہ بعد دارالواقفین کے مطبخ کی طرف رجوع کیا گیا۔اسی اثناء میں حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے بکمال شفقت اپنی کوٹھی بیت الحمد کے کچن کو استعمال میں لانے کی اجازت دی جہاں کھانا باقاعدہ تیار ہونے لگا۔جب طلباء کی تعداد اندازہ سے بڑھ گئی تو کالج کمیٹی نے ''ترجمۃ القرآن'' والا کمرہ بھی خالی کردیالیکن اب بھی طالب علموں کی رہائش کا مسئلہ حل نہ ہوا۔جس پر سیدنا المصلح الموعودؓ کی خدمت بابرکت میں بیت الحمد کے تین کمروں کو زیر استعمال لانے کی درخواست کی گئی جو حضور نے قبول فرمالی۔اس طرح گو رہائش کی مشکلات پر قابو پالیا گیا مگر ہوسٹل دو حصوں میں تقسیم ہوجانے سے طلباء کی تسلی بخش نگرانی میں نمایاں خلل آنے لگا۔تاہم ہوسٹل کے اکثر و بیشتر طلباء عموماً نمازوں کی پابندی کرتے اور درس قرآن سنتے تھے۔نماز مغرب مسجد مبارک میں پڑھتے اور اس کے بعد سیدنا المصلح الموعودؓ کی مجلس علم وعرفان سے مستفیض ہوتے تھے جو روحانی اعتبار سے ان کے لئے سرمایہ حیات کی حیثیت رکھتی تھی۔

حضرت امیرالمومنین کے ارشادات کے پیش نظر اس امر کا التزام کیا جاتا تھا کہ ہوسٹل میں ایسی فضا قائم ہوجائے کہ بجائے اس کے کہ سپرنٹنڈنٹ یا ٹیوٹر طلباء کو ان کی کسی غلط روش یا بے راہ روی پر نوٹس لیں لڑکے خود ہی ایک دوسرے کو نصیحت کریں۔اسی ابتدائی دور میں اردو اور انگریزی تقاریر کی مشق کے لئے فضل عمر ہوسٹل یونین کی نیو ڈالی گئی جس کا باقاعدہ افتتاح حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے فرمایا اور اس کے ابتدائی اجلاسوں میں حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ صاحب بالقابہ،

حضرت چوہدری ابو الہاشم خان صاحب اور حضرت سید زین العابدین ولی اللہ صاحب نے بھی خطاب فرمایا۔ انہی دنوں ''بزم حسن بیان'' کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔ ہوسٹل یونین کی طرف سے مختلف زبانوں میں ترجمہ قرآن کے لئے وعدے بھجوائے گئے ۔ یونین کے اجلاسوں میں زندگی وقف کرنے کی تحریک کی گئی ۔ نیز حضرت امیر المومنین کے تازہ ارشادات وفرمودات اور دیگر جماعتی مطالبات طلباء کے سامنے دوہرا کر ان کو لبیک کہنے کی تلقین کی جاتی تھی ۔ ہوسٹل کے سب سے پہلے ٹیوٹر پروفیسر صوفی بشارت الرحمن صاحب ایم اے مقرر ہوئے ۔

چوہدری محمد علی صاحب ایم اے سپرنٹنڈنٹ فضل عمر ہوسٹل کا غیر مطبوعہ بیان

آپ مورخہ 26 نومبر 1968ء کو ہوسٹل کے ابتدائی حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''ہوسٹل کا قیام گیسٹ ہاؤس دار الانوار والی عمارت میں عمل میں آیا۔ ایک کمرے میں دفتر تھا وہی سٹور تھا۔ وہیں میں رہتا تھا۔ چند روز تو کھانا لنگر سے آیا پھر کھانا ہم خود پکانے لگے۔ ہمارے پہلے باورچی غلام محمد صاحب تھے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے۔ حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا تقریباً روزانہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کی کوٹھی پیدل مع خادمات تشریف لے جایا کرتی تھیں اور برقعے کے ساتھ چھتری بھی استعمال فرمایا کرتی تھیں ۔ دو تین دن تو ہم حجاب میں رہے۔ ایک دن ہمت کر کے راستے میں گیسٹ ہاؤس کے سامنے قطار باندھ کر کھڑے ہو گئے اور سلام عرض کرنے کی سعادت حاصل کی ۔ ایک ایک کا نام اور پتا دریافت فرمایا... نیز پوچھا کہ کھانے کا کیا انتظام ہے۔ عرض کی کہ ابھی تو لنگر خانے سے آتا ہے۔ برتن وغیرہ نہیں خریدے گئے اس لئے کچن شروع نہیں ہوا۔ اسی دن سے حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو واقعی ہماری اماں جان تھیں اپنے ذاتی برتن ہمارے استعمال کے لئے بھجوا دیئے جن پر نصرت جہاں بیگم کے مبارک اور تاریخی الفاظ کندہ تھے مجھے یاد ہے کہ ان برتنوں میں علاوہ دیگر استعمال کے برتنوں کے ایک پریشر کُکر بھی تھا جس کے اندر کئی خانے تھے ۔ یہ برتن ہم کافی عرصہ استعمال کرتے

رہے....ہوسٹل میں ترجمۃ القرآن کا دفتر تھا۔ جہاں حضرت مولوی شیر علی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ باقاعدہ تشریف لاتے۔ موسم گرما کی تعطیلات کے بعد کالج کھلا تو دفتر ''بیت الحمد''...میں منتقل ہو گیا۔ طلباء کی آمد آمد ہوئی تو گیسٹ ہاؤس سارے کا سارا خالی ہوا۔ پھر بھی گنجائش نہ رہی تو حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ازراہ شفقت بیت الحمد کے سامنے والے کمرے ہوسٹل کو مرحمت فرما دیئے جہاں طلباء نئے ہوسٹل کے افتتاح تک مقیم رہے۔ یہ 1944ء ہی کی بات ہے کہ حضور رضی اللہ عنہ کی اجازت سے ہوسٹل کا نام فضل عمر ہوسٹل رکھا گیا۔ اس پر بہت سے مبارک باد کے خطوط آئے۔''

تعلیم الاسلام کالج کا باقاعدہ افتتاح

تعلیم الاسلام کالج کا باقائدہ افتتاح 4 جون 1944ء کو بوقت ساڑے سات بجے شام تعلیم لاسلام ہائی اسکول قادیان کی سابق عالیشان عمارت کے وسیع ہال میں ہوا۔ تلاوت ونظم کے بعد ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے سکرٹری کالج کمیٹی نے ایک مفصل رپورٹ سنائی جس میں کالج کی تحریک سے لے کر اس کی منظوری تک کے واقعات پر جامع نظر ڈالی اور بتایا کہ گزشتہ سال مجھے لاہور بھیجا گیا۔ میں مجوزہ احمدیہ کالج کے قیام کے لئے کوشش کروں تو اس وقت پروگرام یہ تھا کہ جماعت کی موجودہ مالی حالت ایک پورے ڈگری کالج کے عظیم مصارف کا بوجھ برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ اس لئے فی الحال ایک ایسے انٹرمیڈیٹ کالج کے لئے درخواست کی جائے جس میں اسکول کی ہائی کلاسز بھی ساتھ ہوں تا ہائی اسکول کی عمارت اور ہائی کلاسز کے عملے کے کالج میں شامل ہونے سے بہت سے اخراجات کی بچت ہو جائے۔ مگر ''حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تو اگلے سال پورا ڈگری کالج بنا رہے ہیں۔ یہ ہائی کلاسز والا چار سالہ انٹرمیڈیٹ کالج تو ہماری ضروریات کے لئے مکتفی نہیں۔ چنانچہ حضور کے تازہ ارشاد کے مطابق بالکل ہی آخری وقت میں کوشش کرنے پر کالج کی موجودہ شکل کی بھی منظوری حاصل ہوگئی۔''

اس تفصیل کے بعد ملک صاحب موصوف نے کالج کے سٹاف، اس کے نام، موجودہ شکل نام

عمارت اور اغراض و مقاصد کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کر کے بالآخر عرض کیا کہ ”جہاں کالج کے قیام کے کام کو کامیابی کے ساتھ سر انجام دینے میں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی توجہ اور دعائیں کالج کمیٹی کی مددگار رہی ہیں، وہاں کالج کمیٹی کے صدر ہمارے مخدوم و محترم حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب سلمہ الرحمن کی حکیمانہ ہدایات اور مشورے بھی اسی کی راہنمائی کرتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت صاحبزادہ صاحب کو جزائے خیر دے۔“

پرنسپل صاحب تعلیم الاسلام کالج کی رپورٹ

ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے سکرٹری کالج کمیٹی کے بعد حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحبؒ نے تعلیم الاسلام کالج کے پرنسپل کی حیثیت سے حسب ذیل ضروری کوائف پیش فرمائے:

سیدنا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کالج کمیٹی کی ہدایت کے ماتحت خاکسار تعلیم الاسلام کالج کے داخلہ کے متعلق ابتدائی رپورٹ اور کالج کے طریق کار کا ایک مختصر سا ڈھانچہ پیش کرتا ہے۔

(1) اس وقت اللہ تعالیٰ کے فضل سے 51 طلباء کالج میں داخل کئے جا چکے ہیں اور 7 طلباء کی باہر سے درخواستیں موصول ہوئی ہیں جن میں سے اکثر کے متعلق امید کی جاتی ہے کہ وہ وقت پر یہاں پہنچ جائیں گے۔ اس طرح پر امید ہے کہ انشاء اللہ العزیز کالج میں 60 سے زائد طلباء امسال داخل ہو جائیں گے۔ ان 51 طلباء میں سے جو اس وقت تک داخل ہو چکے ہیں، 24 نے سائنس لی ہے اور 27 نے آرٹس اور آرٹس میں سے 26 طلباء نے ہسٹری لی ہے، 16 نے اکنامکس، 13 نے عربی، 13 نے فارسی، 6 نے فلاسفی، 6 نے میتھے میٹکس۔ ان 51 طلباء میں سے ایک تہائی یعنی 17 تھرڈ ڈویژن کے ہیں اور قریباً نصف یعنی 24 سیکنڈ ڈویژن کے ان طلباء میں سے 15 وہ ہیں جنہوں نے امسال ٹی آئی ہائی اسکول سے میٹرک پاس کی ہے اور 36 باہر سے۔

ڈویژن کے نقشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ داخل ہونے والوں کی اکثریت نے اچھے نمبر نہیں لئے

پس تربیت کے علاوہ تعلیم الاسلام کالج کو ان طلباء کی تعلیم کی طرف بھی خاص توجہ دینی ہوگی تا ان کی پہلی کوتاہیاں ہمارے نتیجہ پر اثر انداز نہ ہوں۔ انسانی کوششیں اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر ہیچ ہیں۔ اس لئے ہم حضور سے اور بزرگان سلسلہ سے دعا کی درخواست کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ہمیں صحیح طریق پر تعلیم وتربیت کی توفیق عطا فرمائے۔ تا ہماری حقیر کوشش اسے نیک نام کرنے والی ثابت ہوں اور ہمیں حال اور مستقبل میں لسان صدق حاصل ہو۔ اللھم آمین۔

(2) تعلیم الاسلام کالج کے قیام کا بڑا مقصد احمدی طلباء میں مذہبی روح کا پیدا کرنا اور اسلامی تعلیم کا پختگی کے ساتھ قائم کرنا ہے اور ہمارا ارادہ ہے کہ دینیات کے اس نصاب کے علاوہ جو مجلس تعلیم ہمارے لئے مقرر کرے گی طلباء میں دینی اور مذہبی کتب کے مطالعہ کا شوق پیدا کریں اور اس کی عادت ڈالیں۔ باہر کے بعض کالج مثلاً مشن کالجز وغیرہ اپنے مذہب کی تعلیم ہر مذہب والے کے لئے ضروری قرار دیتے ہیں۔ اس لئے ہمارے لئے بھی یہ جائز تو ہے کہ ہم بھی ہر مذہب کی تعلیم ہر مذہب والے کے لئے یہ ضروری قرار دیں کہ وہ ہماری مذہبی تعلیم کی گھنٹی میں ضرور حاضر ہو۔ لیکن اگر غیروں کا رویہ بھی ہمارے نزدیک غیر مناسب اور قابل اعتراض ہو تو پھر ہمیں محض ان کی نقل میں اس گھنٹی میں حاضری لازمی قرار دینی چاہئیے۔ اس سلسلہ میں حضور کی راہ نمائی کی ضرورت ہے۔ یہ بھی اندیشہ ہے کہ اس سے شروع شروع میں ہمارے خلاف مخالفوں کو ناواجب پراپیگنڈا کا آلہ نہ مل جائے۔

(3) دماغی نشونما کے لحاظ سے کالج میں داخل ہونے والے طلباء ایک ایسے مقام پر کھڑے ہوتے ہیں کہ جہاں انہیں انگلی پکڑ کے بھی چلایا نہیں جا سکتا کہ انہیں اپنے سہارے چلنا سیکھنا ہوتا ہے اور کلی طور پر بے نگرانی بھی نہیں چھوڑا جا سکتا کہ ہمیشہ کے لئے وہ اخلاقی ہلاکت کے گڑھے میں گر سکتے ہیں۔ اس ضمن میں ان کے لئے وہ بہترین درمیانی راہ کا انتخاب جسے صراط مستقیم کہا جا سکتا ہے اور نگرانی اور آزادی کے اس ملاپ کو پا لینا جوان کی اخلاقی زندگی کو ہمیشہ کے لئے بنا دینے والا ممکن تو نہیں بلکہ بہت مشکل ضرور ہے اور ہم حضور ہی سے دعا اور رہنمائی کی درخواست کرتے ہیں۔

(4) فٹ بال، ہاکی، کرکٹ، انگریزوں کی قومی کھیلیں ہیں اور چونکہ آجکل انگریز ہم پر حاکم ہیں، اس لئے ہندوستان میں عام طور پر یہ خیال پایا جاتا ہے کہ جب تک تعلیمی اداروں میں ان کھیلوں کو رائج نہ کیا جائے اس وقت تک ہمارے نوجوانوں کو ذہنی وجسمانی صحت کو قائم نہیں رکھا جا سکتا۔ اس کے برعکس وہ تمام قومیں جو انگریز یا انگریزی خون سے تعلق رکھنے والی ہیں ان کھیلوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتیں اور ان کی زیادہ تر توجہ ATHLETICS کی طرف ہے اور اس وجہ سے ان قوموں کے طلباء کی صحتوں پر کوئی برا اثر نظر نہیں آتا۔ ہمارا ارادہ بھی ATHLETICS کی طرف زیادہ توجہ دینے کا ہے۔ مگر چونکہ بہرحال ہم ہندوستان کے رہنے والے ہیں اور ہمارے ملک کی ساری تعلیمی درسگاہیں ہاکی، فٹ بال وغیرہ پر زور دیتی ہیں اس لئے حضور کی ہدایت کی ضرورت ہے کہ کیا ہم ہاکی فٹ بال وغیرہ کو کلیۃً ترک کر دیں یا انہیں جاری تو رکھیں مگر زیادہ اہمیت نہ دیں۔ میرے علم میں ہے کہ ان کھیلوں کو ترک کر دینے پر یونیورسٹی یا محکمہ تعلیم کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

(5) دنیا کی بہت سی درسگاہیں اساتذہ اور طلباء کے لئے کسی خاص لباس کی تعین کر دیتی ہیں اور تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ مسلمانوں میں بھی یہ رواج رہا ہے کہ اس سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ طلباء کی اخلاقی نگرانی زیادہ آسانی سے کی جا سکتی ہے اور ڈسپلن کا قیام بہتر طریق پر ہوتا ہے۔ اگر حضور اسے پسند فرمائیں تو ہمارے لئے بھی کوئی لباس مثلاً کسی خاص قسم کی اچکن اور سلوار مقرر فرمائیں۔

(5) طلباء میں تعلیمی دلچسپی بڑھانے کے لئے مختلف سوسائیٹیز کے قیام کا ارادہ ہے۔ مثلاً:

(1) عربک سوسائٹی (2) پرشین سوسائٹی (3) فلوسافیکل سوسائٹی (4) ریلیجس ریسرچ سوسائٹی (5) اکنامکس سوسائٹی (6) کالج بزم حسن بیان۔

عام طور پر کالج یونین طلباء کی قوت بیان کو بڑھانے کے لئے DEBATES کا طریقہ رائج ہے۔ مگر یہ طریق ہمارے ہاں پسندیدہ نہیں۔ اس لئے انشاء اللہ العزیز ہم کالج کو بزم حسن بیان میں DEBATES کے طریق کو رائج کریں گے اور امید ہے کہ ہمارے طلباء تقریر کے میدان میں محض

اس طریق کی وجہ سے دوسروں سے پیچھے نہ رہیں گے۔نئے سے نئے تعلیمی طریقے اور سکیمیں جن میں سے جدید ترین مسٹر جان سارجنٹ کی رپورٹ ہے پبلک کے سامنے آتے رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارا رائج الوقت طریقہ تسلی بخش نہیں اور اس امر کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ اس کی بجائے کوئی بہتر طریقہ تعلیم رائج کیا جائے۔ایک نئی یونیورسٹی ہی کسی نئی سکیم کو رائج نہیں کر سکتی۔پس ہمارے لئے یہ تو ممکن نہیں کہ ہم پنجاب یونیورسٹی کی پالیسی کو چھوڑ کر کسی نئے طریقہ تعلیم کو اپنے کالج میں رائج کریں لیکن ایک غیر یونیورسٹی کے ساتھ الحاق رکھتے ہوئے اور اس کی پالیسی کو اختیار کرتے ہوئے بھی یہ ممکن ہے کہ بعض ایسے ذرائع اختیار کئے جائیں جو طلباء کی ذہنی نشونما میں زیادہ ممد ثابت ہوں۔مثلاً RESIDENTIAL یونیورسٹی کی امتیازی خصوصیت طلباء پر انفرادی توجہ دینی ہے۔ہمارا ارادہ ہے کہ ہم ان تمام ذرائع کو استعمال کر کے فطری قویٰ کو صحیح نشونما دینے کی کوشش کریں گے مگر اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضور کی دعاؤں اور رہنمائی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔

حضرت مصلح موعودؓ کا اساتذہ تعلیم الاسلام کالج قادیان سے علم و معرفت سے لبریز خطاب

4 جون 1944ء کو تعلیم الاسلام کالج کی افتتاحی تقریب میں پہلے رپورٹیں پڑھیں گئیں جب رپورٹیں پڑھی جا چکیں تو حضرت المصلح الموعودؓ کھڑے ہوئے اور تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد ایک نہایت پر از علم و معرفت تقریر فرمائی جس میں کالج کے قیام کی اغراض بیان کر کے پروفیسروں اور طالب علموں دونوں کو نہایت اہم اور قیمتی ہدایات دیں۔ اس ایمان افروز خطاب کا مکمل تین درج ذیل کیا جاتا ہے۔

حضرت المصلح الموعودؓ نے تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد ارشاد فرمایا کہ:

''یہ تقریب جو تعلیم الاسلام کالج کے افتتاح کی ہے اپنے اندر دو گونہ مقاصد رکھتی ہے ایک مقصد تو اشاعت تعلیم ہے جس کے بغیر تمدنی اور اقتصادی حالت کسی جماعت کی درست نہیں رہ سکتی۔ جہاں تک تعلیمی سوال ہے یہ کالج اپنے دروازے ہر قوم اور ہر مذہب کے لئے کھلے رکھتا ہے کیونکہ تعلیم کا حصول کسی ایک قوم کے لئے نہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم تعلیم کو بحیثیت ایک انسان ہونے کے ہر انسان کے لئے ممکن اور سہل الحصول بنا دیں۔ میں نے لاہور میں ایک دو ایسی انسٹی ٹیوٹ دیکھیں جن کے بانی نے یہ شرط لگا دی تھی کہ ان میں کسی مسلمان کا داخلہ نا جائز ہوگا۔ مجھ سے جب اس بات کا ذکر ہوا تو میں نے کہا اس کا ایک ہی جواب ہوسکتا ہے کہ مسلمان بھی ایسی ہی انسٹی ٹیوٹ قائم کریں اور اس میں یہ واضح کریں کہ اس میں کسی غیر مسلم کا داخلہ نا جائز ہوگا کیونکہ ایک مسلم کا اخلاقی نقطہ نگاہ دوسری قوموں سے مختلف ہوتا ہے۔ پس جہاں تک تعلیم کا سوال ہے ہماری پوری کوشش ہوگی کہ ہر

مذہب وملت کے لوگوں کے لئے تعلیم حاصل کرنا آسان ہو۔اس کالج کے دروازے ہر مذہب و ملت کے لوگوں کے لئے کھلے ہوں اورانہیں ہرممکن امداد اس انسٹی ٹیوٹ سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے دی جائے۔دوسرا پہلو اس کا یہ ہے کہ آجکل کی تعلیم بہت سا اثر مذہب پر بھی ڈالتی ہے۔ہم یقین رکھتے ہیں کہ وہ غلط اثر ہوتا ہے کیونکہ وہ مذہب کے خلاف ہوتا ہے ہم یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ خدا کا فعل اس کے قول کے خلاف ہوتا ہے نہ ہم یہ ماننے کے لئے تیار ہیں کہ خدا کا قول اس کے فعل کے خلاف ہوتا ہے۔ہمیں ایک اور ایک دو کی طرح یقین ہے کہ خواہ ہمارے پاس ایسے ذرائع بھی نہ ہوں جن سے ان اعتراضات کا اسی رنگ میں دفعیہ کیا جا سکتا ہے،جس رنگ میں وہ اسلام پر کئے جاتے ہیں یا جن علوم کے ذریعہ وہ اعتراضات کئے جاتے ہیں انہی علوم کے ذریعہ ایسے اعتراضات کا رد کیا جا سکتا ہو۔پھر بھی یہ یقینی بات ہے کہ جو اعتراضات خدا تعالیٰ کی ہستی پر پڑتے ہیں یا جو اعتراضات خدا تعالیٰ کے رسولوں پر پڑتے ہیں یا جو اعتراضات اسلام کے بیان کردہ عقائد پر پڑتے ہیں وہ تمام اعتراضات غلط ہیں اور یقیناً کسی غلط استنباط کا نتیجہ ہیں۔چونکہ اس قسم کے اعتراضات کا مرکز کالج ہوتے ہیں اس لئے ہمارے کالج کے قیام کی ایک غرض یہ بھی ہے کہ مذہب پر جو اعتراضات مختلف علوم کے ذریعے کئے جاتے ہیں ان کا انہی علوم کے ذریعہ رد کیا جائے اور ہمارے کالج میں جہاں ان علوم کو پڑھانے پر پروفیسر مقرر ہوں وہاں ان کا ایک یہ کام بھی ہو کہ وہ انہی علوم کے ذریعے ان اعتراضات کو رد کریں۔اسلام پر جو اعتراضات ان علوم کے نتیجہ میں کئے جائے ہیں وہ سرتاپا غلط اور بے بنیاد ہیں۔پس جہاں دوسرے پروفیسروں کی غرض ہوتی ہے کہ وہ ان اعتراضات کو زیادہ سے زیادہ قوی کرتے چلے جائیں وہاں ہمارے پروفیسروں کی غرض یہ ہوگی کہ وہ ان اعتراضات کا زیادہ رد کرتے چلے جائیں۔اب تک ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں تھا جس سے یہ کام سرانجام دیا جا سکتا ہے۔انفرادی طور پر ہماری جماعت میں پروفیسر موجود تھے مگر وہ چنداں مفید نہیں ہو سکتے تھے اور ان کے لئے کوئی موقع تھا کہ اپنے مقصد اور مدعا کو

معتد بہ طور پر حاصل کر سکیں۔ پس جہاں ہمارے کالج کے منتظمین کو اور عملہ کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ وہ کالج کے پروفیسروں کے ایسے ادارے بنائیں جو ان مختلف قسم کے اعتراضات کو جو مختلف علوم کے ماتحت اسلام پر کئے جاتے ہیں، جمع کریں اور اپنے طور پر ان کو رد کرانے کی کوشش کریں اور ایسے رنگ میں تحقیقات کریں کہ نہ صرف عقلی اور مذہبی طور پر وہ ان اعتراضات کو رد کر سکیں بلکہ خود ان علوم سے ہی وہ ان کی تردید کریں۔

میں نے دیکھا ہے بسا اوقات بعض علوم جو رائج ہوتے ہیں محض ان کی ابتداء کی وجہ سے لوگ ان سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ ذرا کوئی تھیوری نکل آئے تو بغیر اس کا ماحول دیکھنے اور بغیر اس کے مالہ اور ما علیہ پر کافی غور کرنے کے وہ ان سے متاثر ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور اسے علمی تحقیق قرار دے دیتے ہیں۔ مثلاً پچھلے سو سال سے ڈارون تھیوری نے انسانی دماغوں پر ایسا قبضہ کر لیا کہ اس کا مذہب پر حملہ نہیں تھا مگر لوگوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اس تھیوری کی وجہ سے تمام مذاہب باطل ہو گئے کیونکہ ارتقاء کا مسئلہ ثابت ہو گیا ہے۔ حالانکہ جس مذہب پر اس تھیوری کا براہ راست حملہ ہو سکتا تھا وہ عیسائیت ہے۔ اسلام پر اس کا کوئی حملہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی طرح جہاں تک خدا تعالیٰ کے وجود کا علمی تعلق ہے ارتقاء کے مسئلہ کا مذہب کے خلاف کوئی اثر نہیں تھا۔ صرف انتہائی حد پہنچ کر اس مسئلہ کا بعض صفات الٰہیہ کے ساتھ ٹکراؤ نظر آتا تھا در حقیقت وہ بھی غلط فہمی کا نتیجہ تھا۔ لیکن ایک زمانہ ایسا گزرا ہے جب یہ سمجھا جاتا تھا کہ ڈارون تھیوری کے خلاف کوئی بات کہنا عقل اور سائنس پر حملہ کرنا ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں آہستہ آہستہ وہی یورپ جو کسی زمانہ میں ڈارون تھیوری کا قائل تھا اب اس میں ایک زبردست رو اس تھیوری کے خلاف چل رہی ہے اور اب اس پر نیا حملہ حساب کی طرف سے ہوا ہے۔ چنانچہ علم حساب کے ماہرین اس طرف آ رہے ہیں کہ یہ تھیوری بالکل غلط ہے۔ مجھے پہلے بھی اس قسم کے رسالے پڑھنے کا موقع ملا تھا مگر گزشتہ دنوں جب میں دہلی گیا تو وہاں مجھے علم حساب کے ایک بہت بڑے پروفیسر مولر ملے جنہیں پنجاب یونیورسٹی نے بھی پچھلے دنوں لیکچروں کے لئے

بلایا تھا اور ان کے پانچ سات لیکچر ہوئے تھے۔ انہوں نے بتایا تھا کہ علم حساب کی رو سے یہ قطعی طور پر ثابت کیا جا چکا ہے کہ سورج اڑتالیس ہزار سال میں اپنے محور کے گرد چکر لگاتا ہے اور جب وہ اپنے اس چکر کو مکمل کر لیتا ہے تو اس وقت مختلف سیاروں سے مل کر اس کی گرمی اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ اس گرمی کے اثر کی وجہ سے اس کے ارد گرد چکر لگانے والے تمام سیارے پگھل کر راکھ ہو جاتے ہیں۔ میں نے کہا اگر اڑتالیس ہزار سال میں تمام سیارے سورج کی گرمی سے پگھل کر راکھ ہو جاتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا کی عمر اس سے زیادہ نہیں ہوتی وہ کہنے لگے بالکل ٹھیک ہے۔ دنیا کی عمر اس سے زیادہ ہرگز نہیں ہو سکتی۔ میں نے کہا ابھی ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ یہ علم قطعی طور پر صحیح ہے لیکن اگر آپ کی رائے کو صحیح تسلیم کر لیا جائے... تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ڈارون تھیوری اور جیالوجی کی پرانی تھیوری بالکل باطل ہے وہ کہنے لگے یقیناً باطل ہے۔ میں نے کہا علوم کا اتنا بڑا ٹکراؤ آپس میں کس طرح ہو گیا۔ انہوں نے کہا وہ تو معلوم نہیں ہی تھا۔ عقلی ڈھکوسلے ہیں اور ہم جو کہتے ہیں علم حساب کی رو سے کہتے ہیں۔ بہر حال اب ایک ایسی رو چل پڑی ہے کہ وہ بات جس کے متعلق سو100 سال سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس کے بغیر علم مکمل ہی نہیں ہو سکتا اب اسی کو رد کرنے والے اور علوم ظاہر ہو رہے ہیں۔ اسی طرح نیوٹن کی تھیوری جو کشش ثقل کے متعلق تھی ایک لمبے عرصے تک قائم رہی مگر اب آئن سٹائن کے نظریہ نے اس کا بہت سا حصہ باطل کر دیا ہے۔ اس سے پتا لگتا ہے کہ جن باتوں سے دنیا مرعوب ہو جاتی ہے وہ بسا اوقات محض باطل ہوتی ہے اور ان کا لوگوں کے دلوں پر اثر نئے علم کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ اپنی جہالت اور کم علمی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جب دنیا میں ہمیں یہ حالات نظر آ رہے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ مسائل جنہوں نے سینکڑوں سال دنیا پر حکومت کی ہمارے پروفیسر دلیری سے کوشش نہ کریں کہ بجائے اس کے کہ بعد میں بعض اور علوم ان کو باطل کر دیں۔ ہماری انسٹی ٹیوٹ پہلے ہی ان کا غلط ہونا ظاہر کر دے اور ثابت کر دے کہ اسلام پر ان علوم کے ذریعہ جو حملے کئے جاتے ہیں وہ درست نہیں ہیں اگر وہ کوشش کریں تو میرے نزدیک ان کا اس

کام میں کامیاب ہوجانا کوئی مشکل امر نہیں بلکہ خدا کی مدد سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو دین قائم کیا ہے اس کی مدد سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام جو روشنی لائے ہیں اس کی مدد سے اور احمدیت نے جو ماحول پیدا کیا ہے اس کی مدد سے وہ بہت جلد اس میں کامیاب ہو سکتے ہیں اور جو کام اور لوگوں سے دس گنا عرصہ میں بھی نہیں ہوسکتا وہ ہمارے پروفیسر قلیل مدت میں سرانجام دے سکتے ہیں۔ پس میری غرض کالج کے قیام سے ایک یہ بھی ہے کہ ہمیں ایک ایسا مرکز مل جائے جس میں ہم بیج کے طور پر ان تمام باتوں کو قائم کر دیں تا کہ آہستہ آہستہ اس بیج کے ذریعہ ایک ایسا درخت قائم ہو جائے، ایک ایسا نظام قائم ہوجائے، ایک ایسا ماحول قائم ہوجائے جو اسلام کی مدد کرنے والا ہو جیسے یورپین نظام اسلام کے خلاف حملہ کرنے کے لئے دنیا میں قائم ہے۔ پس ہمارے کالج کے منتظمین کو مختلف علوم کے پروفیسروں کی ایسی سوسائیٹیاں قائم کرنی چاہئیں جن کی غرض یہ ہو کہ اسلام اور احمدیت کے خلاف بڑے بڑے علوم کے ذریعہ جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان کا دفعیہ انہی علوم کے ذریعہ کریں اور اگر وہ دیکھیں کہ موجودہ علوم کی مدد سے ان کا دفعیہ نہیں کیا جا سکتا تو پھر وہ پوائنٹ نوٹ کریں کہ کون کونسی ایسی باتیں ہیں جو موجودہ علوم سے حل نہیں ہوتیں اور نہ صرف خود ان پر غور کریں بلکہ کالج کے بالمقابل چونکہ ایک سائنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بھی قائم کی گئی اس لئے وہ پوائنٹ نوٹ کر کے اس انسٹی ٹیوٹ کو بھجواتے رہیں اور انہیں کہیں کہ تم بھی ان باتوں پر غور کرو اور ہماری مدد کرو کہ کس طرح اسلام کے مطابق ہم ان کی تشریح کر سکتے ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام ان باتوں کا محتاج نہیں۔ اسلام وہ مذہب ہے جس کا مدار ایک زندہ خدا پر ہے۔ پس وہ سائنس کی تحقیقات کا محتاج نہیں۔ مثلاً وہی پروفیسر مولر جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ جب مجھے ملے تو انہوں نے بتایا کہ وہ اور نیو یارک کے بعض اور پروفیسر بھی تحقیقات کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اس ساری یونیورس کا ایک مرکز ہے۔ اس مرکز کا انہوں نے نام بھی لیا تھا جو مجھے صحیح طور پر یاد نہیں رہا۔ انہوں نے بتایا کہ سارے نظام عالم کا فلاں مرکز ہے جس کے

گِرد یہ سورج اور اس کے علاوہ اور لاکھوں کروڑوں سورج چکر لگا رہے ہیں اور انہوں نے کہا۔ میری تھیوری یہ ہے کہ یہی مرکز خدا ہے۔ گویا اس تحقیق کے ذریعہ ہم خدا کے بھی قائل ہیں۔ یہ نہیں کہ ہم دہریت کی طرف مائل ہو گئے ہوں۔ پہلے سائنس خدا تعالیٰ کے وجود کو رد کرتی تھی مگر اب ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ اس سارے نظام کا ایک مرکز ہے جو حکومت کر رہا ہے اور وہی مرکز خدا ہے۔ میں نے کہا۔ نظام عالم کے ایک مرکز کے متعلق آپ کی جو تحقیق ہے مجھے اس پر اعتراض نہیں۔ قرآن کریم سے بھی ثابت ہے کہ دنیا ایک نظام کے ماتحت ہے اور اس کا ایک مرکز ہے۔ مگر آپ کا یہ کہنا کہ وہی مرکز خدا ہے درست نہیں۔ میں نے ان سے کہا مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہامات نازل ہوتے ہیں اور کئی ایسی باتیں ہیں جو اپنے کلام اور الہام کے ذریعہ وہ مجھے قبل از وقت بتا دیتا ہے۔ آپ بتائیں کہ کیا آپ جس مرکز کو خدا کہتے ہیں وہ بھی کسی پر الہام نازل کر سکتا ہے۔ وہ کہنے لگے۔ الہام تو نازل نہیں کر سکتا میں نے کہا تو پھر میں کس طرح تسلیم کر لوں کہ وہی مرکز خدا ہے۔ مجھے ذاتی طور پر اس بات کا علم ہے کہ خدا مجھ سے باتیں کرتا ہے اور وہ باتیں اپنے وقت پر پوری ہو جاتی ہیں۔ کوئی بات چھ 6 مہینے کے بعد پوری ہو جاتی ہے، کوئی سال کے بعد پوری ہو جاتی ہے۔ کوئی دو سال کے بعد پوری ہو جاتی ہے اور اس طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ مجھ پر جو الہام نازل ہوتا ہے خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ پھر میں نے انہیں مثال دی اور کہا مجھے بتائیں۔ کیا آپ کا وہ کرہ جسے آپ خدا قرار دیتے ہیں کسی کو یہ بتا سکتا ہے کہ امریکہ کی طرف سے انگلستان کی مدد کے لئے اٹھائیس سو ہوائی جہاز بھجوایا جائے گا۔ وہ کہنے لگے۔ اس کرہ سے تو کوئی ایسی بات کسی کو نہیں بتائی جا سکتی۔ میں نے کہا تو پھر ماننا پڑے گا کہ اس کرے اور اسی طرح اور کروں کا خدا کوئی اور ہے یہ خود اپنی ذات میں خدا نہیں ہے کیونکہ آپ تسلیم کرتے ہیں کہ اس مرکز کے ذریعہ کسی کو کوئی خبر قبل از وقت نہیں پہنچ سکتی۔ لیکن میں اپنے تجربہ سے جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام انسان پر نازل ہوتا ہے جو کئی قسم کی غیب کی خبروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ پس آپ بے شک اس مرکز کو ہی خدا مان لیں لیکن ہم تو ایک علیم و خبیر ہستی

کو خدا کہتے ہیں۔اس کے اندر قدرت بھی ہوتی ہے۔اس کے اندر جلال بھی ہوتا ہے اس کے اندر جمال بھی ہوتا ہے اس کے اندر علم بھی ہوتا ہے،اس کے اندر حکمت بھی ہوتی ہے۔اس کے اندر بسط کی صفت بھی ہوتی ہے،اس کے اندر محی ہونے کی صفت بھی موجود ہوتی ہے،اس کے اندر ممیت ہونے کی صفت بھی موجود ہوتی ہے۔اس کے اندر حلیم ہونے کی صفت بھی ہوتی ہے۔اس کے اندر مہیمن ہونے کی صفت بھی ہوتی ہے اس کے اندر واسع ہونے کی صفت بھی ہوتی ہے۔غرض بیسیوں قسم کی صفات ہیں جو اس کے اندر پائی جاتی ہیں۔اسی طرح اس کا نور ہوتا ہے،اس کا وہاب ہونا،اس کا شکور ہونا،اس کا غفور ہونا،اس کا رحیم ہونا،اس کا ودود ہونا،اس کا کریم ہونا،اس کا ستار ہونا اور اسی طرح اور کئی صفات کا اس کے اندر پایا جانا ہم تسلیم کرتے ہیں۔کیا یہ صفات اس مرکز میں بھی پائی جاتی ہیں جس کو آپ خدا کہتے ہیں؟ جب ایک طرف اس کے اندر یہ صفات نہیں پائی جاتیں اور دوسری طرف ہم پر ایک ایسی ہستی کی طرف سے الہام نازل ہوتا ہے جس میں یہ تمام صفات پائی جاتی ہیں جو اپنی صفات کو اپنے کلام کے ذریعہ دنیا پر ظاہر کرتا ہے اور باوجود اس کے کہ ساری دنیا کو دیکھنا پڑتا ہے اور اس ذات مشاہدہ کے بعد ہم آپ کی تھیوری کو کس طرح مان سکتے ہیں؟ اس پر وہ کہنے لگا۔اگر یہ باتیں درست ہیں تو پھر ماننا پڑے گا کہ یہ تھیوری باطل ہے۔اس کلام کے ہوتے ہوئے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کوئی ایسا خدا نہیں جس کے تابع یہ تمام مرکز ہو۔

تو مذہب کے لحاظ سے ہم ان چیزوں کے محتاج نہیں ہیں۔ہمارے لئے یہ ضروری نہیں کہ ہم سائنس کے علوم کی مدد سے خدا تعالیٰ کو حاصل کریں۔خدا بغیر سائنس کے بھی انسان کو مل جاتا ہے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہی دیکھ لو۔آپ نے نہ فلسفہ پڑھا نہ سائنس پڑھی نہ حساب پڑھا نہ کوئی اور علم سیکھا۔مگر پھر خدا آپ سے اس طرح بولا کہ آج تک نہ کسی سائنسدان کو وہ نعمت نصیب ہوئی۔اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی یہ فلسفہ پڑھا نہ یہ سائنس پڑھی نہ یہ حساب پڑھا۔لیکن جس رنگ میں خدا نے آپ سے کلام کیا وہ نہ کسی فلسفہ والے کو نصیب ہوا نہ کسی سائنس والے کو

نصیب ہوا نہ کسی حساب والے کو نصیب ہوا۔اسی طرح اب میرے ساتھ جس طرح خدا متواتر کلام کرتا اور غیب کی خبریں مجھ پر ظاہر فرماتا ہے یہ نہ سائنس کا نتیجہ ہے نہ فلسفے کا نتیجہ ہے نہ حساب کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ میں نے نہ سائنس پڑھی ہے نہ فلسفہ پڑھا ہے نہ حساب پڑھا ہے۔تو ہمیں کسی سائنس یا فلسفہ یا حساب کی مدد کی ضرورت نہیں۔ بلکہ وہ لوگ جو دن رات ان علوم میں محو رہتے ہیں ان میں سے بھی ایک طبقہ ایسا ہے کہ اگر ہم اس کے سامنے اپنے الہامات پیش کریں اور وہ ان پر غور کرے تو ہمیں امید ہے کہ وہ سمجھ جائے گا۔جیسے پروفیسر مولر جب میرے پاس آیا اور میں نے اس سے سنجیدگی کے ساتھ باتیں کیں تو وہ حقیقت کو سمجھ گیا۔اسے معلوم نہیں تھا کہ واقعہ میں مجھے قبل از وقت الہام کے ذریعہ کئی خبریں دی گئی تھیں جو اپنے وقت پر پوری ہوئیں۔اس وجہ سے اس کی راہ میں مشکلات تھیں۔لیکن اس نے اتنا ضرور تسلیم کرلیا کہ اگر الہام ثابت ہوجائے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ جس تھیوری کو میں پیش کرتا ہوں وہ غلط ہے۔جب اس نے الہام کا امکان تسلیم کرتے ہوئے اپنی تھیوری کو غلط مان لیا تو وہ جن کے سامنے الہام پورے ہوتے ہیں وہ ایسی تھیوری کو کب بیان کر سکتے ہیں۔وہ تو ایسے ہی خدا کو مان سکتے ہیں جو قادر ہے، کریم ہے، مہیمن ہے،عزیز ہے،سمیع ہے، مجیب ہے۔اسی طرح اور کئی صفات حسنہ کا مالک ہے۔اپنی آنکھوں دیکھی چیزوں کو کون رد کر سکتا ہے۔تو سائنس بھی اور فلسفہ بھی اور حساب بھی جہاں تک خدا کا تعلق ہے۔ایک تھیوری سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ان کو ماننے والا کہہ سکتا ہے کہ شاید یہ صحیح ہوں۔اسے قطعی اور یقینی وثوق ان علوم کی سچائی پر نہیں ہوسکتا لیکن ہمیں خدا تعالیٰ کی ذات پر جو یقین ہے وہ ہر قسم کے شبہات سے بالاتر ہے۔وہ یقین ایسا ہی ہے جیسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اے خدا میں سورج کا انکار کرسکتا ہوں۔میں اپنے وجود کا انکار کرسکتا ہوں، مگر جس طرح تو مجھ پر ظاہر ہے، ظاہر ہوا ہے میں اس کا کبھی انکار نہیں کرسکتا۔ یہ وہ یقین ہے جو خدا پر ایمان لانے والوں کو حاصل ہوتا ہے۔مگر کیا ایسا یقین کسی سائنسدان کو اپنے کسی سائنس کے مسئلہ کی سچائی پر ہوسکتا ہے یا کب ایسا یقین کسی حساب

دان کو اپنے حساب کے کسی مسئلہ کی سچائی پر ہوسکتا ہے۔ پہلے سمجھا جاتا تھا کہ حساب قطعی اور یقینی چیز ہے مگر اب نئی دریافتیں ایسی ہوئی ہیں جن کی وجہ سے حساب کے متعلق بھی شبہات پیدا ہونے شروع ہوگئے ہیں۔ مگر حساب عام سودے والا حساب مراد نہیں۔ بلکہ وہ حساب مراد ہے جو فلسفہ کی حد کو پہنچا ہوا ہے اور فلسفہ خود مشکوک ہوتا ہے۔ ہر زمانہ میں جو فلاسفر ظاہر ہوتا ہے ان علوم کا انکار کرنے والا علوم جدیدہ کا منکر قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن ابھی پچاس ساٹھ سال نہیں گزرتے کہ ایک اور فلسفی کھڑا ہوجاتا ہے جو اس پہلے فلاسفر کی تحقیق کو غلط قرار دے دیتا ہے اور نئے نظریات پیش کرنا شروع کردیتا ہے۔ اس وقت جو لوگ اس کے نظریات کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں لوگ ان کے متعلق یہ کہنا شروع کردیتے ہیں کہ وہ علوم جدیدہ کے منکر ہیں۔ مگر پچاس ساٹھ سال نہیں گزرتے کہ ایک اور فلسفی کھڑا ہوجاتا ہے جو اس پہلے فلاسفر کی تحقیق کو غلط قرار دے دیتا ہے۔ کیا تم نے کبھی دیکھا ہے کہ خدا کا وجود بھی غلط قرار دیا گیا ہو یا کبھی کوئی نبی ایسا کھڑا ہوا ہو جس نے کہا ہو کہ خدا کے متعلق لوگوں کے دلوں میں جو خیال پایا جاتا تھا وہ موجودہ تحقیق نے غلط ثابت کردیا ہے۔ آدم سے لے کر اب تک ہمیشہ ایسے وجود آتے رہے جنہوں نے اپنے تجربہ اور مشاہدہ سے دنیا کے سامنے یہ حقیقت پیش کی کہ اس دنیا کا ایک خدا ہے۔ پھر دلائل و براہین سے اس کے وجود کو ایسا ثابت کیا کہ دنیا ان دلائل کا انکار نہ کرسکی۔ انہوں نے کہا کہ ہم خدا کی طرف سے کھڑے ہوئے ہیں اور خدا کی ہستی کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ہمیں کامیاب کرے گا۔ چنانچہ دنیا نے ان کی مخالفت کی مگر خدا نے ان کو کامیاب کرکے دکھایا اور اس طرح ثابت کردیا ہے کہ اس عالم کا حقیقتاً ایک قادر مقتدر خدا ہے جو اپنے پیاروں سے کلام کرتا ہے اور مخالف حالات میں ان کو کامیاب کرتا ہے۔ پس خدا کے وجود پر انبیاء کی متفقہ گواہی ایک قطعی اور یقینی شہادت ہے جو اس کی ہستی کو ثابت کررہی ہیں۔ آج تک کوئی نبی دنیا میں ایسا نہیں آیا جس نے اپنے سے پہلے آنے والے نبی کی تردید کی ہو۔ ہر سائنسدان پہلے سائنسدان کی تردید کرتا ہے۔ مگر انبیاء کا وجود ایسا ہے کہ ہر نبی جو دنیا میں آتا ہے وہ اپنے سے پہلے

آنے والے انبیاء کی تصدیق ہی کرتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ وہ ان کی تردید کرے۔ وہ ان کی لائی ہوئی صداقتوں کو باطل ثابت کرے۔قرآن کریم نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں پیش کیا تھا جسے عیسائیوں نے غلطی سے نہ سمجھا اور اعتراض کر دیا کہ مصدقا لما معکم یعنی دنیا میں ایک ہی سلسلہ ہے جس میں ہر آنے والا اپنے سے پہلے کی تصدیق کرتا ہے کسی کی تکذیب اور تردید نہیں کرتا۔آدم سے لے کر حضرت محمد مصطفی ﷺ سے لے کر مسیح موعودؑ تک ایک نبی بھی ایسا نہیں دکھایا جا سکتا جس نے پہلے انبیاء کی اور ان کی لائی ہوئی صداقتوں کا انکار کیا ہو بلکہ وہ ہمیشہ انکی تصدیق کرتا ہے لیکن دوسرے تمام علوم چونکہ ظنی ہیں وہمی اور خیالی ہیں اس لئے ہر نئی سائنس پہلی سائنس کی تردید کرتی ہے۔اور ہر نیا فلسفہ پہلے فلسفہ کی تردید کرتا ہے، ہر نیا حساب پہلے حساب کی تردید کرتا ہے۔ بے شک انبیاء کی تعلیمیں منسوخ بھی ہوتی ہیں۔مگر منسوخ ہونا اور چیز ہے اور ان تعلیموں کو غلط قرار دینا اور چیز ہے۔فلسفہ والے کہتے ہیں کہ فلاں زمانہ میں جو فلسفی گزرا ہے اس کا فلسفہ غلط تھا کیونکہ نئی تحقیقات نے اس کو باطل ثابت کر دیا ہے۔سائنسدان کہتے ہیں پہلے سائنسدانوں نے غلطی کی۔انہوں نے فلاں فلاں مسائل بالکل غلط بیان کئے تھے۔اسی طرح علم حساب کی تحقیق ہوتی ہے۔حساب دان یہ کہتے ہیں کہ فلاں حساب دان نے یہ غلطی کی تھی اور فلاں حساب دان نے وہ غلطی کی تھی۔لیکن دنیا میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی نبی مبعوث ہوا ہو اور اس نے یہ کہا ہو کہ فلاں نبی نے غلط بات کہی تھی ۔انبیاء سابقین کی تعلیمیں بیشک منسوخ ہوتی رہی ہیں مگر منسوخ ہونے کے یہ معنی نہیں تھے کہ وہ تعلیمیں غلط تھیں ان تعلیموں کے منسوخ ہونے کا صرف اتنا مفہوم ہے کہ وہ تعلیمیں اس زمانہ کے لئے تھیں بعد کے زمانہ کے لئے نہیں تھیں۔پس ہمیں ذاتی طور پر اس بات کی ضرورت نہیں کہ ہم سائنس اور فلسفہ اور حساب اور دوسرے علوم کے ذریعہ اسلام کی صداقت ثابت کریں۔اسلام ان سب سے بالا ہے۔لیکن چونکہ دنیا میں کچھ لوگ ان وہموں میں مبتلا ہیں اور ان علوم کی وجہ سے اسلام کی تائید میں اپنی آواز بلند نہیں کر سکتے اس لئے ان کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے ضروری ہے کہ ہم

ایسے مرکز کھولیں اوران کی زبان میں ان سے باتیں کرنے کی کوشش کریں اورانہیں بتائیں کہ علوم جدیدہ کی نئی تحقیقاتیں بھی اسلام کی موید ہیں اسلام کی تردید کرنے والی اوراس کو غلط ثابت کرنے والی نہیں ہیں۔ یہ کام ہے جو ہمارے سامنے ہوتا ہے چونکہ یہ نیا کام ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہمیں اس کام میں دقتیں پیش آئیں ۔لیکن ایک وقت آئے گا جب آہستہ آہستہ ان علوم کے ذریعہ بھی اسلام کی تصدیق دنیا کے کونے کونے میں پھیل جائے گی اورلوگ محسوس کریں گے کہ علوم خواہ کس قدر بڑھ جائیں، سائنس خواہ کس قدر ترقی کر جائے اسلام کے کسی مسئلہ پر زد نہیں پڑسکتی۔ دنیا میں ہمیشہ دشمن کے قلعہ پر پہلے گولہ باری کی جاتی ہے اور یہ گولہ باری فوج کا بہت بڑا کام ہوتا ہے۔لیکن جب گولہ باری کرتے کرتے قلعہ میں سوراخ ہو جاتا ہے تو فوج اس سرعت سے بڑھتی ہے کہ دشمن کے لئے ہتھیار ڈال دینے کے سوااور کوئی چارہ نہیں رہتا۔ہم نے بھی کفر کے مقابلہ میں ایک بنیاد رکھی ہے اور ہماری مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے پرانے زمانہ کی منجنیقیں اپنے ہاتھ میں لے کر کوئی شخص موجودہ زمانہ کے مضبوط ترین قلعوں کو سر کرنے کی کوشش کرے یا غلیلوں سے دشمن کو شکست دینے کا ارادہ کرے۔ہم کو بھی جب دیکھنے والا دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ وہ عظیم الشان قلعے جو کنکریٹ کے بنے ہوئے ہیں جن کی تعمیر میں بڑے بڑے قیمتی مصالحے صرف ہوئے ہیں۔جن کو الیون پاؤڈر گنز (ELAVEN POUDER GUNS) اور سیون ٹی فائیو ملی میٹر گنز (SEVENTY FIVE M.M GUNS) بمشکل سر کرسکتی ہیں۔ان قلعوں کو وہ ان پتھروں یا غلیلوں سے کس طرح توڑسکیں گے۔مگر جو خدا کی طرف سے کام ہوتے ہیں۔ وہ اسی طرح ہوتے ہیں۔ پہلے دنیا ان کو دیکھتی ہے اور کہتی ہے ایسا ہونا ناممکن ہے۔ پھر ایک دن ایسا آتا ہے جب وہی دنیا کہتی ہے اس کام نے تو ہونا ہی تھا کیونکہ حالات ہی ایسے پیدا ہو چکے تھے۔ جب محمد رسول اللہ ﷺ آئے تو لوگوں نے اس وقت یہی کہا کہ ان دعوؤں کا پورا ہونا ناممکن ہے۔انہوں نے آپ کو مجنوں کہا۔انہوں نے آپ کے متعلق یہ کہا۔اس شخص پر نعوذ باللہ ہمارے بتوں کی لعنت پڑ گئی ہے مگر

آج یورپ کے مصنفوں کی کتابیں پڑھ کر دیکھ لو۔ وہ کہتے ہیں اگر مسلمانوں کے مقابلہ میں قیصر کی حکومت کو شکست ہوگئی۔ اگر مسلمانوں کے مقابلہ میں کسریٰ کی حکومت کو شکست ہوگئی۔ اگر مسلمانوں کے مقابلہ میں دنیا کی قوم نہیں ٹھہر سکی تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں وہ زمانہ ہی ایسا تھا اور اس وقت حالات ہی ایسے پیدا ہو چکے تھے جو محمد ﷺ کی تائید میں تھے۔

کیا عجیب بات نہیں کہ محمد ﷺ کے زمانہ میں تو آپ کے دعویٰ کو پاگل پن اور جنون سمجھا جاتا تھا۔ مگر آج یہ کہا جاتا ہے کہ اگر آپ کے دعویٰ کو لوگوں نے تسلیم کر لیا تو اس میں کون سی عجیب بات ہے۔ زمانہ کے حالات اس دعویٰ کے مطابق تھے اور لوگوں کی طبائع آپ کے عقائد کو تسلیم کرنے کے لئے پہلے ہی تیار ہو چکی تھی۔ یہی احمدیت کا حال ہے۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ کیا لوگ کہتے ہیں کہ ناممکن ہے یہ شخص دنیا پر فتح حاصل کر سکے۔ یہ اپنی آئی آپ مر جائے گا۔ مولوی محمد حسین بٹالوی تک نے یہ کہہ دیا کہ میں نے ہی اس شخص کو بڑھایا تھا اور اب میں ہی اس کو گراؤں گا۔ (اشاعۃ السنہ جلد 13 1890ء) مگر آپ کے سلسلہ کو دن بدن ترقی ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ وہ شخص جسے قادیان میں بھی لوگ اچھی طرح نہیں جانتے تھے۔ اس کی جماعت پہلے پنجاب کے مختلف حلقوں میں پھیلنی شروع ہوئی پھر پنجاب سے بڑھی اور افغانستان میں گئی، بنگال میں گئی بمبئی میں گئی مدراس میں گئی۔ یوپی میں گئی، سندھ میں گئی، بہار میں گئی، اڑیسہ میں گئی، سی پی میں گئی، آسام میں گئی اور پھر اس سے بڑھ کر بیرونی ممالک میں پھیلنی شروع ہوئی۔ چنانچہ انگلستان میں احمدیت پھیلی، جرمنی میں احمدیت پھیلی، امریکہ میں احمدیت پھیلی۔ ارجنٹائن میں احمدیت پھیلی، البانیہ میں احمدیت پھیلی، پولینڈ میں احمدیت پھیلی، زیکوسلو یکیا میں احمدیت پھیلی، سرالیون میں احمدیت پھیلی، گولڈ کوسٹ میں احمدیت پھیلی، نائجیریا میں احمدیت پھیلی، مصر میں احمدیت پھیلی، سٹریٹ سیٹلمنٹ میں احمدیت پھیلی، جاوا میں احمدیت پھیلی، ملایا میں احمدیت پھیلی، چین میں احمدیت پھیلی جاپان میں احمدیت پھیلی غرض دنیا کے کناروں تک احمدیت پہنچی اور پھیلی اور لوگوں نے یہ کہنا

شروع کر دیا کہ دنیا میں کچھ پاگل لوگ بھی ہوتے ہیں۔اگر چند پاگلوں نے احمدیت کو مان لیا ہے تو یہ کوئی عجیب بات نہیں۔مگر ابھی زیادہ زمانہ نہیں گزرے گا دنیا میں احمدیت کی ایسی مضبوط بنیاد قائم ہو جائے گی کہ یہ نہیں کہا جائے گا کہ احمدیت کی فتح کی امید ایک مجنونانہ خیال ہے وہ دن دور نہیں کہ وہی لوگ جو آج احمدیت کی ترقی کو ایک ناممکن چیز قرار دے رہے ہیں جب اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ احمدیت ترقی کر گئی ہے، احمدیت ساری دنیا میں چھا گئی ہے، احمدیت نے روحانی لحاظ سے ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا ہے تو وہی لوگ کہیں گے احمدیت کی کامیابی اور اس کی فتح کوئی معجزہ نہیں ۔اگر احمدیت فتح یاب نہ ہوتی تو کیا ہوتا۔اس وقت یورپ اتنا مضمحل ہو چکا تھا۔اس وقت انسانی دماغ اتنا پراگندہ ہو چکا تھا۔اس وقت سائنس اپنی حد بندیوں کو توڑ کر اسی طرح کا ایک فلسفہ بن چکی تھی کہ اگر احمدیت نے فتح پائی تو یہ کوئی معجزہ نہیں۔اس وقت کے حالات ہی اس فتح کو پیدا کر رہے تھے۔پس یہ بیج جو ہم بو رہے ہیں۔ہم جانتے ہیں کہ دنیا میں پھیل کر رہے گا۔ہمیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہمارا خیال ہے کہ یہ بیج کبھی ضائع نہیں ہوگا۔ہم خدا کی طرف سے مانتے ہیں اور اس بات پر کامل یقین رکھتے ہیں یہ بیج ایسا ہے جس میں سے ایک دن ایسا تناور درخت پیدا ہونے والا ہے۔جس کے سایہ میں بیٹھنے کے لئے لوگ مجبور ہو گئے ہیں اور اگر وہ نہیں بیٹھیں گے تو تپتی دھوپ میں وہ اپنے دماغوں کو جھلسائیں گے اور انہیں دنیا میں کہیں آرام کی جگہ نہیں ملے گی۔پس ہم جانتے ہیں کہ جس راستہ کو ہم نے اختیار کیا ہے وہ ضرور ہمیں کامیابی تک پہنچانے والا ہے کسی کے ماتحت نہیں۔کسی وہم اور گمان کے ماتحت نہیں بلکہ اس علیم وخبیر ہستی کے بتانے کی وجہ سے یقین ہمیں حاصل ہوا ہے جو کبھی جھوٹ نہیں بولتی جس کی بتائی ہوئی بات کبھی غلط نہیں ہوسکتی۔یہ ہوسکتا ہے کہ جن لوگوں پر اعتبار کر کے ہم نے انہیں اس کالج میں پروفیسر مقرر کیا ہے ان میں سے بعض نااہل ثابت ہوں۔مگر ان کے نااہل ثابت ہونے کی وجہ سے اس کام میں کوئی نقص واقعہ نہیں ہوسکتا۔جس طرح دریا کے دھارے کے سامنے پتھر آجائے تو وہ بہہ جاتا ہے مگر دریا کے دھارے کو وہ روک نہیں

سکتا۔اسی طرح اگر کوئی شخص غلط کام کرتا ہے یا اپنے کام کے لئے کوئی غلط طریق اختیار کرتا ہے،وہ احمدیت کے دریا کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔وہ اپنی تباہی کے آپ سامان پیدا کرتا ہے۔وہ مٹ جائے گا،مگر جس دریا کو خدا نے چلایا ہے،جس کی حفاظت کے لئے اس نے اپنے فرشتوں کو آپ مقرر کیا ہے دنیا کی کوئی طاقت اس کے بہاؤ کو روک نہیں سکتی۔خواہ وہ یورپ کی ہو خواہ وہ امریکہ کی ہو،خواہ وہ ایشیاء کی ہو اور خواہ دنیا کے کسی اور ملک کی ہو۔ہمیں نظر آ رہا ہے کہ خدا تعالیٰ کے فرشتے یورپ میں بھی اتر رہے ہیں،امریکہ میں بھی اتر رہے ہیں،ایشیاء میں بھی اتر رہے ہیں اور ہر شخص جو اس مشن کا مقابلہ کرتا ہے،ہر شخص جو خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغام کو رد کرتا ہے وہ اپنی ہلاکت کے آپ سامان کرتا ہے۔آج اور کل اور پرسوں اور ترسوں دن گزرتے چلے جائیں گے۔زمانہ بدلتا جائے گا،انقلاب بڑھتا جائے گا اور تغیر وسیع تر ہوتا چلا جائے گا۔روز بروز اس سلسلہ کی راہ سے روکیں دور ہوتی جائیں گی۔روز بروز یہ دریا زیادہ سے زیادہ فراخ ہوتا چلا جائے گا۔دریا کے دہانہ کے پاس ہمیشہ چھوٹے چھوٹے نالے ہوتے ہیں جن پر سے ہر شخص آسانی سے کود کر گزر سکتا ہے۔ میں نے خود جہلم کے دہانہ کے پاس ایسے نالے دیکھے ہیں اور میں خود بھی ان نالوں پر سے کود کر گزرا ہوں،مگر آہستہ آہستہ دریا ایسا وسیع ہوتا جاتا ہے کہ بڑے بڑے گاؤں اور بڑے بڑے شہر بہا کر لے جاتا ہے۔اسی طرح ابھی ہم دریا کے دہانہ کے قریب ہیں۔ایک زمانہ ایسا گزرا ہے جب لوگ ہماری جماعت کے متعلق سمجھتے تھے کہ یہ ایک نالے کی طرح ہے جو شخص چاہے اس پر سے کود کر گزر جائے۔مگر اب ہم ایک نہر کی طرح بن چکے ہیں۔لیکن ایک دن آئے گا۔جب اس کا پھیلاؤ اتنا وسیع ہو جائے گا جب اس کا بہاؤ اتنی شدت کا ہوگا کہ دنیا کی کوئی عمارت اور دنیا کا کوئی قلعہ اس کے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکے گا۔پس ہمارے پروفیسروں کے سپرد وہ کام ہیں جو خدا اور اس کے فرشتے کر رہے ہیں اگر وہ دیانتداری کے ساتھ کام کریں گے تو یقینا کامیاب ہوں گے اور اگر وہ غلطی کریں گے کہ خدا انہیں توبہ کی توفیق دے اور انہیں محنت سے کام کرنے کی ہمت عطا فرمائے،لیکن وہ اپنی اصلاح

نہیں کریں گے تو وہ اس سلسلہ کی ترقی میں ہرگز روک نہیں بن سکیں گے۔جس طرح ایک مچھر بیل کے سینگ پر بیٹھ کر اسے تھکا نہیں سکتا،اسی طرح ایسے کمزور انسان احمدیت کو کسی قسم کی تھکاوٹ اور ضعف نہیں پہنچا سکیں گے۔جن سوالات کو اس وقت میرے سامنے پیش کیا گیا ہے ان سب کے متعلق میں ابھی فوری طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔لیکن جہاں تک لباس کا سوال ہے میری رائے یہ ہے کہ ہمیں تعلیم کو آسان اور سہل الحصول بنانا چاہئے اور کوئی ایسا بوجھ نہیں ڈالنا چاہئے جسے طالب علم برداشت نہ کر سکے تا ایسا نہ ہو کہ غریب لڑکے اس بوجھ کی وجہ سے تعلیم سے محروم رہ جائیں۔جہاں تک کھیلوں کا تعلق ہے۔مجھے افسوس ہے کہ کالجوں میں بعض ایسی کھیلیں اختیار کر لی گئی ہیں جن پر روپیہ بھی صرف ہوتا ہے اور صحت پر بھی برا اثر ڈالتی ہیں۔میں نے یورپین رسالوں میں پڑھا ہے انگلستان میں کھیلوں کے متعلق ایک کمیٹی مقرر کی گئی تھی جس نے بہت کچھ غور کے بعد یہ رپورٹ پیش کی کہ ہاکی کے کھلاڑیوں میں سل کا مادہ زیادہ پایا جاتا ہے۔یہ تحقیق آج کی گئی ہے لیکن میں نے آج سے اکیس 21 سال پہلے اس کی طرف توجہ دلا دی تھی اور میں نے کہا تھا کہ میں ہاکی سے نفرت کرتا ہوں یہ صحت کے لئے مضر ہے اس سے سینہ کمزور ہو جاتا ہے کیونکہ جھک کر کھیلنا پڑتا ہے۔

(الفضل جلد 11 نمبر 46 ص 8 مورخہ 11 دسمبر 1943ء)

اسی طرح بعض اور مواقع پر بھی میں توجہ دلاتا رہا ہوں کہ ہاکی قطعی طور پر صحت پر اچھا اثر پیدا نہیں کرتی بلکہ مضر اثر کرتی ہے۔ہاکی میں ہاتھ جڑے رہتے ہیں اور سانس سینہ میں پھولتا نہیں۔اسی طرح باوجود کھیلنے کے سینہ چوڑا نہیں ہوتا۔ (الفضل 21 اکتوبر 1939ء)

حضور فرماتے ہیں کہ:

''جب میں نے یہ بات کہی اس وقت کسی کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ ہاکی سے سینہ کمزور ہو کر سل کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے مگر اب دوسرے لوگ بھی آہستہ آہستہ اسی طرف آ رہے ہیں۔عزیزم مرزا ناصر احمد کا ان الفاظ میں کہ ''وہ تمام قومیں جو انگریز یا انگریزی خون سے تعلق

رکھنے والی ہیں ان کھیلوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتی اور ان کی زیادہ تر توجہ (اتھلیٹکس ATHLETICS) کی طرف رہتی ہے اور اس وجہ سے ان قوموں کے طلباء کی صحتوں پر کوئی برا اثر نظر نہیں آتا'' غالباً جرمنی کی طرف اشارہ ہے جہاں ان کھیلوں پر بہت کم زور دیا جاتا ہے کیونکہ ان کھیلوں پر روپیہ اور وقت زیادہ خرچ ہوتا ہے مگر صحت کو کم فائدہ پہنچتا ہے۔ چنانچہ ان کھیلوں کی بجائے انہوں نے جو دوسری کھیلیں اختیار کیں ہیں ان کا صحت پر اچھا اثر پڑتا ہے اور روپیہ بھی کم خرچ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوسری کھیلوں کا رواج اب دن بدن زیادہ بڑھ رہا ہے۔ انگریزی ممالک میں شاید اسی وجہ سے کہ وہاں کہر زیادہ ہوتی ہے اس قسم کی کھیلوں کی ضرورت سمجھی جاتی ہے جو دوڑ دھوپ والی ہوں ۔لیکن وسطی یورپ یا جنوبی یورپ میں ان کا زیادہ رواج نہیں۔ میں یورپین کھیلوں میں سب سے کم مضر فٹ بال سمجھتا ہوں کیونکہ اس سے سینہ پر بوجھ نہیں پڑتا بلکہ سینہ چوڑا اور فرخ رہتا ہے۔ ہاکی میں چونکہ دونوں ہاتھ بند ہوتے ہیں ادھر سانس سینہ میں پھولتا نہیں اس لئے ہاکی کے نتیجہ میں اکثر سینہ پر ایسا بوجھ پڑتا ہے کہ وہ کمزور ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں ہمیشہ ہاکی کو مضر سمجھتا رہا ہوں۔ مگر اب چار پانچ سال ہوئے انگلستان میں ایک کمیشن مقرر کیا گیا تھا جس نے تحقیق کے بعد یہ رپورٹ کی کہ ہاکی پلیئرز میں سل کا مادہ نسبتاً زیادہ دیکھا گیا ہے۔ بہرحال یہ ایک ابتدائی کام ہے اور جیسا کہ بتایا گیا ہے۔ ایسے لڑکے کالج میں نہیں آئے جو بڑے بڑے نمبروں پر پاس ہوئے ہوں۔ میں سمجھتا ہوں اگر ہمارے پروفیسر کوشش کریں اور وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا کے ماتحت اپنے فرض کی ادائیگی میں پوری طرح منہمک ہو جائیں اور وہ سمجھ لیں کہ تعلیمی طور پر (تربیت تعلیم سے باہر نہیں بلکہ تعلیم کے ساتھ ہی شامل ہے) ہم نے اپنی زندگیاں وقف کر دی ہیں اور ہمارا مقصد یہ ہے کہ جو لڑکے ہمارے ہاں تعلیم پائیں وہ تعلیم میں دوسروں سے اعلیٰ ہوں، وہ تربیت میں دوسروں سے اعلیٰ ہوں وہ اخلاق فاضلہ میں دوسروں سے اعلیٰ ہوں تو یقینا وہ ان ان گھڑے جواہرات کو قیمتی ہیروں میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ اخلاق اور تقویٰ اور خدا تعالیٰ کا خوف اپنے

دلوں میں پیدا کریں اور لڑکوں کی تعلیمی حالت بھی بہتر بنائیں ان کی اخلاقی حالت بھی بہتر بنائیں اور ان کی مذہبی حالت بھی بہتر بنائیں۔ میں اس موقع پر اساتذہ اور طلباء دنوں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ ہمارا مقصد دوسرے کالجوں سے زیادہ بلند اور اعلیٰ ہے۔ کئی باتیں اس قسم کی ہیں جو دوسرے کالجوں میں جائز سمجھی جاتی ہیں لیکن ہم اپنے کالج میں ان باتوں کی اجازت نہیں دے سکتے۔ طلباء کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے افسروں کی کامل اطاعت اور فرمانبرداری کریں اور اساتذہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے افسروں کا فرض ہے کہ وہ اپنے سے بڑے افسروں کی کام میں اطاعت اور فرمانبرداری کریں اگر کسی شخص کو کوئی شکایت پیدا ہو تو اسلامی طریق کی رو سے یہ جائز ہے کہ وہ بالا افسروں کے پاس اس معاملے کو پہنچائیں اور حقیقت ظاہر کرے اور اگر وہ افسر توجہ سے کام نہ لے تو اس سے بھی بالا افسر کے پاس اپیل کرے یہ دروازہ ہر شخص کے لئے کھلا ہے اور وہ اس سے پوری طرح فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ ہمارا یہ طریق نہیں کہ جب تک ایجی ٹیشن نہ ہو ہم کسی کی بات نہیں سنتے۔ ہم صداقت کو ایک ادنیٰ سے ادنیٰ انسان کے منہ سے سن کر بھی قبول کرنے کے لئے تیار ہیں بلکہ صداقت اگر ایک چوہڑے کے منہ سے نکلے تو ہم اس کو بھی ماننے کے لئے تیار ہیں لیکن اگر صداقت نہ ہو تو خواہ سارا کالج مل کر زور لگائے ہم وہ بات تسلیم کرنے کے لئے کبھی تیار نہیں ہوں گے۔

پس جو روایت ہمارے اسکول میں قائم ہے میں امید کرتا ہوں کہ کالج میں بھی اس کو قائم رکھا جائے گا۔ احمدی طالب علموں کے متعلق تو میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ اس پر پوری طرح قائم رہیں گے لیکن چونکہ اس کالج میں دوسرے طالب علم بھی داخل ہوں گے اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ ہمارے احمدی طلباء اپنے اثر سے دوسروں کو بھی اس روایت پر قائم رکھنے کی کوشش کریں گے اور کوئی ایسی حرکت نہیں ہونے دیں گے جو کالج کے نظام کے خلاف ہو اور جس سے یہ شبہ پڑتا ہو کہ زور اور طاقت سے اپنی بات منوانے کی کوشش کی جا رہی ہے کیونکہ زور اور طاقت سے ماننے کے لئے یہاں کوئی شخص تیار نہیں ہے۔ دنیا میں لوگ زور اور طاقت سے اپنے مطالبات منواتے ہیں مگر وہ اس

وقت منواتے ہیں جب انہیں یقین ہوتا ہے کہ دوسرا فریق زور اور طاقت سے مرعوب ہو جائے گا۔اگر انہیں یہ یقین نہ ہوتو وہ زور اور طاقت استعمال کرنے کی جرائت بھی نہ کرے۔واقعہ مشہور ہے کہ کوئی یتیم لڑکا جس کی ماں چکی پیس پیس کر گزارا کیا کرتی تھی ایک دن اپنی ماں سے کہنے لگا مجھے دو آنے چاہییں۔ماں نے اسے کہا میرے پاس تو صرف ایک آنہ ہے وہ لے لو مگر لڑکا ضد کرنے لگا اور کہنے لگا میں تو دو آنے ہی لوں گا وہ لڑکا اس وقت چھت کی منڈیر پر بیٹھا تھا ماں کو کہنے لگا مجھے دو آنے دو ورنہ میں ابھی چھلانگ لگا کر مر جاؤں گا۔اس بے چاری کا ایک ہی لڑکا تھا وہ اسے ہاتھ جوڑے منتیں کرے اور بار بار کہے کہ بیٹا ایک آنہ لے لے اس سے زیادہ میرے پاس کچھ نہیں مگر وہ یہی کہتا چلا جائے کہ مجھے دو آنے دے نہیں تو میں ابھی چھلانگ لگاتا ہوں۔ماں نیچے کھڑی روتی جائے اور بچہ اوپر بیٹھ کر چھلانگ لگانے کی دھمکی دیتا چلا جائے۔اس وقت اتفاقاً گلی میں سے کوئی زمیندار گزر رہا تھا۔وہ پہلے تو باتیں سنتا رہا آخر اس نے وہ آلہ جس سے تُوڑی ہلائی جاتی ہے اور جسے سانگھا کہتے ہیں نکال کر اس لڑکے کے سامنے کیا اور کہا تو اوپر سے آ میں نیچے سے سانگھا تیرے پیٹ میں ماروں گا۔لڑکا یہ سنتے ہی کہنے لگا میں نے چھلانگ تھوڑی لگانی ہے میں تو اپنی ماں کو ڈرا رہا تھا۔

تو اس قسم کی باتیں وہیں سنی جاتی ہیں جہاں زور اور طاقت سے دوسرے لوگ مرعوب ہو جاتے ہیں لیکن ہم وہ ہیں جنہیں اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ صداقت خواہ ایک کمزور سے کمزور انسان کے منہ سے نکلے اسے قبول کرلو اور صداقت کے خلاف کوئی بات قبول مت کرو چاہے وہ ایک طاقت ور کے منہ سے نکل رہی ہو۔قادیان سے باہر بے شک ایسی باتیں ہوتی رہتی ہیں لیکن ہمارے سلسلے کی کسی انسٹیٹیوٹ میں اس قسم کی باتیں برداشت نہیں کی جاسکتیں۔پس ہمارے نوجوانوں کو خود بھی احمدیت کے نقش قدم پر چلنا چاہئے اور دوسرے نوجوانوں پر بھی واضح کرنا چاہئے کہ یہاں کوئی طریق برداشت نہیں کیا جا سکتا جو دین کے خلاف ہو اور مذہبی روایات کے منافی ہو۔ہم نے یہ کالج دین کی تائید کے لئے بنایا ہے۔اگر کسی وقت محسوس ہو کہ کالج بجائے دین کی تائید کے بے دینی کا

ایک ذریعہ ثابت ہو رہا ہے تو ہم ہزار گنا یہ زیادہ بہتر سمجھیں گے کہ اس کالج کو بند کر دیں بجائے اس کے کہ بیدینی اور خلاف مذہب حرکات کو برداشت کریں۔ اس کالج کے پروفیسروں کو بھی یہ امر مدنظر رکھنا چاہیئے کہ بیرونی دنیا میں عام طور پر صداقت کو اس وقت تک قبول نہیں کیا جاتا جب تک یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کتنے لوگ اس بات کو پیش کر رہے ہیں۔ اگر ایک جتھہ کی طرف سے کوئی بات پیش کی جا رہی ہے تو اسے مان لیتے ہیں۔ لیکن اگر ایک کمزور انسان کے منہ سے صداقت کی بات نکلے تو اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ ہمیں اس طریق کے خلاف یہ عمل کرنا چاہیئے کہ اگر صداقت صرف ایک لڑکے کے منہ سے نکلتی ہے تو ہم اس بات کا انتظار نہ کریں جب تک سولڑکا اس کی تائید میں نہیں ہوگا۔ ہم اسے نہیں مانیں گے۔ بلکہ ہمیں فوراً وہ بات قبول کر لینی چاہیئے۔ کیونکہ صداقت کو قبول کرنے میں ہی برکت ہے اور صداقت کو قبول کرنے سے ہی قومی ترقی ہوتی ہے۔

یہ امر بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمارا طریق سارے کا سارا اسلامی ہونا چاہیئے۔ بے شک ہندو، سکھ، عیسائی جو بھی آئیں ہمیں فراخ دلی کے ساتھ انہیں خوش آمدید کہنا چاہیئے مگر جہاں تک اخلاق کا تعلق ہے ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ ان کے اخلاق سرتاپا مذہب کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہوں۔ ان کی عادات مذہب کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہوں۔ ان کے افکار مذہب کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہوں۔ پس جہاں ہمارے پروفیسروں کا یہ کام ہے کہ وہ تعلیم کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیں وہاں ان کا ایک یہ کام بھی ہے کہ وہ رات دن اسی کام میں لگے رہیں کہ لڑکوں کے اخلاق اور ان کی عادات اور ان کے خیالات اور ان کے افکار ایسے اعلیٰ ہوں کہ دوسروں کے لئے مذہبی لحاظ سے وہ ایک مثال اور نمونہ ہوں۔ اگر خدا تعالیٰ کی توحید کا یقین ہم لڑکوں کے دلوں میں پیدا کرتے ہیں تو ہندوؤں اور سکھوں کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ہندو بھی خدا کے قائل ہیں اور سکھ بھی خدا کے قائل ہیں۔ اگر ہم دہریت کو مٹاتے ہیں۔ اگر ہم خدا تعالیٰ کی ہستی کا یقین لڑکوں کے دلوں میں پیدا کرتے ہیں۔ اگر ہم خدا تعالیٰ کی محبت کا درس ان کو دیتے ہیں تو ان کے ماں باپ یہ سن کر خوشی

منائیں گے اور خوش ہوں گے کہ ہمارے لڑکے ایسی جگہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں جہاں دینوی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی مذہبی لحاظ سے بھی تربیت کی جا رہی ہے۔پس جہاں تک توحید کے قیام کا سوال ہے، جہاں تک مذہب کی عظمت کا سوال ہے جہاں تک خدا تعالیٰ کی محبت کا سوال ہے ،مسلمان، ہندو،سکھ،عیسائی سب اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ ان کو یہ تعلیم دی جائے کہ کیونکہ ان کا اپنا مذہب بھی یہی باتیں سکھاتا ہے۔میرے نزدیک ہمیں ان باتوں پر اس قدر زور دینا چاہئے کہ ہمارے کالج کا یہ ایک امتیازی نشان بن جائے کہ یہاں سے طالب علم بھی پڑھ کر نکلتا ہے وہ خدا پر پورا یقین رکھتا ہے۔وہ اخلاق کی حفاظت کرتا ہے۔وہ مذہب کی عظمت کا قائل ہوتا ہے۔اگر ایک ہندو یہاں سے بی اے کی ڈگری لے کر جائے تو اسے بھی خدا تعالیٰ کی ذات پر پورا یقین ہونا چاہئے ۔اگر ایک سکھ یہاں سے بی۔اے کی ڈگری لے کر جائے تو اسے بھی خدا تعالیٰ کی ذات پر پورا یقین ہونا چاہئے۔وہ دہریت کے دشمن ہوں وہ اخلاق سوز حرکات کے دشمن ہوں۔وہ مذہب کو نا قابل عمل قرار دینے والوں کے مخالف ہوں اور یورپین اثر سے پوری طرح آزاد ہوں۔وہ چاہے احمدیت کو مانتے ہوں یا نہ مانتے ہوں مگر مذہب کی بنیادی باتیں ان کے دلوں میں ایسی راسخ ہوں کہ ان کو کسی طرح چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوں۔اسی طرح ہمارے کالج کا ایک امتیازی نشان یہ بھی ہونا چاہئے کہ اگر عیسائی یا یہودی اس جگہ تعلیم حاصل کرے تو وہ بھی بعد میں یہ نہ کہے کہ سائنس یا حساب یا فلسفہ کے فلاں اعتراض سے مذہب باطل ثابت ہوتا ہے۔بلکہ جب بھی کوئی شخص ان علوم کے ذریعہ اس پر کوئی اعتراض کرے وہ فوراً اس کا جواب دے اور کہے میں ایک ایسی جگہ سے پڑھ کر آیا ہوں جہاں دلائل براہین سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ اس دنیا کا ایک خدا ہے جو سب پر حکمران ہے میں ایسے اعتراضات کا قائل نہیں ہوں۔

اگر ہم دہریت کی تمام شاخوں کی قطع و برید کر دیں۔اگر ہم خدا تعالیٰ کی ہستی کا یقین کالج میں تعلیم پاتے لڑکوں کے دلوں میں اس مضبوطی سے پیدا کر دیں کہ دنیا کا کوئی فلسفہ، دنیا کی کوئی سائنس

اور دنیا کا کوئی حساب انہیں اس عقیدہ سے منحرف نہ کر سکے تو ہم سمجھیں گے کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ چونکہ اب شام ہو گئی ہے اس لئے میں اب اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں لیکن میں آخر میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہماری نیت یہ ہے کہ جلد سے جلد اس کالج کو بی۔اے بلکہ ایم۔اے تک پہنچا دیں۔اس لئے کالج کے جو پروفیسر مقرر ہوئے ہیں انہیں اپنی تعلیمی قابلیت کو بھی بڑھانے کا فکر کرنا چاہئے اور آئندہ ضروریات کے لئے انہیں ابھی سے اپنے آپ کو تیار کرنا چاہئے تا کہ جب بڑی کلاسز کھولی جائیں تو قوائد کے لحاظ سے اور ضرورت کے لحاظ سے اور تجربہ کے لحاظ سے وہ ان کلاسز کو تعلیم دینے کے لئے موزوں ہوں اور اس کام کے اہل ہوں اور چونکہ ہمارا منشا آگے بڑھنے کا ہے اس لئے جہاں کالج کے پروفیسروں کو اپنا تعلیمی معیار بلند کرنا چاہئے اور اپنے اندر موجودہ قابلیت سے بہت زیادہ قابلیت پیدا کرنی چاہئے وہاں انہیں یہ امر بھی مدنظر رکھنا چاہئے کہ جب کالج میں وسعت ہو تو جو اچھے اور ہونہار طالب علم ہوں اور دین کا جوش اپنے اندر رکھتے ہوں ان کو اس قابل بنائیں کہ وہ اعلیٰ نمبروں پر پاس ہوں اور ساتھ ہی ان کے دینی جوش میں ترقی ہو تا کہ جب وہ تعلیم سے فارغ ہوں تو صرف دنیا کمانے میں ہی نہ لگ جائیں بلکہ اس کالج میں پروفیسر یا لیکچرار کا کام کر کے سلسلہ کی خدمت کر سکیں۔ پس ایک طرف وہ اعلیٰ درجہ کے ذہین اور ہوشیار لڑکوں کے متعلق یہ کوشش کریں کہ وہ اچھے نمبروں پر کامیاب ہوں اور دوسری طرف انہیں اس امر کی توجہ دلائیں کہ جب وہ اپنے تعلیمی مقصد کو حاصل کر لیں تو اس کے بعد اپنی محنت اور دماغی کاوش کا بہترین بدلہ بجائے سونے چاندی کی صورت میں حاصل کرنے کے اس رنگ میں حاصل کریں کہ اپنے آپ کو ملک اور قوم کی خدمت کے لئے وقف کر دیں۔اس کے بغیر کالج کا عملہ مکمل نہیں ہو سکتا۔پس ایک طرف ہمارے پروفیسر خود علم بڑھانے کی کوشش کریں اور دوسری طرف آئندہ پروفیسروں کے لئے ابھی سے سامان پیدا کرنے شروع کر دیں اور نوجوانوں سے کہیں کہ وہ قوم کی خدمت کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ پھر خواہ انہیں کالج میں رکھ لیا جائے یا سلسلہ کے کسی

اور کام پر لگایا جائے۔ بہر حال ان کا وجود مفید ثابت ہوسکتا ہے۔سکولوں میں مَیں نے دیکھا ہے کہ جب افسروں کو اس طرف توجہ دلائی گئی تو اس کے بعد ہمیں اسکول میں سے ہی ایسے کئی لڑکے مل گئے جنہوں نے اپنی زندگیاں سلسلہ کی خدمت کے لئے وقف کر دیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ یہی طریق کالج میں بھی اختیار کیا جائے گا تا کہ جو طالب علم اس کالج سے تعلیم پا کر نکلیں ان کے متعلق ہمیں کامل یقین ہو کہ وہ تعلیم کے بعد دین کے میدان میں ہی آئیں گے۔ یہ نہیں ہوگا کہ دنیا کمانے میں مشغول ہو جائیں گے اور تا کہ ہم فخر سے کہہ سکیں کہ ہمارے کالج کا ہر طالب علم اپنے آپ کو دینی خدمت کے لئے پیش کر دیتا ہے۔صرف ہمارے بچے ہوئے طالب علم ہی دنیا کی طرف جاتے ہیں۔ کیونکہ حقیقت یہی ہے کہ خواہ ہم کوئی کام کریں ہماری اصل دوڑ مذہب کی طرف ہی ہونی چاہیئے۔اب میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہماری نیک خواہشات کو پورا فرمائے اور یہ بیج جو آج اس مقام پر ہم بو رہے ہیں اس سے ایک دن ایسا درخت پیدا ہو جس کی ایک ایک ٹہنی ایک بڑی یونیورسٹی ہو، ایک ایک پتا کالج ہو اور ایک ایک پھول اشاعت اسلام اور تبلیغ دین کی ایک اعلیٰ درجہ کی بنیاد ہو جس کے ذریعہ کفر اور بدعت دنیا سے مٹ جائے اور اسلام اور احمدیت کی صداقت اور خدا تعالیٰ کی ہستی اور اس کی وحدانیت کا یقین لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو جائے۔ آمین۔

فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا قیام اور اس کے اغراض و مقاصد

حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ نے تعلیم الاسلام کالج کے ساتھ سائنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی بھی بنیاد رکھی اور اس کی نگرانی چودھری عبدالاحد صاحب ایم۔ ایس۔ سی کے سپرد فرمائی۔ اس زمانہ میں اس نوعیت کے متعدد تحقیقاتی ادارے قائم تھے۔ بنگال میں ڈاکٹر بوس کی انسٹی ٹیوٹ تھی۔ اسی طرح الہ آباد یا بنارس یونیورسٹی کی طرف سے بھی کام ہو رہا تھا۔ بنگلور میں میسور گورنمنٹ کی طرف سے ایک اعلیٰ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ تھی۔ دہلی میں مرکزی حکومت کی انسٹی ٹیوٹ تھی۔ مگر یہ سب ادارے یا حکومت کی طرف سے جاری تھے۔ یا یونیورسٹیوں کی طرف سے۔ کروڑوں کی تعداد میں بسنے والے مسلمانوں کا کوئی ایک ادارہ بھی پورے ملک میں موجود نہ تھا جس کی وجہ سے سیدنا المصلح الموعودؓ کے دل میں ہمیشہ خلش رہتی تھی۔ آخر اس کے قیام کا بھی سامان ہو گیا۔ اس طرح یہ پہلا مسلم ریسرچ انسٹی ٹیوٹ تھا جو اللہ تعالیٰ کے فضل پتا حضرت فضل عمرؓ کی توجہ سے برصغیر میں وجود میں آیا۔ سیدنا المصلح الموعودؓ کے مدنظر اس عظیم تحقیقاتی مرکز کی تاسیس کا اصل مقصد کیا تھا اور آپ اس کے مستقبل سے متعلق کیا کیا عزائم رکھتے تھے اور کس طرح مغربی فلسفہ کے خلاف اسے ایک مضبوط اسلحہ خانہ بنانا چاہتے تھے اس کا کسی قدر اندازہ حضور کے خطبہ جمعہ کے درج ذیل اقتباس سے ہو سکتا ہے۔ فرمایا:

”ہمارا کالج درحقیقت دنیا کی ان زہروں کے مقابلہ میں ایک تریاق کا حکم رکھتا ہے جو دنیا کے مختلف ملکوں اور مختلف قوموں میں سائنس اور فلسفہ اور دوسرے علوم کے ذریعہ پھیلائی جا رہی ہیں۔ مگر اس زہر کے ازالہ کے لئے خالی فلسفہ اور دوسرے علوم کام نہیں آ سکتے۔ بلکہ اس غرض کے

لئے عملی نتائج کی بھی ضرورت ہے کیونکہ ایک کثیر حصہ سائنس کی ایجادات سے دھوکا کھا گیا ہے اور وہ سمجھنے لگ گیا ہے کہ سائنس کے مشاہدات اور قانون قدرت کی فعلی شہادات اسلام کو باطل ثابت کر رہی ہیں۔ اسی لئے کالج کے ساتھ ایک سائنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بھی قائم کی گئی ہے تا کہ بیک وقت ان دونوں ہتھیاروں سے مسلح ہو کر کفر پر حملہ کیا جا سکے۔ اس انسٹی ٹیوٹ کے قیام پر بھی دو لاکھ روپیہ خرچ ہو گا۔ پہلے سال کا خرچ تو 80 نوے 90 ہزار کے قریب ہے لیکن اگلے سال جب عمارت کو مکمل کیا جائے گا اور سائنس کا سامان اکٹھا کیا جائے گا کم سے کم دو لاکھ روپیہ خرچ ہو گا۔ پھر سالانہ 70 اسی 80 ہزار کے خرچ سے کام چلے گا۔ اس کام کو چلانے کے لئے ہمیں قریباً بیس آدمی ایسے رکھنے پڑیں گے جنہوں نے سائنس کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم حاصل کی ہو۔ گویا کالج سے بھی زیادہ عملہ اس غرض کے لئے ہمیں رکھنا پڑے گا۔ کچھ عرصہ کے بعد امید ہے کہ انسٹی ٹیوٹ روپیہ پیدا کرنے کے قابل بھی ہو سکے گی۔ کیونکہ اس ادارہ میں جب علوم سائنس کی تحقیق کی جائے گی تو ایسی ایجادات بھی کی جائیں گی جو تجارتی دنیا میں کام آسکتی ہیں یا صنعت وحرفت کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور ان ایجادات کو دنیا کے تجارتی اور صنعتی اداروں کے پاس فروخت کیا جائے گا۔ ہم ان اداروں سے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے محکمہ میں یہ ایجادات کی ہیں۔ اگر تم خریدنا چاہتے ہو تو خرید لو۔ اس طرح جو روپیہ آئے گا اس کے ذریعہ اس کام کو انشاء اللہ زیادہ سے زیادہ وسیع کیا جا سکے گا۔ اسی طرح میرا یہ بھی ارادہ ہے کہ سائنس کی جو ایجادات ایسی مفید ہوں کہ جماعت ان کو اپنے خرچ پر جاری کر سکتی ہو وہ ایجادات ہم اپنے ہاتھ میں رکھیں گے اور جماعتی خرچ سے ان کو دنیا میں فروغ دیں گے۔ جیسے ہوزری کا کارخانہ ہے۔ اس نے ایک لمبے عرصے تک نقصان اٹھایا مگر اب وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے قریباً سو فیصدی نفع دے سکتا ہے۔ تیس فیصدی نفع تو دے بھی چکا ہے۔ اسی طرح آہستہ آہستہ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی ایجادات کے ذریعہ بھی سلسلہ کے مقاصد کی تکمیل کے لئے بھی بہت کچھ روپیہ جمع ہونا شروع ہو جائے گا... دنیا میں جس قدر سائنس کے انسٹی ٹیوٹز ہیں ان کے موجد اس لئے ایجادات

کرتے ہیں کہ تا اسلام تباہ ہو اور یورپ کا فلسفہ دنیا پر غالب آئے۔مگر ہمارے موجد اس لئے ایجادات کریں گے تا کہ کفر تباہ ہو اور اسلام یورپ کے فلسفہ اور یورپ کے تمدن پر غالب آجائے۔ یہ لڑائی ہے جو اسلام اور یورپ میں جاری ہے۔ یہ لڑائی ہے جو احمدیت اور یورپ کا فلسفہ آپس میں لڑنے والے ہیں۔‘‘

مزید فرمایا:

’’حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں کو دیکھ لو۔آپؑ نے جہاں اسلامی مسائل کی فوقیت ثابت کرنے کے لئے قرآنی آیات پیش کی ہیں وہاں آپ نے قانون قدرت سے بھی دلائل پیش کئے ہیں اور فرمایا کہ خدا کے کلام کی سچائی کا شاہد خدا کا فعل ہے اور یہ ناممکن ہے کہ خدا کا قول کچھ اور ہو اور اس کا فعل کچھ اور ظاہر کر رہا ہو۔ ہمارا کام بھی یہی ہے کہ ہم خدا کی فعلی شہادت اسلام اور احمدیت کی تائید میں کالج اور سائنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ذریعہ دنیا کے سامنے پیش کریں۔اور یورپ کے لوگوں سے کہہ سکیں گے کہ آج تک تم نیچر اور اس کے ذرات کی گواہی قرآن کے خلاف پیش کرتے رہے۔مگر یہ بالکل جھوٹ تھا تم دنیا کو دھوکا دیتے رہے ہو۔تم جھوٹ بول کر لوگوں کو ورغلاتے رہے ہو۔آؤ ہم تمہیں دکھائیں کہ دنیا کا ذرہ ذرہ قرآن اور اسلام کی تائید کر رہا ہے اور نیچر اپنی عملی شہادت سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی راستبازی کا اعلان کر رہا ہے۔ یہ کام بہت مشکل ہے یہ کام بہت لمبا ہے اور اس کے لئے بہت سرمایہ کی ضرورت ہے۔ابتدائی کام کے لئے بیس ایم ایس سی درکار ہوں گے جو رات اور دن اس کام میں لگے رہیں اور اسلام کی تائید کے لئے نئی سے نئی تحقیقاتیں کرتے رہیں۔ میں نے بتایا کہ اس کام پر ستر ہزار سے ایک لاکھ روپیہ تک سالانہ خرچ ہوگا اور شروع میں کم سے کم اس غرض کے لئے دو لاکھ روپیہ کی ضرورت ہوگی۔ یورپ میں تو دو دو چار چار کروڑ روپیہ کے سرمایہ سے ایسے کاموں کا آغاز کیا جاتا ہے اور ممکن ہے ہمیں بھی زیادہ روپیہ خرچ کرنا پڑے۔‘‘

ابتدائی تاریخ

فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا قیام کن مراحل میں سے گزر کر ہوا اس کی ابتدائی تاریخ کیا ہے، شروع میں کیا کیا بنیادی کام ہوئے اور مستقبل کے لئے کیا پروگرام مدنظر تھا؟ ان سب امور پر ڈاکٹر چودھری عبدالاحد صاحب کے ایک مفصل مضمون سے تفصیلی روشنی پڑتی ہے۔ جناب چودھری صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق شروع شروع میں خاکسار نے ہندوستان کا دورہ کر کے مختلف یونیورسٹیوں اور سائنس کے اداروں کو دیکھا اور مختلف ماہرین سائنس سے ملاقات کی تاکہ میری معلومات میں مزید اضافہ ہو۔ چونکہ حضور کے منشاء کے مطابق ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے کام میں بہت سی توسیع مدنظر تھی۔ اس لئے یہ ضروری تھا کہ اس کی بلڈنگ اور لیبارٹری باہر ایک کھلی جگہ بنائی جائے جس کے لئے زمین کے ایک رقبہ کی ضرورت تھی لیکن دوران جنگ چونکہ بجلی کے (CONNECTION) حاصل کرنے میں مشکلات تھیں اس لئے تعلیم الاسلام کالج کی دوسری منزل پر چند کمرے تعمیر کرنے کی تجویز ہوئی تاکہ کام فوری طور پر شروع کیا جا سکے۔ ان کمروں کے نقشے کی تفاصیل تیار کرنے کے بعد تعمیر کا کام مکرمی مولوی عبدالرحمن صاحب انور انچارج تحریک جدید کے سپرد ہوا۔ جنگ کی وجہ سے عمارت کے لئے ضروری سامان مثلاً لوہا، اینٹیں، سیمنٹ اور لکڑی وغیرہ کے ملنے میں بہت سی مشکلات تھیں۔ لیکن مکرم انور صاحب کی کوششوں اور دوسرے احباب کے تعاون سے یہ کام مختلف مراحل سے گزرتا ہوا جنوری 1946ء میں پایہ تکمیل پر پہنچا۔ فرنشنگ فٹنگ اور بجلی کا سامان مہیا کرنے میں بھی بہت سی مشکلات تھیں۔ دوسرے قادیان میں ماہر کاریگروں کی قلت کی وجہ سے اس کام کو پورا کرنے میں اندازہ سے زیادہ وقت صرف ہوا۔ جنگ کی وجہ سے چونکہ سامان سائنس کی غیر ممالک سے درآمد بند تھی اور ہندوستان کی مشہور فرموں سے بہت کم سامان ملتا تھا اس لئے بیرونی ممالک سے بعض آلات کے حاصل کرنے کے لئے گورنمنٹ سے

لائسنس حاصل کر کے انگلستان اور امریکہ سے سامان منگوانے کی کوشش کی گئی۔

جماعت کی توجہ سائنس کے علوم کی طرف کم تھی۔اس لئے کام کرنے والوں کی قلت بہت شدت سے محسوس کی گئی چنانچہ ان مشکلات کے پیش نظر حضرت مصلح موعودؓ ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے پہلے ہی واقفین زندگی کے ایک گروہ کو سائنس کی اعلیٰ تعلیم کے لئے منتخب فرما کر ان کی ٹریننگ کا انتظام کروادیا تھا۔ابتداء میں خاکسار نے صرف ایک کلرک کی امداد سے کام شروع کیا۔ کچھ عرصہ سے مکرمی اقبال احمد صاحب بی ایس سی آنرز اور بشارت احمد صاحب بی ایس سی بھی تشریف لے آئے ہیں۔ان ہر دو احباب نے ابتدائی تحقیقاتی کام شروع کر دیا ہے جسے وہ ایم ایس سی کی ڈگری کے لئے پیش کریں گے۔انشاء اللہ۔اکتوبر 1945ء سے عطاء الرحمن صاحب غنی ایم ایس سی امپریل انسٹیٹیوٹ دہلی سے تشریف لائے اور لائبریری اور لٹریچر کی چھان بین کا کام ان کے سپرد کیا گیا۔ پانچ مزید دوست مختلف اداروں میں بالترتیب ذیل ایم ایس سی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔غلام احمد صاحب عطا ایگریکلچرل کالج لائل پور میں، منور احمد بنارس یونیورسٹی میں، سلطان محمود صاحب شاہد، نصیر احمد خان اور ناصر احمد سیال علی گڑھ یونیورسٹی میں، ان کے علاوہ محمد عبداللہ صاحب بی ایس سی انجنیئر نگ اور ناصر احمد سیال کو عنقریب اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکہ بھجوایا جارہا ہے۔ان احباب کے علاوہ بہت سے اور نوجوان بھی زندگیاں وقف کر کے سائینس کی ابتدائی تعلیم حاصل کر رہے ہیں...ان حالات میں ریسرچ انسٹیٹیوٹ کا قادیان میں جاری کروانا حضرت مصلح موعودؓ ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے اولوالعزم ہونے کا زبردست ثبوت ہے۔مجھے یقین ہے کہ اگر حضور ہر مشکل کے وقت ہماری راہنمائی نہ فرماتے تو جنگ کے ایام میں اس کا شروع ہونا قریباً ناممکن تھا۔

قادیان میں تعلیم الاسلام کالج کی تعلیمی و تربیتی سرگرمیوں کے تین سال

جون 1944ء تا جون 1947ء

جماعت احمدیہ کی یہ مرکزی درس گاہ قادیان کی روح پرور فضا اور زندگی بخش ماحول میں تقسیم برّصغیر کے باعث صرف تین سال تک جاری رہ سکی۔ کالج نے اس نہایت قلیل عرصہ میں غیر معمولی ترقی کی اور اس کے ارتقاء کی رفتار حیرت انگیز رہی اور سیدنا المصلح الموعودؓ کی توجہ سے کالج نے اپنی کم عمری کے باوجود وہ تمام اہم خصوصیات حاصل کرلیں جو دوسرے ترقی یافتہ کالجوں کو سن بلوغت میں میسر آتی ہیں۔ اس سہ سالہ دور کے بعض اہم واقعات یہ ہیں:

1۔ فزکس اور کیمسٹری کی تجربہ گاہوں کا قیام۔ 2

۔ طلباء کی دینی و اخلاقی انگرانی کے موثر اقدامات

3۔ علمی تقریروں کا مفید سلسلہ

4۔ طلباء کالج کی تعلیمی دینی و اخلاقی نگرانی کے موثر اقدامات

5۔ مجلس مذہب و سائنس

6۔ تعلیم الاسلام ریسرچ سوسائٹی

7۔ فضل عمر ہوسٹل کی نئی عمارت کا افتتاح

8۔ بی اے اور بی ایس سی کلاسز کا آغاز

9۔ فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا افتتاح

فضائی تربیت۔ واقعات کے اجمالی تعارف کے بعد اب ان کی تفصیلات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

فزکس اور کیمسٹری کی تجربہ گاہوں کا قیام

کالج کا ایک بنیادی مسئلہ جس نے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ صدر کالج کمیٹی اور دوسرے ارباب حل وعقد کو بہت مشوش کر رکھا تھا، شعبہ سائنس کی تیاری کا مسئلہ تھا یعنی

1۔سائنس بلاک (لیکچر روم اور لیبارٹریوں) کو جلد از جلد قابل استعمال بنانا

2۔سائنس کے مطلوبہ سامان کی خرید

3۔گیس پلانٹ کا انتظام

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اس کام کی سرانجام دہی کے لئے حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ سے براہ راست راہنمائی حاصل کی اور حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ پرنسپل تعلیم الاسلام کالج کو اطلاع دی کہ:

''اول۔گیس پلانٹ کا کام چونکہ زیادہ نازک ہے اور اس میں ریسرچ انسٹیٹیوٹ کا بھی حصہ ہے اس لئے وہ چوہدری عبدالاحد صاحب کے سپرد رہے۔دوئم۔باقی دونوں کام یعنی (الف) سائنس کے کمروں کو استعمال کے قابل بنانا اور ان کی فٹنگ اور (ب) سائنس کے مطلوبہ سامان وغیرہ کی خرید وہ آپ کے سپرد ہوگی اور آپ مذکورہ کاموں کو اپنی نگرانی میں اپنے عملہ سے کروا لیں۔'' شعبہ سائنس کے تینوں اہم کاموں کی تکمیل کے لئے پہلے سال جو جدوجہد کی گئی اس کی تفصیل حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ کی مندرجہ ذیل رپورٹ سے بخوبی مل سکتی ہے۔یہ رپورٹ آپ نے جنوری 1945ء میں حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ کی خدمت اقدس میں بھجوائی تھی۔

آپ نے تحریر فرمایا:

''موسمی تعطیلات یعنی 7 جولائی 1947ء تک مختلف فرموں کے ساتھ خط وکتابت میں وقت گزر گیا اور ایام تعطیلات میں (1) گیس پلانٹ (2) کیمسٹری اور فزکس کے کمروں کی فٹنگ (3) لیبارٹری کی فٹنگ (4) کالج فرنیچر (5) سائنس کا سامان، آلات وادویہ کی خرید (7) دفتر کالج کے

عمارتی کام میں تبدیلی کے کام مکرمی رانا عبد الرحمن صاحب ناصر کے سپرد کئے گئے۔جنہوں نے مکرمی چوہدری عبدالاحد صاحب کے مشورہ سے GAS PLANT کے 1944-12-23 تک فٹ ہو جانے کے لئے 6000روپیہ پرایجوکیشنل سٹور لاہور کے ساتھ فیصلہ کیا اوراس عرصہ میں گیس پلانٹ کے لئے کنواں اور گیس ہاؤس اور چار دیواری کا کام چوہدری غلام حسین صاحب اوورسیئر کی نگرانی میں مکمل کرایا۔سائنس کے کمروں کی فٹنگ کے سلسلہ میں جو لیکچر رومز تیار کرائے گئے تھے ان میں اینگل آئرن کی ضرورت تھی جس کی خرید میں سخت دقت پیش آئی۔کئی مرتبہ لاہور جانا پڑا۔چونکہ لوکل کاریگروں کے لئے یہ کام بالکل نیا تھا باوجودیکہ ان کو نمونے دکھائے گئے مگر وہ FRAMING کا کام بالکل نہیں کر سکے اس لئے وہ کام بھی لاہور سے کرایا گیا۔اسی طرح لیبارٹری میں گیس اور پانی کی نالی کی فٹنگ یہاں کے کاریگر نہ کر سکے اس لئے لاہور کی ایک فرم کے ساتھ معاہدہ (AGREEMENT) کر کے کام کی تکمیل کروائی گئی لیکن گھومنے والے بلیک بورڈ قادیان میں ہی تیار کروا کر کیمسٹری اورفزکس کے کمروں کی فرنشنگ کروائی گئی۔کالج کے سینکنڈ ایر کے لئے روشنی (LIGHT) بجلی (ELECTRICITY) اور مقناطیسی (MAGNETIC) کا سامان ماہ اکتوبر و نومبر 1945ء میں پہنچا۔

طلباء کی دینی، تعلیمی اوراخلاقی نگرانی کے لئے مؤثر اقدامات

ماہ جون 1944ء میں طلباء کی نگرانی کے لئے بعض اہم اقدامات کئے گئے۔مثلاً کالج کے طلباء کو سات گروپوں میں تقسیم کر کے پروفیسر صاحبان کو گروپ انچارج مقرر کر دیا گیا جن کا کام طلباء کی ہر قسم کی نگرانی اوران کی ترقی کے معیار کو ہر رنگ اور ہر پہلو میں بلند کرتا تھا۔نماز ظہر کالج کے تعلیمی وقت کے درمیان آتی تھی جس میں طلباء کی حاضری کی نگرانی کی جاتی تھی۔علاوہ ازیں احمدی طلباء کے لئے جو قادیان کے کسی محلے یا ہوسٹل میں رہتے تھے،حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کے درس قرآن میں شمولیت لازمی قرار دے دی گئی۔اسی تعلق میں حضرت پرنسپل صاحب کالج نے یکم

نومبر 1944ء کو یہ خصوصی ہدایت جاری فرمائی کہ ”اساتذہ کرام اس بات کا خیال رکھیں کہ آئندہ کوئی طالب علم کلاس میں ننگے سر نہ آئے۔ اگر کوئی طالب علم اس کی خلاف ورزی کرے تو اس کو کلاس سے باہر نکال دیں جب تک وہ ٹوپی پہن کر نہ آئے۔“

کھیلوں کا اجراء

علاوہ اس امر کے کہ کھیلوں کے بارے میں پنجاب یونیورسٹی کے قواعد بہت سخت تھے اور ہمیں اس سلسلہ احمدیہ کے مرکزی تعلیمی اداروں میں کھیلوں کو ہمیشہ نمایاں حیثیت حاصل رہی اور یہ اس کی مسلمہ قدیم روایات ہیں۔ کالج میں کھیلوں کا باضابطہ اجراء 18 جون 1944ء کو ہوا۔ ایک ہفتہ بعد طلباء کو ان کی استعداد اور شوق کے مطابق مختلف گروپوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ کالج میں پہلا ٹورنامنٹ ماہ فروری 1945ء کے آخری ہفتہ میں منعقد ہوا۔

علمی تقریروں کا مفید سلسلہ

افتتاح کالج کے بعد طلباء کے اضافہ معلومات کے لئے ایک سلسلہ تقاریر جاری کیا گیا۔ اس سلسلہ کی پہلی تقریر آنریبل چودھری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب نے 26 جون 1944ء کو فرمائی جس میں آپ نے نہایت قیمتی نصائح اور تجاویز سے مستفید فرمایا۔ صدارت کے فرائض حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحبؒ نے انجام دیئے۔ چوہدری صاحب کی اس تقریر کے بعد سال 1944ء میں حسب ذیل مقررین نے خطاب فرمایا۔ ڈاکٹر سید ریاض الحسن صاحب آفیسر انچارج بائیولاجیکل پروڈکٹس واسسٹنٹ ڈائریکٹر گورنمنٹ ریسرچ انسٹیٹیوٹ عزت نگر (بریلی)، مسٹر اے ایچ بھٹی، حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی۔ مولانا ابوالعطاء صاحب، مولانا قاضی محمد نذیر صاحب۔

کالج یونین کی بنیاد

طلباء میں اردو انگریزی میں تقریر کا حوصلہ پیدا کرنے کے لئے اخوند عبدالقادر صاحب ایم۔

اے کی زیر نگرانی 1944ء کے دوران ہی کالج یونین قائم کی گئی۔اسی طرح ہائیکنگ کلب اور بعض اورسوسائیٹوں کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔

احمدی طلباء کے لئے دینی نصاب

مجلس تعلیم نے سیدنا حضرت مصلح الموعودؓ کی منظوری کے بعد 3 جولائی 1944ء کو انٹرمیڈیٹ کلاس کے احمدی طلباء کے لئےحسب ذیل دینی نصاب مقرر کیا:

قرآن شریف ناظرہ مع ایسے ترجمہ کے جو اس کے مطالب کو واضح کرنے والا ہو۔حفظ ربع آخر پارہ عم۔ 2۔حدیث۔عمدۃ الاحکام۔ 3۔کلام۔نزول المسیح۔کشتی نوح۔ترجمہ لباب الخیار۔ احمدیت یعنی حقیقی اسلام۔ہمارا خدا۔4۔ایسے احمدی طلباء جو باہر سے آئے ہوئے ہونے کی وجہ سے اوپر کا نصاب نہ سمجھ سکتے ہوں یا پورا نہ کر سکتے ہوں ان کے لئے مندرجہ ذیل نصاب ہوگا۔(الف) قرآن شریف ناظرہ و قرآن شریف باترجمہ تا آخر سورۃ توبہ۔ترجمہ نماز (ب) حدیث ۔نبراس المومنین (ج) کلام ۔نزول المسیح ۔کشتی نوح ،ترجمہ لباب الخیار۔احمدیت یعنی حقیقی اسلام۔ہمارا خدا ۔5۔باہر سے آنے والے طلباء میں سے جو اس نصاب کو نہ لیں ان کے لئےحسب ذیل عام اسلامی تاریخ کا نصاب ہوگا۔سیرت خاتم النبین حصہ اول ایڈیشن ثانی ،مختصر تاریخ اسلام مصنفہ شاہ معین الدین ندوی اعظم گڑھ ،اردو ترجمہ لباب الخیار،سوانح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صاحب مصنفہ شردھے پرکاش صاحب۔

پرنسپل تعلیم الاسلام کالج پنجاب یونیورسٹی کی اکیڈیمک کونسل میں

تعلیم الاسلام کالج کو پہلے ہی سال پورے صوبہ بلکہ مُلک بھر میں جو شہرت نصیب ہوئی اس کا نتیجہ خوشگوار اثر صوبائی کالجوں پر یہ پڑا کہ پنجاب یونیورسٹی کے تمام انٹرمیڈیٹ کالجوں کے پرنسپل صاحب نے حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد کو متفقہ طور پر سال 1945-1946ء کے لئے یونیورسٹی

کی اکیڈیمک کونسل کا ممبر منتخب کرلیا اور پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے آپ کو 6 جنوری 1945ء کو یہ اطلاع بھی مل گئی۔

مجلس مذہب وسائنس کا قیام

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ المصلح الموعودؓ نے ماہ فروری 1945ء میں قیام کالج کے بعد جماعت احمدیہ میں اعلیٰ علمی و مذہبی اور سائنٹفک تحقیق کا مذاق پیدا کرنے کے لئے مجلس مذہب و سائنس کے نام سے ایک اہم مجلس کی تاسیس فرمائی جس کا صدر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کو نامزد فرمایا۔حضرت میاں صاحب نے مجلس کا کام چلانے کے لئے حسب ذیل عہدیدار مقرر فرمائے:

1۔نائب صدر: حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ
پرنسپل تعلیم الاسلام کالج قادیان

2۔زائد نائب صدر، مولانا ابوالعطاء صاحب پرنسپل جامعہ احمد قادیان

3۔جنرل سیکرٹری چوہدری عبدالاحد صاحب ایم۔ایس۔سی۔پی ایچ۔ڈی

4۔نائب سیکرٹری: چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر بی اے
اور عبدالسلام صاحب اختر ایم۔اے

5۔انچارج لائبریری: پروفیسر عطاء الرحمن صاحب غنی ایم۔ایس۔پی۔ایچ۔ڈی

6۔ایڈیٹر حصہ انگریزی: ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے

7۔ایڈیٹر حصہ اردو: چودھری خلیل احمد صاحب ناصر بی۔اے

مجلس کے بنیادی مقاصد یہ تھے کہ سائنس،فلسفہ،اقتصادیات،عمرانیات اور دوسرے علوم جدیدہ کی طرف سے مذہب پر عموماً اور اسلام پر خصوصاً ہونے والے اعتراضات کی اعلیٰ علمی سطح پر تحقیق کی جائے۔اس غرض کے لئے چار سب کمیٹیوں کی تشکیل کی گئی۔سب کمیٹی مذہب،سب کمیٹی

سائنس،سب کمیٹی فلسفہ اورسب کمیٹی اقتصادیات، پولیٹکل سائنس اورسوشیالوجی وغیرہ۔ان سب کمیٹیوں کے سکرٹری بالترتیب مولانا ابوالعطاء صاحب،ڈاکٹرعبدالاحد صاحب ایم۔ایس۔سی پی ایچ ڈی ،چوہدری محمد علی صاحب ایم اے اور حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ تجویز ہوئے۔مجلس کا پہلا پبلک جلسہ 29مارچ 1945ءکومسجد اقصیٰ میں منعقد ہوا جس میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے نہایت لطیف پیرایہ میں مجلس کی اہمیت وضرورت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:۔

''سلسلہ احمدیہ کے کام کا دائرہ اب آہستہ آہستہ بہت وسعت اختیار کرتا جارہا ہے جس طرح سمندر میں پہلے ایک لہر اٹھتی ہے، پھر دوسری...اور پھر تیسری اوراس طرح لہروں کا حلقہ وسیع ہوجاتا ہے۔اسی طرح خدائی سلسلہ بھی روز بروز بڑھتا ہے اوراپنے حلقہ کو وسیع کرتا جاتا ہے۔شروع میں حضرت مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ہماری ابتدائی بحث قریباً نوے فیصدی وفات مسیح کے مسئلہ پر ہوا کرتی تھی۔پھر صداقت مسیح موعود کے مسئلہ پر زور شروع ہوا۔پھر نبوت کے مسائل پر بحث کا دور آیا اور ساتھ ساتھ دوسری قوموں کے ساتھ مقابلہ بڑھتا گیا اور اب آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ وہ وقت لا رہا ہے جب کہ احمدیت کا ساری دنیا کے ساتھ ٹکراؤ ہونے والا ہے اوراس کے نتیجہ میں ہی اسے انشاءاللہ عالمگیر فتح حاصل ہوگی۔''

''اس وقت ہمارے لئے معین مذہبی تعلیمات کو چھوڑ کر تین مقابلے درپیش ہیں۔ان میں سے بعض تو حقیقی ہیں اور بعض خیالی۔لیکن بہر حال ان تینوں کا مقابلہ کرنا اس مجلس کا کام ہے۔پہلا دائرہ جو اقتصادیات کا دائرہ ہے۔ایک عملی دائرہ ہے جس کا اسلام اوراحمدیت سے بھاری مقابلہ ہے ہمیں اس کے مقابلہ پر وہ نظام پیش کرنا ہے جو اسلام پیش کرتا ہے اوراسے غالب کر دکھانا ہے۔دوسرا دائرہ جو فلسفہ سے تعلق رکھتا ہے۔ایک قولی مقابلہ ہے یہ لوگ فلسفے کے چند نظریئے پیش کرتے ہیں جو بعض صورتوں میں اسلامی تعلیموں کے

ساتھ ٹکراتے ہیں ۔ ہمیں اس کے مقابلہ میں اسلام کے نظریئے پیش کرنے اور ان کی فوقیت ثابت کرنی ہے۔تیسرا حلقہ سائنس کا ہے۔اس حلقہ کا مذہب کے ساتھ کوئی حقیقی ٹکراؤ نہیں ہے۔کیونکہ جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا سائنس خدا کا فعل ہے اور مذہب خدا کا قول ہے مگر چونکہ بعض لوگ کوتاہ بینی کی وجہ سے غیر ثابت شدہ حقائق کو ثابت شدہ حقائق سمجھ کر اعتراض کر دیتے ہیں۔اس لئے اس کے مقابلہ کی بھی ضرورت ہے۔تو یہ تین دائرے ہیں۔ایک عملی دوسرا قولی تیسرا خیالی یعنی غیر حقیقی ،جن کے مقابلہ کے لئے یہ مجلس مذہب وسائنس قائم ہوئی ہے۔''

مجلس نے اپنے قیام کے بعد سب سے پہلے خصوصی توجہ دو اُمور پر مرکوز کر دی۔

1۔جدید علوم کی طرف سے اسلام اور مذہب پر وارد ہونے والے اعتراضات کی مکمل فہرست

2۔علوم جدیدہ کے لٹریچر کی مکمل فہرست۔

مجلس نے ابتداء ہی میں موجودہ دنیا کے اہم ترین علمی مضامین کی تحقیق کے لئے مندرجہ ذیل اہل علم وفہم کی خدمات حاصل کر لیں۔

	مقرر	موضوع
1	ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے	دنیا کی موجودہ تحریکیں
2	حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد ایم۔اے	اشتراکیت اور مذہب
3	پروفیسر محمد علی صاحب ایم۔اے	علم النفس کے جدید طریقے
4	چوہدری عبدالاحد صاحب ایم۔ایس۔سی، پی ایچ ڈی	نظام کائنات اور سائنس کی حدود
5	چوہدری عبدالاحد صاحب ایم۔ایس۔سی، پی ایچ ڈی	زندہ اشیاء کے خواص اور زندگی کی اہمیت
6	ڈاکٹر پی کے کچلو صاحب پروفیسر طبیعات گورنمنٹ کالج لاہور	جوہری توانائی
7	ڈاکٹر میلا رام صاحب پروفیسر طبیعات ایف سی کالج لاہور	'زمین کی عمر''

8	ڈاکٹر آسکر بروفلر صاحب (ڈی۔ایس۔سی	''مذہب اور سائنس''

پہلی تین تقاریر کے سوا جن میں بالترتیب حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ،حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ اور مولوی ابوالعطاء صاحب نے صدارت کے فرائض انجام دیئے باقی سب اجلاسوں میں سیدنا المصلح الموعودؓ بنفس نفیس رونق افروز رہے اور حضور نے اپنے بیش قیمت ارشادات سے مستفیض فرمایا۔مجلس مذہب وسائنس کے زیر اہتمام پہلے آٹھ لیکچر مسجد اقصیٰ میں دیئے گئے اور نواں لیکچر مسجد مبارک میں ہوا۔ یہ مجلس تقسیم ہند تک قائم رہی اور اپنے دائرہ عمل میں نہایت قابل قدر اور مفید علمی خدمات سرانجام دیتی رہیں۔

تعلیم الاسلام ریسرچ سوسائٹی کی بنیاد

سیدنا المصلح الموعودؓ کے ارشاد پر ''مجلس مذہب وسائنس'' کے علاوہ 18 جنوری 1945ء کو ''تعلیم الاسلام کالج ریسرچ سوسائٹی'' بھی قائم کی گئی ہے جس کے بنیادی اغراض ومقاصد یہ تھے کہ طلباء اور اساتذہ دونوں میں تحقیقاتی اور علمی مذاق پیدا کیا جائے اور ان اعتراضات کے متعلق جو مذہب پر عموماً اور اسلام پر خصوصاً سائنس اور دیگر علوم کی بناء پر کئے جاتے ہیں، پوری تحقیقات کر کے ان کا رد کیا جائے۔سوسائٹی کی دو شاخیں تجویز کی گئیں۔(الف) سائنس سیکشن (ب) آرٹس سیکشن اس علمی اور تحقیقاتی مجلس کے صدر حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (پرنسپل) اور سرپرست حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب (صدر کالج کمیٹی) تھے اور اس کے قواعد میں یہ بات شامل تھی کہ یہ سوسائٹی فضل عمر سائنٹفک اینڈ ریلجس سوسائٹی کے لئے جس کا نام مجلس مذہب وسائنس رکھا گیا، پودوں کے ذخیروں (NURSERY) کے طور پر کام کرے گی۔ یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ کالج یونین جوبلی فنڈ،صدر انجمن احمدیہ اور عطیہ جات سے اس کے اخراجات پورے کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

فضل عمر ہوسٹل کی نئی عمارت کا افتتاح

فضل عمر ہوسٹل عارضی طور پر گیسٹ ہاؤس میں قائم ہو چکا تھا۔مگر ضرورت اس امر کی بھی کہ اسے کالج کمیٹی کے طے شدہ پروگرام کے مطابق جامعہ احمدیہ کی عمارت میں منتقل کر دیا جائے۔یہ جگہ تعلیم الاسلام کالج سے بالکل متصل غربی جانب واقع تھی اور خلافت اولیٰ کے زمانہ مولوی محمد علی صاحب ایم اے کی رہائش گاہ اور دفتر تفسیر القرآن کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔یہ عمارت بہت سے تعمیری اضافوں اور تبدیلیوں کے بعد ماہ ااکتوبر میں ہوسٹل کی صورت میں تبدیل کر دی گئی اور حضرت امیر المومنین المصلح موعودؓ نے اس کا افتتاح اسی ماہ 27 اکتوبر کو نماز عصر کے بعد فرمایا۔اس تقریب پر چوہدری محمد علی صاحب۔ایم اے سپرنٹنڈنٹ فضل عمر ہوسٹل نے پہلے ایک ایڈریس پیش کیا جس کی ابتداء میں کہا:

’’آج سے 31 سال پہلے جبکہ منکرین خلافت خدا کے رسول کی تخت گاہ چھوڑ رہے تھے تو ان میں سے ایک نے تعلیم الاسلام ہائی اسکول کی عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ آج سے دس سال کے بعد اس بلڈنگ ہر عیسائیوں کا قبضہ ہو جائے گا۔لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے موافق مصلح موعودؓ کے مبارک دور میں جماعت کو ترقی پر ترقی عطا فرمائی۔وہ بلڈنگ جس کے متعلق یہ بات کہی گئی تھی ،اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے نوازا اور سکول کی بجائے اسے کالج کی بلڈنگ میں تبدیل کر دیا۔فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

یہ جگہ جہاں موجودہ ہوسٹل کی تعمیر ہو رہی ہے، یہ وہ جگہ ہے جہاں منکرین خلافت کے امیر رہا کرتے تھے۔لیکن آج ان کی کوٹھی کالج کے ہوسٹل میں تبدیل ہو گئی ہے۔یہ سب باتیں ہمارے لئے نشان ہیں... ہم حضور سے درخواست کرتے ہیں کہ حضور دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہر بُرے اثر کو اس جگہ سے دور کرے اور اپنی برکات کی بارش سے سیراب کرے۔اس ایڈریس کے بعد حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے ایک نہایت روح پرور اور وجد آفرین تقریر فرمائی جس کا آغاز ان

الفاظ سے کیا کہ سپرنٹنڈنٹ صاحب ہوسٹل تعلیم الاسلام کالج نے ایک پرانے واقعہ کی طرف اپنے ایڈریس میں اشارہ کیا ہے۔آپ لوگ اس واقعہ کی طرف اشارہ کرنے والے اور تاریخی طور پر اسے یاد رکھنے والے اس کیفیت کا اندازہ نہیں کر سکتے جو کیفیت آج سے 32 سال پہلے مارچ 1914ء میں قادیان کے لوگوں پر طاری ہوئی تھی...اس وقت کی قادیان آج والی قادیان نہ تھی۔ جتنے محلے قصبہ سے باہر آج آباد نظر آتے ہیں ان میں سے کوئی بھی نہ تھا۔قادیان کی آبادی اس وقت قریباً قریباً اتنی ہی ہوگی۔جتنی اس وقت کالج اور اس کے متعلقین کی تعداد ہے۔قصبہ کے باہر جتنے مکانات نظر آتے ہیں۔سوائے اسکول کے اور سوائے نور اور مولوی محمد علی صاحب کی اس کوٹھی کے جس کی طرف سپرنٹنڈنٹ صاحب نے اشارہ کیا ہے۔باقی تمام جنگل ہی جنگل تھا۔اس وقت یہ سوال جماعت کے سامنے آیا کہ کیا اپنے اصول پر قائم رہ کر اکابرین جماعت کا مقابلہ کریں یا ان سے ڈر کر ہتھیار رکھ دیں۔اس وقت اس فیصلہ کا انحصار ایک ایسے شخص پر تھا جس کی عمر کالج کے بہت سے پروفیسروں سے کم تھی۔جس کی حیثیت موجودہ کالج کے بہت سے پروفیسروں سے بہت کم تھی۔جس کا علم جہاں تک دنیوی علوم کا تعلق ہے، کالج کے ہر طالب علم سے کم تھا۔صرف اس ایک انسان کے ذمہ یہ فیصلہ کرنا تھا کہ آیا ان تمام ذمہ داریوں کے ہوتے ہوئے اور آیا ان تمام کمزوریوں کے ہوتے ہوئے جبکہ جماعت کے لوگوں میں یہ خیال پیدا کر دیا گیا تھا کہ قادیان کے لوگ سلسلہ کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور بہت بڑے فتنہ کی بنیاد رکھ رہے ہیں،اس وقت ان کا مقابلہ کرنا چاہئے یا ان کے سامنے ہتھیار رکھ دینے چاہئیں۔وہ اکابر جو سلسلہ کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے ان کا اندازہ اس وقت کی حالت کی نسبت کیا تھا اس کی طرف سپرنٹنڈنٹ صاحب نے اپنے ایڈریس میں اشارہ کیا۔وہ سمجھتے تھے کہ کہ ہمارا اثر ورسوخ اتنا زیادہ ہے اور ہمارے مقابلہ میں کھڑے ہونے والے تعداد میں،علم میں،ساز وسامان میں اور اثر ورسوخ میں اتنے کمزور ہیں کہ اگر ہمارے مقابلہ میں کھڑے ہوئے تو گرتے پڑتے زیادہ سے زیادہ دس سال تک ٹھہریں گے۔پھر یہاں عیسائیوں کا

قبضہ ہو جائے گا اور احمدیوں کا نام ونشان مٹ جائے گا۔اس وقت اس شخص کو جس کی عمر 25 سال تھی ،خدا تعالیٰ کے فضل سے اس بات کا فیصلہ کرنے کی توفیق ملی کہ خواہ حالات کچھ بھی ہوں اس جھنڈا کو کھڑا رکھے گا جس کو خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ کھڑا کیا ہے۔اس کے بعد حضور نے 1914ء کے بعض واقعات پر روشنی ڈالنے کے بعد طلباء کو نصیحت فرمائی:

''آج آپ لوگ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ وہ دن کیسے خطرناک تھے اور خدا تعالیٰ نے کس قسم کے فتنوں میں سے جماعت کو گزارا۔اس حالت کا آج کی حالت سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔اگر وہی جوش اور وہی اخلاص جو اس وقت جماعت میں تھا آج بھی آپ لوگوں میں ہوں تو یقیناً تم پہاڑوں کو ہلا سکتے ہو۔اس وقت جماعت کے لوگ بہت تھوڑے تھے مگر خدا تعالیٰ نے ان کو ایسا ایمان اور ایسا جوش بخشا کہ کوئی بڑی سے بڑی روک بھی انہیں کچھ نہ نظر آتی تھی۔آج کے نوجوان اور آج کی جماعت اگر ویسا ہی ایمان پیدا کر لے تو دنیا میں عظیم الشان تغیر پیدا کر سکتی ہے۔جو کام ایک پونڈ بارود کر سکتا ہے ایک ٹن بارود اس سے بہت زیادہ کام کر سکتا ہے۔اگر اس وقت جماعت کی حیثیت پونڈ کی تھی تو آج خدا کے فضل سے ٹن کی ہے۔مگر سوال یہ ہے کہ اس وقت کی نسبت بہت زیادہ کام کر سکتے ہیں۔لیکن اگر ریت ہیں تو اس وقت کے کام کا سواں حصہ بھی نہیں کر سکتے۔پس میں نوجوانوں کو توجہ دلاتا ہوں اپنے اندر اخلاص پیدا کریں۔''

حضور نے آخر میں مولوی محمد علی صاحب کی کوٹھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''یہ سامنے کی کوٹھی جنہوں نے اپنے رہنے کے لئے بنوائی تھی اس میں اب ہوسٹل کے جو سپرنٹنڈنٹ رہیں گے وہ ان کے ہم نام، ہم قوم، ہم ڈگری اور ہم علاقہ ہیں۔حضرت مسیح موعودؑ نے لکھا ہے۔پہلا آدم آیا تو اسے شیطان نے جنت سے نکالا مگر دوسرا آدم اس لئے آیا کہ جنت میں داخل کرے۔اس کوٹھی میں پہلے رہنے والے محمد علی نام کے ایم۔اے ڈگری والے، آرائیں قوم کے اور وطن کے لحاظ سے جالندھری تھے، ان کے ساتھیوں نے خلافت کے اختلاف کے

وقت کہا تھا۔ دیکھ لینا، دس 10 سال تک یہاں عیسائیوں کا قبضہ ہوگا۔ خدا تعالیٰ کی نکتہ نوازی دیکھو۔ دس 10 سال بعد نہیں 30 سال بعد ایک دوسرا شخص اسی نام، اسی ڈگری، اسی قوم اور اسی ضلع کا آج ہمارے سامنے یہ کہہ رہا ہے کہ اب میں اس کوٹھی میں رہوں گا۔ اور احمدیت کی روایات کو قائم رکھنے کی کوشش کروں گا۔ جو کچھ پہلے محمد علی ایم۔ اے آرائیں جالندھری نے کہا تھا بالکل غلط ہے یہ جگہ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے ہی بنائی اور یہاں اسلام کے خادم ہی رہیں گے اور میں محمد علی ایم۔ اے آرائیں جالندھری اپنے طلباء سمیت پوری کوشش کروں گا کہ احمدیت اپنی سب روایات سمیت قائم رہے اور دنیا پر غالب آئے۔''

یونیورسٹی کمیشن کی طرف سے تعلیم الاسلام کالج کا معائنہ اور اظہار مسرت

سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ کے ارشاد کے پیش نظر کالج کمیٹی نے پنجاب یونیورسٹی سے درخواست کی کہ کالج کو بی اے اور بی ایس سی تک بڑھانے کہ اجازت دی جائے۔ اس پر یونیورسٹی نے تمام حالات کا مطالعہ کرنے کے لئے ایک کمیشن قادیان بھجوایا۔ یہ کمیشن ملک عمر حیات صاحب پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور، سردار جودھ سنگھ صاحب پرنسپل خالصہ کالج امرتسر اور ڈاکٹر جی۔ ایل دتا صاحب پرنسپل ڈی اے وی کالج پر مشتمل تھا۔ ارکان کمیشن نے 9 جنوری 1946ء کو تعلیم الاسلام کالج کا معائنہ کیا اور کالج کی جائے وقوع اس کی عمارات، سامان، گراؤنڈز وغیرہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فضل عمر ہسپتال ریسرچ انسٹیٹیوٹ دیکھ کر تو یہ اثر لے کر گئے کہ کالج سے متعلق ان تیاریوں سے ظاہر ہے کہ ایک یونیورسٹی کی بنیاد رکھی جا رہی ہے۔

تعلیم الاسلام کالج میں توسیع کے لئے حضرت امیر المومنین کی اپیل

جماعت احمدیہ کے اولو العزم روحانی سپہ سالار حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ نے کالج کی افتتاحی تقریب پر اس دلی منشاء کا اظہار فرما دیا تھا کہ آپ اس دن کے آنے کے منتظر ہیں کہ ''اس بیج میں سے

ایک دن ایسا درخت پیدا ہو جس کی ایک ایک ٹہنی ایک بڑی یونیورسٹی ہو اور ایک ایک پتا کالج بن جائے اور ایک ایک پھول اشاعت اسلام اور تبلیغ دین کی ایک اعلیٰ درجہ کی بنیاد ہو۔'' حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے اس عظیم الشان نصب العین کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے قیام پاکستان سے قبل جو تدریجی قدم اٹھائے ان میں تعلیم الاسلام کالج میں بی۔اے اور بی ایس سی کی کلاسوں کا اضافہ بھی ہے حضور نے اس سلسلہ میں ناصر آباد سندھ سے 15 مارچ 1946ء کو حسب ذیل مضمون رقم فرمایا:

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم　　　　بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ — ھو الناصر۔ — من انصاری الی اللہ

تعلیم الاسلام کالج قادیان میں توسیع بی۔اے اور بی۔ایس۔سی کی کلاسیں کھولنے کی تجویز

احباب کو معلوم ہے کہ دو سال سے قادیان میں کالج کی بنیاد رکھ دی گئی۔اس سال ایف۔اے اور ایف ایس سی کے طالب علم امتحان دیں گے اور پاس ہونے والے بی۔اے بی۔ایس۔سی میں داخل ہوں گے۔چونکہ ایف اے اور ایف ایس سی تعلیم کا منتہا نہیں ہے۔اس کے لئے تکمیل تعلیم کے لئے بی۔اے اور بی۔ایس۔سی کی جماعتوں کا ہونا ضروری ہے جن کے کھولنے کے لئے صرف عمارت اور فرنیچر اور سائنس کے سامان کا اندازہ ایک لاکھ ستر ہزار کیا جاتا ہے اور کل خرچ پہلے سال کا دو لاکھ پانچ ہزار بتایا جاتا ہے یونیورسٹی کی طرف سے کمیشن آ کر بی۔اے اور بی۔ایس۔سی کی جماعتوں کے کھولنے کی سفارش کر چکا ہے۔اب صرف ہماری طرف سے دیر ہے۔اس وقت اگر ہم یہ جماعتیں نہ کھولیں گے تو جماعت کے لڑکے ایک تو اعلیٰ تعلیم کے لئے پھر دوسرے کالجوں میں جانے پر مجبور ہوں گے۔دوسرے بہت سے لڑکوں کو دوسرے کالج لیں گے ہی نہیں۔کیونکہ اکثر کالج دوسرے کالجوں کے لڑکوں سے تعصب رکھتے ہیں۔اس لئے ہمارے لڑکوں کی عمریں تباہ ہوں گی۔تیسرے جو غرض کالج کے اجراء کی تھی کہ لا مذہبیت کے اثر کا مقابلہ کیا جائے اور خالص اسلامی

ماحول میں پلے ہوئے نوجوانوں کو باہر بھجوایا جائے، وہ فوت ہو جائے گی۔ پس ان حالات میں میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے کالج کی بی۔اے اور بی۔ایس۔سی کی جماعتیں کھول دی جائیں اور اسی سے دعائے کامیابی کرتے ہوئے میں جماعت احمدیہ کے مخلص افراد سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس کام کے لئے دل کھول کر چندہ دیں اور یہ دو لاکھ کی رقم اس سال میں پوری کر دیں تا کہ یہ کام بہ تمام وکمال جلد مکمل ہو کر اسلام کی ایک شاندار بنیاد رکھی جائے۔

میں نے اپنے آپ کو ایک نمونہ بنانے کے لئے دس ہزار روپیہ کا وعدہ کیا ہے۔اس سے پہلے اس سال میں دس ہزار تحریک جدید میں اور پانچ ہزار مدرسہ احمدیہ کے وظائف کے لئے دے چکا ہوں اور ان چندوں کے علاوہ نو دس ہزار کی مزید رقم میں نے ادا کی ہے یا کرنی ہے۔اور گو یہ میرے ارادے میری موجودہ حالت کے خلاف ہیں۔لیکن وہ مال جو اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کے لئے کام نہیں آتا کس کام کا؟ ہماری زبان میں محاورہ ہے کہ بھاڑ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان۔ پس وہی روپیہ ہمارا ہے جو دین میں خرچ ہو۔جو ہم نے کھایا وہ گنوایا اور جو خدا تعالیٰ کی راہ میں دیا وہ لیا۔پس احباب جماعت کو چاہئے کہ چندوں کی کثرت سے گھبرائیں نہیں بلکہ خوشی سے کودیں اور اچھلیں کہ خدا تعالیٰ نے انہیں اپنے کام کے لئے چن لیا ہے۔مجھے یقین ہے کہ احباب اس تحریک کو ایک بار نہ سمجھیں گے بلکہ ایک عظیم الشان انعام سمجھتے ہوئے اس کے حصول کے لئے کھلے دلوں کے ساتھ چندہ دیں گے۔میں سمجھتا ہوں کہ ہماری جماعتوں میں اب ایسے لوگ شامل ہیں کہ اگر ان میں سے پانچ سو آدمی بھی اس عہد کو سامنے رکھ کر جو انہوں نے خدا تعالیٰ سے کیا ہے اس کام کے لئے آگے آ گئے تو وہ دوسروں کی مدد کے بغیر اس رقم کو پورا کر سکتے ہیں۔لیکن میں چاہتا ہوں کہ ہر احمدی غریب امیر اس کام میں حصہ لے جو ہزاروں دے سکتے ہیں وہ ہزاروں دیں اور جو سینکڑوں دے سکتے ہیں وہ سینکڑوں دیں اور جو بیسیوں دے سکتے ہیں وہ بیسیوں دیں اور جو روپیہ دو روپیہ دے سکتے ہیں وہ روپیہ دو روپیہ دیں اور جو چند پیسے دے سکتے ہیں وہ چند پیسے ہی دیں تا اس اسلامی عمارت

میں آپ میں سے ہر چھوٹے بڑے کا حصہ ہو اور دجالی لشکر کے مقابلہ کے لئے تیار کئے جانے والے لشکر کے سامان میں آپ کا روپیہ بھی لگا ہوا ہو۔ میں **بسم اللہ مجریھا و مرسھا** کہتے ہوئے اس کاغذی ناؤ کو تقدیر کے دریا میں پھینکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آسمان سے فرشتے اتارے جو اسے کامیابی کی منزل پر پہنچا دیں اور اپنے الہام سے مخلصوں کے دلوں میں قربانی اور ایثار کا مادہ پیدا کرے اور پھر ان کی قربانی کا اُدھار نہ رکھے بلکہ بڑھ چڑھ کر اس کا بدلے دے۔ **اللھم آمین**۔

والسلام

خاکسار مرزا محمود احمد

از ناصر آباد سندھ -15 امان 1325 بمطابق 15 مارچ 1946ء

قادیان کے بزرگ صحابہ کی فضل عمر ہوسٹل میں تشریف آوری

طلبائے فضل عمر ہوسٹل کی دیرینہ خواہش تھی کہ صحابہ کرام کی زیارت کرنے اور چند لمحے ان کی بابرکت مجلس میں بیٹھنے کی سعادت حاصل کریں۔ یہ مبارک موقع 18 مارچ 1946ء کو میسر آیا۔ اس روز نماز عصر کے بعد طلباء فضل عمر ہوسٹل نے مقامی صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دعوت چائے پر مدعو کیا اور بطور یادداشت ان کے دستخط لئے چائے کے بعد طلباء کی طرف سے نہایت جامع ایڈریس پیش کیا گیا۔ پھر سب صحابہ کا مجموعی طور پر فوٹو لیا گیا اکتالیس 41 صحابہ کرام اس گروپ میں موجود تھے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے بھی شمولیت فرمائی۔ آخر میں صحابہ کرام نے باری باری اپنا نام، ولدیت، وطن اور سن بیعت برائے تعارف بیان فرمایا اور مغرب کے وقت دعا پر یہ تقریب ختم ہوئی۔ اس اہم تقریب کی مزید تفصیل چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے کے الفاظ میں یہ ہے کہ "فضل عمر ہوسٹل میں ایک مجلس صحابہ منعقد ہوئی جس میں سوائے حضرت میر محمد اسماعیل رضی اللہ عنہ اور حضرت پیر منظور محمد صاحبؓ کے قادیان میں موجود تمام صحابہ نے شمولیت

فرمائی۔سیدنا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ بھی تشریف نہیں لا سکتے تھے۔ بالا تفاق صدارت کے لئے حضرت مولانا سید سرور شاہ رضی اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی تجویز ہوا۔تمام صحابہ نے اپنے مختصر کوائف بیان کئے جو درج رجسٹر ہوئے اور سب نے باری باری اس بات کی شہادت دی کہ ہم سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر نبی کی حیثیت سے ایمان لائے تھے اور اسی عقیدہ پر اب تک قائم ہیں۔

بی ایس سی کے لئے علم طبیعات کی لیبارٹری کی بنیاد اور اس کی تعمیر

15 اپریل 1946ء کو حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ نے تعلیم الاسلام کالج کی چھت پر جانب مغرب شعبہ سائنس کی علم طبیعات کی لیبارٹری کی بنیاد اپنے دست مبارک سے رکھی۔اس موقع پر حسب ذیل صحابہ کرام بھی موجود تھے:

1۔حضرت مولانا سید سرور شاہ صاحب

2۔خان صاحب منشی برکت علی صاحب

3۔آنرایبل چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب

4۔سیٹھی خلیل الرحمن صاحب

5۔خان بہادر غلام محمد صاحب

6۔مولوی محمد دین صاحب

7۔ملک غلام فرید صاحب

8۔مولوی فضل الٰہی صاحب

9۔حضرت نواب زادہ محمد عبد اللہ خاں صاحب

10۔حضرت ماسٹر علی محمد صاحب بی۔اے۔بی۔ٹی

11۔حضرت مولوی غلام نبی صاحب مصری

12۔حضرت قاضی محمد عبد اللہ صاحب

13۔ماسٹر ودھاوے خاں صاحب

ان صحابہ نے بھی حضور کے ارشاد پر ایک ایک اینٹ رکھی ۔ بعدازاں سیدنا المصلح الموعودؓ نے مجمع سمیت لمبی دعا فرمائی۔بی ایس سی(فزکس اور کیمسٹری) کی لیبارٹری کے آلات (APPARATUS) کے لئے ولایت کی ایک فرم کو آرڈر دیا گیا۔فرنشنگ اور پلیننگ کا کام چوہدری غلام حیدر صاحب کے سپرد تھا اور بلڈنگ کے انجنیئر چوہدری عبداللطیف صاحب واقف زندگی اوور سیئر تھے۔1947ء کے وسط تک یہ لیبارٹریاں تیار ہو چکی تھیں اور آلات (APPARATUS) بھی خاصی تعداد میں ولایت سے پہنچ گئے تھے۔

فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا افتتاح

فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا باقاعدہ افتتاح 19 اپریل 1946ء کو بوقت پانچ بجے شام ہوا۔اس تقریب میں سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ بھی رونق افروز تھے۔سب سے پہلے ادارہ کے ڈائریکٹر چوہدری عبدالاحد صاحب نے ڈاکٹر شانتی سروپ بھٹنا گر ڈائریکٹر کونسل آف سائنٹفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ کو ایڈریس پیش کیا۔جس کی ابتداء میں اس ادارہ کی غرض وغایت پر روشنی ڈالی۔ بعدازاں بتایا:

’’اس ادارہ کے لئے مستقل عمارت کی تجویز شہر سے کچھ فاصلہ پر چنانچہ گورنمنٹ کی نیلامی سے چالیس ایکڑ زمین حاصل کر لی گئی ہے...موجودہ تجربہ گاہوں کو جدید آلات سائنس سے لیس کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے اور ایک ٹیکنیکل لائبریری کا قیام بھی عمل میں لایا گیا ہے۔بعض ایسے انتظامات بھی کئے گئے ہیں جن سے مختلف قسم کے تجربات کم اور زیادہ دباؤ کے ماتحت کئے جا سکتے ہیں....تجارتی تجربات کے لحاظ سے مملکت متحدہ کی بعض فرموں کو نباتاتی تیل کے صاف کرنے اور اس سے بناسپتی گھی بنانے نیز پینٹ ،وارنش اور چھاپنے والی سیاہی بنانے کے لئے مشینری کا آرڈر دیا جا چکا ہے اور امید ہے کہ عنقریب یہ چیزیں پہنچ جائیں گے۔ان کے علاوہ مختلف

چیزوں کی غذائیت پر تحقیق کرنے اور انہیں تجارتی طریق پر چلانے کے لئے ایک مشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی زیرنگرانی بھی تیار کی جا رہی ہے جس کو عنقریب مکمل ہونے پر تجربہ گاہ میں نصب کیا جائے گا۔ادارہ کا قریباً125 ایکڑ تجرباتی فارم بھی ہے جہاں مختلف پودوں خصوصاً تیل نکالنے والے بیج اور بعض دوسری جڑی بوٹیوں کی پیداوار کو بڑھانے کے متعلق تجاویز عمل میں لائی جاتی ہیں۔ارادہ یہ ہے کہ پودوں کے مختلف حصوں میں ان کے بڑھنے کے دوران میں جو خاص کیمیاوی تبدیلیاں لاحق رہتی ہیں انہیں بھی زیر مطالعہ لایا جائے۔''

پروفیسر سرشانتی سروپ بھٹنا گر نے اپنی افتتاحی تقریر میں حضور کو مخاطب کرتے ہوئے عرض کیا کہ جناب والا ایک طاقتور جماعت کے مذہبی رہنما کی حیثیت سے آپ نے فضل عمر سائنس تحقیقاتی ادارہ کو اپنی جماعت کی مذہبی نشوونما کے لئے قائم فرمایا ہے۔مذہب اور سائنس کا یہ اتحاد اور یہ باہمی تعلق جو آنجناب کا ادارہ قائم کرے گا، بے حد قابل تعریف ہے۔ڈاکٹر بھٹنا گر صاحب ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا افتتاح کر چکے تو حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ نے نمائندگان جماعت سے (جو مجلس مشاورت پر قادیان میں پہنچ چکے تھے اور اس موقع پر موجود تھے) خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے لئے اب تک مالی قربانی کا کوئی مطالبہ نہیں کیا گیا۔لیکن موجودہ ابتدائی پروگرام کی تکمیل کے بعد دو تین سال میں ہی وہ وقت آئے گا جب جماعت کے سامنے اس کی تحریک کی جائے گی۔

ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا چرچا پریس میں

یہ ادارہ متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کا واحد مثالی ادارہ تھا جسے نہ صرف ملکی پریس ہی نے بلکہ انگلستان تک کے سائنسی اداروں (INSTITUTIONS) نے بھی سراہا۔چنانچہ شمالی ہند کے مشہور مسلمان اخبار ''انقلاب'' نے لکھا:

''اس وقت علمی وصنعتی دائرے میں مسلمانوں کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ سائنٹفک تحقیقات کے ادارے قائم کئے جائیں جن میں نوجوان سائنس کے جدید ترین آلات اور بہترین

ٹیکنیکل کتابوں اور فاضل اور تجربہ کار معلموں کی مدد سے اسرار قدرت کا علم حاصل کریں اور صنعت و حرفت کے جدید اور وسیع دائرے میں کام کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ یہی طریقہ ہے جس سے کام لیکر ملّت میں وہ قوت وصلاحیت پیدا کی جاسکتی ہے جو آج دنیا کی بڑی بڑی قوموں کو حاصل ہو چکی ہے اور جس کے بغیر کمزور قومیں مادی ترقی کے میدان میں ایک قدم بھی نہیں بڑھا سکتیں۔ قادیان نے اس سلسلہ میں سبقت کی ہے۔ امام جماعت احمدیہ نے ڈھائی لاکھ روپیہ کے ابتدائی سرمایہ سے فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ قائم کرنے کی اجازت دے دی ہے جس کا افتتاح گزشتہ جمعہ کے دن مشہور سائنسدان ڈاکٹر سر شانتی سروپ بھٹنا گرنے قیام قادیان فرمایا، اس انسٹی ٹیوٹ کی لیبارٹریوں میں بہترین اور جدید آلات مہیا کرنے کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ بایو کیمیکل ریسرچ کے لئے الیکٹرون، خوردبین، پروٹین اور کولائیڈ یجنز کے خواص کی تحقیق کے لئے خاص آلہ تحلیل وتجزیہ کی عملیات کے لئے سیکٹوگراف اور دوسرے آلات منگائے جا رہے ہیں جن کی مدد سے صنعتوں کی ترقی وتوسیع کا کام اعلیٰ پیمانے پر کیا جائے گا۔ اس وقت چھ ریسرچ اسسٹنٹ کام کر رہے ہیں۔ دو فارغ التحصیل نوجوانوں کو کیمیکل انجینئرنگ وغیرہ کی اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکہ بھیجا جا رہا ہے۔ ہندوستان کی یونیورسٹیوں کے طلباء سائنس کے لئے بھی انسٹی ٹیوٹ میں ٹیکنیکل ٹریننگ کا بندوبست کیا جا رہا ہے۔ یہ ہے وہ حقیقی کام جس کی ضرورت مسلمانوں کو شدت سے محسوس ہو رہی ہے۔ لیکن اب تک ان کے کسی تعلیمی ادارے میں اس کام کی طرف کما حقہ توجہ نہیں کی گئی۔ اگر قادیانیوں کو برا بھلا کہنے والوں کو اس ''جہاد لسانی'' کے ساتھ ساتھ قادیانیوں کے تعمیری کاموں میں مسابقت کی توفیق بھی ملتی تو کتنا اچھا ہوتا۔ ہمیں یقین ہے کہ مرزا محمود احمد صاحب کی توجہ اور ان کے جاں نثاروں کی محنت سے یہ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بہت جلد بے انتہا کام کرنے لگے گا۔ کیا ہم یہ امید کر سکتے ہیں کہ لاہور پشاور، دہلی، علی گڑھ کے اسلامی ادارے بھی وقت کی اس اہم ضرورت کی طرف توجہ کریں گے۔

2۔ قادیان میں فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا افتتاح اس کی مقامی اہمیت سے بہت زیادہ بیرو

نجات پر اثر انداز ہے۔ جماعت احمدیہ کا یہ اقدام مذہب وسائنس کو متحد کرنے کی کوشش کا کامیاب مظاہرہ ہے۔ احمدی بے شک تعداد میں تھوڑے ہوں لیکن جماعتی لحاظ سے اس طرح منظم ہیں کہ بہت سے شعبہ ہائے زندگی میں وہ بڑی تیز رفتاری سے شاہراہ ترقی پر گامزن ہورہے ہیں۔ قادیان کے احمدیوں میں صنعت وحرفت کی ترغیب وترویج کے لئے انہوں نے بہت کوشش کی ہے اور بہت سی مفید باتوں میں وہ دوسروں سے پیش پیش ہیں۔ ان کا یہ تازہ شاہکار اس ترقی کی روح کا آئینہ دار ہے۔ (ترجمہ)

3۔ دنیائے سائنس کے مشہور ہفتہ وار رسالہ نیچر (NATURE) نے جو لندن سے نکلتا ہے، ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے افتتاح کی تفصیلی خبر دیتے ہوئے لکھا:

مشرق ومغرب دونوں جگہ از منہ گزشتہ سے ہی علم کی ترقی مذہبی جماعتوں کی مرہون منت رہی ہے۔ مستقبل میں ہندوستان میں سائنس کو جو اہمیت حاصل ہوگی۔ اس کے احساس کی نمایاں علامت اس فیصلہ سے ظاہر ہوتی ہے جو امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح (حضرت خلیفۃ المسیح المصلح الموعودؓ) نے اپنی جماعت کے چندوں میں سے ایک کثیر رقم سائنس کے تحقیقاتی اداروں کے قیام کے لئے منظور فرما کر کیا ہے۔ یہ جماعت پہلے ہی بہت تعلیمی اداروں کو چلا رہی ہے جن میں تعلیم الاسلام کالج بھی شامل ہے۔ مگر اب (حضرت) امام (جماعت احمدیہ) کا یہ خیال ہے وہ وقت آ گیا ہے جبکہ ان اداروں کو بام عروج تک پہنچایا ہے۔ یہ نیا تحقیقاتی ادارہ فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ قادیان اس وقت جنم لے رہا ہے جبکہ ہندوستان میں تحریک احیاء سائنس زوروں پر ہے اور پرائیویٹ اداروں نے بھی اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے اپنا حصہ ادا کیا ہے۔ (ترجمہ)

ریسرچ کا دوبارہ لاہور میں قیام

اہل ملک کو عموماً اور جماعت احمدیہ کو خصوصاً اس ادارہ سے بہت توقعات وابستہ تھیں اور وہ اسے

دنیا بھر میں اپنی طرز کا منفرد اور کامیاب سائنسی تحقیقات کا مرکز دیکھنا چاہتی تھی۔مگر جیسا کہ آئندہ آنے والے واقعات نے ثابت کیا خدا تعالیٰ کی مشیت کے مطابق عہد مصلح موعودؓ میں ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی محض داغ بیل ڈالنا مقصود تھا ٹھیک جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں تعلیم الاسلام کالج کی بنیاد کا رکھا جانا۔ جہاں 1905ء میں کالج کی بندش حکومت کی داخلہ پالیسی کے نتیجہ میں بالواسطہ ہوئی تھی۔ وہاں فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کو 1947ء میں فسادات ملکی کی وجہ سے بند کرنا پڑی۔مگر حضرت سیدنا محمود المصلح الموعودؓ نے قادیان میں مغربی فلسفہ کے خلاف اسلام کی تائید و برتری کے لئے جو قدم اٹھایا تھا اس سے وقتی طور پر ہٹنا گوارا نہ فرمایا۔ چنانچہ محض آپ کے طفیل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ دوبارہ معرض وجود میں آ گئی۔ریسرچ کا دفتر 108 بلاک سی ماڈل ٹاؤن لاہور میں قائم کیا گیا اور صنعتی کام کے لئے مسلم ٹاؤن کے بالمقابل نہر کے پاس ایک لیبارٹری الاٹ کرالی گئی، جو F.R.S کے نام سے مشہور تھی۔

لاہور میں اس کی ابتداء بہت مشکلات کے دوران ہوئی۔کافی تگ و دو کے بعد کیمیاوی مرکبات اور سائنٹفک سامان بنانے کا کام شروع کیا گیا۔دو تجربے بڑے پیمانہ پر کئے گئے جو گندھک کی صفائی اور گندھک کا تیزاب بنانے سے تعلق رکھتے تھے۔کچھ عرصہ کے لئے صابن سازی کی صنعت بھی جا رہی ہے۔ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا ایک پروگرام بیرون ممالک میں اپنے سکالرز کو اعلیٰ تعلیم اور ٹریننگ دلوانا بھی تھا۔ چنانچہ اس سکیم کے تحت چار افراد امریکہ انگلستان بھجوا دیئے گئے اور متعدد طلباء کو اندرون ملک اعلیٰ تعلیم دلائی گئی اواخر 1950ء میں بیرونی ممالک کے سکالرز واپس آنا شروع ہوئے اور 1951ء کے وسط میں انسٹی ٹیوٹ کو از سر نو ترتیب دیا جانے لگا۔1952ء کی ابتداء تک انسٹی ٹیوٹ پلیننگ کے مختلف مراحل سے گزرتی رہی۔مالی مشکلات کے پیش نظر چھوٹے پیمانے پر ہی کام ممکن ہوسکا۔کیمیاوی مرکبات بنانے کا کام جاری رہا۔وارنش بنانے کا کام تجربہ کے رنگ میں شروع کیا گیا۔چند ایک مکینیکل لائن کی مصنوعات بھی بنائی گئیں جو سائیکل

انڈسٹری سے تعلق رکھتی تھیں۔گندھک صاف کرنے کا ایک کامیاب تجربہ کیا گیا۔کاسمیٹکس کے چند ایک عمدہ مرکبات بنائے گئے۔پاکستان کی چند معدنیات کا کیمیاوی تجزیہ کیا گیا۔علمی کام کے لحاظ سے زیادہ تر ببلوگریفک لٹریچر پیدا کرنے کی طرف توجہ دی گئی۔اس کام میں سردار عطاء الرحمن صاحب غنی نے کافی شغف رکھا اور انہوں نے ''پاکستان ایسوسی ایشن فاؤنڈیشن منٹ آف سائنس'' کے ماتحت ایک کتاب اور متعدد رسائل شائع کئے۔اسی موضوع سے متعلق چند ایک مضامین بھی سائنٹفک رسائل میں شائع کئے گئے۔ببلوگرافک کام کو لائبریری آف کانگریس واشنگٹن امریکہ ،مڈل ایسٹ، انسٹی ٹیوٹ واشنگٹن امریکہ، ڈویژن آف ببلوگریفی یونیسکو پیرس جیسے مشہور اداروں نے مفید قرار دیا۔پاکستان میں انسٹی ٹیوٹ کے پاس ایک عمدہ لائبریری فراہم ہوگئی۔ماہ جون 1953ء میں یہ ادارہ لاہور سے ربوہ منتقل ہو گیا اور 25 جون 1953ء کو حضرت المصلح الموعودؓ نے ایک بصیرت افروز تقریر اور دعا کے ساتھ اس کی نئی عمارت کا افتتاح فرمایا۔مگر افسوس حضرت مصلح الموعودؓ کی خلافت کے آخری دور میں یہ تحقیقاتی مرکز بوجہ بند کر دینا پڑا۔

ایف۔اے اور ایف۔ایس۔سی کلاسوں کا پہلا امتحان اور پہلا نتیجہ

23 اپریل 1946ء کو تعلیم الاسلام کالج میں انٹرمیڈیٹ کا پہلا امتحان شروع ہوا۔سردار امریک سنگھ صاحب خالصہ کالج امرت سر سپرنٹنڈنٹ اور اخوند عبد القادر صاحب ایم۔اے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ تھے۔اس موقع پر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے حضرت پرنسپل صاحب کے نام ایک خط میں تاکید فرمائی کہ ''طلباء کو تاکید فرما دیں کہ وہ ہر پرچے کو دعا کے ساتھ شروع کریں اور پورا وقت لے کر اٹھا کریں اور آخر میں نظر ثانی بھی ضرور کیا کریں۔کئی لڑکے پرچے کو آسان سمجھ کر یا گھبرا کر جلدی اٹھ جاتے ہیں اور نظر ثانی بھی نہیں کرتے اور اس طرح بھاری نقصان اٹھاتے ہیں۔'' آپ کی یہ ہدایت طلباء کو ذہن نشین کرا دی گئی۔

کالج کی طرف سے 1946ء کو ایف۔اے اور ایف۔ایس۔سی کے امتحانوں میں 59 طلباء

شریک ہوئے جن میں سے کمپارٹمنٹ والے طالب علموں کو شامل کرتے ہوئے 31 کامیاب قرار پائے اور ایک طالب علم نذیر احمد صاحب 493 نمبر لے کر پنجاب بھر کے مسلمان امیدواروں میں سوم رہے ۔یونیورسٹی کے اعلان کے مطابق ان امتحانوں کا نتیجہ پانچ سالوں میں سب سے سخت رہا تھا اور اسی کالج کے اس نتیجہ نے اگرچہ جماعت کے بلند علمی حلقہ میں آئندہ بہت بہتر نتائج کی امید پیدا کر دی مگر یہ نتیجہ حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ کی توقع سے کم نکلا جس کی اطلاع اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو بذریعہ رویا قبل از وقت دی جا چکی تھی۔

طلباء کے نام موسمی تعطیلات کے دوران نہایت اہم مکتوب

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب رحمہ اللہ کو ہمیشہ احمدی طلباء کی روحانی اور اخلاقی تربیت کا فکر دامنگیر رہتا تھا اور اس کے لئے آپ کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ ماہ جون 1946ء کا واقعہ ہے کہ کالج موسمی تعطیلات میں بند تھا اور طلباء اپنے اپنے گھروں میں چھٹیاں گزار رہے تھے اس دوران میں آپ نے قلم مبارک سے حسب ذیل مراسلہ تحریر فرمایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم   نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

دفتر تعلیم الاسلام کالج قادیان

عزیزم   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا تعلیم الاسلام کالج میں داخلہ آپ کے لئے ہزار ہا برکات کا موجب ہے اور ہم پر ہزار قسم کی ذمہ داریاں عائد کرتا ہے۔ اس لئے میں نے مناسب خیال کیا کہ اب جبکہ آپ اپنے گھروں میں چھٹیاں گزار رہے ہیں۔ بعض ضروری باتوں کے متعلق آپ کو یاد دہانی کرادوں۔ امید ہے کہ آپ عزیز ان کی طرف خاص توجہ دے کر ثواب دارین حاصل کریں گے۔ اور ''احیاء اسلام'' کے لئے ایک مفید وجود بن کر اپنے رب کی رضا آپ کو حاصل ہو گی۔ (1) نماز باجماعت کے پابند

رہیں۔(2) تبلیغ (حتی المقدور) ضرور کرتے رہیں۔(3) کالج کے لئے ایک سو روپیہ چندہ اکٹھا کر کے ضرور لائیں۔(4) کالج میں داخل ہونے کے لئے پراپیگنڈا کرتے رہیں۔(5) آپ کے ذمہ خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے لئے پانچ سے دس روپیہ کا چندہ لگایا گیا تھا۔ یہ بالکل ہی معمولی کام ہے۔ ذرہ سی توجہ سے ہوسکتا ہے۔ خدا تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور آپ کو حقیقی احمدی بنائے۔

کالج میں فضائی تربیت

پروفیسر چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے تحریر کرتے ہیں:

”قادیان میں I.A.T.C یعنی فضائی تربیت کی کلاسیں شروع ہوئیں۔اس کے لئے مکرم سید فضل احمد صاحب اور عاجز اور بعد میں چوہدری فضل داد صاحب ٹریننگ کے لئے سکندر آباد گئے اور واپس آ کر یہ کلاسیں شروع کیں۔ہم پنجاب یونیورسٹی کے ونگ کا حصہ تھے۔سردار جگیر سنگھ جو ہمارے استاد پروفیسر شو چرن سنگھ کے لڑکے تھے ہمارے ونگ کے کمانڈر تھے۔“

قادیان میں کالج کی تعلیمی سرگرمیوں کا آخری دن

تعلیم الاسلام کالج قادیان کی سہ سالہ روداد پر روشنی ڈالنے کے بعد اب ہم 30 جون 1947ء کے یادگار دن تک آ پہنچے ہیں جو قادیان میں کالج کی تعلیمی سرگرمیوں کا آخری دن تھا۔اس روز حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے ”آرڈر بک سٹاف“ میں یہ تحریر فرمایا کہ کالج یکم جولائی 1947ء سے گرمی کی تعطیلات کے لئے بند ہو کر 27 ستمبر 1947ء کو دوبارہ کھلے گا۔ یہ سرکلر کالج کے دور قادیان کا آخری فرمان ثابت ہوا، کیونکہ موسمی تعطیلات کے دوران ہی 14 اگست 1947ء کو ملکی تقسیم عمل میں آئی اور ساتھ ہی ہر طرف قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا۔ 2 اکتوبر 1947ء کو سٹاف اور طلباء کی موجودگی میں تعلیم الاسلام کالج اور فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی شاندار عمارتوں پر زبردستی قبضہ کر لیا گیا اور بیش قیمت اور جدید ترین آلات سائنس اور ہر قسم کے علوم وفنون پر مشتمل لائبریری

چھین لی گئی۔

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ کی پاکستان میں ہجرت

موسمی تعطیلات میں کالج کے اکثر اساتذہ طلباء قادیان سے باہر چلے گئے۔ مگر حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ یکم وفاء سے لے کر 15 نومبر 1947ء تک قادیان میں تشریف فرما رہے اور قیام امن وصلح کے لئے شب وروز مصروف عمل اور سراپا جہاد بنے رہے۔ اسی دوران میں سیدنا المصلح الموعودؓ کی طرف سے پاکستان آجانے کا ارشاد ملا جس پر آپ نے 16 نومبر 1947ء کو قادیان کی مقدس اور پیاری بستی سے ہجرت کر کے پاکستان تشریف لے آئے اور ساتھ ہی تعلیم الاسلام کالج قادیان کے دور اوّل کی تاریخ کا آخری ورق بھی الٹ گیا۔

۞

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے خصوصی فیصلہ پر پاکستان میں کالج کی بنیاد

لاہور میں اس کالج کی زندگی کے سات سال - ماہ اکتوبر 1954ء تک

حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحبؒ پرنسپل تعلیم الاسلام کالج ابھی قادیان میں تھے کہ خدا کے اولوالعزم عالی ہمت اور ذہین وفہیم خلیفہ موعود نے ہجرت پاکستان کے بعد یہ ارشاد فرمایا کہ تعلیم الاسلام کالج کو جلد سے جلد کھولنے کا انتظام کیا جائے اور چوہدری عبدالاحد صاحب ڈائریکٹر کو ریسرچ اور کالج کے لئے موزوں عمارت تلاش کرنے پر مقرر فرمایا۔ نیز قادیان لکھا کہ پروفیسر چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے فی الفور لاہور بھجوا دیئے جائیں۔ 23اکتوبر کو آپ نے کالج کے فوری اخراجات کے لئے ڈیڑھ سو روپیہ بطور پیشگی دیئے جانے کی درخواست کی جو دے دیئے گئے۔ 23اکتوبر کو چوہدری صاحب اور ڈاکٹر صاحب کے ساتھ مل کر حصول عمارت کی جدوجہد کرنے کا ارشاد ملا۔ چودھری صاحب اور فیضی صاحب نے پہلے دن ہی اپنی سرگرمیاں تیز تر کر دیں اور لاہور میں خالصہ بورڈنگ ہاؤس کی عمارت دیکھنے کے بعد مفصل رپورٹ اگرچہ اگلے روز 24اکتوبر کو صدر کالج کمیٹی حضرت مرزا شریف احمد صاحب کو بھجوا دی مگر ساتھ ہی حضرت امیر المومنین کی خدمت میں تحریری طور پر بادب عرض کیا کہ:

''حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ کی رائے یہ ہے کہ سردست کالج نہ کھولا جائے۔ خاکسار کی گزارش یہ ہے کہ لاہور میں کالج کھولنے کی ضرورت نہیں۔ فی الحال اگر یہ فیصلہ ہو کہ طلباء صرف ایک کالج میں داخل ہوں تو ایک حد تک ان کی نگرانی ہوسکتی ہے۔ ورنہ خواہ اپنا کالج ہی کیوں نہ ہو لاہور کی مسموم ہوا میں طلباء کو شکنجے میں رکھنا کسی صورت میں نا قابل عمل نہیں ہوگا۔''

سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ کا تاریخی فیصلہ

چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے کا بیان ہے کہ ”میں نے حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں عرض کی کہ پرنسپل صاحب نے قادیان سے ایک مشورہ بھیجا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر حضور مناسب خیال فرمائیں تو موجودہ حالات میں کالج کا بوجھ جماعت پر نہ ڈالا جائے۔اس پر حضور خاموش رہے۔پھر حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد نے عرض کیا کہ حضور میرا بھی یہی خیال ہے۔حضور پھر بھی خاموش رہے پھر کسی اور نے مشورہ دیا حتیٰ کہ حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ نے عرض کیا کہ حضور میرا بھی یہی خیال ہے۔اس پر اللہ تعالیٰ کے اولوالعزم خلیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اتنے جوش اور بلند آواز سے کہ سب کے دل ہل گئے، فرمایا:

”آپ کو پیسوں کی کیوں فکر پڑی ہوئی ہے۔کالج چلے گا اور کبھی بند نہیں ہوگا۔“

اور پھر اس عاجز سے فرمایا:

”آسمان کے نیچے پاکستان کی سرزمین میں جہاں کہیں بھی جگہ ملتی ہے لے لو اور کالج شروع کرو۔“

اس فیصلہ کے علاوہ حضورؓ نے 24 اکتوبر کو ارشاد فرمایا کہ میاں عطاء الرحمن صاحب پروفیسر تعلیم الاسلام کالج کو فوری طور پر قادیان سے یہاں بھجوانے کا انتظام کیا جائے نیز انہیں یہ ہدایات بھی بھیجی جائیں کہ وہ کالج کے سامان کی مکمل فہرست بھی تیار کر کے لے آئیں۔اس فہرست میں وہ سائنس کے سامان کو خاص طور پر مدنظر رکھیں۔چوہدری محمد علی صاحب نے حضور کا یہ فوری حکم حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ کو قادیان بھجوا دیا اور میاں عطاء الرحمن صاحب بھی لاہور پہنچ گئے۔30 اکتوبر کو حضور نے مزید ہدایت فرمائی کہ صوفی بشارت الرحمن صاحب اور محمد صفدر صاحب کو بلانے کے لئے قادیان رکھا جائے۔اس حکم کی تعمیل کی گئی۔حضور کا منشاء مبارک چونکہ فی الفور کالج کے قیام وتاسیس کا تھا۔اس لئے لاہور کے علاوہ ایمن آباد، گوجرانوالہ، کوٹ شیرا میں موزوں جگہ کی تلاش میں دوڑ

دھوپ کی گئی۔ 27اکتوبر 1947ء کو ملک فیض الرحمن فیضی راولپنڈی بھجوائے گئے اور خود چوہدری محمد علی صاحب لائل پور اور سانگلہ ہل پہنچے۔ لائلپور میں آریہ اسکول کی عمارت نہایت اعلیٰ تھی مگر ڈپٹی کمشنر صاحب لائل پور نے کہا کہ اسے فی الحال حکومت پاکستان کے سرکلر کے تحت ریزرو کر لیا گیا ہے اس لئے کوئی کامیابی نہ ہو سکی۔

30اکتوبر کو حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا کہ ''سانگلہ ہل میں جا کر فوراً ہائی اسکول پر قبضہ لیا جائے اور قبضہ لیتے وقت ڈائریکٹر صاحب سے طے کر لیا جائے کہ ہم فوری طور پر کالج کا اجراء وہاں نہیں کر سکتے۔ جنوری یا اپریل میں کر سکیں گے کیونکہ ابھی تک ہمارے پاس سائنس کا سامان نہیں، لہٰذا اسی اثناء میں کسی اور کو اسکول کا قبضہ نہ دیا جائے۔ حضور کے فرمان کی تعمیل میں عارضی طور پر یہ اسکول جماعتی تحویل میں لے لیا گیا۔ مگر اسکول کی عمارت سخت ناقص تھی اور صحن بھی بہت چھوٹا تھا۔ لہٰذا اسے ترک کر دینا پڑا۔

ڈیرہ غازی خان اور ملتان کے بعض دوستوں سے رابطہ قائم کر کے معلومات حاصل کی گئیں کہ کیا وہاں نیشنل کالج ہیں اور سائنس کا سامان بھی موجود ہے۔ وغیرہ وغیرہ مگر اس بارہ میں اس تگ ودو کا اصل محور لاہور ہی رہا جہاں ماہ اکتوبر کے آخری ہفتہ میں ڈی۔اے۔وی کالج کے متعلق درخواست دے دی گئی اور ساتھ ہی لکھ دیا گیا کہ جب تک یہ کالج پناہ گزینوں سے خالی نہیں ہوتا اتنی دیر ہم دوسری جگہ کالج جاری کر لیں گے۔ چوہدری محمد علی صاحب کے بیان کے مطابق سکھ نیشنل کالج پر بھی قبضہ لیا گیا۔ لیکن یہ قبضہ بھی بوجوہ ختم ہو گیا۔ سنت نگر میں خالصہ ہوسٹل اور گنج گھر بطور ہوسٹل حاصل کئے گئے مگر چھوڑ دیئے گئے۔ کالج کے لئے عارضی عمارت کی تلاش بھی ابتدائی مرحلہ میں تھی کہ کالج کا دفتر جودھامل بلڈنگ کے ساتھ مغربی جانب سیمنٹ والی عمارت میں کھول دیا گیا جہاں ایک بورڈ لکھوا کر رکھ دیا گیا اور مکرم عبدالرحمن صاحب جنید ہاشمی بورڈ کے پاس فرش پر دیگر کارکنان دفاتر کی طرح بیٹھ گئے اور 20دسمبر سے کالج میں داخلہ کا آغاز کر دیا گیا۔ لیٹ فیس کے بغیر دس روز

جاری رہا۔داخلہ کالج کی رپورٹ با قاعدگی سے روزانہ حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں بھجوائی جاتی تھی۔اگرچہ پاکستان آ کر تعلیم جاری رکھنے والوں کی اکثریت کالج کے جھنڈے تلے جمع ہو گئی۔پھر بھی ان کی تعداد ساٹھ سے نہ بڑھ سکی۔تاہم اتنے طلباء کا داخلہ لینا بھی ایک گونہ حوصلہ افزاء بات تھی جس میں حضرت مصلح موعودؓ کی خاص توجہ کا عمل دخل تھا۔چنانچہ انہی ایام میں اپنے قلم مبارک سے حسب ذیل تحریک شائع فرمائی:۔''تمام احباب جماعت کو توجہ دلائی جاتی ہے کہ وہ موجودہ شورش سے اس طرح نہ گھبرائیں کہ لڑکے تعلیم سے محروم ہو جائیں۔چاہئے کہ جو تعلیم دلانے کا رادہ رکھتے تھے اور بچوں کو ایف۔اے اور بی۔اے میں داخل کروائیں یا ایف۔ایس۔سی یا بی۔ایس۔سی میں داخل کروائیں اور چاہئے کہ ہر احمدی تعلیم الاسلام کالج میں اپنے لڑکے کو داخل کروائے اور اس بارہ میں لڑکے کی مخالفت کی پرواہ نہ کرے تا کہ دینیات کی تعلیم بھی ساتھ ساتھ ملتی جائے۔

خاکسار مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح

تعلیم الاسلام کالج جاری کرنے سے پہلے سائنس کلاسز کا مسئلہ حل کرنا ضروری تھا، چنانچہ حضرت مصلح موعودؓ نے 27 اکتوبر 1947ء کو ارشاد فرمایا کہ:

''ایف۔سی کالج والوں سے فوراً مل کر پریکٹیکل میں اشتراک عمل کا فیصلہ کیا جائے اور وائس چانسلر سے عارضی طور پر لاہور میں کوٹھیاں کرایہ پر لے کر کالج کھولنے کی اجازت لی جائے۔''

ایف سی کالج فارمین کرسچن کالج میں لیبارٹریز موجود تھیں۔مگر ہندو سٹاف بھارت جا چکا تھا۔اس بناء پر یہ معاہدہ طے پایا کہ تعلیم الاسلام کالج کے پروفیسر ایف۔سی کالج میں پڑھائیں گے اور دونو کالجوں کی طلباء ان کے لیکچر اور سائنس لیبارٹریوں سے استفادہ کریں گے۔سائنس کی عملی تعلیم کا بندوبست ہو چکا تو آرٹس کلاسز کے اجراء اور طلباء کالج کی رہائش کے لئے ایف۔سی کالج کے عقب میں ڈاکٹر کھیم سنگھ گریوال کی کوٹھی حاصل کر لی گئی جہاں 6 نومبر 1947ء سے باقاعدہ

کلاسیں شروع کر دی گئیں ۔ 11 نومبر کو حضرت مرزا شریف احمد صاحب صدر کالج کمیٹی نے وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی کو اطلاع دی کہ تعلیم الاسلام کالج کے سٹاف اور طلباء لاہور پہنچ گئے ہیں اور سائنس کی کلاسز کے لئے عارضی طور پر فارمن کرسچن کالج لاہور سے معاہدہ کر لیا گیا ہے لہٰذا کالج کھولنے کی منظوری دی جائے ۔ وائس چانسلر نے اس کے اجراء کی منظوری دے دی ۔ چند دن بعد (16 نومبر کو) حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ بھی قادیان سے لاہور تشریف لے آئے اور کالج کا انتظام دوبارہ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

کالج کے لئے موزوں عمارت تلاش کرنے کی جو مہم جاری تھی ۔ اس کا نتیجہ 3 دسمبر 1947ء کو صرف یہ برآمد ہوا کہ محکمہ بحالیات نے 37 کینال پارک لاہور کی ایک نہایت بوسیدہ عمارت (جو ڈیری فارم یا اصطبل کے طور پر استعمال ہوتی رہی تھی) عطا کی اور اسی روز اس کا قبضہ لے لیا گیا۔ جگہ نہایت تنگ اور مختصر تھی ۔ صفوں پر کلاسیں ہوتی تھی ۔ طلباء کی تعداد ساٹھ کے قریب تھی ۔ ان لٹے پٹے طلباء نے علم کے حصول کی خاطر ہر قسم کی سختیاں سہہ کر اور مشکلات خندہ پیشانی سے برداشت کیں ۔ وہ دن کے وقت جن صفوں پر بیٹھ کر اساتذہ کے لیکچر سنتے رات کو انہی صفوں پر سو رہتے ۔ نمازیں بھی اسی جگہ ادا کی جاتیں اور کھانا بھی وہیں کھایا جاتا۔ ان دنوں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم ۔ اے اتفاقاً اس کالج کو دیکھنے تشریف لے گئے اور بے حد متاثر ہوئے اور اپنے قلم سے مندرجہ ذیل تاثرات ''الفضل'' میں شائع کرائے جو اس ماحول کی صحیح عکاسی کرتے ہیں ۔ آپ نے تحریر فرمایا۔ '' آج مجھے اتفاقاً اپنے تعلیم الاسلام کالج آف قادیان حال لاہور کو چند منٹ کے لئے دیکھنے کا موقع ملا۔ ہمارا ڈگری کالج موجودہ فسادات سے قبل قادیان کی ایک وسیع اور عالیشان عمارت میں اپنے بھاری ساز و سامان کے ساتھ قائم تھا وہ اب لاہور شہر سے کچھ فاصلہ پر نہر کے کنارے ایک نہایت ہی چھوٹی اور حقیر سی عمارت میں چل رہا ہے ۔ اس عمارت کا نچلا حصہ قریباً ایک اصطبل کا سا رنگ رکھتا ہے اور اوپر کی منزل چند چھوٹے چھوٹے کمروں پر جو نہایت سادہ طور پر بنے

ہوئے ہیں مشتمل ہے عمارت کی قلت اور کمروں کی کمی کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ ایک ہی عمارت سے کالج اور بورڈنگ کا کام لیا جا رہا ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ اس عمارت کا صرف ایک کمرہ کالج کے استعمال میں ہے اور باقی کمروں میں بورڈرز ہائش رکھتے ہیں جن میں سے بعض چارپائیاں نہ ہونے کی وجہ سے فرش پر سوتے ہیں اور بڑی تنگی کے ساتھ گزارہ کر رہے ہیں۔لیکن بایں ہمہ میں نے بورڈروں کو ہشاش وبشاش پایا جو اپنے موجودہ طریق زندگی پر ہر طرح تسلی یافتہ اور قانع تھے اور کالج میں پڑھتے ہوئے لاہور جیسے شہر میں جھونپڑوں کی زندگی میں خوش نظر آتے تھے۔ یہ اس اچھی روح کا ورثہ ہے جو خدا کے فضل سے احمدیت نے اپنی جماعت میں پیدا کی ہے اور میں اس روح پر کالج کے طلباء اور کالج کے سٹاف کو قابل مبارکباد سمجھتا ہوں۔

مگر جس چیز نے میرے دل پر سب سے زیادہ اثر پیدا کیا وہ کالج کی کلاسوں کی حالت تھی جیسا کہ میں اوپر بتا چکا ہوں موجودہ عمارات کا صرف ایک کمرہ کالج کی ضروریات کے لئے فارغ کیا جا سکا ہے اس لئے باقی کلاسیس برآمدوں میں یا کھلے میدان میں درختوں کے نیچے بیٹھتی ہیں لیکن خواہ وہ کمرہ میں بیٹھتی ہیں یا کہ برآمدہ میں اور خواہ کھلے میدان میں' ان سب کا یہ حال ہے کہ چونکہ کوئی ڈیسک اور کوئی میز کرسی نہیں تھی اس لئے پڑھانے والے اور پڑھنے والے ہر دو چٹائیاں بچھا کر بیٹھتے ہیں دینی اور دنیاوی ہر دو قسم کے علوم کا منبع مسجدیں ہوا کرتی تھیں جہاں اسلام کے علماء اور حکماء فرش پر بیٹھ کر اپنے اردگرد گھیرا ڈالے ہوئے طالب علموں کو درس دیا کرتے تھے اور اس قسم کے درسوں کے نتیجہ میں بعض ایسے شاندار عالم پیدا ہوئے کہ صدیاں گزر جانے کے باوجود آج کی دنیا ان کے علوم سے روشنی حاصل کرنے میں فخر محسوس کرتی ہے۔ میں نے کالج کے بعض بچوں اور پروفیسروں کو بتایا کہ انہوں نے پرانے زمانے کی یاد کو تازہ کیا ہے اور جس کی خوشی کے ساتھ انہوں نے حالات کی اس تبدیلی کو قبول کیا ہے وہ ان کے لئے اور ہم سب کے لئے باعث فخر ہے میں نے انہیں یہ بھی بتایا موجودہ حالات سے انہوں یہ سبق سیکھنا چاہیے کہ حقیقی علم ظاہری ٹیپ ٹاپ اور ظاہری

ساز وسامان سے بے نیاز ہے اور جھونپڑوں کے اندر فرشوں پر بیٹھ کر بھی انسان اس طرح علوم کے خزانوں کا مالک بن سکتا ہے جس طرح شاندار ساز وسامان استعمال کرنے والے علم حاصل کر سکتے ہیں بلکہ یہ صورت روح کی درستی کے لحاظ سے زیادہ مفید ہے۔ اور انسانی قلب کو علم کے مرکزی نقطہ پر زیادہ پختگی کے ساتھ قائم رکھ سکتی ہے کیونکہ جب ماحول کی زینت نہیں ہوگی تو لازماً انسان کی آنکھیں اور انسان کے دل ودماغ علم کی طرف زیادہ متوجہ رہیں گے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ ضروری سامان جو موجودہ علم کے حصول کے لئے ضروری ہے اسے حاصل نہ کیا جائے۔ جو چیز حقیقتاً ضروری ہے وہ علم کا حصہ ہے اور ہم اس کی طرف سے غافل نہیں رہ سکتے اور موجودہ صورت میں بھی اس کے لئے کوشاں ہیں مگر ظاہری ٹیپ ٹاپ یا زیب وزینت کا سامان یا آرام وآسائش کے اسباب بہر حال زائد چیز ہیں جو علم کے رستے میں مدد کی بجائے روک بننے کا زیادہ امکان رکھتی ہیں۔ ہمارے آقا (فداہ نفسی) صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا...یعنی فقر میرے لئے فخر کا موجب ہے اس سے بھی یہی مراد ہے کہ مجھے آسائش کے سامانوں کی ضرورت نہیں اور میری روح ان چیزوں کے تصور سے بے نیاز ہے جو محض جسم کے آرام کا پہلو رکھتی ہیں اور روح انسانی کی ترقی میں مدد نہیں ہوسکتیں اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

’’علم کی تلاش کرو خواہ اس کے لئے تمہیں چین کے ملک تک جانا پڑے۔‘‘

چونکہ اس زمانہ میں چین کا ملک دور افتادہ ملک تھا اور اس میں رستہ کی صعوبتوں کے علاوہ دنیوی آسائش کے بھی کوئی سامان موجود نہیں تھے۔ اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ حکیمانہ الفاظ فرما کر یہ اشارہ کیا کہ حقیقی علم دنیاوی آسائشوں اور ساز وسامان کے ماحول سے آزاد ہے بہر حال میں بہت خوش ہوں کہ ہمارے بچوں نے یا کم از کم ان میں سے اکثر نے ماحول کی موجودہ تبدیلی میں اچھا نمونہ دکھایا ہے اور اگر وہ خلوص نیت کے ساتھ اس روح پر قائم رہیں گے تو مجھے یقین ہے کہ وہ علم کے حصول کے علاوہ سادہ زندگی کی برکات سے بھی پوری طرح فائدہ اٹھانے والے

ثابت ہوں گے۔

لاہور میں تعلیم الاسلام کالج کا آغاز

لاہور میں تعلیم الاسلام کالج کی زندگی کے ابتدائی دو ماہ (ماہ فتح دسمبر 1326 ہش ماہ صلح/جنوری 1327 ہش) نہایت درجہ بے سروسامانی اور آشفتہ حالی کے تھے جن میں کالج کے گذشتہ نظام تعلیم کے احیا کا فریضہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ کی قیادت میں اخوند محمد عبدالقادر صاحب ایم۔اے۔صوفی بشارت الرحمان صاحب ایم۔اے۔عباس بن بن عبدالقادر صاحب۔چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے۔میاں عطاء الرحمان صاحب ایم۔ایس۔سی۔چوہدری محمد صفدر صاحب چوہان۔شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم۔اے بی۔ٹی' ملک فیض الرحمان صاحب فیضی۔حبیب اللہ خاں صاحب ایم۔ایس۔سی۔سید سلطان محمود صاحب شاہد ایم۔ایس۔سی۔نے انجام دیا۔ان اساتذہ کرام کے علاوہ جو قادیان ہی سے کالج کی تعلیمی خدمات بجالا رہے تھے لاہور میں درج ذیل اصحاب بھی کالج کے سٹاف میں شامل کئے گئے:

محمد اسحاق صاحب عالم	فروری1948ء
جیلانی کامران صاحب	فروری1948ء
اقبال حسین صاحب	مئی1948ء
ثناءاللہ صاحب بھٹی	مئی1948ء
چوہدری غلام علی صاحب	نومبر 1948
صوفی عبدالعزیز صاحب	نومبر 1948ء
سید محفوظ علی صاحب ایم۔ایس۔سی	دسمبر 1948ء
شوکت علی صاحب	جنوری1949ء
راجہ محمد مقبول الٰہی صاحب ایم۔اے	جون1949ء

مولانا ارجمند خاں صاحب فاضل	ستمبر 1949ء
راجہ محمد نصر اللہ احسان الٰہی صاحب	جنوری 1950ء
میاں منور حسین صاحب	مارچ 1950ء
مولانا غلام احمد صاحب بدوملہی فاضل	مئی 1950ء
نصیر احمد خاں صاحب	جون 1951ء
ملک محبوب الٰہی صاحب	جون 1951ء
پروفیسر کرامت الٰہی صاحب	جون 1951ء
احمد دین صاحب میر	ستمبر 1951ء
محمد احمد صاحب	اکتوبر 1952ء
حسن ظہیر صاحب	نومبر 1952ء
محمد یعقوب صاحب ایم۔اے۔ایل ایل بی	مارچ 1953ء
فرمان اللہ خاں صاحب	دسمبر 1953ء
نور محمد صاحب ناز صدیقی	دسمبر 1953ء

ڈی۔اے۔وی کالج کے کھنڈرات پر قبضہ

تعلیم الاسلام کالج کینال پارک کی بوسیدہ عمارات میں وسط ماہ شہادت/اپریل 1327ہش تک چلتا رہا۔جس کے بعد 16اپریل کو ڈی۔اے۔وی کالج لاہور کی ٹوٹی پھوٹی اور برباد شدہ عمارات الاٹ ہوئی اور 19اپریل کو اس پر قبضہ ملا اور پھر یہاں کالج منتقل کر دیا گیا۔صوبہ کے اس نہایت اور عالیشان کالج کا سارا سامان غیر مسلم پناہ گزنیوں کے ہاتھوں بالکل غارت ہو چکا تھا یا ہندوستان پہنچ چکا حتی کہ کسی میز' کرسی یا ڈیسک کا نام ونشان تک باقی نہ رہا تھا۔لیبارٹریوں میں ٹوٹی شیشیاں بکھری ہوئی تھیں اور کمرے ملبہ کے ڈھیروں سے اٹے پڑے تھے۔اس خستہ سامانی کا

اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ محض کمروں اور لیبارٹریوں کی صفائی پر قریباً ستائیس سو روپے خرچ کرنا پڑا۔علاوہ ازیں لاکھوں روپے صرف کر کے کالج کو پھر سے جدید تجربہ گاہوں سے آراستہ کیا گیا۔فرنیچر تیار کیا گیا اور لائبریری کا قیام عمل میں لایا گیا۔کھنڈرات پر کالج کس طرح آباد ہوا،اس کا نقشہ حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحبؒ پرنسپل تعلیم الاسلام کالج نے انہی دنوں ذیل کے الفاظ میں کھینچا:

''1948ـ1947ء کو بے سروسامانی کا سال کہہ سکتے ہیں اور جن نوجوانوں نے اپنے کالج کے اس نازک ترین دور کو ہمت اور بشاشت سے گزارا وہ یقیناً قابل قدر ہیں ۔خاصی تگ ...ناظم تعلیمات عامہ پنجاب کے ہمدردانہ رویہ کے نتیجہ میں ...کالج کی آبادکاری کے لئے ڈی۔اے۔وی کالج کے کھنڈرات پر ہمیں قبضہ ملا۔ان عمارتوں کو غیر مسلم پناہ گزیں کلی طور پر تباہ و برباد کر چکے تھے۔ دروازوں کے تختے اور چوکھٹے' روشن دان الماریاں وغیرہ ہر قسم کا فرنیچر غائب تھا۔عمل گاہوں میں ٹوٹی ہوئی شیشیوں کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ پانی اور گیس کے نل ٹوٹے پڑے تھے۔تیس چالیس ہزار کتابوں پر مشتمل مشہور کتب خانے کی اب ایک جلد بھی باقی نہ تھی۔ یہ وہ کھنڈر تھے جن میں مئی 1948ء میں ہم آباد ہوئے اور ہماری فوری توجہ ان ضروری اور ناگزیر مرمتوں کی طرف منعطف ہوئی ۔ چنانچہ شروع میں گیس پلانٹ کو درست کروایا گیا اور شعبہ کیمیا کے لئے ضروری سامان خرید کر کیمیا کے عملی تجربے اپنے کالج میں ہی شروع کروا دیئے گئے۔طبعیات کے لئے ہمیں ایم۔اے۔او کالج سے انتظام کرنا پڑا۔جن کے برادرانہ سلوک کے ہم ہمیشہ ممنون رہیں گے۔ چونکہ ابھی اصل ہوسٹل پر قبضہ نہ ملا تھا اس لئے کالج کے ہی ایک حصہ کو مرمت کروا کے عارضی طور پر یہ ہوسٹل بنا دیا گیا۔جس میں اندازاً پچاس پچپن طلباء کی گنجائش تھی جو وقتی طور پر کافی سمجھی گئی گو عملاً طلباء اس سے بہت زیادہ آ گئے جس کے نتیجہ میں ایک ایک کمرہ میں آٹھ آٹھ طلباء کو رہنا پڑا۔''

شاندار نتائج اور حضرت مصلح موعودؓ کا اظہار خوشنودی اور اہم ہدایات

ظاہر ہے کہ ان حالات میں طلباء کو نہ ذہنی سکون میسر آ سکتا تھا نہ پوری سہولتیں حاصل تھیں خصوصاً سائنس کے طلباء کو جنہیں طبعیات کے عملی تجربات کے لئے خاصہ فاصلہ طے کر کے ایم۔اے۔او کالج جانا پڑتا تھا مگر پھر بھی دوسرے سال ہی کالج اپنے نتائج کے اعتبار سے صوبہ کے ممتاز ترین کالجوں کی صفت اول میں شمار ہونے لگا چنانچہ جہاں بی۔اے میں یونیورسٹی نتائج کی جو اوسط تھی وہاں تعلیم الاسلام کالج کی اوسط بہت زیادہ رہی۔اسی طرح دوسرے امتحانوں میں بھی اس اسلامی درسگاہ کی اوسط یونیورسٹی کی اوسط سے بہتر رہی۔جس پر حضرت مصلح موعودؓ نے حد درجہ خشنودی کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ”گذشتہ سال فسادات کی وجہ سے ہمارے کالج کے نتائج اچھے نہیں نکلے تھے مگر اس سال اللہ تعالی کے فضل سے ہمارے کالج کا نتیجہ غیر معمولی طور پر نہایت شاندار رہا ہے جس سے پتا لگتا ہے کہ گذشتہ سال کے نتائج کی خرابی ان حالات کی وجہ سے تھی جو 1947ء میں پیدا ہوئے اس سال ہمارے تعلیم الاسلام کالج کی ایک جماعت کا نتیجہ نوّے فیصد کے قریب رہا ہے جو ایک حیرت انگیز امر ہے حالانکہ یونیورسٹی کی اوسط 39 فیصدی ہے یہی حال اور جماعتوں کے نتائج کا ہے کوئی ایک جماعت بھی ایسی نہیں جس کا نتیجہ یونیورسٹی کی اوسط سے کم ہو بلکہ ہر جماعت کا نتیجہ یونیورسٹی کی اوسط سے بڑھ کر ہے اگر کسی کلاس کے متعلق یونیورسٹی کی اوسط 35 فیصدی ہے تو ہمارے کالج 2 / 371 فیصدی ہے یا اگر یونیورسٹی کی اوسط 35 فیصدی ہے تو ہمارے کالج کی 39 فیصدی ہے اور ایک کلاس کے متعلق تو میں نے بتایا ہے کہ ہمارے کالج کا نتیجہ اس میں نوے فیصدی کے قریب ہے حالانکہ یونیورسٹی کی اوسط اس سے بہت کم ہے وہ لوگ جن کے دلوں میں یہ شبہات ہوا کرتے تھے کہ ہمارے کالج میں لڑکوں کی تعلیم کا زیادہ بہتر انتظام نہیں اب ان کے نتائج کے بعد ان کے شبہات دور ہونے چاہیں کیونکہ خدا تعالی کے فضل سے ہمارے کالج کے نتائج سوائے ایک کے باقی تمام کالجوں سے شاندار نکلے ہیں اور اب ان کا فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کو

تعلیم کے لئے فوراً تعلیم الاسلام کالج میں داخل کرنے کی کوشش کریں اس بارے میں کسی قسم کی غفلت اور کوتاہی سے کام نہ لیں اس کالج میں اپنے بچوں کو تعلیم کے لئے بھجوانا اس قدر ضروری اور اہم چیز ہے کہ میں تو سمجھتا ہوں جو شخص اپنے بچوں کو باوجود مواقع میسر آنے کے اس کالج میں داخل نہیں کرتا وہ اپنے بچوں کی دشمنی کرتا اور سلسلہ پر اپنے کامل ایمان کا ثبوت مہیا نہیں کرتا‘‘

حضرت مصلح موعودؓ نے احمدی جماعتوں کو تعلیم الاسلام کالج میں بچوں کو داخل کرنے کی تحریک فرمانے کے بعد کالج کے عملہ کو متعدد زریں ہدایات دیں جن کا خلاصہ یہ تھا کہ انہیں اپنے نتائج بہتر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیں دوسروں سے زیادہ وقت کالج کی ترقی اور لڑکوں کے تعلیمی معیار کو بلند کرنے کے لئے صرف کرنے کی عادت ڈالیں اور ان کو زیادہ سے زیادہ دینی احکام کا پابند اور اخلاق فاضلہ کا متصف بنائیں لڑکوں کی خوراک کی طرف زیادہ توجہ رکھنی چاہیے اور کوشش کرنی چاہیے کہ تھوڑے روپیہ سے بہتر کھانا ان کو مہیا کیا جائے۔اسی طرح دینیات کی تعلیم کی طرف انہیں خاص طور پر توجہ کرنی چاہیے لڑکوں کے اندر صحیح دینی جذبہ پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ مرکز سے وابستہ ہوں اور مرکز سے وابستگی پیدا کرنے کے جہاں اور کئی طریق ہیں وہاں یہ بھی طریق ہے کہ خلیفہ وقت سے کالج میں کم سے کم دو چار لیکچر سالانہ کروائے جائیں تا کہ ان کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہو اور قربانی کی روح ان کے اندر ترقی کرے اس کے علاوہ جماعت کے دوسرے علماء اور مبلغین سے بھی وقتاً فوقتاً لیکچر کروانے چاہیے ہمارے کالج کے افسروں کے اندر یہ احساس ہونا چاہیے کہ انہوں نے اپنے طالب علموں کی زندگیوں کو سنوارنا اور انہیں قوم کے لئے اعلیٰ درجہ کا وجود بنانا ہے یہاں تک کہ وہ جس محکمہ میں بھی جائیں اس میں چوٹی کے آدمی ثابت ہوں اور کوئی دوسرا شخص ان کا مقابلہ نہ کر سکے جس وقت کوئی دوسرا آدمی یہ سنے کہ یہ احمدی ہے یا احمدی ڈاکٹر ہے یا احمدی وکیل ہے یا احمدی بیرسٹر ہے یا احمدی تاجر ہے تو وہ کسی انٹرویو کی ضرورت ہی نہ سمجھے بلکہ محض ایک احمدی کا نام سنتے ہی یقین کر لے کہ اس شخص کا اپنے فن میں کوئی اور مقابلہ نہیں کر سکتا۔اس ضمن

میں حضور نے عملہ کالج کو آخری نصیحت یہ فرمائی کہ انہیں لڑکوں کی دماغی تربیت کا بھی خاص خیال رکھنا چاہیے ان کا صرف اچھے نمبروں پر پاس ہونا ہی کافی نہیں بلکہ ان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ان کی دماغی تربیت اس رنگ کی ہو کہ جب وہ نماز پڑھیں تو عقلمند انسان کی طرح نماز پڑھیں اور جب کتاب پڑھیں تو عقلمند انسان کی طرح کتاب پڑھیں۔

تعلیم الاسلام کالج کے ہر شعبہ میں روز افزوں ترقی

تعلیم الاسلام کالج نے انتہائی بے سروسامانی اور نامساعد حالات کے باوجود صرف امتحانوں میں نمایاں کامیابیاں حاصل نہیں کیں بلکہ اپنے ہر شعبہ میں روز افزوں ترقی کا ثبوت دیا ہے۔ چنانچہ 1949-50ء میں طلباء کی تعداد ساٹھ سے بڑھ کر 267 تک پہنچ گئی کتب خانہ کی از سرنو تشکیل کی گئی اور کئی ہزار کتابوں کا بیش بہا ذخیرہ جمع کیا گیا امریکہ کے نومسلم بھائیوں نے 228 مجلدات بھجوائیں اس کے علاوہ انگلستان سے بھی بعض عطایا وصول ہوئے۔ طالب علموں کے علمی ارتقاء کے لئے مجلس عمومی (کالج یونین) مجلس عربی، مجلس اقتصادات، سائنس سوسائٹی، فوٹوگرافک اور ریڈیو سوسائٹی سرگرم عمل رہیں اس عرصہ میں یونیورسٹی آفیسرز ٹریننگ کور بھی قائم کی گئی۔ کالج کے دستہ نے فروری 1948ء میں سالانہ کیمپ کے موقع پر ضبط اور اطاعت کا بہترین نمونہ دکھا کر اعلیٰ افسروں سے خراج تحسین وصول کیا اور دستہ کے سارجنٹ بشارت احمد کی ہز ایکسیلنسی کمانڈر انچیف پاکستان نے بھی بہت تعریف کی اور اس فن میں مہارت پر انہیں مبارکباد دی۔

1949ء میں سالانہ کیمپ کے موقع پر یو۔او۔ٹی۔سی کے ہر افسر نے کالج کے اس دستہ کے نوجوانوں کے ضبط، اطاعت، جوش عمل اور حسن کارکردگی پر اظہار مسرت کیا اور یہ دستہ عسکری فنون میں تمام دستوں میں اوّل رہا اور یو۔او۔ٹی۔سی کے کرنل نے گورنر پنجاب سردار عبدالرب صاحب نشتر کے سامنے اس امر کا اظہار بھی کیا تعلیم الاسلام کالج کا یہ دستہ ہر لحاظ سے معیاری اور بہترین شمار کیا جاتا تھا۔ چنانچہ مختلف گارڈ آف آنر میں نسبتی اعتبار سے بھی اور محض تعداد کے اعتبار سے بھی تعلیم

الاسلام کالج کی تعداد سب سے زیادہ رہی مثلاً ان دنوں شہنشاہ ایران کی آمد پر جو گارڈ آف آنر پیش کیا گیا اس میں تقریباً اسی فیصد نوجوان اسی کالج کے طالب علم تھے اس طرح فٹ بال، والی بال، بیڈمنٹن اور تیراکی میں کالج کی ٹیمیں خاص اعزاز کی حامل رہی کشتی رانی میں کالج کی ٹیم پنجاب روئنگ ایسوسی ایشن کے سالانہ مقابلہ میں اوّل آئی۔ جہاں تک طلباء کی اخلاقی و دینی تربیت کا تعلق ہے اس کے لئے بھی کالج کی طرف سے موثر انتظام کیا گیا اور خصوصاً اسلامی شعائر اور فرائض کی پابندی پر بہت زور دیا گیا جس میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔

لاہور کے علمی اداروں میں تعلیم الاسلام کالج کا اثر و نفوذ

چوہدری محمد علی صاحب کا بیان ہے کہ

''جب کالج لاہور آیا تو آہستہ آہستہ بہت سے غیر از جماعت طلباء جو صاف ستھری اخلاقی اور تعلیمی فضا میں پڑھنا چاہتے تھے تعلیم الاسلام کالج میں داخل ہونا شروع ہوئے۔ کالج کی شہرت اور نیک نامی آہستہ آہستہ دلوں میں گھر کر رہی تھی اور کالجوں کی بزم میں تعلیم الاسلام کالج کا نام عزت اور احترام سے لیا جانے لگا تھا۔ لاہور کے کالجوں کا عام طالب علم جانتا تھا کہ پرنسپل تعلیم الاسلام کالج کس بلند مرتبے اور کیریکٹر کے انسان ہیں۔ دوسرے کالجوں کے پرنسپلوں کی موجودگی میں شوخی کرنے والے حضور کے سامنے ادب سے گفتگو کیا کرتے تھے۔ حضور بھی خود تمام طلباء کو اپنا عزیز طالب علم جانتے تھے اور ان کے جائز حقوق کی حفاظت فرمایا کرتے تھے اور یہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا طالب علم طبعاً شریف ہوتا ہے عموماً خرابی اس کے Handling میں ہوتی ہے۔ الا ماشاء اللہ۔

ایک دفعہ لاہور کے طلباء مجمع بنا کر تعلیم الاسلام کالج کے سامنے اکٹھے ہو گئے یہ کالجوں کو بند کرواتے پھر رہے تھے غالباً کسی غیر ملکی ظلم پر احتجاج ہو رہا تھا لڑکوں کو دیکھ کر حضور خود بنفس نفیس لڑکوں میں تشریف لے گئے اور چند منٹ اپنے دلآویز تبسّم کے ساتھ ان سے گفتگو فرمائی لڑکے قائل ہوئے اور پرنسپل ٹی۔ آئی کالج زندہ باد کے نعرے لگاتے ہوئے چلے گئے۔ ایک دفعہ کشتی رانی کے

فائنل پر جبکہ اسلامیہ کالج کی ٹیم آ گئے تھی اور ہم دونمبر پر تھے اور دریا کے کنارے لاؤڈ سپیکر نصب تھا اور نعرے لگ رہے تھے۔ اصل مقابلہ اسلامیہ کالج اور ٹی۔ آئی کالج کے درمیان تھا ہمارا ابھی سارا کالج پہنچا ہوتھا کشتیاں دریا میں جا چکی تھی آخر میں جانے والی کشتیاں اسلامیہ کالج اور ہمارے کالج کی تھیں اسلامیہ کالج کی کشتی ابھی ایک چپو کے زور پر لہر میں داخل ہوئی تھی کہ کسی بظاہر غیر طالب علم نے جو ایسے مقابلوں میں حمایت کے لئے آ جاتے ہیں تعلیم الاسلام کالج کے خلاف ایک نہایت نازیبا نعرہ لگایا جس کی آواز لاوؤڈ سپیکر پر بھی سنائی دی گئی اچانک اسلامیہ کالج کی کشتی وہیں سے واپس مڑی ہم نے سمجھا کہ شاید فالتو چپو بھول گئے ہیں لیکن ہوا یہ کہ کشتی کنارے لگتے ہی اسلامیہ کالج کی ٹیم کا کپتان عقاب کی طرح مجمع پر جھپٹا اور جس نے نعرہ لگایا تھا اس کو پکڑ لیا اور اعلان کیا کہ اگر تعلیم الاسلام کالج کے خلاف اس قسم کا بیہودہ نعرہ لگایا گیا تو ہم دوڑ نہیں دوڑیں گے۔ یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے ایسے موقعوں پر جب مسابقت برانگیختہ ہو کر عام قیود اور آداب کی پابندی ڈھیلی کر چکتے ہیں اس قسم کا مظاہرہ ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے اس میں شک نہیں کہ اس میں ان طلباء کی بھی خوبی تھی یعنی دونوں کالجوں کے طلباء کی کہ ان کے تعلقات انتہائی طور پر خوشگوار تھے۔''

رسالہ ''المنار'' کا اجراء

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج کی سرپرستی میں اکنامکس سوسائٹی کے زیر اہتمام ''ینگ اکانومسٹ'' کے نام سے ایک کتابی سلسلہ جاری کیا گیا ازاں بعد ماہ اپریل 1950ء سے کالج کا علمی مجلہ ''المنار'' کے نام سے شروع کیا گیا جو اب تک باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے اور ادبی اور علمی حلقوں میں خاص وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اردو کے بعض پاکستانی ادیبوں اور ناقدوں نے ''المنار'' کی قلمی سرگرمیوں کو سراہا ہے اور اسے اچھے ادبی ذوق کا آئینہ دار قرار دیا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے ''المنار'' کے پہلے شمارہ کے لئے ''نور کا نشان۔ روشنی اور بلندی کا شعار'' کے عنوان سے ایک قیمتی مضمون سپرد قلم فرمایا جس میں علاوہ دوسرے

نصائح کے یہ نصیحت بھی فرمائی کہ

''ہمارے عزیزوں کو چاہیے کہ اپنے اس رسالہ کو صحیح معنوں میں المنار بنائے یعنی وہ علم کے ہر میدان میں روشنی اور بلندی کا نشان ہو ہر دوسرے کالج کی نظریں اس رسالہ کی طرف اٹھیں اور وہ اس کے مضامین میں ہدایت اور تسلّی کا سامان پائیں۔ لکھنے والے محض خانہ پری سے کام نہ لیں بلکہ محنت اٹھا کر اور تحقیق کر کے دنیا کے سامنے سچا علم پیش کریں اور موجودہ علوم باطلہ سے ہرگز مرعوب نہ ہوں'' حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد اس موقع پر طلباء کے نام جو پیغام دیا وہ ہمیشہ آب زر سے لکھا جائے گا آپ نے تحریر فرمایا: ''زندگی مسلسل جستجو کا نام ہے کلاس روم میں آپ پہلوں کی جستجو کے نتائج سنتے ہیں انہیں سمجھنے اور یاد رکھنے کی کوشش کریں ان نتائج پر تنقیدی نگاہ ڈالنے کا آپ کو موقع میسر نہیں آتا کلاس روم تخلیق کا میدان بھی نہیں مگر تنقید اور تحقیق کے بغیر آپ کی زندگی بے معنی ہے' پدرم سلطان بود' آپ کو زیب نہیں دیتا دنیا کو جس حالت پر آپ نے پایا اس سے بہتر حالت میں آپ نے اسے چھوڑنا ہے کالج میگزین تنقید اور تحقیق کا ایک وسیع میدان آپ کے سامنے کھولتا ہے۔ اب آپ کا فرض ہے کہ اس سے فائدہ اٹھائیں دیدۂ بینا سے دنیا کو دیکھیں عقل سلیم سے اسے پرکھیں ذہن رسا سے اس کو جانچیں۔ اس کی کانوں میں جائیں اور آنے والی نسلوں کے لئے در بے بہا تلاش کریں اسلام کو آج روشن دماغ بہادروں کی ضرورت ہے اگر آپ بہادر تو ہیں مگر آپ کے ذہنوں میں جلا نہیں تو آپ اسلام کے کسی کام کے نہیں آزادنہ تنقید و تحقیق آپ کو بہادر بھی بنائے گی اور آپ کے ذہنوں کو منور بھی کرے گی اور یہی کالج میگزین کے اجراء کا مقصد ہے خدا ہمیں اس میں کامیاب کرے'' ان بزرگوں نے اردو کے علاوہ انگریزی حصّہ کے لئے بھی پیغامات دیئے چنانچہ حضرت قمر الانبیاء نے طلباء کو اسلامی تعلیمات کے پہنچانے کے لئے عربی اور اردو کے علاہ دوسری زبانوں میں بھی عبور حاصل کرنے کی تلقین فرمائی۔

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ کے پیغام کا متن یہ تھا:

With trust in God and faith in the ultimate triumph of your mission, march on..

یعنی خدا تعالی پر یقین محکم اور ایمان کامل کے ساتھ اپنے مقصد کے حصول اور آخری فتح کے بڑھے چلو!

تقسیم اسناد کے پہلے جلسہ میں حضرت امیر المومنینؓ کا بصیرت افروز خطاب

2 اپریل 1950 کو تعلیم الاسلام کالج کی تاریخ میں پہلی بار تقسیم اسناد وانعامات کی انتہائی سادہ اور موثر تقریب منعقد ہوئی جو خالص اسلامی ماحول میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔اس جلسہ کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ سیدنا المصلح موعودؓ نے اس میں بنفس نفیس شرکت کی اور نہایت ایمان افروز صدارتی خطاب فرمایا اور قرآن وحدیث کی روشنی میں طلباء کو ان کی اہم ذمہ داریوں کی طرف نہایت بلیغ انداز میں توجہ دلائی اور اس ضمن میں بالخصوص ان فرائض پر روشنی ڈالی جو ایک نئی مملکت کے آزاد شہری ہونے کی حیثیت سے ان پر عائد ہوتی ہیں چنانچہ فرمایا:۔

’’میں ان نوجوانوں کو جو تعلیم سے فارغ ہوکر اپنی زندگی کے دوسرے مشاغل کی طرف مائل ہونے والے ہیں کہتا ہوں کہ خدا تعالی کے قانون کے مطابق سکون کے حاصل کرنے کی بالکل کوشش نہ کرو بلکہ ایک نہ ختم ہونے والی جدوجہد کے لئے تیار ہوجاؤ اور قرآنی منشاء کے مطابق اپنا قدم ہر وقت آگے بڑھانے کی کوشش کرتے رہو کہ وہ آپ کو صحیح کام کرنے اور صحیح وقت پر کام کرنے اور صحیح ذرائع کو استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور پھر اس کام کے صحیح اور اعلیٰ سے اعلیٰ نتائج پیدا کرے۔یاد رکھو کہ تم پر صرف تمہارے نفس کی ہی ذمہ داری نہیں۔تم پر تمہارے اس ادارے کی بھی ذمہ داری ہے جس نے تمہیں تعلیم دی اور اس خاندان کی بھی ذمہ داری ہے جس نے تمہاری تعلیم پر خرچ کیا خواہ بالواسطہ یا بلاواسطہ،اور اس ملک کی بھی ذمہ داری ہے جس نے تمہارے لئے تعلیم کا انتظام کیا اور پھر تمہارے مذہب کی بھی ذمہ داری ہے،تمہارے تعلیمی اداروں کی جو تم پر ذمہ داری

ہے وہ چاہتی ہے کہ تم اپنے علم کو زیادہ سے زیادہ اور اچھے سے اچھے طور پر استعمال کرو۔ یونیورسٹی کی تعلیم مقصود نہیں وہ منزل مقصود کو طے کرنے کے لئے پہلا قدم ہے۔ یونیورسٹی تم کو جو ڈگریاں دیتی ہے وہ اپنی ذات میں کوئی قیمت نہیں رکھتیں بلکہ ان ڈگریوں کو تم اپنے آئندہ عمل سے قیمت بخشتے ہو ڈگری صرف تعلیم کا ایک تخمینی وزن ہے اور ایک تخمینی وزن ٹھیک بھی ہوسکتا ہے اور غلط بھی ہوسکتا ہے محض کسی یونیورسٹی کے فرض کر لینے سے کہ تم کو علم کا ایک تخمینی وزن حاصل ہو گیا ہے تم کو علم کا وہ فرضی درجہ نصیب نہیں ہوسکتا جس کے اظہار کی یونیورسٹی ڈگری کے ساتھ کوشش ہوتی ہے۔ اگر ایک یونیورسٹی سے نکلنے والے طالب علم اپنی آئندہ زندگی میں ثابت کریں کہ جو تخمینی وزن ان کی تعلیم کا یونیورسٹی نے لگایا تھا ان کے پاس اس سے بھی زیادہ وزن کا علم موجود ہے تو دنیا میں اس یونیورسٹی کی عزت اور قدر قائم ہو جائے گی۔ لیکن اگر ڈگریاں حاصل کرنے والے طالب علم اپنی بعد کی زندگی میں یہ ثابت کر دیں کہ تعلیم کا جو تخمینی وزن ان کے دماغوں میں فرض کیا گیا تھا ان میں اس سے بھی بہت کم درجہ کی تعلیم پائی جاتی ہے تو یقیناً لوگ یہ نتیجہ نکالیں گے کہ یونیورسٹی نے علم کی پیمائش کرنے میں غلطی سے کام لیا ہے۔

پس تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ یونیورسٹیاں اتنا طالب علم کو نہیں بتاتیں جتنا کہ طالب علم یونیورسٹیوں کو بناتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں یہ کہہ لو کہ ڈگری سے طالب علم کی عزت نہیں ہوتی ہے۔ پس تمہیں اپنے پیمانہ علم کو درست رکھنے بلکہ اس کو بڑھانے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے اور اپنے کالج کے زمانہ کی تعلیم کو اپنی عمر کا پھل نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ اپنے علم کی کھیتی کا بیج تصور کرنا چاہیئے اور تمام ذرائع سے کام لے کر اس بیج کو زیادہ سے زیادہ بارآور کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے تا کہ اس کوشش کے نتیجہ میں ان ڈگریوں کی عزت بڑھے جو آج تم حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہو اور اس یونیورسٹی کی عزت بڑھے جو تمہیں یہ ڈگریاں دے رہی ہے اور تمہاری قوم تم پر فخر کرنے کے قابل ہو اور تمہارا ملک تم پر اعلیٰ سے اعلیٰ امیدیں رکھنے کے قابل ہو اور ان امیدوں کو پورا ہوتے

ہوئے دیکھے۔

تم ایک نئے ملک کے شہری ہو دنیا کی بڑی مملکتوں میں سے بظاہر ایک چھوٹی سی مملکت کے شہری ہو۔تمہارا ملک مالدار ملک نہیں ہے ایک غریب ملک ہے دیر تک ایک غیر حکومت کی حفاظت میں امن اور سکون سے رہنے کے عادی ہو چکے ہو۔سو تمہیں اپنے اخلاق اور کردار بدلنے ہوں گے تمہیں اپنے ملک کی عزت اور ساکھ دنیا میں قائم کرنی ہوگی۔تمہیں اپنے ملک کو دنیا سے روشناس کرانا ہوگا۔ملکوں کی عزت کو قائم رکھنا بھی ایک بڑا دشوار کام ہے لیکن ان کی عزت کو بنانا اس سے بھی دشوار کام ہے اور یہی دشوار کام تمہارے ذمہ ڈالا گیا ہے۔تم ایک نئے ملک کی نئی پود ہو تمہاری ذمہ داریاں پرانے ملکوں کی نئی نسلوں سے بہت بہت زیادہ ہیں۔انہیں آباء اجداد کی سنتیں یا روائتیں وراثت میں ملتی ہیں مگر تمہارا یہ حال نہیں ہے تم نے ملک بھی بنانا ہے اور نئی روائتیں بھی قائم کرنی ہیں ایسی روائتیں جن پر عزّت اور کامیابی کے ساتھ آنے والی بہت سی نسلیں کام کرتی چلی جائیں اور ان روایتوں کی رہنمائی میں اپنے مستقبل کو شاندار بناتی چلی جائیں۔پس دوسرے قدیم ملکوں کے لوگ ایک اولاد ہیں مگر تم ان کے مقابلہ پر ایک باپ کی حیثیت رکھتے ہو وہ اپنے کاموں میں اپنے باپ دادوں کو دیکھتے ہیں تم نے اپنے کاموں میں آئندہ نسلوں کو مدنظر رکھنا ہوگا جو بنیاد تم قائم کرو گے آئندہ آنے والی نسلیں ایک حد تک اس بنیاد پر عمارات قائم کرنے پر مجبور ہوں اگر تمہاری بنیاد ٹیڑھی ہوگی تو اس پر قائم کی گئی عمارات بھی ٹیڑھی ہوگی اسلام کا مشہور فلسفی شاعر کہتا ہے کہ:

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریّا مے رود دیوار کج

یعنی اگر معمار پہلی اینٹ ٹیڑھی رکھتا ہے تو اس پر کھڑی کی جانے والی عمارت اگر ثریا تک بھی جاتی ہے تو ٹیڑھی ہو جائے گی۔پس بوجہ اس کے کہ تم پاکستان کی خشیت اوّل ہو تمہیں اس بات کا بڑی احتیاط سے خیال رکھنا چاہیے کہ تمہارے طریق اور عمل میں کوئی کجی نہ ہو کیونکہ اگر تمہارے

طریق اور عمل میں کوئی کجی ہوگی تو پاکستان کی عمارت ثریا تک ٹیڑھی چلتی جائے گی۔ بے شک یہ کام مشکل ہے لیکن اتنا ہی شاندار بھی ہے اگر تم اپنے نفسوں کو قربان کر کے پاکستان کی عمارت کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دو گے تو تمہارا نام اس عزّت اور اس محبت سے لیا جائے گا جس کی مثال آئندہ آنے والے لوگوں میں نہیں پائی جائے گی۔

پس میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی نئی منزل پر عزم، استقلال اور علوّ حوصلہ سے قدم مارو قدم مارتے چلے جاؤ اور اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے قدم بڑھاتے چلے جاؤ کہ عالی ہمت نوجوانوں کی منزل اول ہوتی ہے اور منزل دوئم بھی ہوتی ہے منزل سوم بھی ہوتی ہے لیکن آخری منزل کوئی نہیں ہوا کرتی ایک منزل کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری وہ اختیار کرتے چلے جاتے ہیں وہ اپنے سفر کو ختم نہیں کرنا چاہتے۔ وہ اپنے رختِ سفر کو کندھے سے اتارنے میں اپنی ہتک محسوس کرتے ہیں ان کی منزل کا پہلا دور اس وقت ختم ہوتا ہے جب کہ وہ کامیاب اور کامران ہو کر اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے حاضر ہوتے ہیں اور اپنی خدمت کی داد اس سے حاصل کرتے ہیں جو ایک ہی ہستی ہے جو کسی کی خدمت کی صحیح داد دے سکتی ہے۔ پس اے خدائے واحد کے منتخب کردہ نوجوانو! اسلام کے بہادر سپاہیو! ملک کی امید کے مرکزو! قوم کے سپوتو! آگے بڑھو کہ تمہارا خدا، تمہارا دین، تمہارا ملک اور تمہاری قوم محبت اور امید کے مخلوط جذبات سے تمہارے مستقبل کو دیکھ رہے ہیں“

حضرت امیر المومنینؓ کے خطبہ صدارت کے بعد حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج نے اس ادارہ کی دو سالہ روداد پڑھ کر سنائی جس میں کالج کی ترقی، طلباء کر تعلیم و تربیت اور ان کے علمی و مجلسی مشاغل پر تفصیل سے روشنی ڈالی، بعدہ سیدنا حضرت امیر المومنین نے انعامات تقسیم فرمائے اور دعا کے بعد جلسہ اختتام پذیر ہو۔ اس تقریب میں شریک ہونے والے معزّز مہمانوں میں مشتاق احمد صاحب میئر لاہور کارپوریشن، سیّد جمیل حسین صاحب ڈپٹی کمشنر آباد کاری، ایس۔ ایس جعفری ڈپٹی کمشنر لاہور، مسٹر ظفر الاحسن چیئر مین امپروومنٹ پنجاب نیز

صوبے کے ماہرین تعلیم اور مدیران جرائد بالخصوص قابل ذکر ہیں۔ تقسیم اسناد و انعامات کی اس پہلی تقریب کے بعد 1951ء سے لے کر 1965 تک حسب ذیل شخصیتوں نے مہمان خصوصی کے فرائض انجام دیئے:

تاریخ	مہمان خصوصی
4 مارچ 1951ء	ڈاکٹر قاضی محمد بشیر صاحب
30 مارچ 1952ء	آنریبل جسٹس ڈاکٹر ایس۔ اے رحمان
28 فروری 1954ء	عزت مآب چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب
20 جون 1955ء	میاں افضل حسین صاحب
10 مارچ 1957ء	سردار عبدالحمید صاحب دستی وزیر تعلیم پنجاب
14 جون 1959ء	قاضی محمد اسلم صاحب
مئی 1960ء	جناب ایم۔ آر کیانی
14 جون 1961ء	پروفیسر سراج الدین صاحب صوبائی سیکرٹری محکمہ تعلیم
3 جون 1962ء	پروفیسر حمید احمد خاں صاحب پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور
9 جون 1963ء	مولانا صلاح الدین صاحب مدیر ''ادبی دنیا'' لاہور
19 اپریل 1964ء	حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری شاگرد خاص منشی امیر احمد امیر مینائی کا رقم فرمودہ خطبہ مولانا جلال الدین صاحب شمس سابق مبلغ بلاد عربیہ وغربیہ نے پڑھا۔

کالج کیلئے ایک نیا خطرہ

یہ درسگاہ مہاجر تھی۔ اسے اپنی آبادکاری میں سینکڑوں دقتیں پیش آئیں۔ ڈی اے وی کالج کی جو عمارت بصد دقت ملی وہ انتہائی خستہ حالت میں تھی۔ زر کثیر خرچ کر کے اور کافی تگ ودو کے بعد

اس کے بڑے حصّے کو قابل استعمال بنایا جاسکا۔اس عمارت کے بعض حصوں پر قبضہ بھی نہ ملا تھا کہ بعض حلقوں میں یہ سوال اٹھا دیا گیا کہ یہ عمارت اس تعلیمی ادارہ سے چھین لی جائے اور اس کی بجائے کوئی اور مختصر سی عمارت دے دی جائے۔

خدا تعالیٰ کی تائید ونصرت اور کالج کی مزید کامیابیاں

ان غیر مطمئن اور حد درجہ مخدوش حالات نے کالج کے ماحول پر خطرناک اثر ڈالا اور بہت سی تجاویز شرمندہ تکمیل نہ ہوسکیں مگر ان مشکلات کے باوجود یہ درسگاہ خدا تعالیٰ کے فضل سے شاہراہ ترقی پر گامزن رہی۔کالج تقریباً سات سال تک لاہور میں جاری رہا۔اس عرصہ میں خصوصاً ڈی. اے. وی کالج کی عمارت کے قبضہ کو ختم کرنے کی منظم تحریک کے بعد کالج نے کیا کیا کامیابیاں حاصل کیں،اس کی تفصیل اس دور کی مطبوعہ سالانہ رپورٹوں سے بآسانی معلوم کی جاسکتی ہیں۔خلاصہ یہ کہ اپنے مخصوص دینی وعلمی ماحول اور اخلاقی روایات کے برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ ہر امتحان میں کالج کے نتائج نہایت خوشکن اور یونیورسٹی کی اوسط سے بہت بڑھ کر رہے چنانچہ 52-1951ء میں اس کے ایک طالب علم مرزا بشارت احمد صاحب بی۔ایس۔سی میں مجموعی طور پر پنجاب بھر میں سوم رہے۔54-1953ء میں اس کے ایک اور طالب علم حمید اللہ صاحب نے بی. ایس.سی میں صوبہ بھر میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔ان سالوں میں طلباء کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا اور وہ تقریباً پانچ سو تک پہنچ گئی۔پنجاب یونیورسٹی ریسز میں کالج کی ٹیم دوسرے نمبر پر شمار ہوتی تھی 53-1952ء میں اس نے انتہائی سخت مقابلہ کے باوجود پنجاب یونیورسٹی کی چیمپین شپ جیت لی اور 62-1961ء تک یہ اعزاز اسے حاصل رہا۔51-1950ء میں یو۔او۔ٹی۔سی کی سالانہ فائرنگ کے موقع پر جس میں رائفل،سٹین گن،برین گن اور دوانچ مارٹر کے فائر شامل تھے۔کالج کے طالب علم کارپورل اوّل اور حمید اللہ بھیروی دوئم رہے 52-1951ء میں کالج کے ایک طالب علم حمید اللہ صاحب پنجاب یونیورسٹی کی کھیلوں میں اوّل آئے۔ماہ فروری 51-1950ء میں پہلی بار کالج

کے زیر انتظام کل پاکستان تقریری مقابلوں کا انتظام کیا گیا۔اس سال کالج یونین کے مقررین نے لاہور سے باہر کے کالجوں میں ان کے آل پاکستان انٹر کالجیٹ مباحثوں میں حصہ لینا شروع کیا اور ملک پر اس درسگاہ کے جگر گوشوں کی قوت خطابت کے جوہر کھلنا شروع ہوئے۔اس دور میں جن بیرونی مقررین نے طلباء کالج کو خطاب کیا ان میں نامور مبلغین اسلام،شہرہ آفاق سیاسی مفکّر، چوٹی کے ادیب اور ماہرین اقتصاد بھی شامل تھے۔اس ضمن میں بعض ممتاز لیکچروں یا مقالہ نگاروں کے نام یہ ہیں:

1۔قاضی محمد نذیر صاحب فاضل لائلپوری

2۔حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب سابق مبلغ بلاد عربیہ

3۔مولوی ابوبکر ایوب صاحب آف انڈونیشیا

4۔چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب وزیر خارجہ پاکستان

5۔مولوی ابو العطاء صاحب فاضل پرنسپل جامعہ احمدیہ احمد نگر

6۔مولوی جلال الدین صاحب شمس سابق امام مسجد لنڈن

7۔عمری عبیدی صاحب مشرقی افریقہ

8۔خاں عبد الرحمن خاں صاحب ڈائریکٹر محکمہ زراعت پنجاب

9۔ڈاکٹر عبد البصیر صاحب پالی شعبہ اقتصادیات پنجاب

10۔فضل الٰہی صاحب ایم۔اے رئیس شعبہ اقتصادیات ایم اے او کالج لاہور

11۔ڈاکٹر محمد باقر صدر شعبہ فارسی پنجاب یونیورسٹی (پرنسپل اورینٹل کالج لاہور)

12۔ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی سینئر لیکچرار (حال صدر شعبہ اردو پنجاب یونیورسٹی)

13۔صوفی غلام مصطفی صاحب تبسّم

14۔قاضی ظہیر الدین صاحب صدر شعبہ عربی اسلامیہ کالج لاہور

15۔ پروفیسر ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی صدر شعبہ عربی گورنمنٹ کالج لاہور

16۔ ڈاکٹر بی۔اے قریشی صدر شعبہ عربی پنجاب یونیورسٹی لاہور

17۔ ڈاکٹر ایس ایم اختر صدر شعبہ اقصادیات پنجاب یونیورسٹی

18۔ ڈاکٹر بشیر احمد صاحب ڈین آف ڈائریکٹر یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ آف کمیسٹری پنجاب یونیورسٹی

19۔ ڈاکٹر نیاز احمد صاحب ڈائریکٹر انسٹی ٹیوٹ آف کیمیکل ٹیکنالوجی پنجاب یونیورسٹی

20۔ مسٹر عبادت بریلوی ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی سینئر لیکچرار (حال صدر شعبہ اردو پنجاب یونیورسٹی)

21۔ مسٹر اعظم اورک زئی سینئر لیکچرار شعبہ اقتصادیات پنجاب یونیورسٹی

22۔ مولانا صلاح الدین احمد صاحب ایڈیٹر ''ادبی دنیا''

23۔ اے۔ایم زرتشی گلزار ایم۔اے، ایل ایل بی، ایچ یو پروفیسر دہلی یونیورسٹی

24۔ پروفیسر تھامپسن صدر شعبہ اقتصادیات ایف سی کالج لاہور

25۔ ڈاکٹر فرانسس ایم ڈاسن پروفیسر آئیوا (IOWA) یونیورسٹی امریکہ

ایّام کرب و بلا میں صبر و استقامت کا قابل تعریف مظاہرہ

1953ء کے شروع میں پاکستان کی سیاسی فضا نہایت درجہ مکدر ہوگئی اور (سابق) صوبہ پنجاب خصوصاً اس کا صدر مقام لاہور خوفناک فسادات کی لپیٹ میں آ گیا۔ ان ایام کرب و بلا میں کالج کے اساتذہ اور طلباء دونوں نے صبر و استقامت کا قابل تعریف نمونہ دکھایا حتی کہ اس کے ایک ہونہار طالب علم جمال احمد نے بھاٹی گیٹ میں جام شہادت نوش کر کے اپنے خون سے اسلام کے مقدس درخت کی آبیاری کی اور تعلیم الاسلام کالج کی مقدّس روایات کو چار چاند لگا دیئے۔ لاہور میں حالات پر قابو پانے کے لئے مارشل لاء کا نفاذ ناگزیر ہوگیا تو پاکستان کی بہادر فوج نے میجر جنرل اعظم خاں صاحب کی قیادت میں شہر کا نظم و نسق سنبھال لیا اور چند گھنٹوں میں امن وامان قائم کر دیا۔ حالات تیزی سے معمول کی طرف آ رہے تھے کہ تعلیم الاسلام کالج کو یکا یک ایک دوسرے سانحہ ہوشربا سے

دو چار ہونا پڑا یعنی اس کے قابل احترام پرنسپل یکم اپریل 1953ء کو گرفتار ہو گئے اور یوسفی شان کے ساتھ قید و بند کی مصیبتیں جھیلنے اور اذیتیں برداشت کرنے کے بعد بالا آخر 28 مئی 1953ء کو رہا ہوئے۔ چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے کا بیان ہے کہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ پرنسپل تعلیم الاسلام کالج جیل سے رہا ہو کر رتن باغ میں تشریف لائے فضل عمر ہوسٹل کے احمدی اور غیر احمدی طلباء یہ خوشکن اطلاع پاتے ہی فوراً والہانہ رنگ میں بیتاب ہو کر بھاگتے ہوئے رتن باغ پہنچے اور آپ کی زیارت کر کے باغ باغ ہو گئے اور بعض کی آنکھوں میں فرط مسرت سے آنسو آ گئے۔

میرے آقا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مظہرِ رحمتِ رحمن میرے آقا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
شوق تخلیق کا احسان میرے آقا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نور سے نور کی پہچان میرے آقا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ہو بہو مصحفِ قرآن میرے آقا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
مو بموم صورتِ فرقان میرے آقا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
باگِ توحید کی رونق میرے آقا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
شافعِ روزِ محشر میرے آقا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سیّد و سرور و سلطان میرے آقا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
جزوِ ینفکِ ایمان میرے آقا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(راناعبدالرزاق خان)

ربوہ میں تعلیم الاسلام کالج کی مستقل عمارت کی تعمیر وافتتاح اور اس کی گرانقدر مساعی عہد حضرت مصلح موعودؓ کے اختتام تک

حضرت مصلح موعودؓ کا منشاء مبارک تھا کہ تعلیم الاسلام کالج کو دوسرے جماعتی اداروں کی طرح جلد سے جلد جماعت کے نئے مرکز ربوہ میں منتقل کیا جائے تا اس کے نونہال خالص دینی فضا میں تربیت پاسکیں۔ اگرچہ اس وقت کی اس نقل مکانی کی افادیت کالج کے بعض پروفیسر صاحبان کی سمجھ میں نہ آسکی اور ان کا اصرار تھا کہ کالج کو لاہور ہی میں رہنے دیا جائے مگر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح موعودؓ نے ارشاد فرمایا کہ قادیان سے ہجرت کے بعد تمام کاروبار اور ادارہ جات جاری کرنے کا حق سب سے پہلے ربوہ کا ہے۔ اس کے بعد اگر احباب جماعت یا دیگر اصحاب کوئی کالج یا اسکول چلانا چاہیں تو اس شہر کی جماعت کو خود کوشش کرنی چاہیے۔ ربوہ میں کالج اور ہوسٹل کے لئے زمین مخصوص ہو چکی تھی اور اس پر کالج بنانے کا منصوبہ عمل میں آچکا تھا نقشے اور ڈیزائن بنانے کا کام قاضی محمد رفیق صاحب (لیکچرار نیشنل کالج آف آرٹس لاہور) کو دیا گیا۔ حضرت مصلح موعودؓ کے سامنے جب کالج کا نقشہ رکھا گیا تو حضورؓ نے فرمایا: ''ہمارے پاس اتنی بڑی عمارت کے لئے رقم نہیں جو رقم ہے اس کے مطابق عمارت کا کچھ حصّہ بنایا جائے اور کالج شروع کیا جائے۔''

سنگ بنیاد

کالج کی تعمیر کی نگرانی سیّد سردار حسین شاہ صاحب کے سپرد ہوئی۔ شاہ صاحب نے حضرت پرنسپل صاحب تعلیم الاسلام کالج (حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ) سے ملاقات کی آپ

ان دنوں جیسا کہ پچھلی فصل میں ذکر آ چکا ہے جیل خانہ میں تھے آپ نے ان کو کالج شروع کرنے کی ہدایات فرمائیں اور کام شروع ہو گیا کچھ دنوں بعد حضرت صاحبزادہ صاحب بھی باعزّت بری ہو کر ربوہ تشریف لائے جہاں حضرت مصلح موعودؓ نے 26 احسان/جون 1953ء کی شام کو اپنے دست مبارک سے کالج اور اس کے ہوسٹل کا سنگ بنیاد رکھا اور کالج کی بنیاد میں سے ایک دارالمسیح قادیان کی اینٹ نصب فرمائی اور دعا کی بعدازاں دس بکرے بطور صدقہ ذبح کئے گئے جن میں سے ایک حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد نے اور ایک حضرت مولوی محمد دین صاحب ناظر تعلیم و تربیت نے ذبح کیا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے اس عظیم الشّان کام کی جلد از جلد تکمیل کے لئے لاہور سے ربوہ آ کر کس طرح گویا ڈیرے ڈال دیئے اور گرمیوں کی چلچلاتی دھوپ میں گرد و غبار اور بگولوں کے تھپیڑوں سے بے پروا ہو کر چھوٹے بڑے کام کی نگرانی بنفس نفیس فرمائی اس کی ایمان افروز تفصیل کالج کے سربرآوردہ اصحاب کے قلم سے بیان کرنا مناسب ہوگا۔

1۔ پروفیسر محبوب عالم صاحب خالد ایم۔اے لکھتے ہیں:

''1954ء کے شروع میں جب سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ بیمار ہوئے تو حضور نے آپ سے ارشاد فرمایا کہ تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں لے آؤ۔ ربوہ میں کالج کے لئے کوئی عمارت نہ تھی وقت بہت کم تھا گرمی کے ایّام تھے ربوہ کی تمازت مشہور ہے مگر آپ نے ان سب باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے آقا کی آواز پر لبیک کہا خود یہاں آ گئے اور بظاہر کالج کی تعمیر کا سامان پیدا نہ ہو سکنے کے باوجود اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے کام شروع کر دیا دھوپ میں کھڑے ہو کر آپ خود نگرانی کرتے اور اس طرح عمارت کے ایک حصّہ کے بعد دوسرے حصّہ کی تعمیر اپنی نگرانی میں کرواتے چلے گئے۔ مشکلات سے کبھی آپ گھبرائے نہیں اور آپ کو یہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی خواہش کی تکمیل کے لئے غیر معمولی سامان پیدا کر دے گا۔ ایک دن خاکسار دن میں لاہور سے یہاں آیا خاکسار نے دیکھا کہ دوپہر کے وقت کالج کی زیر تعمیر عمارت ہی میں مقیم رہے کھانا کھانے کے لئے شہر میں تشریف نہ لائے

بلکہ ان مزدوروں سے جو اپنی روٹی پکا رہے تھے قیمتاً روٹی لے کر وہیں تناول فرمائی۔‘‘

2۔مکرم عبدالرحمن صاحب جنید ہاشمی تحریر فرماتے ہیں:

آپ نے تعمیر کالج کے دوران ارادہ فرمایا تھا کہ صرف لنگر کی دال اور روٹی کھایا کروں گا آپ نے اکثر دوپہر کا کھانا وہیں نامکمل عمارت کے برآمدہ میں کھایا ہے اور نمازیں تک وہیں پڑھی ہیں اور کام کے وقت ایک ایک اینٹ وغیرہ کی کھڑے ہو کر نگرانی کی ہے۔‘‘تعلیم الاسلام کالج کی زمین کا رقبہ 117 ایکڑ 333 مربع گز ہے اور حصہ ایک لاکھ مربع فٹ ہے گورنمنٹ کے ریٹ کے مطابق چودہ روپے فی مربع فٹ کے حساب سے چودہ لاکھ روپیہ کی عمارت ہے اس پر آپ کی نگرانی اور توجہ کی بدولت چار پانچ لاکھ روپیہ خرچ ہوا ہے‘‘

3۔چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے لکھتے ہیں:

’’جب کالج ربوہ میں منتقل کرنے کا فیصلہ ہوا تو آپ اپنی نگرانی میں کالج کی تعمیر کے لئے تشریف لے آئے۔کچھ عرصہ یہ عاجز بھی آپ کی خدمت میں حاضر رہا۔فجر کی نماز پڑھ کر کالج میں تشریف لے آتے جہاں نہ کوئی درخت تھا نہ سایہ،نمکین پانی کے دو نلکے تھے کھانا لنگر خانے سے آتا تھا مزدوروں میں کھڑے ہو کر کام کی نگرانی فرماتے جب مزدور آرام کرتے تو آپ حسابات کا معائنہ کرتے کبھی رقم ختم ہو جاتی تو اس عاجز کو بھیجتے کہ عطایا لی جائیں اور اللہ تعالیٰ کا یہ فضل تھا اور آپ کے ساتھ یہ سلوک تھا کہ ایک لاکھ کی منظوری کے ساتھ اس سے کئی گنا قیمت کی عمارت مہینوں میں تعمیر ہو گئی۔اللہ تعالیٰ کے فضلوں اور احسانوں کے بھی عجیب عجیب معجزے دیکھے جب ہال پر لینٹر پڑنے والا تھا اور کثیر مقدار میں سیمنٹ اور مسالا بھگو کر تیار کیا جا چکا تھا تو سیاہ بادل اٹھا اور گھر کر چھا گیا آپ نے ہاتھ اٹھا کر بادل کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا جس کا مفہوم یہ تھا کہ یہ غریب جماعت کی خرچ کی ہوئی رقم ہے اگر تو برسا تو یہ رقم ضائع ہو جائے گی جا یہاں سے چلا جا۔دراصل آپ کی اللہ تعالیٰ کے حضور ایک رنگ میں

فریاد تھی جو قبول ہوئی اور جس طرح ابر آیا تھا اسی طرح چلا گیا۔

4- چوہدری غلام حیدر صاحب سینئر لیکچرار اسسٹنٹ و ناظم املاک کالج لکھتے ہیں:

''ان دنوں سریا اور پائپ ملنے میں بہت سی دشواریاں تھیں۔خاکسار کو کراچی تین دفعہ بھیجا گیا اور وہاں سے کنٹرول ریٹ پر خرید کیا جاتا۔اسی طرح فرنشنگ اینڈ فٹنگ کے لئے پائپ اور فٹنگ کی دقّت تھی اور یہ بھی ان کی وجہ سے کراچی سے کنٹرول پر مل گیا حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ کو کئی دفعہ رقم فراہم کرنے میں دقّت ہوئی مگر ہمارے شیر دل بہادر اور محبوب آقا نے ذرا بھی لیبر یا ٹھیکیداروں کو محسوس نہیں ہونے دیا۔آپ یوں تو بنیاد سے لے کر چھت تک نگرانی فرماتے رہے مگر لینٹر جب پڑتے تو خود سریا، اس کی بندھوائی اور سیمنٹ ریت بجری کی مقدار چیک کرتے اور اس وقت تک نہ ہلتے جب تک سارا لنٹر ختم نہ ہو جاتا ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ کالج ہال پر لینٹر پڑ رہا تھا جو کافی بڑا کام تھا اور لیبر کافی درکار تھی کام شروع ہو چکا تھا بے شمار سیمنٹ کی بوریاں کھلی پڑی تھیں اور انہیں مسالا کے ساتھ ملایا جا رہا تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے کالی گھٹا اٹھی اور یقین تھا کہ ابھی بارش ہو جائے گی آپ نے بادلوں کی طرف دیکھ کر خواہش ظاہر کی کہ واپس چلے جائیں اسی وقت بادل ایک طرف سے ہو کر گذر گئے اور آپ رات کا کافی حصہ گئے تک لنٹر مکمل کر کے تشریف لے گئے جب کبھی طبیعت خراب ہوتی تو بستر پر بھی کام کا خیال رہتا۔ایک دفعہ آپ کی طبیعت بوجہ دل کی تکلیف کے خراب تھی گھر لیٹے ہوئے تھے پانی کی ٹینکی بنائی جا رہی تھی اور مجھے حکم تھا کہ میں نے ایک منٹ اِدھر اُدھر نہیں ہونا اور رپورٹ ہر گھنٹہ بعد گھر بھجوانی ہے۔ایک دفعہ وزیر تعلیم سردار عبدالحمید صاحب دستی آئے تو انہوں نے پوچھا کہ آپ کا کالج اور ہوسٹل پر کتنا خرچ اٹھا ہے۔آپ نے فرمایا کہ قریباً پانچ لاکھ، وہ تو حیران ہو گئے کہ سرگودہا کالج پر تو 25 لاکھ خرچ ہوا ہے اور آپ کی نگرانی اور محنت کی بہت تعریف کی۔کالج کو پانی کی سخت تکلیف تھی کالج کے احاطہ میں ٹیوب ویل بور کرانا شروع کیا مگر جلن کی وجہ سے ٹھیکیدار پائپ درمیان میں چھوڑ گیا۔آخر کار کالج سے دو ہزار فٹ دور ٹیوب ویل

بنوایا اور وہاں سے پائپ کے ذریعہ لیبارٹریز اور احاطہ کالج و ہوسٹل کو پانی مہیا فرمایا کالج میں ٹک شاپ، گیسٹ ہاوس اور فیملی کواٹر بھی بنائے گئے ہوسٹل بہت اچھا بنایا گیا آپ کی شفقت اور ہمدردی خصوصاً فزکس ڈیپارٹمنٹ کے ساتھ رہی یہاں ربوہ آ کر B.S.C HONS کی لیبارٹریز اور اپریٹس کی فراہمی کے لئے فراخ دل سے خرچ کیا اور فزکس ایم۔ایس۔سی کا پروگرام بن چکا تھا جس کے لئے علیحدہ نیوکمپس بنایا جارہا ہے اور پچپن ہزار روپیہ فزکس کے اپریٹس دے کر اپریٹس منگایا جارہا ہے۔''

ایک اہم مکتوب

(حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ کا ایک مکتوب گرامی جو آپ نے تعمیر کالج کے دوران چوہدری غلام حیدر صاحب کو کراچی لکھا تھا۔)

مکرم غلام حیدر صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

(1) آپ کے ہر دو خطوط اور تار مل گئے۔(2) آپ کراچی سے لوہا خریدنے کا ارادہ ترک کر دیں مگر تمام معلومات لے کر آئیں (1) کیا کراچی میں لوہا مل سکتا ہے۔(2) کس قیمت پر (3) کیا شیشہ مل سکتا ہے۔(4) پرمٹ ملنے میں کتنی دقّت پیش آئے گی۔(5) ریٹ کیا ہے (6) پیچ وغیرہ کے متعلق معلومات حاصل کرلیں اس لئے ملک بشیر کا چیک اور مزید جس قدر روپیہ مل سکے لے کر آجائیں۔(7) شیخ صاحب سے کہیں PITSINKING کے نقشے نہیں ملے شکریہ مگران سے نقشہ لیکر آئیں ہوسٹل میں چھ چھ فلش کے دو یونٹ ہوں گے اس کے مطابق اس کے علاوہ دو یونٹ اور تین یونٹ UNITS کے نقشے بھی۔(4) محمد کرامت اللہ صاحب سے کہیں کہ کم سے کم نصف رقم تو دے دیں۔(5) اسی طرح چوہدری شریف احمد صاحب سے کہیں کہ مکرم ملک صاحب سے کم از کم نصف روپیہ لے کر دے دیں۔ کراس چیک لے کر آجائیں (6) امید ہے آپ دو دنوں میں ان کاموں سے فارغ ہوکر بدھ کے روز لاہور کے لئے روانہ ہوجائیں گے۔

(7)دوبارہ یہ کہ آپ لوہے، شیشے اور کیل وغیرہ کے متعلق مکمل معلومات حاصل کر کے فلش کے نقشے لے کر اور جس قدر عطایا مل سکیں لے کر بذریعہ کراس چیک دو تین روز تک لاہور کے لئے روانہ ہو جائیں۔تاکید ہے۔مہینے ڈیڑھ مہینے کے بعد میں خود کراچی جا کر عطایا وصول کرنے کی کوشش کروں گا۔انشاءاللہ۔ دستخط (پرنسپل)

کالج کی مستقل عمارت کا افتتاح

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح موعودؓ نے کالج کی مستقل اور شاندار عمارت کا افتتاح 6فتح / دسمبر 1954ء کی صبح کو فرمایا۔اس روز صبح آٹھ بجے ہی گہما گہمی شروع ہوگئی کالج کی عمارت کے سامنے میدان میں شامیانے نصب تھے جن کے نیچے نہایت سلیقہ اور ترتیب سے کرسیاں رکھی گئی تھیں سٹیج کے دائیں طرف سٹاف، بائیں طرف بزرگان سلسلہ، سامنے پریس گیلری اور پیچھے معزز مہمانوں کی جگہ مقرر تھی اور باقی حصہ طلباء کے لئے مخصوص تھا۔دس بجے حضورؓ کی تشریف آوری پر کالج کے سٹاف کی فوٹو کا پروگرام تھا اس لئے اساتذہ کرام گاؤن پہنے شاداں وفرحاں حضور کے لئے سراپا انتظار تھے۔دس بج کر پانچ منٹ پر حضورؓ کی کار کالج کی احاطہ میں داخل ہوئی حضور پرنور نے کار سے اترتے ہی تمام ممبران اسٹاف کو شرف مصافحہ بخشا۔حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایم۔اے پرنسپل کالج نے سب اساتذہ کا تعارف کرایا اس کے بعد گروپ فوٹو ہوئی۔

بعد ازاں حضورؓ نے کالج کی عمارت کا معائنہ فرمایا۔معائنے کے بعد حضور سٹیج پر تشریف لائے اور ڈیڑھ گھنٹہ تک حاضرین سے پر معارف خطاب فرمایا۔افتتاح کی کارروائی تلاوت قرآن مجید سے شروع کی گئی جو سردار حمید احمد صاحب سیکنڈ ائیر نے کی۔ان کے بعد محمد اسلم صاحب صابر متعلم فرسٹ ائیر نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نظم ”حمد وثناء اسی کو جو ذات

جاودانی''خوش الحانی سے پڑھی ۔بعد ازاں پروفیسر نصیر احمد خاں صاحب نے اپنی دو نظمیں پڑھیں جو انہوں نے خاص اس تقریب کے لئے لکھی تھیں ۔اس کے بعد حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ نے سپاسنامہ پیش کیا جس میں آپ نے ان تمام مراحل پر بلیغ انداز میں روشنی ڈالی جس سے گزر کر کالج کی عظیم الشّان اور پرشکوہ عمارت پایہ تکمیل تک پہنچی تھی۔سپاسنامہ کے بعد حضرت مصلح موعودؓ نے ایک نہایت ولولہ انگیز تقریر فرمائی جس میں حضورؓ نے اس کالج کے قیام کی اصل غرض وغایت پر روشنی ڈالتے ہوئے طلباء کو خاص طور پر نصائح فرمائیں کہ:

''تمہیں جو تعلیم الاسلام کالج میں داخل کیا گیا ہے تو اس مقصد کے ماتحت داخل کیا گیا ہے کہ تم دین کے ساتھ دنیاوی علوم بھی سیکھو میں جانتا ہوں کہ تم میں سے 40 / 30 فیصدی غیر احمدی ہیں لیکن تم بھی اس نیّت کے ساتھ یہاں آئے ہو کہ دینی تعلیم حاصل کرو۔بیشک کچھ تم میں سے ایسے بھی ہوں گے جو دوسرے کالجوں کا خرچ برداشت نہیں کر سکتے اس کالج کا خرچ تھوڑا ہے اس لئے وہ یہاں آگئے یا ان کا گھر ربوہ سے قریب ہے اس لئے وہ اس کالج میں داخل ہو گئے یا ممکن ہے ان کے بعض رشتہ دار احمدی ہوں اور یہاں آباد ہوں اور انہیں ان کی وجہ سے یہاں بعض سہولتیں حاصل ہوں لیکن تم میں سے ایک تعداد ایسی بھی ہوگی جو یہ سمجھتی ہوگی کہ اس کالج میں داخل ہو کر ہم اسلام سیکھ سکیں لیں۔تم میں سے جو طالب علم اس نیّت سے یہاں نہیں آئے گا کہ وہ اسلام کی تعلیم سیکھ لیں میں ان سے کہتا ہوں کہ تم اب یہ نیّت کرلو کہ تم نے اسلام کی تعلیم سیکھنی ہے اور جب میں یہ کہتا ہوں کہ تم اسلام کی تعلیم سیکھو تو میرا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ تم احمدیت کی تعلیم سیکھو ہمارے نزدیک تو اسلام اور احمدیت میں کوئی فرق نہیں احمدیت حقیقی اسلام کا نام ہے لیکن اگر تمہیں ان دونوں میں کچھ فرق نظر آتا ہے تو تم وہی سیکھو جیسے تم اسلام سمجھتے ہو۔اگر انسان کرتا اور کہتا اور ہے تو وہ غلطی کرتا ہے۔ دیو بندی بریلویوں کے متعلق سمجھتے ہیں کہ ان کا اسلام اور ہے۔سنّی شیعوں کے متعلق سمجھتے ہیں کہ ان کا اسلام اور ہے ۔اسی طرح آغا خانیوں کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ ان کا اسلام اور ہے۔

جماعت اسلامی کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ ان کا اسلام اور ہے۔ احمدیوں کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ ان کا اسلام اور ہے۔ لیکن جب یہ سب فرقے اپنے آپ کو اسلام کا پیرو کہتے ہیں تو وہ اسلام کے متعلق کچھ نہ کچھ تو ایمان رکھتے ہیں ورنہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کیوں کہتے۔ بریلوی بھی مسلمان ہیں، دیوبندی بھی مسلمان ہیں، سنّی بھی مسلمان ہیں، شیعہ بھی مسلمان ہیں جماعت اسلامی والے بھی مسلمان ہیں، احمدی بھی مسلمان ہیں۔ تم ان میں سے کسی فرقہ کے ساتھ تعلق رکھو ہمیں کوئی اعتراض نہیں لیکن سوال یہ ہے کہ جو کچھ تم مانتے ہو اس پر عمل کرو۔ قرآن کریم میں بار بار یہ کہا گیا ہے کہ اے عیسائیو! تم میں اس وقت تک کوئی خوبی نہیں جب تک عیسائیت پر عمل نہ کرو اور یہودیوں سے کہا گیا اے یہودیو! تم میں اس وقت تک کوئی خوبی نہیں جب تک تم یہودیت پر عمل نہ کرو۔ اب دیکھو قرآن کریم ان سے یہ نہیں کہتا کہ تم اسلام پر عمل کرو بلکہ یہ کہتا ہے کہ تم اپنے مذہب پر عمل کرو کیونکہ نیکی کا پہلا قدم یہی ہوتا ہے کہ انسان اپنے مذہب پر عمل کرے۔ پھر دیکھو اسلام نے اہل کتاب کا ذبیحہ جائز رکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر مذہب نے کچھ اصول مقرر کئے ہیں اور ان کے ماننے والے ان اصولوں کی پیروی کرتے ہیں۔ تم سمجھتے ہو کہ یہودی سور نہیں کھاتے اس لئے تم تسلی سے ان کا ذبیحہ کھا لو گے اسی طرح عیسائیوں سے تم کوئی معاملہ کرتے ہوئے نہیں گھبراؤ گے کیونکہ ان کی مذہبی کتاب میں لکھا ہے کہ تم جھوٹ نہ بولو اور کسی سے فریب نہ کرو انفرادی طور پر اگر کوئی شخص تم سے فریب کرے تو کرے لیکن مارل کوڈ کے ماتحت وہ تم سے فریب نہیں کرے گا۔ اہل کتاب کی لڑکیوں سے شادی کی اجازت دی گئی ہے وہ بھی اسی حکمت کے ماتحت کہ وہ تمہاری زوجیت میں آ جانے کے بعد اپنے مارل کوڈ کے ماتحت چلیں گی۔ مثلاً یہودیت اور عیسائیت کی تعلیم کے ماتحت کوئی عورت اپنے خاوند کو زہر نہیں دے گی اس لئے تم اطمینان سے اپنی زندگی بسر کر سکو گے اور ایک دوسرے پر اعتماد کر سکو گے۔ گویا شریعت نے مذہب کو بہت اہمیت دی اور بتایا ہے کہ اپنے مخصوص عقیدہ پر چلنے میں بڑی سیفٹی ہے۔ پس کم از کم اتنا تو کرو کہ اپنے عقائد کے مطابق عمل کرو۔ اگر کوئی پروفیسر تمہیں کسی احمدی امام کے

پیچھے نماز پڑھنے کے لئے مجبور کرتا ہے تو اس کا مقابلہ کرو اور میرے پاس بھی شکایت کرو۔ میں اس کے خلاف ایکشن لوں گا۔ لیکن اگر وہ تمہیں کہتا ہے کہ نماز پڑھو تو یہ تمہارے مارل کوڈ کے خلاف نہیں اور اس کا نماز پڑھنے کی تلقین کرنا۔ انٹرفیرینس نہیں۔ تم نماز پڑھو چاہے کسی طرح پڑھو۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں تم اپنے میں سے کسی کو امام بنالو۔ کالج کے بعض پروفیسر غیر احمدی ہیں ان میں سے کسی کو امام بنالو لیکن نماز ضرور پڑھو۔

شیعہ اور بوہرہ لوگ نماز پڑھتے ہوئے ہاتھ چھوڑتے ہیں باندھتے نہیں۔ ہم اہلحدیث کی طرح سینہ پر ہاتھ باندھتے ہیں۔ حنفی لوگ ناف کے نیچے ہاتھ باندھتے ہیں اس کے خلاف اگر کوئی پروفیسر تمہیں مجبور کرتا ہے تو تم اس کی بات ماننے سے انکار کر دو۔ اگر وہ کہتا ہے کہ آمین بالجبر کہو تو یہ اہلحدیث کا مذہب ہے حنفیوں کا نہیں۔ اگر تم حنفی ہو تو تم اس کی بات نہ مانو اور میرے پاس شکایت کرو میں اس کے خلاف ایکشن لوں گا۔ مذہب میں دخل اندازی کا کسی کو حق نہیں۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ مذہب میں مداخلت کرنا انسان کو منافق بناتا ہے مسلمان نہیں بناتا۔ لیکن تم میں سے ہر ایک کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ تعلیم الاسلام کالج کا طالب علم ہونے کی وجہ سے اسلام کی تعلیم پر چلے۔ اب اسلام کی تم کوئی تعریف کرو۔ اسلام کی جو تعریف تمہارے باپ دادا نے کی ہے تم اسی کو مانو۔ لیکن اگر تم اس تعلیم پر جسے تم خود درست سمجھتے ہو عمل نہیں کرتے تو یہ منافقت ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کالج میں اگر کوئی ہندو بھی داخل ہونا چاہے تو ہمارے کالج کے دروازے اس کے لئے کھلے ہیں لیکن وہ بھی اس بات کا پابند ہوگا کہ اپنے مذہب کے مطابق زندگی بسر کرے کیونکہ اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے مذہب کے مطابق عمل کرے۔ ہندو اپنے مذہب پر عمل کرے، عیسائی عیسائیت پر عمل کرے اور یہودی یہودیت پر عمل کرے۔

پس اس اسلامی حکم کی وجہ سے ہم اسے مجبور کریں گے کہ وہ اپنے مذہب پر عمل کرے۔ لیکن یہ کہ تم اس کالج میں تعلیم حاصل کرو لیکن کسی مارل کوڈ کے ماتحت نہ چلو یہ درست نہیں ہوگا۔ تمہیں اس

کالج میں داخل ہونے کے بعد اپنے آپ کو کسی نہ کسی مارل کوڈ کی طرف منسوب کرنا ہوگا اور پھر تمہارا فرض ہوگا کہ تم اس کے ماتحت چلو۔ پس اگر تم میں سے کوئی کہتا ہے کہ میں مسلمان نہیں تب بھی ہم تمہیں برداشت کر لیں گے۔ لیکن اس شرط پر کہ تمہیں کالج میں داخل ہونے کے بعد اپنے آپ کو کسی نہ کسی مارل کوڈ کی طرف منسوب کرنا ہوگا چاہے تم اسے تجربہ کے طور پر تسلیم کرو۔ مثلاً تم تجربہ کے طور پر اپنے ماں باپ کے مذہب کو اختیار کر لو تب بھی ہم برداشت کر لیے گے لیکن اگر تم کسی مارل کوڈ کے ماتحت مستقل طور پر نہیں چلتے اور نہ کسی مارل کوڈ کو تجربہ کے طور پر اختیار کرتے ہو تو دیانت داری یہی ہے کہ تم اس کالج میں داخلہ نہ لو۔ اسلام کہتا ہے کہ تم جس مذہب کی تعلیم پر بھی عمل کرنا چاہو کرو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں کوئی ہندو اپنی تعلیم پر عمل کرتا ہے، عیسائی اپنی تعلیم پر عمل کرتا ہے۔ یہودی اپنی تعلیم پر عمل کرتا ہے تو وہ اس کالج میں داخلہ کے لئے مستحق ہے۔ اگر کوئی حنفی المذہب ہے اور وہ حنفی مذہب پر عمل کرتا ہے تو وہ اس کالج میں داخلہ لینے کا مستحق ہے۔ اگر کوئی شیعہ ہے اور اپنے مذہب پر عمل کرتا ہے تو اس کالج میں داخلہ لینے کا مستحق ہے کیونکہ یہ کالج تعلیم الاحمدیہ کالج نہیں، تعلیم الاسلام کالج ہے اور اسلام ایک وسیع لفظ ہے۔ کوئی کوڈ آف مارلٹی جس کو علماء اسلام نے کسی وقت تسلیم کیا ہو یا اب تسلیم کر لیں وہ اسلام میں شامل ہے۔ پس میں طلباء کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ تم کالج کی روایات کو قائم رکھو۔ یہ تعلیم الاسلام کالج ہے اور اس کے معنے یہ ہیں کہ یہ کالج تمہیں عملی مسلمان بنا دے گا اور یہی اس کالج کے قائم کرنے کی غرض ہے۔''

حضرت مصلح موعودؓ نے اپنے اثر انگیز خطاب کے آخر میں دعا فرمائی کہ ''اللہ تعالیٰ اس کالج کو اس مقصد کا پورا کرنے والا بنائے جس کے لئے اسے قائم کیا گیا ہے اور اس کے طالب علم رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے شاگرد ہوں جو لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحیح چہرہ دکھانے میں کامیاب ہوں۔''

جلسہ کے اختتام پر حضور نے تمام طلباء کو شرف مصافحہ بخشا۔ اس کے بعد حضور نے کالج کی طرف سے دی گئی دعوت میں شرکت فرمائی۔ حضور دو بجے کے قریب دعوت سے فارغ ہوئے جس کے بعد حضور

نے مجلس عاملہ کالج یونین کے ساتھ ایک گروپ فوٹو کھنچوائی اور پھر واپس تشریف لے گئے۔اس طرح یہ مبارک تقریب بخیر و خوبی انجام پائی۔اس تقریب پر متعدد غیر احمدی معززین بھی تشریف لائے ہوئے تھے جن میں سیّد عابد احمد علی صاحب پرنسپل گورنمنٹ کالج سرگودھا، خاں رفیع اللہ خاں صاحب، شیخ عطاء اللہ صاحب پرنسپل اسلامیہ کالج چنیوٹ اور پروفیسر غلام جیلانی اصغر صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔حضرت مصلح موعودؓ نے کالج کے افتتاح کے موقع پر فضل عمر ہوسٹل کی VISITORS BOOK میں اپنے قلم مبارک سے مندرجہ ذیل عبارت رقم فرمائی۔''اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بے سروسامانی میں کالج کے سامانوں کو مہیا کیا اور بے گھروں کو گھر دیا۔اب دعا ہے کہ جس طرح اس دنیا کا علم دیا اگلے جہاں کا بھی علم دے اور جس طرح اس جہاں کا گھر دیا اگلے جہاں کا اچھا گھر بھی بخشے اور اس کالج میں پڑھنے والے سب طلباء کو اپنی رضا پر چلنے، اپنا فرض ادا کرنے اور ایثار و قربانی کا اعلیٰ نمونہ دکھانے کی توفیق بخشے۔ خاکسار

مرزا محمود احمد

تعلیم اسلام کالج کے ہونہار اور فارغ طلباء کالج کے سٹاف میں

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ حضرت مصلح موعودؓ نے قیام کالج کے پہلے سال 1944ء میں ہی یہ ارشاد فرمایا تھا کہ کالج کے لیکچرار اور طالب علموں میں وقف کی تحریک کریں تا کہ ان کو مستقبل میں پروفیسری کے لئے تیار کیا جائے کیونکہ آگے چل کر ہمیں بہت سے ایم۔ایس۔سی صاحبان کی ضرورت ہوگی۔حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ نے بحیثیت پرنسپل کالج حضرت مصلح موعودؓ کے اس فرمان مبارک کی تعمیل کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔چنانچہ آپ کی مخلصانہ مساعی بارآور ہوئیں جن کے شیریں اثمار ربوہ میں آ کر ظاہر ہونا شروع ہوئے جبکہ تعلیم الاسلام کالج کے فارغ طلباء کالج کے سٹاف میں شامل ہو کر کالج کی علمی و عملی ترقی میں سرگرم عمل ہونے لگے۔

ذیل میں 1954ء سے لے کر نومبر 1965ء کے درمیان کالج کے سٹاف میں شامل ہونے

والے نئے اساتذہ کی فہرست دی جاتی ہے کہ جس میں ایک خاص تعداد اسی مرکز علم ودانش سے اکتساب فیض کرنے والوں کی نظر آئے گی۔

1	مکرم مرزا مجید احمد صاحب ایم۔اے	(ماہ ستمبر 1954ء)
2	مکرم محمد ابراہیم صاحب ناصر بی۔اے	(ماہ اکتوبر)
3	مکرم مسعود احمد صاحب عاطف ایم۔ایس۔	(ماہ اکتوبر)
4	مکرم مبارک احمد صاحب انصاری ایم۔ایس۔سی	(ماہ اکتوبر)
5	مکرم چوہدری محمد لطیف صاحب ایم۔اے	(ماہ نومبر)
6	مکرم ظفر احمد صاحب وینس ایم۔اے	(ماہ نومبر)
7	مکرم سید مظفر حسین صاحب زیدی ایم۔اے	(ماہ جنوری 1955ء)
8	مکرم ایس۔ایم حمایت اللہ صاحب ایم۔اے	(ماہ جنوری 1955ء)
9	مکرم سید کلیم اللہ شاہ صاحب ایم۔ایس۔سی	(ماہ جنوری 1955ء)
10	مکرم چوہدری عطاء اللہ صاحب ایم۔اے	(ماہ مارچ)
11	مکرم مولوی محمد دین صاحب ایم۔اے۔	(ماہ اکتوبر)
12	مکرم چوہدری حمید اللہ صاحب ایم۔اے	(ماہ اکتوبر)
13	مکرم عبد اللہ صاحب	(ماہ دسمبر)
14	مکرم نصیر احمد صاحب بشیر ایم۔ایس۔سی	(ماہ مئی 1956ء)
15	مکرم مرزا خورشید احمد صاحب ایم۔اے	(ماہ ستمبر)
16	مکرم حمید اللہ صاحب ظفر ایم۔اے	(ماہ اکتوبر)
17	مکرم رفیق احمد صاحب ثاقب ایم۔ایس۔سی آنرز	(ماہ اکتوبر)
18	مکرم کنور ادریس صاحب	(ماہ فروری 1957ء)

19	مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب مولوی فاضل	(ماہ ستمبر)
20	مکرم محمد شریف صاحب خالد ایم۔اے	(ماہ جولائی 1958ء
21	مکرم سعید احمد صاحب رحمانی ایم۔اے	(ماہ اکتوبر)
22	مکرم حمید احمد صاحب ایم۔اے	(ماہ ستمبر)
23	مکرم آفتاب احمد صاحب ایم۔اے	(ماہ ستمبر)
24	مکرم خواجہ منظور احمد صاحب ایم۔ایس۔سی	(ماہ ستمبر)
25	مکرم چوہدری محمد سلطان صاحب اکبر ایم۔اے	(ماہ ستمبر)
26	مکرم ناصر احمد صاحب پروازی ایم۔اے	(ماہ ستمبر)
27	مکرم منور شمیم خالد صاحب ایم۔اے	(ماہ ستمبر)
28	مکرم سید حبیب الرحمن صاحب ایم۔ایس۔سی	(ماہ نومبر)
29	مکرم سعید اللہ خاں صاحب ایم۔اے، بی ایس سی	(ماہ جنوری 1962ء)
30	مکرم محمد اسلم قریشی صاحب ایم۔ایس۔سی	(ماہ جنوری 1962ء)
31	مکرم سردار محمد علیم صاحب ایم۔اے	(ماہ جنوری 1962ء)
32	مکرم مرزا مسعود بدر بیگ صاحب ایم۔اے	(ماہ مارچ)
33	مکرم سید پرویز سجاد جعفری صاحب ایم۔اے	(ماہ مارچ)
34	مکرم سجاد امام صاحب	(ماہ ستمبر)
35	مکرم چوہدری محمد اسلم صاحب صابر ایم۔اے	(ماہ ستمبر)
36	مکرم صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب ایم۔اے	(ماہ اکتوبر)
37	مکرم چوہدری انور حسن صاحب ایم۔اے	(ماہ اکتوبر)
38	مکرم عبد الرشید فوزی صاحب ایم۔اے	(ماہ نومبر)

39	مکرم چوہدری عزیز احمد صاحب طاہر ایم۔اے	(ماہ مئی 1963ء)
40	مکرم محمد ارشد صاحب ایم۔ایس۔سی	(ستمبر 1963ء)
41	مکرم چوہدری عبد السمیع صاحب ایم۔ایس۔سی	(ستمبر 1963ء)
42	مکرم مسٹر مائیکل ای ولیمز ایم۔ایس۔سی ڈرہم	(ستمبر 1963ء)
43	مکرم سیّد مقبول احمد صاحب ایم۔ایس۔سی	(ستمبر 1963ء)
44	مکرم محمد سرور صاحب ایم۔اے	(ستمبر 1963ء)
45	مکرم محمد شریف خاں صاحب ایم۔ایس۔سی	(ستمبر 1963ء)
46	مکرم عبد الشکور صاحب صاحب اسلم بی۔ایس۔سی	(ماہ ستمبر)
47	مکرم عبد الرشید صاحب غنی۔ایم۔ایس۔سی	(ماہ اکتوبر)
48	مکرم سیّد محمد یحییٰ صاحب	(ماہ نومبر)
49	مکرم رشید احمد صاحب جاوید ایم۔اے	(ماہ ستمبر 1964ء)
50	مکرم اعجاز الحق قریشی صاحب ایم۔اے	(ماہ ستمبر 1964ء)
51	مکرم محمد انور شاہ صاحب ارشد ترمذی	(ماہ ستمبر 1964ء)
52	مکرم عبد الجلیل صاحب صادق	(ماہ ستمبر 1964ء)
53	مکرم محمد اکرم صاحب ایم۔ایس۔سی	(ماہ ستمبر 1964ء)

تعلیم الاسلام کالج کے تدریسی و تعلیمی نظام میں بتدریج وسعت اور جدید ڈگری کالج کی تعمیر

یہ عظیم درسگاہ ربوہ میں منتقل ہونے کے بعد نہایت تیزی سے ترقی کی منازل طے کرنے لگی۔ چنانچہ یہاں آکر کیمیاء کی تدریس اور پریکٹیکل کا انتظام (بی۔ایس۔سی کے معیار تک) پہلے سے زیادہ عمدگی کے ساتھ ہونے لگا 1954ء ہی میں حضرت المصلح الموعودؓ کی خصوصی اجازت سے آل پاکستان بین الکلیاتی مباحثوں کا آغاز کیا گیا۔ علاوہ ازیں کالج کے طلباء دیگر اداروں کے کل پاکستان بین الکلیاتی سالانہ مباحثوں میں شریک ہونے اور انفرادی اور مجموعی طور پر بکثرت انعام حاصل کرنے لگے جس کی تفصیل کالج کے مطبوعہ سالانہ رپورٹوں میں موجود ہے۔ 1961ء سے کالج میں ریاضی (آنرز) کیمیا (آنرز) اور شماریات کی تعلیم کا اجراء ہوا۔ 1962ء میں بی ایس سی باٹنی اور بی ایس سی زوولوجی کی کلاسز بھی کھل گئیں۔ اسی زمانہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ نے کالج میں اعلیٰ اور معیاری تعلیم کے لئے ایک عظیم الشان منصوبہ تیار فرمایا جو خدا تعالیٰ کے فضل وکرم، سیّدنا المصلح الموعودؓ کی توجہ اور آپ کی ذاتی توجہ، دلچسپی اور رہنمائی کی بدولت نہایت برق رفتاری کے ساتھ کامیابی کے زینے طے کر رہا ہے۔ ہماری مراد جدید ڈگری کالج سے ہے جس کی تفصیلی سکیم 62-1961ء میں بروئے کار آئی چنانچہ حضرت صاحبزادہ صاحب نے اس بارے میں سالانہ رپورٹ میں فرمایا:

''اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو نظام تعلیم کے لئے نئے دور میں تعلیم الاسلام کالج سابقون الاوّلون میں شمار ہوگا۔ انشاء اللہ العزیز۔ کالج کی تقسیم (BIFURACTION) کے بعد جو عنقریب

ہونے والی ہے ڈگری اور پوسٹ گریجوایٹ کلاسیں جلد ہی اپنی نئی عمارت میں منتقل ہو جائیں گی۔ یہ سال تو کالج کے لئے زمین، عمارات کے نقشوں اور دیگر کوائف کی تفاصیل سے متعلق فیصلوں ہی میں گذرا ہے۔ اس وقت کالج کیمپس کے گرد دیوار بن رہی ہے ٹیوب ویلوں کے لئے آزمائشی کھدائی کی جا چکی ہے نقشے بن چکے ہیں۔ اور انشاء اللہ العزیز تعمیر کا کام بھی جلد ہی پوری تیز رفتاری سے شروع ہونے والا ہے۔ یہ دور جدید کالج کی زندگی میں ایک عہد آفریں اور خوشکن انقلاب کا حامل ہوگا۔'' 64-1963ء میں کالج کیمپس کی اصل عمارات کی تعمیر شروع کر دی گئی۔ اس عظیم علمی منصوبہ پر ماہ مارچ 1968ء تک نو لاکھ روپیہ کے اخراجات ہوئے سائنس لیبارٹریز کی ورکشاپ تو اسی سال مکمل ہوگئی مگر بلاک کی تعمیر خلافت ثالثہ کے چوتھے سال 1969ء تک جاری رہی۔ چنانچہ اخبار ''الفضل'' 21 مئی 1969ء صفحہ 8 میں اس زیر تعمیر کالج کی نسبت یہ خبر شائع کی گئی۔ ''شعبہ فزکس کی لیبارٹریز مکمل ہو چکی ہیں۔ عنقریب ان کی فٹنگ اور فنشنگ شروع ہو جائے گی۔ منصوبے کے پہلے مرحلے کے طور پر فزکس میں ایم۔ ایس۔ سی کی تدریس شروع کی جائے گی۔ اس سلسلہ میں پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے مقرر کردہ خاص کمیٹی نے آلات فزکس کی ایک فہرست تیار کی تھی اور الحاق سے قبل ان کا فراہم کرنا ضروری قرار دیا تھا۔''

1968ء میں اس کمیٹی کی تیار کردہ فہرست کے مطابق بیرونی ممالک سے جدید ترین آلات درآمد کرنے کا انتظام کیا گیا۔ جن کی پہلی کھیپ 11 مئی 1969ء کو انگلستان، مغربی جرمنی اور یوگوسلاویہ سے ربوہ میں پہنچی جس میں اسلوسکوپ، الیکٹرک اوسی لیٹرز، الیکٹروسکوپ، ریڈیو و ایکٹوسورسز، ریٹ سیٹر اور الیکٹرونکس کا دیگر بیش قیمت سامان شامل تھا۔ مزید برآں بعض ضروی آلات بھی منگوائے گئے۔ بعض آلات کے پرزہ جات کو صدر شعبہ طبعیات ڈاکٹر نصیر احمد صاحب کی نگرانی میں فزکس کے اساتذہ اور بعض طلباء نے خود ASSEMBLE کیا اور دن رات ایک کر کے سامان کی چیکنگ اور ترتیب مکمل کر کے بڑے قرینہ سے شعبہ طبعیات کی بڑی لیبارٹری میں نصب

کئے تا کہ ان آلات کی کارکردگی کو جانچا جا سکے۔اس طرح کالج کی طبعیات کی لیبارٹریز جدید سائنٹیفک آلات سے آراستہ ہو گئیں۔جن کا معائنہ اور عملی کارکردگی کا مشاہدہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے 17 ہجرت 1969ء کو بنفس نفیس فرمایا۔آلات طبعیات کی دوسری کھیپ امریکہ سے موصول ہونے والی ہے جو ماہ جولائی 1969ء کے آخر تک پہنچ جائے گی۔موجودہ ششماہی میں دس ہزار روپیہ کا کیش بونس درآمدی لائسنس منظور ہوا ہے جس پر مزید آلات کا آرڈر دیا جا رہا ہے۔

فزکس کا بلاک مکمل ہو چکا ہے۔بجلی کی وائرنگ اور فرنیچر کے لئے رقم کی منظوری حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی طرف سے ہو چکی ہے۔امید ہے کہ اگست تک یہ کام مکمل ہو جائے گا اور فزکس کی تجربہ گاہیں یونیورسٹی کمیشن کے آنے تک سامان اور تجربات سے پوری طرح لیس ہو جائیں گی۔

یونیورسٹی کے امتحانوں میں کالج کے خوشکن نتائج

ربوہ میں ماہ نومبر 1954ء سے لے کر ماہ نومبر 1965ء تک یہ کالج حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ کی براہ راست نگرانی اور قیادت میں سرگرم عمل رہا۔اس زمانہ میں کالج نے اپنے عظیم المرتبت اور جلیل القدر پرنسپل کے زیر سایہ علم وعمل کے میدان میں نمایاں ترقی کی اور بالخصوص یونیورسٹی کے امتحانوں میں اس کے نتائج سال بسال نہایت درجہ خوشکن ،مسرت افزا اور شاندار رہے اور اس کے طلباء نے صوبہ بھر میں امتیازی پوزیشن حاصل کی۔

کالج میں مشہور ملکی اور غیر ملکی شخصیتوں کی آمد

تعلیم الاسلام کالج کی علمی تقریبات میں نامور ملکی اور غیر ملکی شخصیتوں کی آمد کا جو سلسلہ قبل ازیں جاری ہو چکا تھا وہ ربوہ میں حیرت انگیز وسعت پکڑ گیا حتی کہ امریکہ، یورپ اور روس کے بعض ممتاز شہرہ آفاق اور بین الاقوامی شہرت کے حامل سائنسدان بھی اس علمی ادارے کی شہرت سے متاثر ہو کر کھنچے آنے لگے۔چنانچہ اس ضمن میں بعض نامور اشخاص کی ایک مختصر فہرست دی جاتی ہے جو حضرت

صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی براہ راست قیادت کے مبارک دور میں یہاں پہنچے اور جنہوں نے بذریعہ تقریر اپنے تجربات و معلومات سے اساتذہ اور طلباء کو متمتع ہونے کا موقع دیا:

ڈاکٹر ایس ایل شیٹس لاہور۔ اطالوی مستشرق پروفیسر اے بوسانی، روسی سائنسدان برونوف (پروفیسر لینن گراڈ یونیورسٹی ڈائریکٹر انسٹی چیوٹ آف فریالوجی اکیڈمی آف سائنسز U.S.S.R) امریکی سائنسدان ای۔سی سٹیکمین (پروفیسر اریئس امینا سوٹا یونیورسٹی امریکہ وسائنٹیفک ایڈ وائزر راک فیلر فاؤنڈیشن) میجر عثمان بیگ آفندی آف ترکی، میجر جنرل اکبر خاں، مسٹر تھوڈور، ڈاکٹر محمد عودہ مدیر ''الجمہوریہ'' مصر، مرغوب صدیقی صاحب صدر شعبہ جرنلزم پنجاب یونیورسٹی، سردار دیوان سنگھ صاحب مفتون ایڈیٹر ''ریاست'' دہلی، ڈاکٹر ای۔تی۔جے۔روز نتھل کیمبرج یونیورسٹی، سر ہیری سیلول سابق پروفیسر برمنگھم یونیورسٹی، انور عادل صاحب سکرٹری تعلیم مغربی پاکستان، ڈاکٹر سی ولیم کرک مشیر ثقافتی امور امریکی کونسل، پروفیسر سڈرف (روسی سائنس اکیڈمی کے ممبر (بابائے مسپٹنک ((Father of SPUTNIN فلائٹ لیفٹیننٹ ایم، ڈبلیو بناچ۔ مولانا ابوالہاشم خاں رکن اسلامی مشاورتی کونسل پاکستان، چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب جج عالمی عدالت انصاف، مولانا اصلاح الدین احمد صاحب ایڈیٹر ''ادبی دنیا'' ڈاکٹر وزیر آغا صاحب ایم۔اے، پی ایچ ڈی، ڈاکٹر عبادت بریلوی صاحب ایم۔اے، پی ایچ ڈی، اطالوی پروفیسر بارتلونی، پروفیسر حمید احمد خاں پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور، ڈاکٹر محمد صادق صاحب ایم۔اے، پی ایچ ڈی وائس پرنسپل (صدر شعبہ aلدین صاحب صدیقی صدر شعبہ اسلامیات پنجاب یونیورسٹی۔ شمس الدین صاحب ایم اے۔ صدر شعبہ تاریخ اسلامیہ کالج لاہور۔ پروفیسر شجاع الدین صاحب ایم۔اے صدر شعبہ تاریخ دیال سنگھ کالج لاہور۔ پروفیسر ڈاکٹر عبدالحمید صاحب صدر شعبہ تاریخ گورنمنٹ کالج لاہور۔ ڈاکٹر ایس۔ایم اختر پی ایچ ڈی صدر شعبہ اقتصادیات پنجاب یونیورسٹی پروفیسر محمد اعظم ورک زئی شعبہ اقتصادیات پنجاب یونیورسٹی۔ ڈاکٹر منیر چغتائی شعبہ سیاسیات پنجاب یونیورسٹی۔ ڈاکٹر ہیل بک

پروفیسر میونک یونیورسٹی۔ پروفیسر مائیکل ولیم ایم۔ایس۔سی۔میر حبیب علی صاحب اسسٹنٹ ڈائیکٹر سپورٹس مشرقی بنگال۔ان مقررین کے علاوہ پاکستان کے ممتاز شعراء میں سے احسان دانش، طفیل ہوشیار پوری، سید محمد جعفری، مکین احسن کلیم، حبیب اشعر کلیم عثمانی، نظر امروہی، شرقی بن شائق مدیر ''نیا راستہ''، قتیل شفائی، ثاقب زیروی، احمد ندیم قاسمی، عاطر ہاشمی، ہوش ترمذی، ظہیر کاشمیری ،محمد علی مضطر، صوفی غلام مصطفی تبسّم، شیر افضل جعفری، لطیف انور (مدیر مخابرات ریڈیو پاکستان لاہور) ہوش ترمذی (ڈائیکٹر پریس برانچ مغربی پاکستان لاہور) ضمیر فاطمی مدیر ''اسلوب''، مولانا عبدالمجید سالک مدیر ''انقلاب''، نازش رضوی، عبدالرشید تبسّم گلزار ہاشمی وغیرہ نے کالج کی تقریبات میں شرکت کی اور اپنا کلام سنایا۔

آل پاکستان باسکٹ بال ٹورنامنٹ کا آغاز

1958ء اور 1964ء کے سال کالج کی تاریخ میں ایک نئے سنگ میل کی حیثیت سے ہمیشہ یادگار رہیں گے۔اس لئے کہ ان میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ کی خصوصی ہدایات اور سرپرستی سے دو ایسے اہم اقدامات عمل میں لائے گئے جو نہایت درجہ وسیع، شاندار اور دور رس نتائج کے حامل ثابت ہوئے جن سے کالج کی ملک گیر شہرت و مقبولیت میں نئے باب کا اضافہ ہوا۔اور اس عظمت و اہمیت کو چار چاند لگ گئے۔

اس ضمن میں پہلا قابل ذکر امر کالج کے زیر انتظام آل پاکستان باسکٹ بال ٹورنامنٹ کا آغاز ہے جس کی کامیابی کا سہرا پروفیسر نصیر احمد خاں صاحب کے سر ہے جن کی مسلسل کوشش سے 1952ء میں کچی کوٹ سے کالج میں باسکٹ بال کی ابتداء ہوئی۔1958ء میں اس میدان کو ایک معیاری پختہ کورٹ میں تبدیل کر دیا گیا۔جس میں پہلا آل پاکستان تعلیم الاسلام کالج باسکٹ بال ٹورنامنٹ کھیلا

گیا۔اس پہلے ٹورنامنٹ میں جس کا اہتمام 1958ء میں کیا گیا، پولیس لاہور برادرز کلب، وائی ایم۔ سی۔اے لاہور بمبئی سپورٹس کلب کراچی، نارتھ ویسٹرن ریلوے لاہور، فرینڈز کلب سرگودھا، لائلپور کلب ٹی۔آئی کلب، زراعتی کالج لائلپور، گورنمنٹ کالج لائلپور اور تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی ٹیمیں شامل ہوئیں اور پاکستان بھر کے چھ اور پنجاب کے آٹھ منتخب اور مشہور کھلاڑیوں نے حصہ لیا او رکھیل کا معیار نہایت بلند رہا۔انعامات چوہدری محمد ظفر اللہ صاحب نے تقسیم فرمائے۔دوسرے ٹورنامنٹ میں نہ صرف شرکت کرنے والی نامور ٹیموں کی تعداد میں نمایاں اضافہ ہوا بلکہ چھ کی بجائے پاکستان بھر کے دس منتخب کھلاڑی شامل ہوئے۔علاوہ ازیں بعض ایسے کھلاڑیوں نے بھی شرکت کی جنہیں بیرونی ممالک میں پاکستان کی نمائندگی کا فخر حاصل تھا۔اس ٹورنامنٹ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ باسکٹ بال ایسوسی ایشن لاہور کے فیصلہ کے مطابق پنجاب کی بہترین ٹیم کا انتخاب اس ٹورنامنٹ میں ہوا قبل ازیں اس انتخاب کے لئے الگ مقابلے ہوتے تھے۔تیسرا ٹورنامنٹ اپنی منفرد حیثیت کے لحاظ سے بڑی اہمیت کا حامل ثابت ہو ملک کے کونے کونے سے دو درجن کے قریب بہترین ٹیمیں اور مشہور ترین کھلاڑی شامل ہوئے جن میں سی۔ٹی۔آئی کلب سیالکوٹ کے تین امریکی بھی تھے۔اس موقع پر بہت سے کالجوں کے پروفیسر اور دیگر معززین بھی بکثرت موجود تھے۔ہر سال یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ ٹورنامنٹ کا افتتاح کس سے کروایا جائے! تیسرے ٹورنامنٹ کے موقع پر جب یہ معاملہ پروفیسر نصیر احمد خاں صاحب نے حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل کالج کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے قدرے تامل کے بعد فرمایا ایک BRAIN WAVE یعنی خیال کی لہر آئی ہے کہ اور مسئلہ حل ہو گیا ہے۔انہوں نے عرض کیا۔ کیسے؟ فرمایا۔پچھلے ٹورنامنٹ کی فاتح ٹیم کے کپتان سے افتتاح کروالو اور آئندہ یہی روایت ہو گی۔ چنانچہ اس سال سے لے کر اب تک اسی پر عمل ہو رہا ہے۔اس روایت کی ابتداء ریلوے ٹیم کے کپتان سیّد جاوید حسن سے شروع ہوئی جو پچھلے سال کے ٹورنامنٹ کے فاتح تھے۔چوتھا آل

پاکستان باسکٹ بال ٹورنامنٹ بھی ہر لحاظ سے کامیاب رہا۔اس موقع پر پہلی بار ایک یادگاری مجلّہ (SOUVENIR) شائع کیا گیا جس میں مختلف معززین کے خیر سگالی کے پیغامات اور تصاویر کے علاوہ ربوہ میں باسکٹ بال کے اجراء اور ترقی کا جائزہ لیا گیا۔''پاکستان ٹائمز''(لاہور)،''سول اینڈ ملٹری گزٹ''(لاہور)،''نوائے وقت''(لاہور)،''امروز''(لاہور) اور''الفضل''(ربوہ) نے نمایاں طور پر اس ٹورنامنٹ کی خبریں شائع کیں۔

1961ء میں یعنی پانچ سال کے قلیل عرصہ میں ربوہ کے چھوٹے سے قصبہ میں کل آٹھ باسکٹ بال کورٹس اور سات باسکٹ بال کلب جن کا مرکزی باسکٹ بال ایسوسی ایشن لاہور سے باقاعدہ الحاق تھا قائم ہو چکے تھے۔ان سب کلبوں کے علاوہ بیرونی کلبوں کے چوتھے ٹورنامنٹ میں شمولیت کی۔اسی سال کالج کے چار منتخب کھلاڑیوں نے پنجاب کی طرف سے قومی مقابلوں میں حصّہ لیا۔

5اکتوبر 1961ءکووائی ایم۔سی۔اے کی مشہور بھارتی ٹیم،کراچی لاہوراورراولپنڈی کےعلاوہ ربوہ میں بھی میچ کھیلنے کے لئے آئی۔یہ پہلا موقع تھا کہ ربوہ کو بیرون ملک کھلاریوں سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ان بیش از پیش کامیابیوں کے نتیجہ میں ربوہ باسکٹ بال کا تین چار اہم ترین ملکی مراکز میں شمار ہونے لگااور چونکہ ملک میں باسکٹ بال کو غیر معمولی طور پر فروغ دینے میں تعلیم الاسلام کالج کے منتظمین خصوصاً حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ کا بھاری عمل دخل تھا اس لئے پانچویں سالانہ پرامیچیور باسکٹ بال ایسوسی ایشن کی انتظامیہ کمیٹی کی طرف سے ایک وفد جو ایکٹنگ چیئرمین (چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے)اور سکرٹری (قریشی محمد اسلم صاحب ایم۔ایس۔سی) پر مشتمل تھا،حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل کالج کی خدمت میں حاضر ہوا۔اور درخواست کی کہ باسکٹ بال کی مقبولیت اور ترقی کے سلسلہ میں آپ نے جو خدمات جلیلہ انجام دی ہیں ان کی وجہ سے ایسوسی ایشن چاہتی ہے کہ آپ پریذیڈنٹ بننا منظور فرمائیں۔چنانچہ آپ ماہ نومبر 1965ءیعنی منصب

خلافت پر فائز ہونے تک ایسوسی ایشن کے صدر رہے اور ہمیشہ بلا مقابلہ منتخب ہوتے رہے۔
پانچواں آل پاکستان ٹورنامنٹ پہلے سے بھی زیادہ شان وشوکت کے ساتھ منعقد ہوا۔اس دفعہ کھیل پہلی بار رات کے وقت بجلی کی روشنی میں ہوا اور کلب سیکشن میں کراچی یونیورسٹی، زرعی یونیورسٹی اور ایرفورس کی ٹیمیں پہلی بار شامل ہوئیں۔ایسوسی ایشن کے نمائندے، انتظامیہ کے ممبر اور پنجاب ٹیم کی انتخابی کمیٹی کے تمام ارکان کے علاوہ دور ونزدیک سے سینکڑوں شائقین نے نہایت دلچسپی اور دلجمعی سے کھیل دیکھا اور خوب داد دی۔حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ نے سنٹرل امیچیور باسکٹ بال ایسوسی ایشن کے صدر کی حیثیت سے انعامات تقسیم فرمائے۔

چھٹا سالانہ ٹورنامنٹ اپنی گذشتہ روایات کے مطابق کامیابی کے ساتھ انعقاد پذیر ہوا۔اور انعامات کی تقسیم پروفیسر خواجہ غلام صادق صاحب چیئرمین سنٹرل امیچیور باسکٹ بال ایسوسی ایشن نے کی۔ساتواں ٹورنامنٹ جو کالج میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ کی سربراہی کے مبارک زمانہ کا آخری ٹورنامنٹ تھا، 25,26,27 فروری 1965ء کو منعقد ہوا۔کل 26 ٹیموں نے شرکت کی اور حضرت صاحبزادہ صاحب نے بحیثیت پرنسپل وصدر سنٹرل ایسوسی ایشن لوائے پاکستان اور کالج کا جھنڈا لہرایا۔اس موقع پر جن اصحاب نے پیغامات ارسال کئے ان میں ملک امیر محمد خاں گورنر مغربی پاکستان، خواجہ عبدالحمید صاحب ڈائریکٹر تعلیمات راولپنڈی ریجن، ونگ کمانڈر ایچ۔ اے صوفی سکرٹری سپورٹس کنٹرول بورڈ گورنمنٹ آف مغربی پاکستان، پروفیسر خواجہ محمد اسلم پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور اور سید پناہ علی شاہ انسپکٹر آف سکولز لاہور ڈویژن، خاں محمد عادل خاں ڈائیکٹر آف سپورٹس پشاور یونیورسٹی بالخصوص قابل ذکر تھے۔اس ٹورنامنٹ کی تصاویر (مع پیغام وتصاویر ملک امیر محمد خاں گورنر مغربی پاکستان) دو دفعہ ٹیلی ویژن پر دکھائی گئیں۔اسی طرح لاہور ریڈیو پر مقامی اور قومی خبروں میں بھی اس کا اعلان نشر کیا گیا۔

8 نبوت نومبر 1965ء کو حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ منصب خلافت پر فائز ہوئے

اور خلافت ثالثہ کے مبارک عہد کا آغاز ہوا تو حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ علیہ نے ازراہ کرم اپنے اسم گرامی سے ٹورنامنٹ کو منسوب کئے جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ چنانچہ آئندہ سے یہ مقابلے پہلے سے بھی زیادہ جوش وخروش سے ''ناصر باسکٹ بال ٹورنامنٹ'' کے نام سے ہونے لگے۔

کل پاکستان پہلی اردو کانفرنس کا انعقاد

باسکٹ بال ٹورنامنٹ سے اگر کھیلوں کی دنیا میں کالج کا شہرہ عام ہوا تو اَدبِ اُردو کے حلقوں میں تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی ''کل پاکستان اردو کانفرنس'' نے دُھوم مچا دی۔

ربوہ میں اپنی نوعیت کی پہلی کامیاب کانفرنس جو حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ پرنسپل کالج کی خداداد ذہانت، بلند پایہ نفیس ادبی ذوق اور بہترین علمی قیادت وسیادت کی آئینہ دار اور پروفیسر محبوب عالم صاحب خالد ایم۔اے صدر شعبہ اردو پرفیسر ناصر احمد صاحب پروازی معتمد مجلس استقبالیہ اردو کانفرنس اور ان کے دوسرے رفقاء کی انتھک جدوجہد کا نتیجہ تھی۔ 18 ماہ اکتوبر 1964ء کو تعلیم الاسلام کالج کے وسیع ہال میں منعقد ہوئی جس میں 25 کے قریب نامور ادباء اور شعراء نے شرکت کی علاوہ ازیں مختلف کالجوں کی طرف سے بھی پچیس 25 کے قریب مندوبین شامل ہوئے۔ کانفرنس کی کارروائی تلاوت سے شروع ہوئی۔ بعد ازاں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ صدر مجلس استقبالیہ نے اپنے پراثر خطبہ میں ارشاد فرمایا: ''اس کانفرنس کے مقاصد خالصتہً تعمیری اور مثبت ہیں۔ ہم اردو کا مینار تخریب کی منفی اقدار پر استوار نہیں کرنا چاہتے۔ ہمارے نزدیک سلبی اندازِ فکر ذہنی افلاس کی علامت ہے۔ زندہ قوموں کی ہزار پہلو ضروریات اپنے اپنے مقام اور محل پر سب کی سب اہم اور ناقبل تردید حیثیت کی حامل ہوا کرتی ہیں۔ لیکن ہمارا موقف یہ ہے کہ ان جملہ قومی تقاضوں کو ضروری خیال کرتے ہوئے بھی میزان عدل کا توازن برقرار رکھا جاسکتا ہے اور اردو کو ارفع مقام دیا جاسکتا ہے جو اس کا واجبی حق ہے۔ یہ ایک عظیم قومی حادثہ ہے کہ زبان کا مسئلہ جو خالصتہً قومی اور علمی سطح پر حل کیا جانا چاہیئے

تھا، سیاسی نعرہ بازی اور مہمل جذبات کا شکار ہو کر رہ گیا اور سترہ سال کا طویل عرصہ بے کار مباحث اور مجرمانہ غفلت کے ہاتھوں ضائع ہو گیا۔ ہم تو سنتے آئے تھے کہ ہمارے معروف ''ساغر'' کا ایک دَور ''صد سالہ دور چرخ'' کے ہم پلہ ہوا کرتا ہے اور رِند جب میکدہ سے نکلتے ہیں تو دنیا بدلی ہوئی پاتے ہیں۔ لیکن یہاں سترہ سال کے بعد بھی ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی کچھ ہماری خبر نہیں آتی اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ سہل انگاری اور خوش فہمی کے گنبد سے نکل کر ہم حقائق کی دنیا میں قدم رکھیں۔ ٹھنڈے دل سے اپنی مشکلات کا جائزہ لیں اور سنجیدگی سے اپنے تعلیمی، تدریسی، علمی، ادبی، لسانی اور طباعتی مسائل کا حل تلاش کریں۔ زبان و بیان، تلخیص و ترجمہ، رسم الخط اور اس قسم کے دیگر عقدوں کی گرہ کشائی کی کوشش کریں۔ ایسا لائحہ عمل بنائیں اور اس کی تشکیل ایسے خطوط پر کریں جس سے یہ گومگو کی کیفیت ختم ہو اور اس ذہنی دھند سے نجات ملے۔ اس جگہ اس امر کا اظہار بھی غیر مناسب نہ ہوگا کہ اردو کے ساتھ جماعت احمدیہ کا ایک پائیدار اور روحانی رشتہ بھی ہے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی اکثر تصانیف اردو ہی میں ہیں۔ اس لئے اردو زبان عربی کے بعد ہماری محبوب ترین زبان ہے۔ اس لئے ساری دنیا میں جہاں جہاں احمدیہ مشن یا احمدی مسلمان موجود ہیں وہاں اردو سیکھی اور سکھلائی جا رہی ہے۔ زبان اردو کی یہ ٹھوس اور خاموش خدمت ہے جو جماعت احمدیہ دنیا کے گوشے گوشے میں کر رہی ہے۔ یہ وہ قیمتی متاع ہے جو ہمیں ہمارے اسلاف سے ورثہ میں ملی ہے۔ اسے اس قابل بنایئے کہ ہماری آئندہ نسلیں اس ورثہ کو سرمایہ افتخار تصور کریں اور اس پر بجا طور پر ناز کر سکیں اور ہماری طرح گونگی اور ''بے زبان'' ہو کر نہ رہ جائیں۔ اُردو ایک زندہ قوم کی زندہ زبان ہے۔ ادبیات کی اہمیت مسلم لیکن یہ نہ بھولئے کہ اردو زبان کا یہ بھی حق ہے کہ شعر و ادب کے روایتی اور محدود دائرے سے باہر نکلے اور زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہو جائے۔ ساری دنیا کے دلوں پر اس کی حکومت ہو۔ قومیں اسے لکھیں، بولیں اور اس پر فخر کریں اور بین الاقوامی زبانوں کی محفل میں اردو بھی عزت کے بلند پایہ مقام پر سرفراز ہو۔ ان دعائیہ الفاظ کے ساتھ میں ایک بار پھر اپنے دوستوں اور بزرگوں کو اَھلاً وَّسَھلاً وَّمَرحَبا کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہوں کہ وہ ہم سب کو ایسا انداز فکر عطا فرمائے، اور اس نہج پر کام

کرنے کی توفیق دے جو نہ صرف زبان اردو کے لئے بلکہ ہمارے لئے اور ہماری آنے والی نسلوں کے لئے بھی خیریت کا باعث ہو۔ **اللھم آمین**''

خطبہ استقبالیہ کے بعد معتمد مجلس استقبالیہ اردو کانفرنس نے اختر حسین صاحب صدر انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی اور اشتیاق حسین صاحب قریشی رئیس الجامعہ جامعہ کراچی کے پیغامات سنائے جو انہوں نے خاص اس موقع کے لئے بھیجے تھے۔

ان پیغامات کے علاوہ سیدنا المصلح موعودؓ کے اس پیغام کے اقتباسات بھی سنائے جو حضور نے 1948ء میں دانش گاہ پنجاب میں منعقد ہونے والی کانفرنس کے نام ارسال فرمایا تھا۔ ازاں بعد حضرت مصلح موعودؓ کا رقم فرمودہ ادبی مقالہ ''اردو رسائل زبان کی کس طرح خدمت کر سکتے ہیں؟'' کے موضوع پر پڑھا گیا۔ حضور کا یہ قیمتی مقالہ برصغیر پاک و ہند کے ادیب شہیر احسان اللہ خاں تاجور نجیب آبادی نے اپنے رسالے ''ادبی دنیا'' (مارچ 1931ء) میں حضور کا فوٹو دے کر شائع کیا تھا۔ اس زمانہ میں رسالہ ''ادبی دنیا'' کے نگران اعلیٰ سر عبدالقادر مرحوم تھے۔

اس یادگار مقالہ کے بعد جو گویا اس پوری کانفرنس کا روح رواں تھا۔ وزیر آغا ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی نے اپنا فاضلانہ خطبہ افتتاح پڑھا جس میں تعلیم الاسلام کالج کو ادبی کانفرنس منعقد کرنے پر شاندار الفاظ میں خراج تحسین ادا کرتے ہوئے کہا:۔

''اردو زبان کی ترویج و اشاعت کے لئے یوں تو بہت سے اقدامات ضروری ہیں لیکن اس سلسلہ میں اردو کانفرنس کا انعقاد ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ہمارے ملک میں بالعموم ہر تحریک نہ صرف بعض بڑے ثقافتی مراکز سے جنم لیتی ہے بلکہ پروان چڑھنے کے بعد وہیں کی ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس سے تحریک میں وہ کشادگی اور وسعت پیدا نہیں ہوتی جو اس کی پوری کامیابی کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اردو زبان کی ترویج کے سلسلہ میں جو تحریکات وجود میں آئیں وہ عام طور پر لاہور اور کراچی جیسے مراکز ہی سے وابستہ ہیں۔ تعلیم الاسلام کالج نے اس انجماد کو توڑا ہے اور اردو کانفرنس کے انعقاد سے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ اب اردو کے لئے محبت اور اردو کو قومی زبان کا درجہ دینے کی آرزو بڑے بڑے مراکز تک ہی محدود نہیں رہی۔

گویا اس خوشبو کی طرح جو دیوار چمن کو پار کرتی ہے اردو زبان کی ترویج واشاعت کی تحریک بھی اونچی اونچی دیواروں کو پار کر کے افق کے پہاڑوں سے آٹکرائی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ نے جو مبارک قدم اٹھایا ہے اس کی ملک کے طول وعرض میں عام طور سے تقلید ہوگی اور ہم اردو زبان کو ملک کے دور دراز گوشوں تک پہنچا سکیں گے۔ آپ کی یہ اردو کانفرنس اس لئے بھی اہم ہے کہ اس کے پس پشت اردو زبان کے لئے بے پناہ محبت کے سوا اور کوئی جذبہ موجزن نہیں ہے اور آپ نے پنجاب کے اس دیہاتی علاقہ میں منعقد کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اردو زبان پنجاب کے دور دراز گوشوں میں بھی ویسی ہی مقبول ہے جیسی کہ اردو کے بڑے بڑے مراکز میں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ نے اردو کانفرنس منعقد کرنے کی جو روایت قائم کی ہے اسے ہمیشہ جاری رکھیں گے اور مجھے امید ہے کہ ہمارے ملک کے دوسرے ادارے اس سلسلہ میں آپ کے نقش قدم پر چلنے کی پوری کوشش کریں گے۔''

اس خطبہ افتتاح کے بعد کانفرنس کی حیثیت کی دو نشستوں میں مندرجہ ذیل موضوعات پر تحقیق اور فکر انگیز مقالے پڑھے گئے:

1۔ اردو میں سائنسی تدریس (پروفیسر شیخ ممتاز حسین صاحب صدر شعبہ اردو زراعتی یونیورسٹی لائلپور)

2۔ اردو میں قانونی تدریس (خضر تمیمی صاحب ایڈووکیٹ ہائیکورٹ لاہور)

3۔ اردو میں دخیل الفاظ کا مسئلہ (ڈاکٹر سہیل بخاری صاحب سرگودھا)

4۔ اردو بحیثیت تدریسی زبان (پروفیسر سید وقار عظیم صاحب شعبہ اردو دانش گاہ پنجاب)

5۔ غیر ممالک میں احمدی اردو کی کیا خدمات انجام دے رہے ہیں۔
(مولانا نسیم سیفی صاحب سابق رئیس التبلیغ مغربی افریقہ)

6۔ ادب اور زندگی کا رشتہ (سید سجاد باقر صاحب رضوی شعبہ اردو دانش گاہ پنجاب)

7۔ اردو بحیثیت قومی زبان (ڈاکٹر وحید قریشی صاحب)

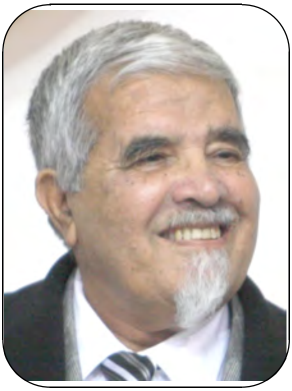
ان ادباء کے علاوہ جامعہ احمدیہ کے تین غیر ملکی طلباء یوسف عثمان صاحب (افریقہ) عبد القاھر صاحب (ترکستان) اور عبدالرؤف صاحب (فجی) نے ''ہمیں اردو سے کیوں محبت

ہے“ کے عنوان پر مضمون پڑھے۔ مہمانوں کے لئے یہ عجیب بات تھی کہ غیر ملکی طلباء ایسی شستہ اردو بول رہے ہیں۔ الغرض یہ پہلی اردو کانفرنس ہر لحاظ سے حد درجہ کامیاب رہی۔

تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی دوسری کل پاکستان اُردو کانفرنس

گاہے گاہے باز خواں ایں قصہء پارینہ را

ڈاکٹر پرویز پروازی



18 اکتوبر 1964ء کو تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں پہلی اردو کانفرنس منعقد ہوئی تو حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد ایم اے (آکسن) اس وقت کالج کے پرنسپل تھے اور یہ کانفرنس انہی کے ایما اور ارشاد پر ہوئی تھی کیونکہ اُس وقت پاکستان میں اردو کو بہت سے مسائل درپیش تھے اور تعلیم یافتہ طبقہ اردو زبان کے خلاف مختلف محاذوں پر سرگرم تھا۔ مگر جماعت احمدیہ اردو زبان سے کس طرح غفلت برت سکتی تھی کہ یہ ہماری قومی زبان ہی نہیں مذہبی زبان بھی تھی اور ہے۔ اس ماحول میں پرنسپل صاحب نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ ایک کُل پاکستان اردو کانفرنس کا اہتمام کرو، کالج اس کے لئے مناسب ماحول اور اخراجات مہیا کرے گا۔ اس کانفرنس کی تفصیلی روداد تاریخ احمدیت جلد نہم کے صفحات 131 سے 136 پر موجود ہے۔

نومبر 1965ء میں حضرت مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالث کے مرتبہ عظیم پر فائز ہو گئے۔ جماعت کی سربراہی و رہنمائی کے مقصد عظیم کے علاوہ اپنی قومی زبان اردو کا خیال ان کے دل سے محو نہیں ہوا تھا۔ حضرت صاحب نے 1966ء کے وسط میں مجھے یاد فرمایا اور بر سبیل تذکرہ پوچھا دوسری اردو کانفرنس کب کر رہے ہو؟ میں حضور کو کیا جواب دیتا؟ مجھے اندازہ تھا کہ کانفرنسوں کے اہتمام و

انصرام پر کتنا کام کرنا پڑتا ہے اور کتنا خرچ اٹھتا ہے۔ میں نے عرض کیا حضور جب ارشاد فرمائیں گے میں اس کام میں جُت جاؤں گا۔ فرمایا پھر دیر کس بات کی؟ ہاں، کانفرنس یک روزہ نہ ہو کم از کم دو روزہ ہو۔ میں نے آمنا و صدقنا کہا۔ رخصت چاہی۔ دروازہ تک پہنچا تو حضور نے فرمایا ''اخراجات کی فکر نہ کرنا مگر یہ بات صرف تمہارے کانوں کے لئے ہے۔''

یہ دوروزہ کانفرنس اللہ تعالیٰ کے فضل سے 14 اور 15 اکتوبر 1967ء کو تعلیم الاسلام کالج کے عظیم الشان ہال میں منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کا افتتاح جناب ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی نے فرمایا۔ قبلہ قاضی محمد اسلم صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج نے خطبہ استقبالیہ ارشاد فرمایا اور خاکسار ناصر احمد پروازی نے وہ پیغامات پڑھ کر سنائے جو اس موقع کے لئے مؤقر اور نامور ارباب کمال و ادب نے ارسال فرمائے تھے۔ سب سے پہلا پیغام تو حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثالث امام جماعت احمدیہ کا تھا۔ اس پیغام میں حضور نے جماعت احمدیہ کی اردو زبان و ادب کے ساتھ وابستگی کا ذکر فرمایا تھا اور حاضرین جلسہ کو اپنی زبان کے ساتھ گہری وابستگی کا اظہار کرنے کی نصیحت فرمائی تھی۔ حضور کے پیغام کے علاوہ جناب اختر حسین سابق گورنر مغربی پاکستان اور صدر انجمن ترقی اردو پاکستان کا تھا۔ دوسرا پروفیسر حمید احمد خاں وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی کا تھا۔ صدر ایوب کی جانب سے پیغام بھیجنے کا وعدہ کیا گیا تھا مگر عین وقت پر ان کا پیغام موصول نہ ہوا۔ اس کی وجہ بہت بعد کو مجھے قدرت اللہ شہاب صاحب کے ذریعہ معلوم ہوئی، جبکہ میں اسلام آباد کے ادبی حلقہ دائرہ کی ایک تقریب میں شامل تھا، قدرت اللہ شہاب کو اس مجلس میں مضمون پڑھنا تھا۔ مضمون کے بعد گفتگو ہوئی تو میرا تعارف ہوا کہنے لگے ''اچھا تو آپ ہیں ربوہ میں اردو کانفرنسیں کروانے والے''۔ میں نے کہا جی میں تو صرف ایک کارکن تھا میرے ساتھ اور حضرات بھی شامل تھے۔ شہاب صاحب کہنے لگے آپ کی ذراسی بے احتیاطی صدر کے پیغام میں رکاوٹ بن گئی آپ کو کس حکیم نے نسخہ میں لکھ کر دیا تھا کہ آپ ہمارے استفسار کے جواب میں یہ لکھیں کہ پہلا پیغام تو امام

جماعت احمدیہ کا ہوگا۔ میں نے عرض کیا جناب جب پہلا پیغام تھا ہی ان کا تو میں کیسے یہ بات آپ سے مخفی رکھتا۔ پھر آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جماعت احمدیہ اردو سے صرف قومی زبان ہی کی حیثیت سے ہی نہیں اپنی مذہبی اور دینی زبان کی حیثیت سے بھی محبت کرتی ہے۔ ہماری کانفرنس میں صدر مملکت کا پیغام نہ آنے سے کوئی فرق نہیں پڑا کانفرنس میں پاکستان کی سب یونیورسٹیوں کے مندوبین شریک ہوئے معیاری مقالہ جات پڑھے گئے پریس میں اس کا چرچا رہا۔ دوسو سے زیادہ مندوبین کا ربوہ جیسی جگہ میں اکٹھا ہوجانا کوئی معمولی بات تو نہیں۔ جب یہ بات ہو رہی تھی اس وقت بھی پانچ ایسے افراد وہاں موجود تھے جو بحیثیت مندوب اس کانفرنس میں شریک ہوئے تھے۔

اس کانفرنس کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ ملک کی متعدد یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں نے اپنے اساتذہ میں سے نمایاں ادبی ذوق رکھنے والے افراد کو اپنا خصوصی مندوب بنا کر بھیجا تھا۔ کراچی یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے علاوہ کراچی یونیورسٹی کی جانب سے میجر آفتاب حسن صاحب پرنسپل اردو کالج اور ڈاکٹر فرمان فتحپوری صاحب شعبہ اردو کراچی یونیورسٹی کے مندوب کے طور پر شریک ہوئے۔ پنجاب یونیورسٹی کے مندوبین میں جناب ڈاکٹر سید نذیر احمد پرنسپل گورنمنٹ کالج لاہور، ڈاکٹر محمد عبدالعظیم صدر شعبہ کیمیا پنجاب یونیورسٹی اور جناب سید عابد علی عابد شامل تھے۔ سندھ یونیورسٹی کے مندوب ڈاکٹر غلام مصطفی خاں صاحب تھے۔ پشاور یونیورسٹی کے مندوب مشہور شاعر جناب محسن احسان تھے۔ زرعی یونیورسٹی فیصل آباد کے مندوبین میں خود وائس چانسلر ڈاکٹر ظفر علی ہاشمی اور جناب پروفیسر ممتاز حسین شامل تھے۔ پنجاب کے متعدد کالجوں نے اپنے مندوبین بھیجے تھے جن میں گورنمنٹ کالج لاہور، اسلامیہ کالج لاہور، گورنمنٹ کالج سرگودھا، گورنمنٹ کالج فیصل آباد، اسلامیہ کالج فیصل آباد۔ گورنمنٹ کالج جھنگ کے ڈیڑھ سو سے زیادہ اساتذہ بطور مندوب شریک ہوئے۔ کانفرنس کے دنوں میں ربوہ میں ایک جشن کا سماں تھا۔ سرگودھا سے ڈاکٹر وزیر آغا، جناب عصمت علیگ، پروفیسر غلام جیلانی اصغر اور رشید قیصرانی تو گویا ربوہ اور سرگودھا کے درمیان

شٹل بنے ہوئے تھے۔ ایک اجلاس میں شرکت کے لئے آتے تو پھر دوسرے اجلاس میں شرکت کے لئے آنے والے نئے مہمانوں کو لے کر آتے۔ ایک اجلاس میں ہمارے کمشنر صاحب شریک ہوئے۔ میں نے انہیں عام مہمانوں کے درمیان بیٹھے ہوئے دیکھا تو ان کے پاس گیا اور معذرت چاہی کہ ہمیں ان کی تشریف آوری کا علم نہیں تھا۔ فرمانے لگے بس یہی سمجھو کہ اب بھی آپ کو علم نہیں۔ آپ کی جانب سے دعوت نامہ آیا تھا۔ میں نے مصروفیات کی وجہ سے معذرت کر دی تھی مگر اب کانفرنس کا چرچا سنا ہے تو بن بلائے آ گیا ہوں۔ کسی تردد کی ضرورت نہیں۔ ہاں یہ بتا دوں کہ مشاعرہ سننے کو دوبارہ آؤں گا مگر کسی کو پتا نہ چلے۔ آپ آئے تو ان کی بیگم بھی ساتھ تھیں مگر اپنے نام اور آمد کے اعلان کی ضرورت نہیں سمجھی۔

یہ بات بیان کر دینے کی ہے کہ پاکستان ریلوے نے اس کانفرنس میں شرکت کرنے والوں کو کرائے میں خصوصی رعایت دینے کا علان کیا تھا۔ اردو کانفرنس کے منتظمین کی جانب سے جاری کردہ دعوت نامہ دکھا دینے پر نصف کرایہ پر ٹکٹ جاری کر دی جاتی تھی اور اس کے لئے ریلوے نے باقاعدہ احکامات جاری کئے تھے جن کا وسیع پیمانے پر اخبارات میں چرچا کیا گیا۔ اس رعایت سے زیادہ فائدہ تو کراچی، پشاور، ملتان اور راولپنڈی سے شرکت کے لئے آنے والوں نے اٹھایا۔

یہ خصوصیت بھی ہماری کانفرنس کو حاصل ہوئی کہ دفاعی ضروریات کے لئے اردو کے استعمال کے موضوع پر پہلی بار اظہار خیال کیا گیا۔ اس موضوع پر ائیر کموڈور ظفر احمد چوہدری سٹیشن کمانڈر پی اے ایف سرگودھا کا مضمون جناب سکواڈرن لیڈر امداد باقر رضوی نے پڑھ کر سنایا۔ امداد باقر رضوی استاذی المحترم سجاد باقر رضوی کے بھائی تھے۔ جب مضمون پڑھنے کو سٹیج پر آئے تو اکثر احباب کو گمان گذرا کہ قبلہ سجاد باقر رضوی سٹیج پر آ گئے ہیں۔

پہلے روز کانفرنس کے دوسرے اجلاس میں ہمارے دوست علامہ یعقوب امجد مرحوم نے اردو میں مستعمل عربی فارسی الفاظ کے تلفظ کا مسئلہ کے عنوان پر اپنا فاضلانہ مقالہ پڑھا۔ ان کا خیال تھا

کہ جو الفاظ عربی سے آئے ہیں ان کا عربی تلفظ قائم رہنا چاہیئے ورنہ ان کے معانی بدل جاتے ہیں۔ مقالہ بڑا پر مغز تھا اور سامعین نے بڑی دلجمعی سے سنا۔ ادھر علامہ صاحب نے مقالہ ختم کیا اُدھر قبلہ سید عابد علی عابد نے صاحب صدر سے اجازت چاہی اور سٹیج پر آ گئے اور عالمانہ طریق پر علامہ صاحب کے مفروضہ کا تجزیہ کیا اور اپنی یادداشت کے بل پر اردو کے اساتذہ کے بیسیوں اشعار کا حوالہ دے کر ثابت کیا کہ اردو والوں کے لئے اب وہی تلفظ مستند ہوگا جس کو اساتذہ اردو نے برتا اور استعمال کیا ہے۔ قبلہ سید عابد علی عابد کی اس فاضلانہ فی البدیہہ تقریر نے گویا کانفرنس کی علمی حیثیت کو چار چاند لگا دیئے اور سامعین عش عش کر اٹھے۔ ہم نے بہت لوگوں کے مقالے سنے ہیں مگر عابد صاحب کی یہ تقریر اس موضوع پر حرف آخر ٹھہری۔ اس تقریر کا چرچا مدتوں ملک کے علمی ادبی حلقوں میں ہوتا رہا۔

ہمارے مشاعرے تو ہمیشہ ہی معیاری ہوتے تھے مگر اردو کانفرنس والا مشاعرہ اس لئے بھی یادگار ہو گیا کہ سید عابد علی عابد پہلی بار شریک ہوئے تھے۔ مشاعرے سے قبل سیدنا حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثالث نے کانفرنس کے شرکاء کو کھانے پر مدعو فرما کر ان کی عزت افزائی فرمائی تھی۔ دعوت کا اہتمام صدر انجمن احمدیہ کے دفتر کے شمالی جانب والے لان پر کیا گیا تھا۔ حضور شامیانہ کے دروازے پر ایستادہ تھے اور تمام مہمانوں کا خود استقبال فرما رہے تھے۔ مجھے یاد ہے ڈاکٹر سید نذیر احمد پرنسپل گورنمنٹ کالج حضور سے والہانہ لپٹ کر ملے اور کافی دیر تک حضور کی گردن میں اپنے بازو حمائل کئے رکھے۔ یہ دو پرانے رفقاء کی محبت کا نظارہ تھا۔

ایک اور بات بھی بتا دینے کی ہے کہ اس وقت ربوہ میں گیسٹ ہاؤس نہیں بنے تھے۔ لے دے کر کالج کا ایک گیسٹ ہاؤس تھا اس میں اتنے مہمانوں کی سمائی کہاں ہوتی؟ چنانچہ دار الصدر غربی میں جناب چوہدری شاہنواز صاحب کی کوٹھی میں بعض مہمانوں کے ٹھہرنے کا انتظام کیا گیا تھا جن میں سید عابد علی عابد اور ڈاکٹر سید نذیر احمد تھے۔ کراچی یونیورسٹی کے سب لوگ قبلہ قاضی صاحب

کی پرسنل لاج میں تھے۔فضل عمر ہاسٹل کا ایک حصہ خالی کروایا گیا تھا جس میں بہت سے مہمان ٹھہرائے گئے۔سرگودھا اور فیصل آباد کے اکثر مہمان تو اجلاسوں کے بعد واپس چلے جاتے تھے مگر جن لوگوں نے قیام کرنا،ان کا خاطر خواہ انتظام دارالضیافت میں ہوگیا۔کھانے کے لئے ایسا نفیس انتظام ہمارے ٹک شاپ والے خواجہ شریف صاحب نے کیا کہ باید وشاید۔اللہ انہیں خوش رکھے۔ مینو بھی عام مینو نہیں تھا۔پروفیسر نصیر خاں صاحب جیسے صاحب ذوق کا تجویز کردہ اچھا خاصہ پرتکلف کھانا کھلایا جاتا تھا اور بروقت۔ چائے تو ہمہ وقت موجود رہتی۔جس کا جب جی چاہتا فزکس کی سینئر لیبارٹری میں جا پہنچتا اور گرم گرم چائے سے لطف اندوز ہوتا۔سارے رفقاء اس کانفرنس میں حد سے زیادہ تعاون کررہے تھے۔سینئر جونیئر سب ہی مندوبین کے آگے بچھے جاتے۔کالج کے سارے طلبا ہی بطور رضا کار کام کررہے تھے اور تو اور چنیوٹ کے طلبا نے خود یہ پیش کش کی تھی کہ وہ کانفرنس میں شرکت کے لئے آنے والوں کا چنیوٹ سے ہی استقبال کریں گے اور انہیں عزت و احترام سے کالج تک لے کرآئیں گے۔کئی شرکاء نے حیرت کا اظہار کیا کہ کالج کی وردی پہنے ہوئے طلباء نے چنیوٹ میں ان کا استقبال کیا اور ان کی ہر ممکن مدد کی۔اسلامیہ کالج چنیوٹ کا سارا سٹاف اور متعدد طلبا کانفرنس میں شریک ہونے کو آتے رہے۔

الحمدللہ کہ کسی قسم کی بدمزگی پیدا نہیں ہوئی اور کانفرنس بخیر وخوبی اختتام پذیر ہوئی اس کی یاد اب تک دلوں کو گرماتی ہے۔امریکہ میں مجلس تعلیم الاسلام کالج والوں کی خواہش پر اس کانفرنس کی یادوں کو صفحہ قرطاس پر منتقل کررہا ہوں۔اے کاش الفضل میں چھپی ہوئی تفصیلی روداد یں میرے سامنے موجود ہوتیں تو لطف دوبالا ہو جاتا۔ایک حسرت اور بھی ہے کہ پہلی اردو کانفرنس کی طرح اس کانفرنس کی روداد بھی چھپ جاتی تو تعلیم الاسلام کالج کی اہم خدمات میں شمار ہوتی۔

(المنار یوایس اے جلد نمبر 1 شمارہ نمبر 1 جنوری تا مارچ 2013ء صفحہ 6 تا 8)

تعلیم الاسلام کالج کی دوسری کل پاکستان اردو کانفرنس کے بارے میں روزنامہ الفضل ربوہ کی 14 اور 15 اکتوبر 1967ء کی اشاعت میں تفصیلی اعلان شائع ہوا تھا۔

حضرت مصلح موعودؓ اور تعلیم الاسلام کالج کی دلچسپ یادیں

فروری 1955ء کے پہلے ہفتے میں حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ امام جماعت احمدیہ کے ارشاد پر تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے پروفیسر خان نصیر احمد خان لاہور تشریف لائے اور مولانا عبد المجید سالک مرحوم و مغفور چودھری عبد الرشید تبسّم ایم اے اور مجھے موٹر کار میں ربوہ لے گئے کہ وہاں کالج میں ایک انعامی مقابلہ تقاریر اور مشاعرہ کا انعقاد تھا جس میں ہماری شرکت ضروری سمجھی گئی۔ ربوہ میں اُس روز شام کو پہلے انعامی مقابلہ تقاریر ہوا جس میں ہم تینوں نے جج کے فرائض انجام دیئے اور پھر رات کو مولانا عبد المجید سالک مرحوم و مغفور کی زیر صدارت مشاعرہ ہوا۔ یہ دونوں تقریبات بہت کامیاب رہیں۔

دوسرے دن حضرت صاحب نے بعد دوپہر ہم تینوں کو چائے پر یاد فرمایا۔ میں حضرت صاحب سے گزشتہ ملاقاتوں میں اُن کی بے مثال سیاسی بصیرت اور اسلام سے متعلق انتہائی غیرت کا تہ دل سے قائل ہو چکا تھا لیکن اس چائے پر ان کی زندگی کا ایک اور گوشہ میرے سامنے آیا جس سے میں ابھی تک قطعاً ناواقف تھا۔ اس گوشے کا تعلق لطافتِ طبع اور ذوقِ ادب سے تھا۔ چائے شروع ہوئی تو چند نوجوانوں نے مووی کیمرے سے حضرت صاحب سمیت ہم سب کی تصاویر لیں اور چند منٹ تک یہ نوجوان اس کمرے میں موجود رہے۔ پھر معلوم نہیں وہ از خود ہی چلے گئے یا حضرت صاحب نے اشارہ فرما دیا کہ وہ چلے جائیں۔ بہر حال اب ہم تینوں ادیب تھے اور حضرت صاحب اور کوئی نہ تھا۔ باتوں باتوں میں گزشتہ رات کے انعامی مقابلہ تقاریر اور مشاعرے کا ذکر آ گیا۔ مولانا سالک مرحوم نے حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ کی غیر معمولی انتظامی قابلیت کو بہت سراہا اور کہا کہ ”اگر اسی قسم کی متانت اور شائستگی قائم رہے تو ایسے ادبی اجتماع اکثر منعقد ہوتے رہنے چاہئیں۔

ان کی افادّیت بہت ہے‘‘ حضرت صاحب نے سالک صاحب مرحوم کی یہ تجویز پسند فرمائی۔ پھر ادبیات پر گفتگو شروع ہوگئی۔ مجھے اس بات سے سخت حیرت ہوئی کہ حضرت صاحب کا ادبی ذوق نہایت منجھا ہوا اور انتہائی دقیقہ رس ہے۔ ادب کی نازک لطافتوں کا ذکر آیا تو معلوم ہوا کہ حضرت صاحب کو ان پر صرف عبور ہی حاصل نہیں بلکہ یہ خود ان کی طبیعت کا حصہ ہیں۔ کسی نظام کا سربراہ یا کسی قوم کا پیشوا ہونا جدا بات ہے اور انتہائی لطیف ادبی ذوق کا حامل ہونا قطعی طور پر دوسری چیز ہے۔ پھر آپ کا اپنا کلام بھی بہت ہی بلند پایہ ہے۔ حضرت صاحب نے خواہش فرمائی کہ سالک صاحب اپنا کلام سُنائیں۔ سالک صاحب نے پہلے تو معذرت چاہی پھر تعمیل حکم امر کے طور پر انہوں نے اپنے بیش قیمت اور پاکیزہ اشعار سنائے جو مکمل دو غزلوں پر مشتمل تھے۔ سالک صاحب کا کلام حضرت صاحب نے بہ دل پسند فرمایا۔ پھر مجھے ارشاد ہوا۔ میں نے بھی دو غزلیں پیش کیں۔ حضرت صاحب نے ان پر بھی اپنی خاص پسندیدگی کا اظہار فرماتے ہوئے میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ بعدہ تبسّم صاحب کی باری آئی۔ انہوں نے اپنی ایک وہ غزل پیش کی جس کا مصرعہ اولیٰ سماعت فرماتے ہی حضرت صاحب نے پہلو بدلا اور بالخصوص توجہ مبذول فرمائی۔ غزل کا مطلع یہ تھا:

اُسے کام کیا ہے سلوک سے کہ جو فیض یاب شہود ہے
جو نگاہ جلوہ شناس ہو تو نفس دلیل صعود ہے

تبسّم صاحب نے یہ مطلع پڑھا تو حضرت صاحب بہت محظوظ ہوئے اور مکرر پڑھنے کو فرمایا۔ پھر ہم نے حضرت صاحب سے درخواست کی کہ وہ اپنے کلام سے ہمیں مستفیض فرمائیں۔ اس پر حضور نے فرمایا: ’’آپ حضرات شاعری کی نیت سے شعر کہتے ہیں۔ اس لئے آپ شاعر ہیں۔ ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ تبلیغ کی خاطر ہوتا ہے ہم اُسے شاعری نہیں سمجھتے۔‘‘ سالک صاحب یہاں بھی مزاح سے نہ چوکے فوراً بول اُٹھے۔ ’’میں اور نازش غیر احمدی ہیں۔ آپ ہمیں تبلیغ فرمائیں۔‘‘ اس پر حضرت صاحب مسکرائے اور از راہِ کرم اپنے چند بلیغ اشعار فرما دیئے جنہیں سن کر ہم بہت لطف اندوز ہوئے۔ میری درخواست پر حضرت صاحب نے اپنی چھوٹی تقطیع کی ایک کتاب ’’کلام محمود‘‘ اپنے

دستخط ثبت فرما کر مجھے مرحمت فرمائی جواب تک میرے پاس محفوظ ہے۔

(ماہنامہ انصاراللہ سیدنا مصلح موعودؓ نمبر 2009۔بحوالہ ماہنامہ تحریک جدید ربوہ۔فروری 2012 صفحہ 25)

کالج میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ کا قائم کردہ مثالی نظام تعلیم وتربیت، اس کی بنیادی خصوصیات اور ہمہ گیر اثرات

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح موعودؓ رضی اللہ عنہ کے ذہن مبارک میں تعلیم الاسلام کالج کے عروج وارتقاء اور شاندار مستقبل کی نسبت جو نقشہ قیام کالج کے وقت موجود تھا وہ اپنی تفصیلات ومضمرات کے اعتبار سے بین الاقوامی نوعیت کا حامل ہے۔حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس نقشہ کی عملی تشکیل وتعمیر کے لئے مسلسل اکیس برس(1944ء تا1965ء) تک سرتا پا وقف اور مجسم جہاد بنے رہے اور تقریباً ربع صدی کی بے پناہ کاوشوں اور معرکہ آرائیوں کے بعد خدا کے فضل اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں اور حضرت مصلح موعودؓ کی قوت قدسیہ کے نتیجہ میں کالج کو ایک قابل رشک مخصوص اور امتیازی مقام تک پہنچادیا اور اس کی بنیادیں ایک ایسے طریق تعلیم اور نظام تربیت پر استوار کیں جو روح وجسم اور علم وعمل پر حاوی اور دین ودنیا کے حسین امتزاج کا بہترین نمونہ ہے۔آپ نے اس اسلامی درس گاہ میں جو مثالی نظام تعلیم وتربیت رائج فرمایا وہ اپنے اندر متعدد خصوصیات رکھتا ہے جن میں سے پانچ حد درجہ نمایاں ہیں اور کالج کی مقدس اور ناقابل فراموش روایات بن چکی ہیں۔پہلی خصوصیت آپ کے قائم کردہ نظام کی یہ تھی کہ آپ نے اپنے پاک نمونہ سے کالج کے اساتذہ میں ایک زبردست روح پھونکی کہ وہ طلباء کو قوم کا عظیم سرمایہ یقین کرتے ہوئے ان کے ساتھ شفیق باپ سے بھی بڑھ کر محبت کرتے ،ان

کی بہبود اور ترقی میں ذاتی طور پر دلچسپی لیتے ، ان کی جائز ضروریات پوری کرتے ، ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے ، ہر وقت بے لوث خدمت میں لگے رہتے اور پوری توجہ اور کوشش کے ساتھ بچوں کی رہبری اور رہنمائی میں مصروف رہتے تھے ۔ دوسری خصوصیت یہ تھی کہ آپ نے کالج کی قیادت اس رنگ میں فرمائی کہ طلباء و اساتذہ اسلامی اقدار کے حامل بنیں اور ہمیشہ ہی غلط قسم کی سیاست سے کنارہ کش اور ہڑتالوں اور دوسری مغربی بدعات سے متنفر رہیں ۔ چنانچہ کالج کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ قادیان ، لاہور اور ربوہ تینوں جگہ یہ انسٹی ٹیوشن ہمیشہ ہی ذہنی تکدر اور سیاسی بے رواداری سے ہر طرح محفوظ و مامون رہی ہے اور یہ وہ خصوصیت ہے اور امتیاز ہے جس میں تعلیم الاسلام کالج میں اس زمانہ میں نہ صرف برصغیر پاک و ہند بلکہ دنیا بھر کے کالجوں میں منفرد حیثیت رکھتا ہے ۔ تیسری خصوصیت اس نظام تعلیم و تربیت کی یہ تھی کہ اس درسگاہ کا فکر و عمل ہمیشہ مذہب و ملت کی تفریق سے بالا رہا ہے ۔ ہر طالب علم خواہ وہ کسی مذہب ، کسی فرقہ یا سیاسی جماعت سے ہی تعلق کیوں نہ رکھتا ہو ہر قسم کی جائز سہولتیں حاصل کرتا ہے اور اس کالج کے اساتذہ ہر طالب علم کی جسمانی اور ذہنی نشوونما کی طرف پوری متوجہ رہتے تھے ۔ چوتھی خصوصیت اس میں یہ تھی کہ یہاں امیر و غریب میں کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا تھا ۔ ایک غریب کی عزت و احترام کا ویسا ہی خیال رکھا جاتا تھا جیسا کہ کسی امیر طالب علم کا اور اساتذہ ہر اس طالب علم کی قدر کرتے تھے جو علمی شوق رکھتا ہو اور علم کی وسیع شاہراہ پر بشاشت اور محنت کے ساتھ آگے بڑھنے والا ہو ۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ سے آپ کو ابتداء ہی سے اسلامی نظام اقتصادیات سے غیر معمولی دلچسپی ، لگاؤ اور شغف رہا ہے اور آپ نے ہر ممکن جدوجہد فرمائی کہ کالج کے نظام تعلیم و تربیت سے اس نظام کو زیادہ سے زیادہ ہم آہنگ کیا جائے ۔ اس بنا پر آپ نے ہمیشہ سادگی پر زور دیا اور طلباء کے اخراجات کو کم سے کم رکھنے کو اپنا ضروری فرض سمجھا تاکہ غریب طالب علم کو اپنی غربت کا احساس نہ رہے اور امیر اپنی امارت جتانے میں حجاب محسوس کرے ۔ آپ کے اس طرز عمل کا نتیجہ تھا کہ کالج کے بعض غریب طلباء کسی قسم کے

احساس کمتری کا شکار ہوئے بغیر اپنے فارغ اوقات میں محنت اور مزدوری کر کے اپنے تعلیمی اخراجات برداشت کرتے تھے اور آپ بھی اور دوسرے اسٹاف بھی ان محنتی اور ہونہار طلباء کی ہر رنگ میں حوصلہ افزائی اور قدر دانی فرمایا کرتے تھے۔ پانچویں خصوصیت ۔آپ نے تعلیم وتربیت کی ظاہری تدابیر کو انتہا تک پہنچانے کے باوجود ان پر کبھی انحصار نہیں کیا اور ہمیشہ خود بھی ہر مرحلے پر دعاؤں سے کام لیا اور اپنے رفقاء کار میں بھی اس کا ذوق وشوق پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور ان میں یہ احساس پختگی کے ساتھ قائم کر دیا کہ محض ظاہری دیکھ بھال اور تربیت کافی نہیں ۔ ہمارے بچوں کا پہلا اور آخری حق ہم پر یہ ہے کہ ہم دعاؤں کے ساتھ ان کی مدد کرتے رہیں ۔ یہاں بطور نمونہ کالج کے اساتذہ اور طلباء سے متعلق خود آپ کے دعائیہ کلمات درج کئے جاتے ہیں جن سے ضمناً یہ بھی معلوم ہوگا کہ آپ اس ادارہ کو رفعتوں کے کتنے بلند ترین مقام تک لے جانے کے ہمیشہ متمنی اور آرزومند رہے ۔اللہ تعالیٰ کے حضور آپ نے 1954ء میں یہ دعا کی کہ ’’اے قادر وتوانا خدا !اے حقائق اشیاء کو پیدا کرنے والے اور ان حقائق ورموز کو انسانی دل پر الہام کرنے والے خدا! تو ہماری ان ناچیز مساعی کو قبول فرما اور ہماری تضرعات کو سن اور ہم پر اور ہماری اولاد پر علم کے وسیع دروازوں کو ہر پہلو سے کھول دے علم کی روشنی سے ہمارے دل اور دماغ کو منور کر اور علم ومعرفت کی غیر محدود طاقت سے ہمارے عمل میں ایک نئی روح اور ہماری مساعی میں ایک نئی زندگی پیدا کر کہ ہم اور ہماری نسلیں تیرے عطا کردہ علم اور تیری بخشی ہوئی معرفت سے پر ہو کر تجھ ہی سے دعائیں کرتے ہوئے جس میدان عمل میں بھی داخل ہوں سب پر سبقت لے جائیں ۔اے خدا تو خود اس نوشگفتہ نسل کے دل ودماغ کو رموز قیادت ومسابقت سے آشنا کر ۔اور ان کے عمل اور مساعی میں تیزی اور جولانی پیدا کر اور انہیں دنیا کا ہمدرد بنا، دنیا کا خادم بنا، دنیا کا محسن بنا اور دنیا کا رہبر بنا،قوم کا نام ان کے کام سے چمکے ۔انسانیت کا چہرہ ان کی روحانیت سے منور ہو اور تیری صفات ان کے کمالات سے ظاہر ہوں ۔‘‘

نظامِ تعلیم وتربیت کا ایک جامع نقشہ

کالج کے نظام تعلیم وتربیت کی بنیادی خصوصیات کی نشاندہی کرنے کے بعد مناسب ہوگا کہ ہم حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ پرنسپل کالج کے مبارک الفاظ میں اس درسگاہ کے تعلیمی وتربیتی اعتبار سے پاکیزہ ماحول کا ایک نقشہ قارئین کے سامنے رکھ دیں۔اس نقشہ سے نہایت جامعیت کے ساتھ پانچوں خصوصیات کی جھلک پوری طرح نمایاں ہوجاتی ہے۔1964ء میں فرمایا:

''ہمارے طلباء اور ہمارے اساتذہ تعلیم وتربیت کو ایک مقدس فرض تصور کرتے ہیں۔ہمارے پاس برے بھلے ہر قسم کے طلباء آتے ہیں۔ایک باپ کی حیثیت سے سزائیں بھی دینی پڑتی ہیں اور ایک باپ ہی کی محبت کا سلوک کرنا پڑتا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ ان عزیزوں کے لئے صحت افزا ذہنی، اخلاقی اور جسمانی فضا مہیا کرنا،ان کی شخصیتوں کے جملہ پہلوؤں کو اُجاگر کرنا اور علمی اور اخلاقی نشوونما کی جملہ سہولتیں بہم پہنچانا ہمارا فرض ہے۔ہمارے نزدیک مسجد کے بعد مدرسہ کا تقدس ہے اور ہماری اس درسگاہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے تعلیم وتربیت کے فرائض عبادت کے رنگ میں سرانجام دئے جاتے ہیں جہاں رنگ ومذہب،افلاس اور امارت،اپنے اور بیگانے کی کوئی تفریق نہیں۔جہاں طلباء مقدس قومی امانت ہیں۔جہاں ماحول خالص اسلامی اور اخلاقی ہے نہ کہ سیاسی۔جہاں منتہائے مقصود خدمت ہے نہ کہ جلب منصعت۔جہاں غریبی عیب نہیں اور امارت خوبی نہیں۔

الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

ایسے عظیم اور مثالی ادارے کی کما حقہ حوصلہ افزائی بھی ضروری ہے جس کے ذرے ذرے پر اس کے فدائی اساتذہ اور طلباء نے خون دل سے محنت اور اخلاص کی داستانیں لکھی ہیں۔یہاں اساتذہ سستی شہرت کی خاطر اپنے فرائض کے تلخ پہلوؤں سے اغماض نہیں برتتے اور نہ ہی طلباء سٹرائیک کی قسم کے غیر اسلامی اور غیر اخلاقی ذرائع استعمال کرتے ہیں۔یہاں نہ صرف ملک کے گوشے گوشے بلکہ غیر ممالک سے ہر مذہب وخیال کے طلباء اس پرسکون،سادہ اور پاک ماحول سے

فائدہ اٹھا رہے ہیں۔‘‘

’’تعلیم الاسلام کالج ایک بین الاقوامی حیثیت کا حامل ہے۔کالج کے طلباء کا حلقہ انڈونیشیا، برما ،تبت، ہندوستان، مغربی افریقہ، سومالی لینڈ اور بحرین وغیرہ ممالک تک پھیلا ہوا ہے۔ ہمارے طلباء میں سچائی ،محنت ،خدمت خلق ،غیرت قومی ،خدمت دین ،امانت و دیانت اور دیگر اخلاق فاضلہ صرف موجود ہی نہیں بلکہ ان کا معیار بھی بلند ہے۔ہمیں یقین ہے کہ جس معیار کی تعلیم دینے اور جس طرح کے طلباء پیدا کرنے کی کوشش اس کالج میں ہو رہی ہے اس کے پیش نظر نہ صرف اس کالج کی بلکہ اس جیسے سینکڑوں کالجوں کی ملک وقوم کو ہر وقت ضرورت رہے گی اور ہمارے طلباء انشاء اللہ تعالیٰ آنے والے سالوں میں تعلیمی، علمی اور اخلاقی میدان میں مثالی اور قابل فخر کردار ادا کریں گے۔اللہ تعالیٰ ہماری نیّتوں اور کوششوں میں برکت ڈالے اور ہمیں خدمت قوم و بنی نوع انسان کی خدمت کی زیادہ سے زیادہ توفیق دے۔‘‘حضرت مرزا ناصر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طلباء کالج سے متعلق یہ پیشگوئی خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے حرف بحرف پوری ہوئی۔ فالحمد اللہ علیٰ ذٰلک۔

تعلیم وتربیت سے متعلق بعض اہم واقعات

یہ نظام تعلیم وتربیت جس کا خاکہ اوپر کھینچا گیا ہے اپنی تفصیلات کے اعتبار سے ایک مستقل مضمون کا تقاضا کرتا ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں۔ تاہم ذیل میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ کے اس دور زندگی کے بعض اہم واقعات بیان کئے جاتے ہیں جن سے آپ کے انداز تربیت کے بہت سے گوشے نمایاں ہوتے ہیں اور جو دنیائے اصلاح وتربیت کے لئے چراغ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

طلباء پر بے مثال شفقت

بلا مبالغہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیم الاسلام کالج کے طلباء کو

اپنے خون سے پالا ہے اور ان کے ساتھ ہمیشہ اپنی اولاد سے بڑھ کر محبت کی ہے۔ جناب پروفیسر محبوب عالم صاحب خالدؔ ایم۔اے کا بیان ہے کہ ''ایک دفعہ خاکسار نے لاہور میں 1950ء یا 1951ء میں آپ سے عرض کیا کہ ڈسپلن کیسے رہے؟ ہم اساتذہ طلباء کی غفلتوں پر بعض اوقات جرمانہ کی سزا دلواتے ہیں مگر آپ اسے معاف فرما دیتے ہیں۔ آپ نے جواباً تحریر فرمایا۔ اگر طلباء کے لئے میرے دل میں خدا تعالیٰ نے رحم ڈالا ہے تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ باقی حالات ٹھیک ہوجائیں گے انشاءاللہ۔ ناصر احمد''

تادیب، دلداری اور ذاتی تعلق

چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے لکھتے ہیں:

''آپ کالج اور ہوسٹل کی تفصیلی نگرانی فرماتے اور ہر معاملے میں ہم خدام کو ان کی بابرکت رہنمائی حاصل ہوتی۔ سزا بھی دیتے لیکن کراہت کے ساتھ۔ لیکن جہاں سزا ضروری ہوتی اسے ضرور دیتے۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ ایک طالب علم کو بدنی سزا دی جانے لگی۔ ہال میں طلباء اکھٹے ہوئے۔ اس عاجز سے ارشاد فرمایا کہ سزا دو۔ جب سزا کا نفاذ ہونے لگا تو فرمانے لگے کہ سزا میں نے آپ کو نہیں اس طالب علم کو دی ہے اور خود باقی سزا اپنے ہاتھ سے نافذ کی۔ آج تک واقعہ کا اثر دل پر ہے۔ بعد میں بھی سزا دی ہے حضور رحمۃ اللہ علیہ پر غم کی کیفیت طاری ہوئی ہے اور کئی بار ایسا ہوا کہ اس تکلیف سے کتنا کتنا عرصہ گھر سے تشریف نہ لاتے۔'' طلباء آپ سے جو محبت اور عقیدت رکھتے ان کا بیان کرنا مشکل ہے۔ چوہدری محمد بوٹا ایک طالب علم ہوتے تھے جو اب IRRIGATION RESEARCH میں آفیسر ہیں اور غیر از جماعت ہیں۔ انہوں نے حضور کی خدمت میں عرصے کے بعد جب وہ ایم ایس سی کر چکے اور کالج سے جا چکے تھے خط لکھا جس کا مفہوم یہ ہے کہ میں اپنا نام تبدیل کرنا چاہتا ہوں اور میرے دل میں چونکہ آپ کی بے حد قدر اور عزت ہے اور مجھے کوئی اور آپ جیسا عظیم انسان نہیں ملا اس لئے آپ کی اجازت سے اپنا نام ناصر رکھنا چاہتا ہوں چنانچہ آج وہ

اسی نام سے موسوم ہے ۔محمد اشرف ایک طالب علم تھے جن پر کالج کے دنوں بظاہر سختی ہوئی تھی ۔یورپ کے دورے (1967ء) کے وقت دیوانہ وار حضور کی خدمت میں ایڈنبرا، گلاسگو وغیرہ حاضر رہے۔طلباء آپ کے شیدا تھے اور آپ بھی بیٹوں کی طرح ان سے سلوک فرماتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ آدھی آدھی رات بیمار طلباء کے سرہانے بیٹھ کر ہاتھ سے چمچے کے ساتھ خود دوائی پلایا کرتے اور ان کو تسلیاں دیا کرتے ۔اس شفقت اور محبت کو دیکھ کر دوسرے طلباء کہا کرتے تھے کہ ہمارا بھی بیمار ہونے کو جی چاہتا ہے۔غریب طلباء کی بہت دلداری فرماتے ان کی امداد اس رنگ میں ہو کہ ان کی عزت نفس کو ٹھیس نہ لگے۔جو طلباء مزدوری کر کے پڑھتے ان کی خاص قدر فرماتے اور ان کا اس محبت سے ذکر فرماتے کہ ایسے طلباء کا سر فخر سے اونچا ہو جاتا۔غریب طلباء کی غذا، دوا، لباس، سویابین اور پتا نہیں کیا کیا ان کے لئے مہیا فرماتے۔ڈسپلن کے معاملے میں سختی فرماتے اور پھر دلداری بھی فرماتے۔فرمایا کرتے کہ استاد کو ماں اور باپ دونوں کا کام کرنا چاہیئے۔''سویابین کا بہت شوق تھا اور کمزور اور کھلاڑی اور ذہین طلباء کو اس کا حلوا تیار کروا کر کھلایا کرتے اور خوش ہوتے۔''

آپ کا تعلق طلباء سے بیحد محبت اور تکریم کا ہوا کرتا تھا۔ان سے مزاح بھی فرماتے اور بے تکلّف بھی ہوتے لیکن حدود قائم رہتیں ۔خدام الاحمدیہ کے دور میں کلائی پکڑنے کا شوق تھا۔ میرے علم میں کوئی ایسا شخص یا طالب علم نہیں جو آپ کے مقابلے پر پورا اتر سکا ہو اگر یہ عاجز کبھی کوشش کرتا تو دو انگلیوں سے کلائی چھڑا لیتے ۔طلباء کسی قسم کا بعد یا فاصلہ محسوس نہیں کرتے تھے۔ باپ بیٹے کا تعلق تھا جو زندہ اور جاری تھا۔جب مرحوم مبشر احمد گکھڑ جو بے حد ہونہار اور نیک اور ذہین طالب علم تھا قتل ہوا۔اور آپ کی خدمت میں شام کو کراچی میں ضمناً ایک لڑکے مبشر احمد کی اطلاع کی گئی تو رات گئے غالباً بارہ بجے کا وقت ہوگا کہ آپ کا فون آیا کہ تفصیل بتائی جائے۔آپ نے فرمایا کہ مجھے نیند نہیں آرہی اور بے حد بے چینی ہے۔کیا یہ وہی مبشر احمد تو نہیں جو ہر وقت مسکراتا رہتا تھا۔افسوس کہ یہ وہی مبشر احمد تھا جس کی وفات پر آپ اس طرح بے چین ہو گئے اور آدھی رات کو

کراچی سے فون آیا۔آپ طلباء کو بلا وجہ ان کے نچلے پن پر ٹوکتے نہیں تھے اور فرمایا کرتے تھے یہ ان کی صحت کی علامت ہے۔ایک دفعہ ایک طالب علم جو کہ جماعت کے ایک مخلص خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور خود ایک بڑی کار پر ماڈل ٹاؤن سے کالج آیا کرتے تھے آپ کی ''دلزلے'' کار پر ''المنار'' میں چھپنے کے لئے انگریزی میں ایک مضمون لکھا۔میں ان دنوں انگریزی حصہ کا نگران تھا۔میں نے شائع کرنے سے انکار کر دیا۔اس پر مصنف نے اصرار کیا کہ حضرت صاحبزادہ صاحب سے پوچھ لیں آپ نے فرمایا۔یہ تو ضرور چھپنا چاہیئے۔میں نے ایسے ذرا نرم کر کے چھاپ دیا۔جس دن ''المنار'' شائع ہوا۔کوئی چند گھنٹے بعد طالب علم نپتا ہوا میرے پاس آیا۔کہنے لگا کہ ادھر یہ مضمون شائع ہوا اور ادھر میری کار کی ٹکر درخت کے ساتھ ہوگئی۔میری جان بچ گئی۔میں اللہ تعالیٰ کے ایک بندے کی کار پر استہزاء کا مرتکب ہوا تھا۔مجھے اس کی سزا مل گئی۔خدا معاف کرے۔

آپ طلباء کے اجتماعات میں دلی نشاط اور بشاشت سے شامل ہوتے اور حظ اُٹھاتے۔کشتی رانی (ROWING) کے میچوں میں تقریباً آدھ میل تک کشتی کے ساتھ ساتھ اسی رفتار سے دوڑ کر حوصلہ افزائی فرماتے اور دوسرے طلباء بار بار ہم سے کہا کرتے تھے کہ کاش ہمارے پرنسپل بھی ہماری کھیلوں میں اتنی دلچسپی لیں۔خدا تعالیٰ نے جو رعب دیا ہوا ہے طلباء اس کی وجہ سے ڈرتے بھی۔لیکن وہ یہ جان گئے تھے کہ اگر کوئی خاص سنگین قسم کی قانون شکنی کے مرتکب نہ ہوں تو اس رعب کے نیچے حلم اور حیا اور محبت کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجزن ہے اس لئے عام جرمانہ وغیرہ ہوتا تو جا کر معاف کروا لیتے۔آپ کبھی بے صبری کا اظہار نہ فرماتے سختی کے وقت سختی بھی فرماتے اور ان کی تکریم کرتے لیکن دل نرمی کی طرف مائل رہتا۔کھلاڑیوں خصوصاً رؤنگ اور باسکٹ بال کے کھلاڑیو ں کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ایک روئنگ کے لڑکے سے غلطی ہوئی جو ہمارا کپتان تھا،کبڈی کا کپتان بھی تھا۔نہایت ذہین طالب علم تھا۔سکالرشپ ہولڈر تھا۔اسے اور خرچ بھی دیتے تھے اور آپ کے گھر سے کھانا بھی آیا کرتا اور اس کی خوب خوب ناز برداری ہوتی۔لیکن جب اس نے کالج کے ایک

استاد کے ساتھ گستاخی کی تو اسے دوسال کے لئے کالج سے نکال دیا گیا۔ میں نے آپ کو بڑے سے بڑے حادثے پر روتے نہیں دیکھا۔ لیکن میں نے دیکھا کہ اس لڑکے کے اخراج از کالج کے فارم پر دستخط فرماتے وقت حضور کی آنکھیں ڈبڈبا آئی تھیں۔''

طلباء کے ساتھ حضرت صاحبزادہ صاحب کے محبت وشفقت اور ہمدردی کے بے شمار واقعات ہیں آپ نے ایک خطبہ جمعہ کے دوران فرمایا:

''میں ایک دفعہ اپنے کالج کے دفتر سے گھر کی طرف جارہا تھا۔ راستے میں مجھے ایک طالب علم ملا جس کے متعلق مجھے علم تھا کہ وہ بڑا محنتی اور ہوشیار طالب علم ہے۔ کوئی مہینے ڈیڑھ تک یونیورسٹی کے امتحانات ہونے والے تھے۔ میں نے دیکھا اس کا منہ زرد اور منہ پر دھبے پڑھے ہوئے ہیں۔ بیمار شکل ہے۔ یہ دیکھ کر مجھے بڑا سخت صدمہ پہنچا کہ میں نے اس کی صحت کا خیال نہیں رکھا۔ ویسے وہ عام کھانا تو کھا رہا تھا۔ لیکن ایسے کھانے پر اسلام کا اقتصادی نظام نہیں ٹھہرتا۔ میں نے سوچا کہ میں نے ظلم کیا۔ کشتی رانی کرنے والے طلباء کو تو میں سویا بین کا حلوہ دیتا ہوں لیکن جو دن رات محنت کرنے والے طلباء ہیں ان کو میں سویا بین کا حلوہ نہیں دیتا۔ میں نے تو بڑی غلطی کی۔ چنانچہ اس کو تو میں نے کہا کہ مجھ سے سویا بین لے جا کر استعمال کرنا (لیکن بعد میں میں نے تمام محنتی طلباء کو سویا بین دینے کا انتظام کیا) پہلے اسے مناسب حال غذا نہیں مل رہی تھی۔ اب جب اسے مناسب حال غذا ملی تو پندرہ دن کے بعد میں نے دیکھا کہ اس کے چہرے کے دھبے دور ہو گئے۔ چہرے پر سرخی آگئی۔ آنکھوں میں زندگی اور توانائی کی علامت نظر آنے لگی اور وہ امتحان میں بڑی اچھی طرح پاس ہوا۔ اچھے نمبر تو ویسے ہی لے لیتا لیکن یہ بھی ہوسکتا تھا کہ ساری عمر کے لئے وہ بیمار پڑ جاتا۔ کئی ایسے عوارض ایسے لاحق ہو جاتے جن سے چھٹکارا پانا اس کے لئے ناممکن ہو جاتا۔''

طلباء کی حوصلہ افزائی اور روحِ مسابقت میں اضافہ کیلئے جدوجہد

حضرت صاحبزادہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سربراہی کے زمانہ میں طلباء کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کس طرح ان میں روح عمل اور روح مسابقت کو بیدار کرنے بلکہ بڑھنے میں سرگرم عمل رہے اس کا اندازہ لگانے کے لئے بطور نمونہ ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے۔شروع ماہ تبلیغ/فروری 1957ء کا واقعہ ہے کہ لاہور میں کشتی رانی کے مقابلے جاری تھے جس میں حسب سابق تعلیم الاسلام کالج کی ٹیم بھی اپنی روایتی شان کے ساتھ حصہ لے رہی تھی۔5 تبلیغ/فروری کو کالج کی کشتی رانی کی ٹیم کے کیپٹن ناصر احمد صاحب ظفر حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ پرنسپل کالج کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مغربی پاکستان اوپن روئینگ چمپین شپ کے ارکان نے لاہور کے مقامی کالجوں کے لڑکے ہمارے مقابلہ جات کے لئے بطور منصف مقرر کر دیئے ہیں جس سے صورت حال بالکل ہمارے خلاف ہوگئی ہے۔اس پر حضرت صاحبزادہ صاحب نے اپنے قلم مبارک سے انہیں حسب ذیل پیغام تعلیم الاسلام کالج کی ٹیم کے نام لکھ دیا اور ارشاد فرمایا کہ آپ ٹیم کے سامنے یہ پڑھ کر سنادیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعلیم الاسلام کالج کے باغیرت نوجوانو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجھے بتایا گیا ہے کہ بورڈ کے منتظمین نے کل کے مقابلہ میں لاہور کالج کے طلباء کو بطور جج مقرر کیا تھا اور ان کا فیصلہ خلاف عقل وانصاف تھا۔اگر یہ صحیح ہے تو۔پہلے آپ کا مقابلہ برادرانہ مقابلہ تھا۔دوسرے کالجز کے طلباء ہمارے لئے ایسے ہی ہیں جیسا کہ اپنے طلباء اور وہ آپ کے بھائی بھی ہیں۔ان کے خلاف کوئی غصہ نہیں ہونا چاہیئے۔مقابلہ میں ہار جیت ہوتی ہے اور یہ مقابلہ ہمیں یہ سبق دیتے ہیں کہ ہم عزت کے ساتھ جیتنا اور وقار کے ساتھ ہارنا سیکھیں اور آپ لوگ اس سبق کو اچھی

طرح جانتے ہیں ۔مگر اب آپ کا مقابلہ اپنے بھائیوں کے ساتھ نہیں رہا۔اب آپ کا مقابلہ بے انصافی اور بے ایمانی کے ساتھ ہے اور غیرت کا تقاضا ہے کہ آپ بے ایمانی اور بے انصافی کو شکست دیں ۔پس آپ کا فرض ہے کہ آپ اپنی قوت اور جوش کا آخری ماشہ خرچ کر کے دوسری ٹیموں کو بمپ کرتے ہوئے پھر اوّل آئیں اور دنیا پر ثابت کریں کہ بے انصافی کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔اس کے بغیر آپ کی غیرت کا مظاہرہ نہیں ہوگا۔دل چھوڑنے کا، ہمّت ہارنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر بے انصافی روز آپ کو سب کے آخر میں رکھے تو آپ کی غیرت کو چاہیئے کہ وہ آپ کو پہلی پوزیشن میں لے جائے اور مجھے یقین ہے کہ آپ ایسا کر دکھائیں گے۔آج میرا پہنچنا ممکن نہیں ۔میں کوشش کروں گا کہ آخری دو دن آپ کے ساتھ رہوں ۔خدا تعالیٰ ہمیشہ آپ کے ساتھ رہے۔ویسے میں آج فون کر رہا ہوں شاید کسی ذمہ دار افسر کی انسانیت بیدار ہو سکے۔آمین ۔فقط۔ناصر احمد۔ پرنسپل

ناصر احمد صاحب ظفر یہ پیغام لے کر لاہور پہنچے اور جودھامل بلڈنگ میں جہاں کالج کی ٹیم مقیم تھی ۔سب طلباء کو اکھٹا کر کے یہ پیغام انہیں سنایا۔اس ولولہ انگیز پیغام نے طلباء کے اندر بے انصافی کے خلاف ڈٹ کر مقابلہ کرنے کا ایک زبردست جوش اور بے پناہ جذبہ پیدا کر دیا اور انہوں نے مصمم عہد کر لیا کہ وہ چمپیین شپ حاصل کئے بغیر نہیں رہیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔خدا تعالیٰ کے فضل اور حضرت صاحبزادہ صاحب کی دعاؤں سے کالج کی ٹیم چمپیین شپ جیت کر ربوہ پہنچی ۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

طلباء کو غیر اسلامی اخلاقی واقدار سے بچانے کے لئے ایک جرات مندانہ فیصلہ

چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ:

”یہ 1947-48 کی بات ہے جب پہلا U.O.T.C کیمپ ہوا۔یہ کیمپ والٹن میں ہوا تھا اور پاکستان بننے کے بعد پہلا کیمپ تھا۔کیمپ کے حالات تسلّی بخش نہیں تھے۔ایک سینئر آفیسر اور اساتذہ کو جن کو فوجی رینک ملے ہوئے تھے بسا اوقات CADETS فحش گالیاں نکالا کرتا

تھا۔جنرل رضا ان دونوں ایڈ جوائنٹ جنرل تھے ان کے آنے تک تو بات بنی رہی ۔لیکن جب کیمپ کا خاتمہ قریب آیا اور کمانڈر انچیف صاحب کے آنے کا دن قریب آیا تو طلباء بے قابو ہو گئے اور فیصلہ کرلیا کہ سٹرائیک کریں گے اور تقسیم انعامات کے وقت اور کمانڈر انچیف صاحب کی آمد کے وقت خیموں میں بیٹھے رہیں گے ۔نہ صفائی کریں گے اور نہ ہی وردیاں پہنیں گے ۔ظاہر ہے کہ یہ صورت حال ہمارے لئے تسلّی بخش نہ تھی ۔ یہ عاجز اپنے دستے کا کمانڈر تھا اور مکرم چوہدری فضل داد صاحب نائب کمانڈر تھے ہم نے حضرت پرنسپل صاحب تعلیم الاسلام کالج کی خدمت میں خاص آدمی بھجوایا کہ یہ صورت حال پیدا ہوگئی ہے ہماری مدد کی جائے ۔لیکن وہ پیغام رساں کیمپ سے باہر نکلتے وقت گرفتار ہو گیا اور کوارٹر گارڈ میں بھیج دیا گیا۔اس کا ہمیں اس وقت علم نہ ہوا۔اور ہم آپ کی طرف سے کسی پیغام کے انتظار میں رہے۔جب رات ہوگئی اور کوئی جواب نہ آیا تو پہلے ہم نے کالجوں کے اساتذہ سے رابطہ قائم کیا خصوصاً محترم راجہ ایس۔ڈی احمد صاحب (سابق پرنسپل وٹرنری کالج اور ڈائریکٹر اینیمل ،کرنل اسلم (جو ہماری بلٹین کے کمانڈر تھے)، برادر مکرم رفیق عنایت مرزا (جواب سینئر سی ایس پی آفیسر ہیں) سے،اوران پر یہ بات واضح کی کہ ہم سٹرائیک میں شامل نہیں ہوں گے ۔اگر سٹرائیک ختم نہ ہوئی تو تعلیم الاسلام کالج کی پلاٹون اکیلی ڈیوٹی پر جائیگی کیونکہ ہم سٹرائیک کو شرعاً ناجائز سمجھتے ہیں اور ان سے اپیل کی کہ پاکستان کا پہلا کیمپ ہے ۔وہ خود بھی سٹرائیک ختم کروانے کے خواہشمند تھے ۔بہر حال بعض دوستوں کو ساتھ لے کر ہم رات کے وقت خیمے خیمے میں پھرے۔لڑکے گانے گارہے تھے ۔قوالیاں ہورہی تھیں اور نعرے لگ رہے تھے ۔ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہوا ۔ہماری اپیل پر لڑکے آمادہ ہوگئے کہ اگلے روز سٹرائیک نہ کریں اور پاکستان کے نام پر ایسی غیرت دکھائی کہ رات کا باقی حصہ تیاری میں گزرا اور صفائی اور خیموں کی تزئین میں لگ گئے ۔ چنانچہ اگلی صبح کمانڈر انچیف صاحب آئے ۔میدان جنگ کا نقشہ پیش ہوا کمپنیوں میں باہمی لڑائی کی مہارت کے تمام انداز دکھائے ۔اس موقع پر ہمارے کچھ طلباء جو

آزادی کی لڑائی میں محاذ رہ چکے تھے وہ کمانڈرانچیف صاحب نے پہچان لئے ان کی دلچسپی بڑھی تو پوچھا کہ سارے کیمپ میں کتنے ایسے مجاہدین ہیں ۔صرف ہمارے ہی کالج کے طلباء نکلے۔تقسیم انعامات کے لئے پنڈال الگ قائم ہو چکا تھا اور مہمانوں کی آمد آمد تھی۔وزراء، جج، وائس چانسلر صاحب، سیکرٹری، جرنیل اور بریگیڈیر پنڈال کے پاس ایک ہی جگہ کمانڈرانچیف صاحب کے استقبال کے لئے اکھٹے تھے۔

طلباء پنڈال میں تھے۔اساتذہ بھی تھے کہ اسی آفیسر نے پھر نازیبا الفاظ کہے جس پر پنڈال میں موجود طلباء میں پھر کھچاؤ پیدا ہو گیا۔اس اثناء میں حضرت مرزا ناصر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کار بھی آتی دکھائی دی۔یہ عاجز آگے بڑھ کر استقبال کے لئے گیا اور آپ کو وہیں روک کر سارے کوائف بتائے۔آپ تشریف لائے تو وہ آفیسر بھی استقبال کے لئے آگے بڑھے۔آپ نے سرسری انداز میں پوچھا کہ کیا ہوا تھا۔فرمایا جس کا مفہوم یہ تھا کہ خیر گذری۔اس پر اس آفیسر نے اسی انداز میں کہا کہ مجھے ان کی کیا پروا۔یہ فقرہ کافی بلند آواز سے انہوں نے کہا۔سول اور ملٹری آفیسر سب کچھ سن رہے تھے۔آپ خاموش رہے۔انہوں نے دوبارہ یہی فقرہ دوہرایا۔جب تیسری بار اسی قسم کا فقرہ کہا تو آپ نے بڑے جلال سے بلند آواز میں فرمایا کہ آپ کو پروا نہیں لیکن ہمیں ان کی پروا ہے یہ قوم کے بچّے ہیں۔ہم ان کو اس قسم کے اخلاق کی تربیت کے لئے یہاں نہیں بھیجتے۔اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ ابھی ساری پلٹنوں کو واپس بلوالیا اور آئندہ سے کوئی بھی سروکار نہ رکھو۔اس پر کچھ سینئر آفیسرز اس افیسر کو ایک طرف لے گئے اور اگلے ہی لمحے میں اس نے بڑی لجاجت سے معافی مانگی اور شرمندگی کا اظہار کیا۔جب آپ نے یہ فقرات کہے تو مجھے یاد ہے کہ میرے ایک غیر از جماعت ساتھی نے فرط جذبات میں خوشی سے دیوانہ ہو کر میرا ہاتھ پکڑا اور اسے اتنا زور سے دبایا کہ کئی دن تک میرا ہاتھ درد کرتا رہا۔پھر حضرت میاں صاحب تقریب کے اختتام پر تشریف لے گئے اور محکمہ تعلیم کے ایک بڑے افسر نے کہا کہ میاں صاحب نے سب کی عزّت رکھ لی۔اس عجیب واقعہ

کا آخری حصّہ یہ ہے جس سے ہمارا کوئی تعلق نہ تھا لیکن ہوا اور وہ یہ کہ کیمپ کے خاتمہ کے بعد جب بھی ٹرک روانہ ہوتا تو اس میں ٹرک والے ''مرزا ناصر احمد زندہ باد'' اور پرنسپل ٹی۔آئی کالج زندہ باد '' کے نعرے ضرور لگاتے۔ یہ فلک شگاف نعرے ہمارے روکنے کے باوجود نہ رک سکے اور اسی انداز سے یہ کیمپ ختم ہوا''

طلباء سے مساوی حیثیت میں محبت بھرا سلوک

چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے مزید لکھتے ہیں کہ:

''ایک طالب علم جو جماعت اسلامی کی انتظامیہ کا رکن تھا اس لئے آیا تھا کہ غیر از جماعت طلباء کو جماعت کے خلاف منظم کرے۔ کالج میں میں داخلے کے لئے آیا۔ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ آپ اس کام کے لئے آئے ہیں تو آپ یہ ضرور کام کریں۔ میں آپ کو داخل بھی کر لیتا ہوں اور فیس کی رعایت بھی دیتا ہوں لیکن آپ کو خبردار کرتا ہوں کہ آپ یہ کام نہیں کر سکیں گے اور میرے کالج پڑھنے والے غیر از جماعت طلباء آپ کے دام میں نہیں آئیں گے۔ یہ طالب علم کافی عرصہ تک پوشیدہ اور اعلانیہ کوشش کرتا رہا لیکن بری طرح ناکام ہوا۔ اور آپ کی شفقت اور محبت اس پر اثر کئے بغیر نہ رہ سکی''۔ ''جب کالج ربوہ میں منتقل ہونا شروع ہوا تو لاہور کے لوگوں کو اس سے بہت بے چینی پیدا ہوئی۔ بعض نے اخباروں میں لکھا کہ جو لوگ شریفانہ ماحول میں تھوڑے خرچ سے اچھی تعلیم دلانا چاہتے ہیں ان کے بچے کہاں جائیں۔ زبانی بھی ہمیں کہا گیا کہ کالج نہ لے جائیں۔ ایک دفعہ ایک وفد (جس میں چند ایسے لوگ بھی شامل تھے جو ہمارے خلاف 1953ء کی ایجی ٹیشن میں ماخوذ تھے) حضور کے دفتر میں ملنے کے لئے آیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے ایجی ٹیشن میں آپ کے خلاف حصّہ لیا تھا لیکن اپنے بچے آپ کے پاس رکھنا چاہتے ہیں۔ آپ کالج نہ لے جائیں۔ آپ نے فرمایا۔ اس سے زیادہ تعریف آپ کالج کی نہیں کر سکتے لیکن ہماری اپنی مجبوریاں ایسی ہیں کہ ربوہ کا بہرحال حق ہے اس لئے کالج ضرور جائے گا۔ البتہ آپ کا شکریہ۔ الحمدللہ کہ کالج ربوہ میں آ گیا۔''

بے تکلّفی اور پاکیزہ مزاح

چوہدری محمد علی صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ’’پاکیزہ مزاح بھی ہمارے کالج کا اور خصوصاً ہوسٹل کی تقریبوں کا طرّہ امتیاز رہا ہے جن میں خود آپ رحمۃ للہ علیہ اور آپ کی دلزلے کار پر محبت اور ادب کے ساتھ تنقید بھی ہوا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ اس عاجز نے دلزلے کے متعلق کچھ کہنے سے منع کر دیا تو ارشاد پہنچا کہ اگر دلزلے کا ذکر نہ ہوا تو میں نہیں آؤں گا۔ مختلف سالوں میں اس پر اتنی نظمیں لکھی گئیں کہ فرمایا کہ تمام نظمیں جمع کرواؤ تا کہ میں ’’دیوان کار‘‘ چھپوا کر حضور مصلح موعودؓ رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں پیش کروں اور مجھے نئی کار حضور کی طرف سے مل جائے۔‘‘

درویشانہ زندگی

چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے مزید لکھتے ہیں:

’’مصلح موعودؓ رضی اللہ عنہ کے فرزند اکبر کی درویشانہ شان تھی اور آپ اسی میں مگن تھے۔ کبھی ٹیپ ٹاپ کی طرف آپ کی طبیعت نہیں گئی۔ ایک دفعہ چند آنے گز کی ایک اچکن سلوائی۔ سبز رنگ تھا اور دھاریدار تھی۔ جب آپ نے زیب تن کی تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ نہایت قیمتی کپڑا ہے۔ کئی مرتبہ میں نے خود دیکھا ہے کہ اچکن کو پیوند لگا ہوا تھا اور بڑی بڑی تقریبوں میں شامل ہوتے ہیں اور حضور داخل ہوتے ہی تمام حاضرین مجلس کی توجہ آپ کی طرف ہو جاتی وقار اور مسکراہٹ اور رُعب یہ اللہ تعالیٰ کی دین تھی۔ بار ہا یہ عاجز شکار پر آپ کی خدمت میں ساتھ ہوا کرتا۔ کھانے کا وقت آ جاتا تو دیہات کی سادہ تنور کی روٹی پسی ہوئی مرچ اور لسّی سے اتنا مزہ لے کر تناول فرماتے کہ گویا اس سے لذیذ اور کوئی کھانا نہیں ہو سکتا۔‘‘

دعاؤں کی تلقین

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ کالج کے دفتر میں تشریف فرما تھے کہ دفتر کے ایک کارکن نے

طالب علموں کے ڈیڑھ سو فارم یونیورسٹی میں بھجوانے کے لئے رکھ دیئے۔ آپ ان فارموں پر دستخط بھی کرتے رہے اور ساتھ ہی درود شریف بھی پڑھتے رہے۔ دو تین منٹ کے بعد آپ کو خیال آیا کہ میں ایک بھائی کو نیکی سے محروم کر رہا ہوں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ تمہیں اس وقت کوئی کام نہیں۔ تم صرف میرے دستخطوں کے بعد فارم اُٹھا رہے ہو۔ تم فارم بھی اُٹھاتے رہو اور ساتھ ساتھ درود شریف بھی پڑھتے رہو۔ چنانچہ اس کارکن نے بھی درود شریف کا وِرد شروع کر دیا۔ اور جب آپ سب فارموں پر دستخط فرما چکے تو اس نے نہایت بشاشت سے عرض کیا کہ میں نے دو تین سو کے درمیان درود شریف پڑھ لیا ہے۔

کالج میں مختلف علمی مجالس کا قیام اور ان کی غرض و غایت

حضرت صاحبزادہ صاحب کی توجہ سے کالج میں طلباء کی علمی نشوونما کے لئے مندرجہ ذیل مشہور علمی مجالس جاری ہوئیں۔ مجلس عمومی، مجلس ارشاد، بزم اُردو، سائنس سوسائٹی، مجلس عربی، مجلس علوم معاشرت، مجلس تاریخ، مجلس حیاتیات، مجلس فلسفہ و نفسیات، ریڈیو اور فوٹو گرافک سوسائٹی۔ ان اہم مجالس کے قیام کے پیچھے کیا جذبہ کارفرما تھا؟ اس کی تفصیل خود آپ ہی کے الفاظ میں لکھی جاتی ہے فرماتے ہیں:۔ ”تحصیل علم کے لئے مندرجہ ذیل چار باتیں ضروری ہیں۔ اوّل علمی باتوں کا غور سے سننا، دوئم علمی باتوں کو سمجھنے اور اپنانے کی کوشش کرنا، سوم ان میں سے جو باتیں بظاہر عقل کے خلاف نظر آئیں ان پر تنقید کرنا اور چہارم ناقبل تسلیم نظریوں کے مقابل پر اپنے تحقیقی نظریے پیش کرنا یعنی سننے سمجھنے تنقید اور تحقیق کرنے کے بغیر صحیح علم حاصل نہیں ہوسکتا۔ پہلے دو کام کلاس روم میں کئے جاتے ہیں جہاں نظم وضبط کی پابندی از بس ضروری ہے۔ لیکن اگر ہمارا نصب العین محض یہ ہو کہ سنو اور قبول کرو تو ہماری آئندہ نسل اندھی اور کند ذہن ہوگی۔ مذکورہ نصب العین پر ہمیں یہ اضافہ کرنا پڑے گا کہ پرکھو اور تحقیق کرو۔ اور تحقیق و تنقید کے لئے کلاس روم سے باہر بھی علمی مشاغل کا ہونا ضروری ہے اور اسی لئے درسگاہوں میں مختلف علمی مجالس قائم کی جاتی ہیں جن میں سے اہم ترین مجلس کالج

کی عمومی مجلس ہے جہاں طلباء اپنی آراء کا آزادانہ اظہار کرتے ہیں۔‘‘

کھیلوں کی سرپرستی

چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے تحریر کرتے ہیں کہ ’’سپورٹس کی ایسوسی ایشنز اعلیٰ سطح پر آپ کی خدمت میں پہنچتیں کہ صدارت قبول فرمائیں تاکہ امن کی فضاء قائم ہو۔آپ پنجاب بیڈمنٹن ایسوسی ایشن کے صدر کئی سال رہے۔مغربی پاکستان کے بیڈمنٹن کے مقابلے کالج ہال میں ہوا کرتے۔پھر آپ جیسا کہ ذکر آچکا ہے باسکٹ بال کی سنٹرل زون کے صدر بنے۔دیگر کھیلوں کو بھی آپ کی سرپرستی حاصل رہی۔فٹ بال، کرکٹ، ٹینس، ٹیبل ٹینس تو آپ خود نہایت عمدہ کھیلتے تھے اور اساتذہ اور طلباء کے میچوں میں خصوصاً ہوسٹل ٹیبل ٹینس کے میچوں میں حصہ لیتے رہے۔روئنگ اور باسکٹ بال کو آپ نے بام عروج تک پہنچا دیا۔ہائیکنگ میں آپ بے حد دلچسپی لیتے رہے۔پنجاب ماؤنیٹرنگ کلب اور یونیورسٹی کی ماؤنیٹرنگ کلب جس کے صدر مرحوم ڈاکٹر بشیر وائس چانسلر تھے پارٹیشن کے بعد دونوں کے دستور بنانے میں آپ کے خاص مشورے شامل تھے اور عملاً آپ ان کے فاؤنڈر ممبر ہیں۔لیکن دونوں کلبوں سے کوئی براہ راست رابطہ قائم نہ ہوسکا۔البتہ آپ ہائیکنگ اور ماؤنیٹرنگ اور یوتھ ہاسٹلنگ کی ہر آن حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔مرحوم چوہدری لطیف جو پاکستان کے ممتاز ہائیکر تھے آپ کے بے حد معتقد تھے۔

صحت جسمانی کیلئے مختلف اہم شعبے

قومی اور ملّی فرائض کی بجا آوری بلکہ پوری زندگی کو صحیح طریق پر گذارنے کے لئے صحت جسمانی کا خیال رکھنا از حد ضروری ہے۔حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ نے طلباء کی تربیت کے دوران اس سنہری اصول کو نہ صرف مدّنظر رکھا بلکہ اسے ہمیشہ ہی خاص الخاص اہمیت دی۔چنانچہ آپ نے 1950ء–1951ء کی سالانہ رپورٹ میں اپنا مخصوص اور بلند نقطۂ نگاہ مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان فرمایا:

''ایک نَوزائیدہ مملکت اگر ترقی کی دوڑ میں ترقی یافتہ ممالک سے بازی لینا چاہتی ہے تو اس کے افراد پر سعیِ پیہم اور مستقل جدوجہد کی بھاری ذمہ داری پڑتی ہے اور لگاتار محنت کرتے چلے جانا جذبہ ملّی اور مضبوط وتوانا جسموں کے بغیر ممکن نہیں۔تمام بیدار ممالک اپنی قوم کی صحت کی طرف خاص توجہ دیتے ہیں اور عام اندازہ کے مطابق ان ممالک کا جتنا روپیہ تعلیم پر خرچ ہوتا ہے اسی کے لگ بھگ رقم ورزشوں وغیرہ پر خرچ ہوتے ہیں۔اگر ہم نے بھی دنیا میں ترقی کرنی ہے تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے بچوں کا خاص خیال رکھیں۔بوجہ غربت ہم ان کے لئے پوری خوراک مہیا نہیں کر سکتے۔لیکن غربت کے باوجود بھی صحیح ورزش انہیں کروا سکتے ہیں۔یہ مہاجر ادارہ طلباء کے اس شعبہ زندگی کی طرف بھی خاص توجہ دیتا رہا ہے بہت سے غریب بچوں کو مفت دودھ دیا جاتا رہا ہے اور عام طور پر یہ کوشش رہی ہے کہ تمام طلباء ورزش کے ذریعے سے اپنے جسموں کو مضبوط بنانے کی کوشش کرتے رہیں'' حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ نے اس عظیم مقصد کی تکمیل کے لئے کالج میں عسکری تربیت کا خاص اہتمام کرنے کے لئے علاوہ مجلس سیاحت کا قیام فرمایا اور نیز والی بال، بیڈ منٹن، کبڈی، فٹ بال وغیرہ مختلف کھیلوں کو خاص طور پر رواج دیا اور کشتی رانی اور باسکٹ بال کو اوجِ کمال تک پہنچانے میں اپنی صلاحیتیں صرف کر دیں۔

طلباء کو زرّیں نصائح

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ طلباء کی اخلاقی، روحانی اور علمی رہنمائی کے لئے ہر دم کوشاں رہتے اور وعظ ونصیحت کے ہر اہم موقع سے فائدہ اٹھاتے تھے۔آپ فارغ التحصیل طلباء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات کی روشنی میں خاص طور پر قابل قدر نصائح سے نوازتے اور یہ آپ کا نہایت مرغوب دستور اور معمول رہا۔مثلاً 1958۔ 1959ء کی سالانہ تقریب اسناد پر کالج کی سالانہ رپورٹ سنانے کے بعد فرمایا:

''بالآخر مَیں بی۔اے اور بی۔ایس۔سی کے امتحانات میں کامیاب رہنے اور انعام حاصل

کرنے والے طلباء سے کہوں گا کہ ہماری زندگی کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کو حاصل کرنا ہے۔تمہیں تمہاری کامیابیاں مبارک ہوں مگر یہ کامیابیاں محض ابتدائی نوعیت کی ہیں۔ان کامیابیوں کو اصل مقصد کے حصول کا ایک وسیلہ سمجھوان کی وجہ سے اصل مقصد کو کبھی اوجھل نہ ہونے دو۔خدا تعالیٰ کی توحید زمین میں پھیلانے کے لئے اپنی تمام طاقت سے کوشش کرو۔اس کے بندوں پر رحم کرو اور ان پر زبان ہاتھ یا کسی اور تدبیر سے ظلم نہ کرو اور مخلوق کی بھلائی کے لئے کوشش کرتے رہو۔‘‘

2۔1963ء کی تقریب اسناد پر فرمایا:

’’تمہیں تمہاری کامیابیاں مبارک ہوں مگر یہ کبھی نہ بھولنا کہ تمہاری یہ کامیابیاں زندگی کی ایک منزل کی انتہاء ہیں وہاں دوسری منزل کی ابتداء بھی ہے جہاں تم نے اپنے عمل کے جوہر دکھانے ہیں۔جہاں تم نے انسانی اقدار کو قائم کرنا اور با اخلاق انسان کی صفات کا مظاہر کرنا ہے اور جہاں تم نے (اگر خدا تمہیں توفیق دے) باخدا اور خدا نما انسان کے روپ میں دنیا میں جلوہ گر ہونا ہے ایسے مبارک وجود آج استثناء کا حکم رکھتے ہیں۔مگر حسنِ سیرت کے ہر خوبصورت پہلو کو عام کر کے اس استثناء کو قائدہ کلیہ کی شکل میں ڈھالنا تمہارا (جو تعلیم الاسلام کی پیداوار ہو) فرض ہے اور اس فرض سے تم سبکدوش نہیں ہو سکتے جب تک تم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس نصیحت کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل نہ بناؤ۔‘‘

3۔1964ء کی سالانہ تقریب اسناد پر بیش قیمت نصائح

آپ درسگاہ کی تعلیم سے فارغ ہو رہے ہیں مگر تعلیم سے فارغ نہیں ہو رہے۔علم ایک بحر بے کنار ہے۔اس لئے ایک انسان علم میں خواہ کس قدر ترقی کر جائے علم ختم نہیں ہوتا۔اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے (ترجمہ) کہہ دے کہ اگر سمندر کو سیاہی بنا کر اس سے خدا تعالیٰ کی معرفت کی باتیں،اس کے دیئے ہوئے علوم اور قدرت کے راز ضبط تحریر میں لانا چاہو تو ایک سمندر کیا ایک اور سمندر بھی لے آؤ تو وہ بھی ختم ہو جائے گا مگر خدا تعالیٰ کی باتیں

اوراس کے دیئے ہوئے علوم ختم نہ ہوں گے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور حضور کی اتباع میں ہر مسلمان کی زبان سے کہلوایا کہ رب زدنی علما اے اللہ مجھے اپنی معرفت اور علوم میں بڑھاتا چلا جا۔پس علم کبھی نہ ختم ہونے والی چیز ہے۔اس لئے تادم حیات علم کی جستجو میں رہیں اوراس کے حصول کے لئے ہمیشہ کوشاں رہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ کے ساتھ ہو۔''

4-مارچ 1965ء کی سالانہ تقریب کے موقع پر خطاب

''حقیقی علم کا ابدی چشمہ خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔سنی سنائی باتوں یا درسی کتب سے آپ نے جو کچھ بھی حاصل کیا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے گھڑے یا مشکیزے کا پانی جو اپنے سر چشمہ سے دور ہو جانے کی وجہ سے مرورِ زمانہ کے ساتھ متعفن، بدبودار اور مضرِ صحت ہو جاتا ہے۔اگر آپ علم سے محبت رکھتے ہو تو ضروری ہے کہ آپ کا تعلق علم کے حقیقی سر چشمہ سے ہمیشہ مضبوط رہے۔پس اپنی عقل اور علم پر تکیہ نہ کرو بلکہ ہمیشہ علاّمِ حقیقی کے آستانہ پر عاجزی اور انکساری کے ساتھ جھکے رہو تا اس تعلق کے طفیل تمہارے دلوں سے بھی ہمیشہ مصفیٰ، میٹھے اور لذیز علم کے چشمے پھوٹتے رہیں۔اگر تمہارا یہ تعلق اپنے رب سے جو خالقِ کل اور عالمِ کل ہے پختہ اور مضبوط رہا تو علم وحکمت کا ایسا خزانہ تمہیں ملے گا جو دنیا کی تمام دولتوں سے اشرف ہے۔دنیا کی دولت فانی ہے لیکن علم وحکمت کا جو خزانہ تمہیں ملے گا اس پر فنا نہیں آئے گی۔پس دعا اور عاجزی کے ساتھ اپنے محسن، اپنے رب سے بصیرت اور معرفت طلب کرتے رہو۔یہ بھی نہ بھولنا کہ انسان علم اس لئے حاصل کرتا ہے کہ اس سے فائدہ اُٹھائے اور دوسروں کی خدمت کرے۔حقیقی علم کے حصول کے بعد انسان ہزار برائیوں سے بچتا اور بے شمار نیکیوں کی توفیق پاتا ہے اور بڑا ہی بدبخت ہے وہ جسے معرفت تو عطا ہوئی، جس نے علم تو حاصل کیا مگر اس کے باوجود غفلت اور گمراہی ہی میں پڑا رہا۔نہ خود فائدہ اٹھایا اور نہ دوسروں کی خدمت کر سکا۔پس ہمیشہ عالمِ باعمل بننے کی کوشش کرو۔خدا تعالیٰ تمہارے ساتھ ہو اور اپنے سایہ رحمت میں ہمیشہ تمہیں رکھے۔''

کالج کے 21 سالہ دور (1944 تا1965ء) میں

دعاؤں کی برکت سے آسمانی نصرتوں کے روح پرور نظارے

حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحبؒ مئی 1944ء سے لے کر 7 نومبر 1965ء تک کالج کے سربراہ رہے۔ ازاں بعد خدائے عزوجل کی طرف سے آپ کو دنیا بھر کی تعلیم وتربیت اور راہ نمائی کے لئے منصب خلافت پر سرفراز فرمادیا گیا آپ کے اکیس سالہ تعمیری و اصلاحی دور قیادت میں اس درسگاہ نے انتہائی ناموافق اور پرخطر حالات اور بے حد مشکلات کے باوجود فقید المثال ترقی کی وہ بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند جلیل حضرت مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ السلام کی بیت الدعا والی دعاؤں کی قبولیت کا زبردست نشان ہے جو رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔ مگر ان دعاؤں کی تاثیرات کو کھینچ لانے میں سیدنا المصلح موعودؓ رضی اللہ عنہ کی رہنمائی، روحانی توجہ اور قوت قدسیہ کے ساتھ ساتھ حضرت صاحبزادہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ) کی ان درد وسوز میں ڈوبی ہوئی دعاؤں کا بھی یقیناً بھاری دخل ہے جو آپ ہمیشہ اس درسگاہ کے لئے کرتے رہے اور جن کے نتیجہ میں قدم قدم پر خدائی نصرتوں کا ظہور ہوا۔ اور جن کا ایمان افروز مختصر سا تذکرہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے اس کیا جاتا ہے۔

حضور رحمۃ اللہ علیہ نے 25 نومبر 1965ء کو اساتذہ وطلباء تعلیم الاسلام کالج کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ ”میں اس درسگاہ سے قبل مختلف ادوار سے گزرا ہوں ۔ طالب علمی کے زمانے میں پہلے میں نے قرآن کریم حفظ کیا۔ پھر دینی اور عربی تعلیم حاصل کی اور پھر دنیوی تعلیم کے حاصل کرنے کی کوشش کی ۔ گورنمنٹ کالج میں پڑھا۔ پھر انگلستان گیا اور آکسفورڈ میں بھی پڑھا۔ جب

میرا تعلیمی زمانہ ختم ہوا اور میں انگلستان سے واپس آیا تو حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے جامعہ احمدیہ میں بطور استاد لگا دیا۔اس وقت مجھے عربی تعلیم چھوڑے قریباً دس سال کا عرصہ گذر چکا تھا۔اس لئے میرے دماغ نے کچھ عجیب سی کیفیت محسوس کی ۔ کیونکہ وہ علوم جو میرے دماغ میں اب تازہ نہیں رہے تھے وہی علوم مجھے پڑھانے پر اب مقرر کر دیا گیا اور میں نے دل میں کہا کہ اللہ خیر کرے اور مجھے توفیق دے کہ میں اپنی ذمہ داری کو صحیح طور پر نبھا سکوں ۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مجھے جامعہ احمدیہ کا پرنسپل بنا دیا گیا۔اس وقت مجھے اللہ تعالیٰ کے پیار اور حسن کا عجیب تجربہ ہوا....اللہ تعالیٰ نے یہ فضل کیا کہ میری کلاس پہلی دفعہ یونیورسٹی میں گئی تو جہانتک مجھے یاد پڑتا ہے سارے کے سارے طلباء پاس ہو گئے ۔اس وقت مجھے اپنے رب کی قدرتوں کا مزید یقین ہوا۔اور میں سمجھا کہ علوم کا سیکھنا اور سکھانا بڑی حد تک اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے اور کمزور انسان ہونے کی حیثیت سے ہماری کوشش میں جو کمی رہ جاتی ہے اس کی کمی کو ہم دعاؤں سے پورا کر سکتے ہیں ۔ یہ تجربہ 1940-41ء سے اب تک مجھے رہا ہے ۔آپ جانتے ہیں کہ اس کالج میں بھی سب سے کم لیکچر دینے والا میں ہی تھا۔اگر دوسرے اساتذہ سوسو لیکچر دیتے تو میں چالیس پچاس سے زیادہ نہ دے سکتا تھا۔شاید کچھ اپنی غفلت کی وجہ سے اور کچھ اپنی دیگر ذمہ داریوں کی وجہ سے بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کے حضور دعائیں کرنے کی وجہ سے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل رہا ہے کہ جو پرچہ میں پڑھاتا رہا ہوں (اکنامس اور پولٹیکل سائنس پڑھائے ہیں) اس کے بڑے اچھے نتائج نکلتے رہے ہیں ۔ایک کلاس میری ایسی تھی کہ جس کے متعلق ایک دفعہ مجھ پر یہ اثر ہوا کہ میں نے کچھ حصے ان کو صحیح رنگ میں نہیں پڑھائے اور اس میں طلباء کمزور ہیں امتحان سے پندرہ بیس دن پہلے مجھے خیال آیا کہ ایک عنوان ایسا ہے کہ اگر میں اس کے متعلق ان کو نوٹ تیار کر دوں تو خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ طلباء بڑا اچھا نتیجہ نکال لیں گے چنانچہ میں نے ایک نوٹ تیار کیا اور کوشش کر کے میں خود طالب علموں کے پاس پہنچا اور ان کو کہا کہ اس کو یاد کر لو۔ چنانچہ جب پرچہ آیا تو اس میں

تین سوال ایسے تھے جو میرے اس نوٹ کے ساتھ تعلق رکھتے تھے اور چنانچہ وہ مختصر اور کمپری ہنسو (مکمل) تھا اور تازہ تازہ ان کے ذہن میں تھا۔اس لئے میرا خیال ہے کہ اس سال نصف سے زیادہ طلباء نے اس پرچہ میں فرسٹ ڈویژن حاصل کی۔اس طرح اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا۔پس میر ے اپنے سارے زمانے میں یہ تجربہ رہا ہے کہ جب ہم اپنے رب کی طرف عاجزی اور انکساری کے ساتھ جھکتے ہیں تو وہ اپنے فضل اور رحم کی بارشیں ہم پر کرتا ہے۔ ہمارا خدا بخیل نہیں بلکہ بڑا دیالو ہے اگر ہم کامیاب نہیں ہوتے تو اس کا سبب صرف یہ ہوتا ہے کہ ہم بعض دفعہ لاپروائی سے کام لیتے ہیں اور اس کی طرف جھکنے کی بجائے دوسرے دروازوں کو کھٹکھٹانے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ دروازے کھولے نہیں جاتے۔

تو اس زمانہ میں جب میں جامعہ احمدیہ میں تھا تو میں نے دل اور دماغ اس ادارے کو دے دیا تھا اور بڑی محنت سے اس کی نشوونما کی طرف توجہ کی تھی۔اور اس زمانے میں جب میں نے حساب لگایا تو مجھے اس بات سے بڑی خوشی ہوئی کہ پہلے یا دوسرے سال جتنے جامعہ احمدیہ کے واقفین زندگی تبلیغ اسلام کے میدان میں اُترے اس سے پہلے یا پانچ یا سات سال کے طلباء کی مجموعی تعداد بھی اتنی نہ تھی۔اور اس زمانے کے بہت سے طالب علم ہیں جو اس وقت تبلیغی میدان میں کام کر رہے ہیں۔

پھر 1944ء میں جب میں اپنی بیگم کی بیماری کی وجہ سے ان کے علاج کے لئے دہلی گیا ہوا تھا۔ اچانک ایک دن ڈاک میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط مجھے ملا کہ یہاں قادیان میں ایک کالج کھولنے کا فیصلہ ہوا ہے اور حضرت صاحب نے تمہیں اس کالج کا پرنسپل مقرر فرمایا ہے۔ میں بڑا پریشان ہوا کہ پہلے میں عربی قریباً بھول چکا تھا تو مجھے جامعہ میں لگا دیا گیا۔اب جب میرا ذہن کلی طور پر اس چیز کی طرف متوجہ ہو چکا ہے تو مجھے وہاں سے ٹرانسفر کر کے ایک انگریزی ادارے کا پرنسپل بنا دیا گیا ہے۔اس وقت ابھی صرف انٹرمیڈیٹ کالج میں تھا۔خیر خد اتعالیٰ سے دعا کی کہ وہ اس ذمہ داری کو بھی نبھانے کی توفیق دے اور ہماری کوششوں میں برکت

ڈالے۔ابتداء بالکل چھوٹے سے کام سے ہوئی۔اس جماعت پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس میں جو ساتھ ملتے ہیں وہ بڑے پیار سے کام کرنے والے اور تعاون کرنے والے ہوتے ہیں۔گو بہت سے میری طرح بالکل RAW (خام) تھے۔میں اس وجہ سے RAW تھا کہ اس میدان سے بالکل ہٹ چکا تھا اور عربی کی طرف متوجہ ہو چکا تھا اور اکثر ان میں سے وہ تھے جو ایم۔اے پاس کرتے ہی وہاں آ گئے تھے۔جنہیں کوئی تجربہ نہ تھا۔باقی سب RAW ہی تھے۔ہم نے جو کوششیں کیں وہ تو کیں۔ہمارے جو وسائل تھے شاید آپ ان کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ایک چھوٹی سی مثال سے اس کو واضح کر دیتا ہوں۔وہ یہ کہ ایک لمبے عرصے تک پرنسپل کے دفتر کے سامنے چق بھی نہ تھی۔دروازہ یونہی کھلا رہتا تھا۔پھر ان چقوں کے حصول کے لئے محترم قاضی محمد اسلم صاحب کو سپیشل سفارش کرنی پڑی۔تب جا کر اس دفتر کو چقیں نصیب ہوئیں اور ایک حد تک اطمینان اور پرائیویسی جو کام کرنے کے لئے ضروری ہوتی ہے میسر آئی۔پھر مالی لحاظ سے بھی خدا تعالیٰ کا میرے ساتھ عجیب سلوک رہا ہے کہ میں نے کبھی نہیں سوچا اور نہ دیکھا اور نہ پتا کیا کہ ہمارے کھاتوں میں کتنی رقم ہے۔ہمیشہ یہ سوچا کہ جو خرچہ آ پڑا ہے وہ ضروری ہے کہ نہیں اور اس خرچ میں کوئی فضول خرچی تو نہیں ناجائز حصہ تو نہیں۔اگر جائز ضرورت ہوئی تو یقین ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر رحم کرتے ہوئے اس جائز ضرورت کو پورا کرنے کی ذمہ داری لی ہوئی ہے۔پھر جب سال گذرتا،حساب کرتے تو ساری رقوم ایڈ جسٹ ہو جاتیں اور کبھی فکر یا تردّد کرنا نہیں پڑتا۔ورنہ یہ کالج جس میں آپ اس وقت بیٹھے ہیں کبھی نہ بنتا۔جب میں نے اس کالج کا نقشہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور پیش کیا تو آپ مسکرائے اور فرمایا کہ اتنا بڑا کالج بنانے کے لئے میرے پاس پیسے نہیں۔میں تمہیں ایک لاکھ روپیہ کالج کے لئے اور پچاس ہزار ہوسٹل کے لئے دے سکتا ہوں۔اور یہ نہیں کرنے دوں گا کہ کالج کی بنیادیں اس نقشہ کے مطابق بھر لو اور میرے پاس آ جاؤ کہ جی! آپ کا دیا ہوا لاکھ روپیہ خرچ ہو گیا ہے۔کالج کی صرف بنیادیں بھری گئی ہیں تکمیل کے لئے اور پیسے دے دو۔پس

انجینئر سے مشورہ کر کے اس نقشہ پر سرخ پنسل سے نشان لگواؤ کہ ایک لاکھ سے بلڈنگ کا اتنا حصہ بن جائے گا وہ میں نے تم سے بنا ہوا لینا ہے۔اس نے اس وقت جرائت سے کام لیتے ہوئے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ ٹھیک ہے میں حضور سے پیسے مانگنے نہیں آیا،نقشہ منظور کرانے آیا ہوں اس کے لئے حضور دعا فرمادیں۔میں لکیریں لگوا کر لے آؤں گا لیکن مجھے اجازت دی جائے کہ جماعت سے عطایا وصول کرسکوں۔حضور نے فرمایا۔ٹھیک ہے عطایا وصول کرو لیکن لکیریں ڈلوا کر لاؤ۔

میں نے نقشہ پر مشورہ کرنے کے بعد لکیریں ڈالیں۔پھر حضور کی خدمت میں پیش کیا۔تب حضور نے منظوری دی کہ کام شروع کردو۔لیکن اس کے بعد نہ مجھے یاد رہا کہ وہ لکیریں کس حصہ پر ڈالی گئی تھیں نہ حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ کہنے کی ضرورت پڑی کہ لکیریں کہیں اور ڈالی گئی تھیں اور کالج کا پھیلاؤ زیادہ ہوگیا ہے اور رقم کا مطالبہ کررہے ہو۔تو خدا تعالیٰ ہر مرحلہ پر آگے بڑھنے کی توفیق دیتا چلا گیا۔جب ہم ایک جگہ پہنچتے تو میں اپنے ساتھیوں کو جو تعمیر کررہے تھے کہہ دیتا کہ اگلا کام بھی شروع کرادو۔جب وہ حصہ بن جاتا تو میں کہتا کہ اب اگلا حصہ بھی بنالو۔میں شاہد ہوں اس بات کا اور بڑے یقین اور وثوق کے ساتھ آپ کو یہ بات بتارہا ہوں کہ آج تک مجھے (جو خرچ کرنے والا تھا) پتا نہیں کہ یہ رقم کہاں سے آئی جیسا کہ آپ جانتے ہیں سب آمد خزانہ میں جاتی ہے اور سب خرچ چیکوں کے ذریعہ ہوتا ہے لیکن کبھی ہم نے اس کو سمیٹا نہیں ۔یہ کالج کی عمارت،ہوسٹل اور دوسری بلڈنگیں ہیں وہ سب ملا کر ایک لاکھ مربع فٹ سے اوپر ہیں اور میرا اَرف اندازہ ہے کہ ان پر چھ سات لاکھ روپیہ کے درمیان خرچ آیا ہے۔بعض دفعہ اچھے پڑھے لکھے غیر از جماعت دوست آتے ہیں اور ان سے بات چیت ہوتی ہے تو وہ یقین نہیں کرتے کہ اتنی تھوڑی رقم میں اتنی بڑی عمارت کھڑی ہوسکتی ہے۔وہ سمجھتے ہیں کہ شاید ہم ان سے چالاکی کررہے ہیں،صحیح رقم بتانے کے لئے تیار نہیں۔تو جہاں تک ضروریات اور اسباب کا سوال ہے اللہ تعالیٰ نے 1944ء سے ہی اس ادارے پر اپنا خاص فضل کیا ہے اور اپنی رحمتوں کے سائے میں اسے رکھا ہے۔وہ ہماری کمزوریوں کو اپنی

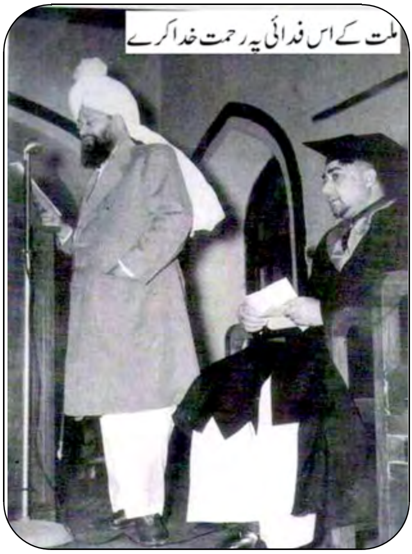
مغفرت کی چادر سے ڈھانپ لیتا ہے اور نتائج محض اس کے فضل سے اچھے نکلتے ہیں۔ میرے دل میں کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہوا۔ اور مجھے یقین ہے کہ میرے ساتھیوں کے دل میں بھی یہ خیال پیدا نہیں ہوا ہوگا کہ یہ سب کچھ ہماری کوشش کا نتیجہ ہے کیونکہ ہم اپنی کوشش کو خوب جانتے ہیں اور ہم سے زیادہ ہمارا رب جانتا ہے۔ جس ادارے پر اللہ تعالیٰ نے اس کثرت کے ساتھ اپنے فضل اور احسان کئے ہوں اس ادارہ کی طرف منسوب ہونے والے خواہ وہ پروفیسر ہوں یا طلباء ان سب کا فرض ہے کہ وہ ہر وقت اپنے رب کی حمد کرتے رہیں تا کہ اس کے فضلوں کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے۔ جہاں تک میرے جذبات کا سوال ہے کہ تو جو میرے جذبات پہلے جامعہ احمدیہ کے متعلق تھے وہی جذبات میرے دل میں اس ادارہ کے متعلق پیدا ہوئے اور میں نے اپنے دل کو، اپنے دماغ کو اور اپنے جسم کو اس ادارے کے لئے خدا کے حضور بطور وقف پیش کر دیا اور بڑی محبت اور پیار کے ساتھ اس کو چلانے کی کوشش کی اور ان طلباء کو جو یہاں تعلیم پاتے تھے میں نے اپنے بچوں سے زیادہ عزیز سمجھا۔

بیشک میں نے جہاں تک مناسب سمجھا سختی بھی کی۔ لیکن اس وقت سختی کی جب میں نے اسے اصلاح کا واحد ذریعہ پایا اور بعد میں مجھے اس دکھ کی وجہ سے راتوں جاگنا پڑا کہ کیوں میرے ایک بچہ نے مجھے اس سختی کے لئے مجبور کر دیا حتیٰ کہ مجھے یہ قدم اٹھانا پڑا کئی راتیں ہیں جو میں نے آپ کی خاطر جاگتے گزار دیں اور ہمیشہ ہی آپ کے لئے دعائیں کرتا رہا اور پھر میں نے اپنے رب کا پیار بھی محسوس کیا کہ وہ اپنے فضل سے میری اکثر دعائیں قبول کرتا رہا اور کبھی کسی موقع پر بھی میرے دل میں ناکامی، نامرادی یا ناامید کا خیال تک پیدا نہیں ہوا اور نہ ہی ان دلوں میں پیدا ہونا چاہیئے جنہوں نے اس کام کو کرنا ہے۔''

طلباء تعلیم الاسلام کالج سے

خلفائے احمدیت کے اہم خطابات وارشادات

خطاب سیدنا حضرت مصلح موعودؓ برموقع تعلیم الاسلام کالج کا پہلا جلسہ تقسیم اسناد



تعلیم الاسلام کالج کی پہلی کانووکیشن 2اپریل1950ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی زیر صدارت تعلیم الاسلام کالج لاہور کے ہال میں منعقد ہوئی۔حضورؓ نے طلباء کو جو نصائح فرمائیں وہ آج بھی ہر احمدی طالب علم کی یقینی کامیابی کی ضمانت ہے۔حضورؓ نے فرمایا:

''یہ نہ سمجھو کہ اب تعلیم مکمل ہوگئی ہے بلکہ اپنے علم کو باقاعدہ مطالعہ سے بڑھاتے رہو۔خدا تعالیٰ کے قانون کے مطابق سکون حاصل کرنے کی بالکل کوشش نہ کرو، بلکہ ایک نہ ختم ہونے والی جدوجہد کیلئے تیار ہوجاؤ اور قرآنی منشاء کے مطابق اپنا قدم آگے بڑھانے کی کوشش کرتے رہو۔

اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہو کہ وہ آپکو صحیح کام کرنے اور صحیح وقت پر کام کرنے اور صحیح ذرائع کو استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور پھر اس کام کے صحیح اور اعلیٰ سے اعلیٰ نتائج پیدا کرے۔یاد رکھو کہ تم پر صرف تمہارے نفس ہی کی ذمہ داری نہیں۔تم پر اس ادارے کی بھی ذمہ داری ہے جس

نے تمہیں تعلیم دی ہے۔ اور اس خاندان کی بھی ذمہ داری ہے جس نے تمہاری تعلیم پر خرچ کیا۔ خواہ بالواسطہ یا بلاواسطہ۔ اور تمہارے ملک کی بھی ذمہ داری ہے کہ جس نے تمہاری تعلیم کا انتظام کیا اور پھر تمہارے مذہب کی بھی ذمہ داری ہے۔

تمہارے تعلیمی ادارے کی جو تم پر ذمہ داری ہے وہ چاہتی ہے کہ تم اپنے علم کو زیادہ سے زیادہ اور اچھے سے اچھے طور پر استعمال کرو۔ یونیورسٹی کی تعلیم مقصود نہیں۔ وہ منزل مقصود کو طے کرنے کیلئے پہلا قدم ہے۔ یونیورسٹی تم کو جو ڈگریاں دیتی ہے وہ اپنی ذات میں کوئی قیمت نہیں رکھتیں بلکہ ان ڈگریوں کو تم اپنے آئندہ عمل سے قیمت بخشتے ہو۔ ڈگری صرف تعلیم کا ایک تخمینی وزن ہے۔ ایک تخمینی وزن ٹھیک بھی ہوسکتا ہے اور غلط بھی ہوسکتا ہے۔ محض کسی یونیورسٹی کے فرض کر لینے سے کہ تم کو علم کا ایک تخمینی وزن حاصل ہو گیا ہے، تم کو علم کا وہ فرضی درجہ نصیب نہیں ہوسکتا جس کے اظہار کی یونیورسٹی ڈگری کے ساتھ کوشش ہوتی ہے۔ اگر ایک یونیورسٹی سے نکلنے والے طالب علم اپنی آئندہ زندگی میں یہ بات ثابت کریں کہ جو تخمینی وزن ان کی تعلیم کا یونیورسٹی نے لگایا تھا ان کے پاس اس سے بھی زیادہ وزن کا علم موجود ہے تو دنیا میں اس یونیورسٹی کی عزت وقدر قائم ہو جائے گی۔ لیکن ڈگریاں حاصل کرنے والے طالب علم اپنی بعد کی زندگی میں یہ ثابت کر دیں کہ تعلیم کا جو تخمینی وزن ان کے دماغوں میں فرض کیا گیا تھا ان میں اس سے بہت کم درجے کی تعلیم پائی جاتی ہے تو یقیناً لوگ نتیجہ نکالیں گے کہ یونیورسٹی نے علم کی پیمائش کرنے غلطی سے کام لیا ہے۔

تمہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ یونیورسٹیاں اتنا طالب علم کو نہیں بناتیں جتنا طالب علم یونیورسٹیوں کو بناتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہہ لو کہ ڈگری سے طالب علم کی عزت نہیں ہوتی ہے۔ پس تمہیں اپنے پیمانۂ علم کو درست رکھنے بلکہ اس کو بڑھانے کی کوشش کرتے رہنا چاہیئے اور اپنے کالج کی تعلیم کو اپنی عمر کا پھل نہیں سمجھنا چاہیئے بلکہ اپنے علم کی کھیتی کا بیج تصور کرنا چاہیئے اور تمام ذرائع سے کام لیکر اس بیج کو زیادہ سے زیادہ بارآور کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیئے تاکہ اس کوشش کے نتیجے میں ان

ڈگریوں کی عزت بڑھے جو تم آج حاصل کر رہے ہو اور تمہاری قوم تم پر فخر کرنے کے قابل ہو۔

تم ایک نئے ملک کے شہری ہو۔ دنیا کی بڑی مملکتوں میں سے بظاہر ایک چھوٹی سی مملکت کے شہری ہو۔ تمہارا ملک مالدار ملک نہیں ہے، ایک غریب ملک ہے۔ دیر تک ایک غیر حکومت کی حفاظت میں امن اور سکون سے رہنے کے عادی ہو چکے ہو۔ سو تمہیں اخلاق اور کردار بدلنے ہوں گے۔ تمہیں اپنے ملک کی عزت اور ساکھ دنیا میں قائم کرنی ہوگی۔

تمہیں اپنے ملک کو دنیا میں روشناس کرانا ہوگا، ملکوں کی عزت کو قائم رکھنا بھی ایک بڑا دشوار کام ہے۔ لیکن ان کی عزت کو بنانا اس سے بھی دشوار کام ہے اور یہی دشوار کام تمہارے ذمہ ڈالا گیا ہے۔ تم ایک نئے ملک کی نئی پود ہو۔ تمہاری ذمہ داریاں پرانے ملکوں کی نئی نسلوں سے بہت زیادہ ہیں۔ انہیں ایک بنی ہوئی چیز ملتی ہے۔ انہیں آباء واجداد کی سنتیں یا روایتیں وراثت میں ملتی ہیں۔ مگر تمہارا یہ حال نہیں ہے۔ تم نے ملک بھی بنانا ہے اور تم نے نئی روایتیں بھی قائم کرنی ہے۔ ایسی روایتیں جن پر عزت اور کامیابی کے ساتھ آنے والی بہت سی نسلیں کام کرتی چلی جائیں۔ اور ان روایتوں کی راہنمائی میں اپنے مستقبل کو شاندار بناتی چلی جائیں۔ دوسرے ملکوں کے لوگ ایک اولاد ہیں مگر تم اس کے مقابلے میں ایک باپ کی حیثیت رکھتے ہو۔ وہ اپنے کاموں میں اپنے باپ دادوں کے دیکھتے ہیں۔ تم نے اپنے کاموں میں آئندہ نسلوں کو مدنظر رکھنا ہے۔ بے شک یہ کام مشکل ہے لیکن اتنا شاندار بھی ہے۔ اگر تم اپنے نفسوں کو قربان کر کے پاکستان کی عمارت کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دو گے تو تمہارا نام اس محبت اور عزت سے لیا جائے گا جس کی مثال آئندہ آنے والوں میں نہیں پائی جائے گی۔

پس میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی نئی منزل پر عزم، استقلال اور علو حوصلہ سے قدم مارو۔ قدم مارتے چلے جاؤ اور اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے قدم بڑھاتے چلے جاؤ کہ عالی ہمت نوجوانوں کی منزل اوّل بھی ہوتی ہے اور منزل دوئم بھی ہوتی ہے، منزل سوم بھی ہوتی ہے لیکن آخری منزل کوئی نہیں ہوا کرتی... ان کی منزل کا پہلا دور اسی وقت ختم ہوتا ہے جبکہ وہ کامیاب اور کامران ہو کر اپنے

پیدا کرنے والے کے سامنے حاضر ہوتے ہیں اور اپنی خدمت کی داد اس سے حاصل کرتے ہیں۔ وہ ایک ہی ہستی ہے جو کسی کی خدمت کی صحیح داد دے سکتی ہے۔ پس اے خدائے واحد کے منتخب کردہ نو جوانو! اسلام کے بہادر سپاہیو! ملک کی امید کے مرکزو! قوم کے سپوتو! آگے بڑھو کہ تمہارا خدا، تمہارا دین، تمہارا ملک اور تمہاری قوم محبت اور امید کے مخلوط جذبات سے تمہارے مستقبل کو دیکھ رہے ہیں۔" (الفضل 15 اپریل 1950ء)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کا

تعلیم الاسلام کالج سے روح پرور خطاب

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ جامعہ احمدیہ کے اساتذہ اور طلباء کو بیش قیمت نصائح کرنے کے بعد 25 نومبر 1965ء کو تعلیم الاسلام کالج میں بھی تشریف لے گئے اور اپنے روح پرور خطاب سے نوازا۔ اس روز حضور از راہ شفقت اساتذہ اور طلباء کی درخواست پر ٹھیک 11:30 بجے کالج میں تشریف لائے۔ مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ حضور انور کالج میں تشریف لائے تھے۔ اس کالج میں کہ جس کی ایک ایک اینٹ حضور کی نگرانی میں رکھی گئی تھی۔ اُس کالج میں کہ جس کی تعمیر کے وقت گرمیوں کی چلچلاتی دھوپ سے بے نیاز اور جاڑوں کی سرد یخ بستہ ہواؤں سے بے پروا ہو کر حضور چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے کام کی نگرانی خود فرمایا کرتے تھے۔ اُس وقت حضور کی تشریف آوری سے کالج کی فضا پر عجیب سرور و کیف کا عالم طاری تھا۔

ہال کے سامنے اساتذہ اور طلباء کے بعض نمائندوں نے حضور کا استقبال کیا اور مصافحہ کا شرف حاصل کیا اس کے بعد حضور کالج ہال میں تشریف لائے۔ جہاں طلباء اپنے محبوب آقا کے لیے چشم براہ

تھے۔حضور کے کرسی صدارت پر تشریف فرما ہونے کے بعد تلاوت کلام پاک سے اجلاس کا آغاز ہوا۔جس کے بعد مکرم پروفیسر میاں عطاء الرحمن صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج نے کالج کے اساتذہ اور طلباء کی طرف سے سپاسنامہ پیش کیا۔ازاں بعد حضور نے ایک روح پرور تقریر فرمائی۔

حضور انور نے اس خطاب میں نہایت بلیغ انداز میں زمانہ طالب علمی سے لیکر تعلیم الاسلام کالج کی سربراہی تک کے واقعات اور تعلّق باللہ کے ذاتی مشاہدات پر بصیرت افروز رنگ میں روشنی ڈالی۔چنانچہ فرمایا:

’’میں اس درس گاہ سے قبل مختلف دوروں سے گزرا ہوں۔طالب علمی کے زمانہ میں پہلے میں نے قرآن کریم حفظ کیا۔پھر دینی اور عربی تعلیم حاصل کی۔اور پھر دنیوی تعلیم کے حاصل کرنے کی کوشش کی۔گورنمنٹ کالج میں پڑھا۔پھر انگلستان گیا اور آکسفورڈ میں بھی پڑھا۔جب میرا تعلیمی زمانہ ختم ہوا اور میں انگلستان سے واپس آیا تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مجھے جامعہ احمدیہ میں بطور استاد کے لگادیا۔اس وقت مجھے عربی تعلیم چھوڑے قریباً دس سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔اس لیے میرے دماغ نے کچھ عجیب ہی کیفیت محسوس کی۔کیونکہ وہ علوم جو میرے دماغ میں اب تازہ نہیں رہے تھے۔وہی علوم مجھے پڑھانے پر مقرر کر دیا گیا۔اور میں نے دل میں کہا کہ اللہ خیر کرے اور مجھے توفیق دے کہ میں اپنی ذمہ داری کو صحیح طور پر نبھا سکوں۔تھوڑے ہی عرصہ بعد مجھے جامعہ احمدیہ کا پرنسپل بنادیا گیا۔اس وقت مجھے اللہ تعالیٰ کے پیار اور حسن کا عجیب تجربہ ہوا۔وہ یہ کہ مولوی فاضل میں ایک پرانا فلسفہ پڑھایا جاتا رہا ہے(شاید اب بھی پڑھایا جاتا ہے) آج سے ہزاروں سال پہلے اس دنیا کے متعلق انسانی دماغ جس طرح سوچتا رہا ہے وہی فکر و تدبر(بالفاظ دیگر فلسفہ) جن کتابوں میں درج کیا گیا ہے وہی مولوی فاضل کے کورس میں شامل تھیں اب دنیا بدل چکی،حقیقتیں نئے رنگ میں ہمارے سامنے آگئیں اس لیے اس زمانہ کے انسانی دماغ کی سوچ ہمارے دماغ قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔لیکن ان کو بطور حقائق کے پڑھایا جاتا تھا۔اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس

پرچہ کو جامعہ میں مشکل ترین پرچہ سمجھا جاتا تھا اور اکثر طلباء اس پرچہ میں فیل ہوجاتے تھے اپنے طالب علمی کے زمانہ میں بھی مَیں بڑا پریشان ہوتا تھا اور کڑھتا تھا کہ ایک چیز جو مشکل نہیں اسے مشکل ترین بنا دیا گیا ہے، کیونکہ آج آپ کسی بچے کو یہ کہیں کہ آسمان ٹھوس ہیں اور ان میں ستارے اس طرح ٹکے ہوئے ہیں جس طرح ایک دلہن کے دوپٹے پر سونے کے ستارے لگائے ہوتے ہیں۔ تو اگرچہ کتابی علوم پر اس بچے کو اتنا عبور نہ بھی ہو۔لیکن جس ماحول میں وہ پیدا ہوا اور اس نے پرورش پائی۔اس کی وجہ سے اس بچے کا دماغ بھی ان باتوں کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔

میں حیران ہوتا تھا کہ یہ ذرا سی مشکل ہے اور اس کے لیے تھوڑے سے زاویہ کو بدلنے کی ضرورت ہے۔مسئلہ حل ہوجاتا ہے کیوں استاد اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ چنانچہ جب میں پرنسپل بنا تو یہ پرچہ پڑھانے کا ذمہ میں نے خود لے لیا۔ ہمارے ایک بزرگ استاد تھے مولوی ارجمند خان صاحب آپ میں سے بھی اکثر انہیں جانتے ہیں کیونکہ وہ یہاں بھی کام کرتے رہے ہیں۔انہوں نے بڑی محنت سے ان کلاسز سے نوٹ تیار کئے تھے جنہیں ہمارے محترم بزرگ سید سرور شاہ صاحب یہ علم پڑھایا کرتے تھے،خان صاحب کا خیال یہ تھا کہ اگر کبھی موقع ملا تو وہ صحیح رنگ میں اس پرچہ کو پڑھایا کریں گے۔جب انہیں یہ پتا چلا کہ ایک نوجوان جوان مضامین سے دس سال تک آوٗٹ آف ٹچ (غیر متعلق) رہا ہے۔اب ہمارا پرنسپل لگا دیا گیا ہے۔اور پھر یہ جو فلسفہ کا مشکل ترین پرچہ ہے اس نے خود اپنے ذمہ لے لیا ہے تو وہ کچھ گھبرائے۔اور ایک دفعہ مجھے ملے تو کہنے لگے میاں صاحب! آپ نے کیا ظلم کیا ہے یہ پرچہ آپ کیسے پڑھائیں گے۔میں نے اس علم کے متعلق بڑی محنت سے نوٹ تیار کئے ہیں۔آپ یہ پرچہ مجھے دے دیں۔میں نے کہا نہیں میں نے نیت کر لی ہے کہ یہ پرچہ میں خود ہی پڑھاؤں گا باقی دیکھیں کہ اب اللہ تعالیٰ کیا کرتا ہے۔ چنانچہ جب فلسفہ کا مضمون میں نے پڑھانا شروع کیا تو مجھے طلباء کو صرف یہ بات سمجھانے کے لیے کہ یہ مضمون آسان ترین مضمون ہے دو تین لیکچر دینے پڑے اور بتایا کہ یہ فلسفہ کا مضمون نہیں بلکہ تاریخ

فلسفہ کا مضمون ہے جو آپ لوگ یہاں پڑھتے ہیں اور آپ کو اس امر کے معلوم کرنے کی کوشش کی ضرورت نہیں کہ آسمان ٹھوس ہے یا نہیں بلکہ صرف اتنا سمجھنا ہے کہ انسانی دماغ پر ایک دور ایسا بھی گزرا ہے کہ جس میں وہ ان باتوں کو صحیح تسلیم کرتا تھا۔لیکن بعد میں جب سائنس اور دیگر علوم نے ترقی کی اور ساتھ ہی انڈسٹری نے بھی ترقی کی۔اور وہ دُوربینیں جن تک پہلے کی تخیل کی رسائی نہ تھی بننے لگیں اور انسان کو اس عالم کے متعلق نئے نئے انکشاف ہوئے تو اسے یقین ہو گیا کہ وہ پُرانے خیالات ان نئے علوم میں فٹ ان (fit in) نہیں کرتے لیکن پہلے زمانہ میں لوگ اسی طرح سوچا کرتے تھے۔پس اس رنگ میں مَیں نے انہیں وہ فلسفہ پڑھایا۔

اسی طرح منطق کے متعلق میں نے انہیں کہا کہ اصطلاحیں ہیں اور کوئی چیز نہیں اگر منطق واقعی اس طریق فکر کا نام ہے جس کے مطابق ہمارا دماغ کام کرتا ہے اور اصطلاحوں میں طریقِ بیان کا نام ہے تو ایک بچہ بھی اسی طرح سے سوچتا ہے۔اگر ایک بچہ کے سامنے دو چیزیں رکھی جائیں خواہ وہ گنتی نہ جانتا ہو اور خواہ زبان سے چار نہ کہہ سکے لیکن اس کی سمجھ اور عقل میں یہی ہوگا کہ یہ چار چیزیں ہیں یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ انہیں چار کی بجائے آٹھ سمجھنے لگ جائے۔تو دن رات صبح شام ہمارا دماغ ان طریقوں پر کام کرتا ہے۔صرف ہم نے کچھ اصطلاحیں بنالی ہیں اور اس علم کو منطق کا نام دے دیا ہے۔اس میں کوئی مشکل نہیں ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے یہ فضل کیا کہ میری کلاس جب پہلی دفعہ یونیورسٹی میں گئی تو جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے سارے کے سارے طلباء پاس ہو گئے اس وقت مجھے اپنے رب کی قُدرتوں کا مزید یقین ہوا اور میں نے سمجھا کہ علوم کا سیکھنا اور سکھانا بہت حد تک اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے اور کمزور انسان ہونے کی حیثیت سے ہماری کوششوں میں جو کمی رہ جاتی ہے۔اس کمی کو ہم اپنی دعاؤں سے پورا کر سکتے ہیں۔یہ تجربہ 41۔1940ء سے اب تک مجھے رہا ہے۔آپ جانتے ہیں کہ اس کالج میں بھی سب سے کم لیکچر دینے والا میں ہی تھا۔اگر دوسرے اساتذہ سو سو لیکچر دیتے تو میں چالیس

پچاس سے زیادہ لیکچر نہ دے سکتا تھا۔ شاید کچھ غفلت کی وجہ سے اور کچھ اپنی دیگر ذمہ داریوں کی وجہ سے۔ بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کے حضور دعائیں کرنے کی وجہ سے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل رہا ہے کہ جو پرچہ بھی میں پڑھاتا رہا ہوں (اکنامکس اور پولیٹیکل سائنس پڑھاتے تھے) اس کے بڑے اچھے نتائج نکلتے رہے ہیں ایک کلاس میری ایسی تھی کہ جس کے متعلق ایک دفعہ مجھ پر یہ اثر ہوا کہ میں نے کچھ حصّے اس کو صحیح رنگ میں نہیں پڑھائے اور اس میں طلباء کمزور ہیں۔ امتحان سے پندرہ بیس دن پہلے مجھے خیال آیا کہ ایک عنوان ایسا ہے کہ اگر میں اس کے متعلق ان کو نوٹ تیار کر کے دے دوں تو خدا کے فضل سے یہ طلباء بڑا اچھا نتیجہ نکال لیں گے۔ چنانچہ میں نے ایک نوٹ تیار کیا اور کوشش کر کے میں نے خود طالب علموں کے پاس پہنچایا اور ان کو کہا کہ اس کو یاد کرلو۔ چنانچہ جب پرچہ آیا تو اس میں تین سوال ایسے تھے جو میرے اس نوٹ کے ساتھ تعلق رکھتے تھے اور چونکہ وہ مختصر اور کمپری ہینسو (مکمل) تھا اور تازہ تازہ ان کے ذہن میں تھا اس لیے میرا خیال ہے کہ اس سال نصف سے زیادہ طلباء نے اس پرچہ میں فرسٹ ڈویژن حاصل کی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے فضل فرما دیا۔

پس میرا اپنے سارے زمانہ میں یہ تجربہ رہا ہے کہ جب ہم اپنے رب کی طرف عاجزی اور انکساری کے ساتھ جُھکتے ہیں تو وہ اپنے فضل اور رحم کی بارشیں ہم پر کرتا ہے۔ ہمارا خدا بخیل نہیں بلکہ بڑا دیالو خدا ہے۔ اگر کبھی ہم کامیاب نہیں ہوتے تو اس کا سبب صرف یہ ہوتا ہے کہ ہم بعض دفعہ لاپرواہی سے کام لیتے ہیں اور اس کی طرف جُھکنے کی بجائے دوسرے دروازوں کو کھٹکھٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور وہ دروازے کھولے نہیں جاتے۔ تو اُس زمانہ میں جب میں جامعہ میں تھا میں نے اپنا دل و دماغ اس ادارے کو دے دیا تھا اور بڑی محنت سے اس کی نشوونما کی طرف توجہ کی تھی اور اس زمانہ میں جب میں نے حساب لگایا تو مجھے اس بات سے بڑی خوشی ہوئی کہ پہلے یا دوسرے سال جتنے جامعہ احمدیہ کے واقفین زندگی تبلیغ اسلام کے میدان میں اُترے اس سے پہلے پانچ یا

سات سال کے طلباء کی مجموعی تعداد بھی اتنی نہ تھی۔ اوراس زمانہ کے بہت سے طالب علم ہیں جو اس وقت تبلیغی میدان میں کام کرر ہے ہیں۔

پھر 1944ء میں جب میں اپنی بیگم کی بیماری کی وجہ سے ان کے علاج کے لیے دہلی گیا ہوا تھا اچانک ایک دن ڈاک میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کا خط مجھے ملا کہ یہاں قادیان میں ایک کالج کھولنے کا فیصلہ ہوا ہے اور حضرت صاحب نے تمہیں اس کالج کا پرنسپل مقرر فرمایا ہے۔ میں بڑا پریشان ہوا کہ پہلے جب میں عربی قریباً بھول چکا تھا مجھے جامعہ میں لگا دیا گیا اب جب میرا ذہن کلّی طور پر اس چیز کی طرف متوجہ ہو چکا ہے تو مجھے وہاں سے ٹرانسفر کر کے ایک انگریزی ادارے کا پرنسپل بنا دیا گیا۔ اس وقت صرف انٹرمیڈیٹ کالج تھا۔ خیر خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ اس ذمہ داری کو بھی نبھانے کی توفیق دے۔ اور ہماری کوششوں میں برکت ڈالے۔ ابتداء بالکل چھوٹے سے کام سے ہوئی۔ اس جماعت پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس میں جو ساتھی ملتے ہیں وہ بڑے پیار سے کام کرنے والے اور تعاون کرنے والے ہوتے ہیں۔ گو بہت سے میری طرح بالکل raw (خام) تھے۔ میں اس وجہ سے raw تھا کہ اس میدان سے بالکل ہٹ چکا تھا۔ اور عربی کی طرف متوجہ ہو چکا تھا اور اکثر ان میں سے وہ تھے جو ایم اے پاس کرتے ہی وہاں آ گئے تھے۔ انہیں کوئی تجربہ نہ تھا بلکہ صرف آپ کے افیشیئیٹنگ پرنسپل میاں عطاء الرحمن صاحب ہی ہیں جنہیں کچھ تجربہ تھا۔ باقی سب raw ہی تھے۔ ہم نے جو کوششیں کیں وہ تو کیں ہمارے جو وسائل تھے شاید آپ ان کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔

ایک چھوٹی سی مثال سے اس کو واضح کر دیتا ہوں وہ یہ کہ ایک لمبے عرصہ تک پرنسپل کے دفتر کے سامنے چک بھی نہ تھی۔ دروازہ یونہی کُھلا رہتا تھا۔ پھر ان چکوں کے حصول کے لیے محترم قاضی محمد اسلم صاحب کو سپیشل سفارش کرنی پڑی تب جا کر اس دفتر کو چکیں نصیب ہوئیں اور ایک حد تک اطمینان اور پرائیویسی جو کام کرنے کے لیے ضروری ہوتی ہے میسر آئی۔

پھر مالی لحاظ سے بھی خُدا تعالیٰ کا میرے ساتھ عجیب سلوک رہا ہے کہ میں نے کبھی نہیں سوچا اور نہ دیکھا اور نہ پتا کیا کہ ہمارے کھاتوں میں کتنی رقم ہے۔ ہمیشہ یہ سوچا کہ جو خرچ آ پڑا ہے وہ ضروری ہے کہ نہیں۔ اور اس خرچ میں کوئی فضول خرچی تو نہیں، ناجائز حصّہ تو نہیں۔ اگر جائز ضرورت ہوتی تو پھر یقین ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر رحم کرتے ہوئے اس جائز ضرورت کو پورا کرنے کی ذمہ داری لی ہوئی ہے۔ پھر جب سال گزرتا حساب کرتے تو ساری رقوم ایڈجیسٹ ہو جاتیں اور کبھی فکر یا تردّد کرنا نہیں پڑا۔ ورنہ یہ کالج جس میں آپ اس وقت بیٹھے ہیں کبھی نہ بنتا۔

جب میں نے اس کالج کا نقشہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے حضور پیش کیا تو آپ مُسکرائے اور فرمایا کہ اتنا بڑا کالج بنانے کے لیے میرے پاس پیسے نہیں۔ میں تمہیں ایک لاکھ روپیہ کالج کے لیے اور پچاس ہزار روپیہ ہوسٹل کے لیے دے سکتا ہوں اور یہ نہیں کرنے دونگا کہ کالج کی بنیادیں اس نقشہ کے مطابق بھرلو اور پھر میرے پاس آجاؤ کہ جی! آپ کا دیا ہوا لاکھ روپیہ خرچ ہو گیا ہے۔ کالج کی صرف بنیادیں بھری گئی ہیں۔ تکمیل کے لیے اور پیسے دو۔

پس انجینئر سے مشورہ کر کے اس نقشہ پر سُرخ پنسل سے نشان لگواؤ کہ ایک لاکھ سے بلڈنگ کا اتنا حصہ بن جائے گا۔ وہ میں نے تم سے بنا ہوا لے لینا ہے۔ میں نے اس وقت جُرأت سے کام لیتے ہوئے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ ٹھیک ہے۔ میں حضور سے پیسے مانگنے نہیں آیا نقشہ منظور کرانے آیا ہوں اس کے لیے حضور دعا فرماویں۔ میں لکیریں لگوا کر لے آؤں گا لیکن مجھے اجازت دی جائے کہ جماعت سے عطایا وصول کرسکوں۔ حضور نے فرمایا: ٹھیک ہے عطایا وصول کرو لیکن وہ لکیریں ڈلوا کر لاؤ۔ میں نے نقشہ پر مشورہ کرنے کے بعد لکیریں ڈالیں پھر حضور نے منظوری دی کہ کام شروع کردو لیکن اس کے بعد نہ مجھے یاد رہا کہ وہ لکیریں کس حصّہ پر ڈالی گئی تھیں نہ حضور کو یہ کہنے کی ضرورت پڑی کہ لکیریں کہیں اور ڈالی گئی تھیں اور کالج کا پھیلاؤ زیادہ ہو گیا ہے اور رقم کا مطالبہ کر رہے ہو۔

تو اللہ تعالیٰ ہر مرحلہ پر آگے بڑھنے کی توفیق دیتا چلا گیا۔ جب ہم ایک جگہ پہنچتے تو میں اپنے ساتھیوں کو جو تعمیر کا کام کر رہے تھے کہہ دیتا کہ اگلا کام بھی شروع کرا دو جب وہ حصہ بن جاتا تو پھر میں کہتا کہ اب اگلا حصّہ بھی بنا لو۔ میں شاہد ہوں اِس بات کا اور پورے یقین اور وثوق کے ساتھ آپ کو یہ بات بتا رہا ہوں کہ آج تک مجھے (جو خرچ کرنے والا تھا) پتا نہیں کہ یہ رقم کہاں سے آئی۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں۔ سب آمد خزانہ میں جاتی ہے اور سب خرچ چیکوں کے ذریعہ ہوتا ہے لیکن کبھی ہم نے اس کو سمیٹا نہیں۔ یہ کالج کی عمارت ہوسٹل اور دوسری جو بلڈنگیں ہیں وہ سب ملا کر ایک لاکھ مربع فٹ سے اوپر ہیں۔ اور میرا ارف اندازہ ہے کہ ان پر چھ اور سات لاکھ روپیہ کے درمیان خرچ آیا ہے۔ بعض دفعہ اچھے پڑھے لکھے غیر از جماعت دوست آتے ہیں اور ان سے بات چیت ہوتی ہے تو وہ یقین نہیں کرتے کہ اتنی تھوڑی رقم میں اتنی بڑی عمارت کھڑی ہو سکتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شاید ہم ان سے کوئی چالا کی کر رہے ہیں صحیح رقم بتانے کے لیے تیار نہیں۔

تو جہاں تک ضروریات اور اسباب کا سوال ہے اللہ تعالیٰ نے 1944ء سے ہی اس ادارے پر اپنا خاص فضل کیا ہے اور اپنی رحمتوں کے سائے میں اسے رکھا ہے۔ وہ ہماری کمزوریوں کو اپنی مغفرت کی چادر سے ڈھانپ دیتا ہے اور نتائج محض اس کے فضل سے اچھے نکلتے ہیں۔ میرے دل میں کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہوا۔ اور مجھے یقین ہے کہ میرے ساتھیوں کے دل میں بھی کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہوا ہوگا کہ یہ سب کچھ ہماری کوششوں کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ ہم اپنی کوششوں کو خوب جانتے ہیں اور ہم سے زیادہ ہمارا رب جانتا ہے جس ادارے پر اللہ تعالیٰ نے اس کثرت کے ساتھ اپنے فضل اور احسان کئے ہوں اس ادارہ کی طرف منسوب ہونے والے خواہ وہ پروفیسر ہوں یا طلباء، ان سب کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر وقت اپنے رب کی حمد کرتے رہیں تا کہ اس کے فضلوں کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے۔

جہاں تک میرے جذبات کا سوال ہے تو جو میرے جذبات پہلے جامعہ احمدیہ کے متعلق تھے

وہی جذبات میرے دل میں اِس ادارہ کے متعلق پیدا ہوئے اور میں نے اپنے دل کو، اپنے دماغ کو اور اپنے جسم کو اس ادارہ کے لیے خدا کے حضور بطور وقف پیش کر دیا اور بڑی محبت اور پیار کے ساتھ اس کو چلانے کی کوشش کی۔ اور ان طلباء کو جو یہاں تعلیم پاتے تھے میں نے اپنے بچوں سے زیادہ عزیز سمجھا۔ بے شک میں نے جہاں تک مناسب سمجھا سختی بھی کی لیکن اس وقت سختی کی جب میں نے اسے اصلاح کا واحد ذریعہ پایا اور بعد میں مجھے اس دکھ کی وجہ سے راتوں جاگنا پڑا کہ کیوں میرے ایک بچے نے مجھے اس سختی کے لیے مجبور کر دیا حتّٰی کہ مجھے یہ قدم اٹھانا پڑا۔ کئی راتیں ہیں جو میں نے آپ کی خاطر جاگتے گزار دیں اور ہمیشہ ہی آپ کے لیے دُعائیں کرتا رہا۔ اور پھر میں نے اپنے رب کا پیار بھی محسوس کیا کیونکہ وہ اپنے فضل سے میری اکثر دُعائیں قبول کرتا رہا اور کبھی کسی موقع پر بھی میرے دل میں ناکامی و نامرادی یا ناامیدی کا خیال تک پیدا نہیں ہوا اور نہ ہی اُن دلوں میں پیدا ہونا چاہیئے جنہوں نے اس کام کو کرنا ہے۔

میری ایک ہی خواہش ہے اور ایک ہی تڑپ ہے وہ یہ کہ آپ اپنے دلوں کی کھڑکیاں اپنے رب کی طرف کھولیں اور اسی کی محبت اپنے دلوں میں پیدا کریں اور ضرورت اور احتیاج کے وقت اسی کی طرف رجوع کریں ہمارا خدا زندہ خدا ہے اور بڑی طاقتوں والا ہے۔ اگر آپ کے دل اس نہج پر نشوونما پانے لگیں تو پھر ساری دُنیا آپ کے قدموں پر آ گرے گی۔ مگر پھر بھی آپ اس پر کوئی فخر نہ کریں گے کیونکہ جو چیز آپ کو مل چکی ہوگی وہ ساری دنیا اور اس کے تمام مال و اسباب سے زیادہ قیمتی ہوگی۔"

(تاریخ احمدیت جلد 23 صفحہ 300 تا 308)

ہمارے تعلیم الاسلام کالج کی روایات

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

ہمارے پیارے امام سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے تعلیم الاسلام اولڈ ایسوسی ایشن برطانیہ کی جانبسے رسالہ ''المنار'' کے نام سے انٹرنیٹ گزٹ جاری کرنے کے موقع پر جو ایمان افروز پیغام مرحمت فرمایا تھا اُس کا ایک حصہ قارئین کے افادہ کے لئے رسالہ المنار کے شکریہ کے ساتھ پیش خدمت ہے۔حضور انور نے فرمایا::

''ہمارے تعلیم الاسلام کالج کی اپنی روایات تھیں۔اس میں احمدی بھی پڑھتے تھے اور غیر از جماعت بھی پڑھتے تھے لیکن وہ سب بڑے پیار اور محبت سے وہاں رہتے اور تعلیم حاصل کرتے تھے۔کسی قسم کی کوئی فرقہ واریت نہیں تھی۔کالج کا سارا ماحول ہمیشہ محبتوں سے معمور رہتا تھا اور ایک ایسا علمی گہوارہ تھا جہاں سے سبھی بلاتمیز فیض پاتے تھے۔تعلیم الاسلام کالج کے پڑھے ہوئے طلبا آج بھی کوئی پیغام بھیجیں تو یہی ان کا پیغام ہوتا ہے کہ وہاں ہر طرف پیار ہی پیار تھا اور یہی وہ چیز ہے جس کی آج ضرورت ہے۔نفرتوں کے ماحول میں محبتوں کی ترویج وقت کا تقاضہ ہے اور اس کے طلبا میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ اپنے اپنے ماحول میں اسی پیار و محبت کو پھیلائیں جو انہوں نے وہاں سے سیکھا اور پایا تا کہ وہ انسانی قدریں پھر سے بحال ہوں جس کا ہم نے اس درس گاہ کے ماحول میں ہمیشہ مشاہدہ کیا۔اس دور کے احمدی سٹوڈنٹس کے اگر آج بھی بعض غیر احمدیوں سے رابطے اور تعلقات ہوں تو انہیں چاہیے کہ وہ مزید آگے قدم بڑھائیں اور انہیں اس پیار اور محبت کی طرف بلائیں جو اس مادر علمی کا حقیقی اثاثہ ہے۔اس سے کچھ نہ کچھ انسانی قدریں تو پامال ہونے سے بچیں گی۔اور یقیناً ایک اچھے ماحول کی ترویج ہوگی۔اللہ توفیق دے۔آمین۔'' (المنار جنوری 2011ء)

ارشادات حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

برموقع تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن لندن

(بیان فرمودہ مؤرخہ 24 ستمبر 2011ء)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے دورہ یورپ کے دوران 24 ستمبر 2011ء کو جرمنی میں تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کے اجلاس سے میں خطاب فرمایا۔ حضور کے یہ ارشادات جملہ ممبران ایسوسی ایشن کے لئے مشعل راہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان ارشادات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

ایک لمبے عرصہ سے، (لمبے عرصہ سے مراد ہے) کہ جب سے اس ایسوسی ایشن کا آغاز ہوا اس کے بعد جب بھی میرا جرمنی کا دورہ ہوتا تھا تو مکرم عرفان خان صاحب کی طرف سے اور چودھری صاحب کی طرف سے ہمیشہ یہی مطالبہ ہوتا تھا کہ ہم آپ کے ساتھ ایک میٹنگ کرنا چاہتے ہیں، اکٹھے ہونا چاہتے ہیں، get together کرنا چاہتے ہیں، لیکن بہرحال بعض وجوہات کی وجہ سے، مصروفیات کی وجہ سے وقت نہیں ملتا رہا، آخر آج انہوں نے مجھے قابو کر لیا ہے اور کیونکہ اس دفعہ کچھ نسبتاً لمبا دورہ تھا اس لئے کسی قسم کا عذر نہیں تھا۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا: ایسوسی ایشن کو قائم ہوئے چھ سال ہوئے ہیں۔ انسانی زندگی کے لحاظ سے تو یہ ابھی نوزائیدہ بچہ کی طرح تھی جو چند مہینے کا ہوتا ہے جو تین چار

سال تک infant کہلاتا ہے بلکہ اس سے نکل کے اب بچپنے میں تو داخل ہو گئی ہے لیکن یہ بچپنا ان لوگوں کا ہے جنکی داڑھیاں بھی سفید ہو چکی ہیں، اس لئے آپ کا جو معیار ہے وہ بچپنے کا معیار نہیں رہنا چاہئے بلکہ اس چھ سال میں آپ کو بہت آگے بڑھ جانا چاہئے تھا، گویا یہ کہہ لیں کہ بوڑھے لوگوں کی ایک تنظیم کا ابتدائی دور ہے یا بوڑھے لوگوں کا بچپنا ہے۔ اور اللہ کے فضل سے اس وقت یہاں جو بیٹھے ہوئے ہیں ان میں سے فضل الٰہی انوری صاحب شاید طالب علم رہے ہیں میرا خیال ہے کہ یہ سب سے بڑی عمر کے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ذہنی لحاظ سے بالکل alert ہیں۔ تو یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ آپ لوگ اس عمر کو پہنچ گئے ہیں جس کا قرآن کریم میں ارذل العمر کا بیان ہوا ہے کہ انسان جب ایسی عمر کو پہنچ جاتا ہے، جہاں پھر بچپنے کی طرف واپسی شروع ہو جاتی ہے۔ لیکن بعض کام جو ہونے چاہئے تھے جیسا کہ انہوں نے رپورٹ میں کہا اور جو وعدے تھے جو جذبہ تھا اس کو قائم نہیں رکھا جا سکا اور نہ صدر نہ انتظامیہ قائم رکھ سکتی ہے جب تک ہر ممبر میں ایک جوش اور جذبہ نہ ہو۔

حضور انور نے فرمایا: تعلیم الاسلام کالج ایک وہ درسگاہ تھی جب تک جماعت کے پاس رہی اور خاص طور پر اس زمانہ کے لوگ جنہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کے دور میں اس میں وقت گزارا کہ کس طرح ماں سے بڑھ کر اس درسگاہ نے ہمیں سنبھالا۔ پس اس درسگاہ کا یہ حق بنتا ہے کہ اس میں پڑھنے والے طلباء وہ لوگ جنہوں نے اس کے نام پہ ایک ایسوسی ایشن قائم کی ہے اس کی لاج رکھتے ہوئے جو بھی منصوبے آپ نے بنائے ہیں اس کے پورا کرنے میں بھر پور کردار ادا کریں۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا: عرفان صاحب سے میں پوچھ رہا تھا، ان کے مطابق تو یہاں ٹی آئی کالج کے پڑھے ہوئے جتنے لوگ ہیں، سٹوڈنٹس ہیں، انہوں نے ابھی پوری طرح ممبر شپ بھی نہیں لی اور جو ممبر ہیں وہ بھی اس طرح active نہیں جس طرح ہونے چاہئیں۔ آپ اس ایسوسی ایشن کے بنانے میں pioneer ہیں اور آپ کی دیکھا دیکھی یوکے میں بھی

ایسوسی ایشن قائم ہوئی۔ یو کے میں پہلے کچھ قائم ہوئی پھر اسکا بھی وہی حال ہوا، بننے کے سال دو سال بعد وہ dormant ہو گئی۔ پھر نئے سرے سے ان کو جوش آیا اور آج سے دو سال پہلے جو دوبارہ جوش ان کو آیا۔ اس میں بعض کام انہوں نے بڑے اچھے کئے ہیں۔ اسی طرح امریکہ میں اسی طرح کینیڈا میں تو سب لوگ آپ کی دیکھا دیکھی ایسوسی ایشن قائم کرنا چاہتے ہیں۔

حضور انور نے فرمایا: پس یہ شکوہ جو انتظامیہ کو اپنے ممبران سے ہے اس کو دور کرنے کی کوشش کریں تبھی ہم اس ایسوسی ایشن کو اس نہج پہ چلا سکتے ہیں، ان مقاصد کو پورا کر سکتے ہیں جس کے لئے آپ نے یہ ایسوسی ایشن بنائی ہے۔ اگر تو صرف get together ہے تو پھر تو سال میں ایک دفعہ پانچ دس یورو contribute کر کے آپ ایک دعوت کر سکتے ہیں، اور دو چار شعر سنائے، کچھ باتیں کی، کچھ کہانیاں سنیں، کچھ سنائیں، اور مجلس برخاست ہو گئی، تو اس کا تو کوئی فائدہ نہیں۔ فائدہ تو تبھی ہے جب کسی مقصد کو پورا کرنے کے لیے آپ اس ایسوسی ایشن کو ذریعہ بنائیں اور آپ کے مقاصد ایسے تھے جو شروع میں بیان کئے گئے۔ جس جذبہ کے ساتھ یہ ایسوسی ایشن شروع کی گئی میرا خیال تھا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اچھا کردار ادا کریں گے۔ ایک تو organize ہو کے، کالج کی اپنی ایک انفرادیت قائم ہو جائیگی۔ آپ کے بچوں کو بھی پتا لگے گا کہ ہم لوگ کس طرح اپنی اس درس گاہ کی روایات کی حفاظت کرنے والے ہیں جس نے ہمیں ماں کی طرح پالا اور کیا کیا ذمہ داریاں ہمارے پہ ہیں جن کو ہم نے پورا کرنا ہے۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا: عرفان صاحب نے اپنی رپورٹ میں کہا کہ باوجود ہمارے توجہ دلانے کے کہ بچوں کو ساتھ لے کے آئیں، نہیں آتے رہے، لیکن آج جو مجھے نوجوان چہرے نظر آرہے ہیں اگر وہ یہاں کے، خود اپنی مرضی سے آئے ہوئے بچے نہیں ہیں اور نوجوان نہیں ہیں اور old students کے بچے ہی ہیں تو ان نوجوانوں کی تعداد مجھے بوڑھوں سے زیادہ نظر آرہی ہے۔ پرانے طلباء سے زیادہ نظر آرہی ہے۔ پس ان میں شوق پیدا کرنے کے لئے

ان کی پسند کے بھی کوئی پروگرام بنانے چاہئیں تا کہ ان کو بھی احساس رہے کہ جو نیکیاں ہمارے بڑوں نے جاری رکھنے کا عہد کیا ہے اس کو ہم نے بھی پورا کرتے رہنا ہے۔

حضورانور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

چودھری حمید صاحب نے بتایا اسی طرح عرفان صاحب نے بھی رپورٹ میں پیش کیا کہ نظارت تعلیم کو بچوں کی فیس کے لئے آپ نے ایک وظیفہ مقرر کیا تھا دس طلباء کو ہم خرچ دیں گے۔ آپ کو باہر رہتے ہوئے یہ اندازہ نہیں جیسا کہ چوہدری حمید صاحب نے بھی بیان کیا کہ شاید دگنی فیس ہوگئی ہو۔ ان ملکوں میں رہتے ہوئے جب آپ دیکھتے ہیں inflation rate اتنا بڑھ گیا ہے، تو جو غریب ملک ہیں اور خاص طور پر پاکستان جیسا ملک جہاں ارباب حکومت جو ہیں ان کا کام صرف اپنی جیبیں بھرنا اور قوم کے خزانے خالی کرنا ہے، کوئی توجہ نہیں دینا ہے، وہاں تو economy کا بہت برا حال ہے۔ اور وہی بچہ عام پرائمری اسکول میں جس کا خرچ آج سے چھ سات سال پہلے دس سال پہلے، زیادہ سے زیادہ پانچ چھ سو روپے ہوا کرتا تھا وہ آج چھ سات ہزار روپے ہوتا ہے۔ بہرحال کل پرسوں میں ڈاک میں دیکھ رہا تھا نظارت تعلیم کا خط مجھے آیا اور انہوں نے شکریہ ادا کیا تھا، اور آج اتفاق سے آپ کی میٹنگ ہے تو میں بھی شکریہ ادا کر دوں کہ جو وعدہ آپ نے کیا تھا اس رقم کو پورا کرنے کا، رقم ان کو پہنچ گئی ہے، اور ان کی اطلاع مجھے آئی تھی، رپورٹ آئی تھی کہ جرمنی والوں نے وہ رقم دے دی ہے۔ بہرحال اس کے لئے آپ لوگوں کا شکرگزار ہوں کیونکہ شکرگزاری تو انسان کو ہر حالت میں کرنی چاہئے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں ایسوسی ایشن اگر اپنے ممبران سے مستقل رابطہ رکھے اور ممبران خود ایک جذبہ کے تحت اپنی اس درسگاہ کے تقدس کو سامنے رکھتے ہوئے اور اس کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنا حق ادا کرنے کی کوشش کریں تو احمدی بچوں کے لئے آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ بہت سارے لوگ یہاں ہیں اور اب یہاں آپ ایک یورو دیتے ہیں تو تقریباً سو روپے کے برابر ہے یا اس سے زیادہ ہوگا۔ لیکن اس سے وہاں جب خرچ کیا جا رہا ہوتا ہے تو ایک غریب بچے کے لئے

بہت بڑی نعمت ہوتی ہے۔ یہاں آپ کے بچے برگر کھاتے ہیں اور جب ساتھ ایک ٹن کوک کا پی لیتے ہیں، تو کم از کم تین چار یورو خرچ کر لیتے ہیں۔تو اگر ایک برگر اپنے بچے کا بچا لیں اِس کو احساس دلا دیں، نو جوان ہیں، وہ دیکھ لیں تو بہت کچھ ہوسکتا ہے۔

حضور انور نے فرمایا: امیر صاحب کو تو آپ پہ اور بھی زیادہ حسن ظنی تھی۔ان کو میں نے کہا کہ حسن ظنی اچھی چیز ہے لیکن اتنی زیادہ بھی حسن ظنی نہ رکھیں۔ان کا خیال تھا کہ ایسوسی ایشن جو ہے اتنی امیر ہے کہ ہمیں سو مساجد سکیم میں ہر سال ایک مسجد بنا کے دے سکتی ہے۔تو بہر حال میں نے کہا فی الحال ان کو پاکستان کے بچوں کا جو وظیفے کی رقم کا انہوں نے وعدہ کیا ہوا ہے وہی پوری کر لیں تو غنیمت ہے۔اور جہاں تک ویب سائٹ کا تعلق ہے اس میں تو بڑا اچھا مواد آپ ڈال رہے ہیں، لیکن ایک رسالہ بھی چھپنا چاہیئے ، یو کے ایسوسی ایشن نے رسالہ کا اجراء کر دیا ہے۔اور اس میں بعض پرانے سٹوڈنٹس کے اچھے مضامین آتے ہیں۔اس سے بھی دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔اگر اس میں ایک صفحہ جرمن زبان میں رکھ دیں تو آپ کے جو نو جوان بچے یہاں ہیں ان کو بھی احساس ہو جائے گا کہ ایسوسی ایشن کیا چیز ہے۔اور ہمارے ماں باپ نے جس طرح تعلیم حاصل کی اور جس طرح کے حالات میں پھر یہاں آئے یہاں جس طرح ہمیں تعلیم حاصل کرنے کے مواقع مل رہے ہیں ، آسانیاں ہیں، تو اس کا شکرانے کے طور پر ہمیں کیا کچھ کرنا چاہیئے تو اسی طرح آگے جاگ لگتی چلی جاتی ہے۔اور نیکیاں قائم رہتی ہیں تو یہ نیکیوں کی جاگ لگانا بھی ایسوسی ایشن کا کام ہونا چاہیئے۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا: غیر از جماعت کی بھی انہوں نے مثال دی ہے اَور بھی میں جانتا ہوں بہت سارے ہیں ، جو اس پرانے زمانہ کے غیر از جماعت تھے ، اب چنیوٹ جو ہمارے ساتھ شہر ہے اور ربوہ کی اور احمدیوں کی دشمنی میں بڑھا ہوا شہر ہے، لیکن وہاں سے اس زمانہ میں جتنے اچھے لڑکے تھے ٹی آئی کالج میں پڑھنے کے لئے آیا کرتے تھے۔اور وہ جتنا اچھا talent تھا چنیوٹ کا، یہیں سے پڑھا ہوا ہے اس میں ڈاکٹر بھی بنے ہیں انجینئر ز بھی بڑے

بنے ہیں۔ میرے بھی کلاس فیلو ہیں اور یہاں آ کے ان کی سوچ بالکل اور ہوتی تھی۔ ربوہ آتے تھے پڑھنے کے لئے روزانہ آنے والے تھے، پانچ چھ سات گھنٹے جو کالج میں گزارتے تھے وہ یہ لگتا ہی نہیں تھا کہ یہ لوگ اس شہر کے رہنے والے ہیں جہاں سوائے مولویوں کے زیر اثر مغلظات کے اور احمدیوں کے متعلق کچھ نہیں کہا جاتا۔ ہمیشہ تعریف کرنے والے ادب کرنے والے احترام کرنے والے طلباء تھے۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا: بچوں کے لئے مَیں یہ بھی بتادوں کہ استاد کا جو مقام ہے وہ باپ کے برابر ہے۔تو یہاں کے بچوں کو ہمیشہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ان اسکولوں میں جو آپ پڑھ رہے ہیں تو اپنے اساتذہ کو یہی مقام آپ کو یہاں دینا چاہئے اور اکثریت جہاں تک میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں کہ اسکولوں کے ہیڈ ٹیچرز سے یا ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ کے لوگوں سے جرمنی میں بھی اور دوسرے ملکوں میں میری بات ہوئی ہے ان کو یہ بڑا واضح فرق نظر آتا ہے کہ احمدی بچے دوسرے بچوں سے مختلف ہیں اور یہی اعلیٰ اخلاق ہیں جو ہم میں قائم رہنے چاہئیں۔تو اس کی نگرانی بھی والدین کا کام ہے۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا: آپ میں سے بہت سارے ایسے ہیں جن کے اب بچے تو نہیں لیکن ان کے آگے بچوں کے بچے ایسے ہیں جو اسکولوں میں جانے والے ہیں۔ جب تک زندگی ہے اپنی کوششیں ہمیں جاری رکھنی چاہئیں۔ 74ء سے پہلے ربوہ کا ماحول بڑا خوبصورت ماحول ہوتا تھا، پھر اسکول nationalise ہو گئے۔اب کالج کا یہ حال ہے کہ ایک غیر احمدی استاد نے، جو بطور سٹوڈنٹ وہاں پڑھتے رہے تھے،لکھا کہ میں ٹی آئی کالج کے سامنے سے گزر رہا تھا، اور اس کی حالت دیکھ کر مجھے رونا آ گیا کہ کیا وہ زمانہ تھا جب یہ درسگاہ سارے علاقے میں مشہور تھی، گیمز میں، پڑھائی میں، اور ایک مقام رکھتی تھی اور آج وہاں اس کا کوئی پرسان حال نہیں۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا: پس باہر سے آنے والے ربوہ شہر کے لئے یہ

بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کی رونقوں کو دوبارہ قائم کرے، اِن درسگاہوں کو دوبارہ وہ مقام ملے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک وقت تک تو اس وجہ سے کہ کہیں گورنمنٹ کی پالیسی یہی ہے تو جو بھی ادارہ ہم بنائیں گے nationalise نہ ہو جائے، ادارے نہیں بنائے گئے۔ لیکن اب پچھلے چھ سات سال آٹھ سال سے بلکہ دس بارہ سال پہلے ایک دو اسکول بنائے گئے لیکن پچھلے پانچ چھ سال میں لڑکیوں کے اسکول، سیکنڈری اسکول، بلکہ کالج، سیکنڈری کالج، ایف ایس سی تک کے بنائے گئے ہیں، بلکہ اب recently میں نے اجازت دی ہے اور ایک نیا منصوبہ شروع کیا ہے۔ جو جامعہ نصرت ہے اس میں تو اس حد تک بری حالت تھی کہ پڑھائی نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس لئے ہماری بچیاں بھی بی ایس سی کے مضامین پڑھنے کے لئے چنیوٹ جاتی تھیں۔ وہاں جانے سے بچانے کے لئے اب ہم نے جہاں ایف ایس سی کی، سیکنڈری اسکول کی، کالج کی کلاسیں ہوتی تھیں وہاں اب انشاء اللہ آئندہ ایک دو ہفتوں میں بی ایس سی کی evening کلاسیں شروع ہو جائیں گی اور ان کو وہ تعلیم جو چنیوٹ میں مہیا ہوتی تھی وہ تو ہو گی بلکہ اس سے بہتر ہو گی۔ تو اب اسکول بھی بہت سارے کھل گئے ہیں۔ نئے اسکولوں کی عمارتیں بھی تعمیر ہوئی ہیں۔ لیکن اب پڑھائی کے اخراجات اتنے بڑھ گئے ہیں کہ ایک بہت بڑا بوجھ ہے جو پاکستان کی جماعت برداشت کر رہی ہے۔ اگر باہر کے لوگ بھی ان کی مدد کریں تو بہت فائدہ ہو سکتا ہے۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا: اور سائنس کے لئے خاص طور پہ لیبارٹریز وغیرہ کی بڑی ضرورت ہوتی ہے جس پہ بڑے اخراجات ہوتے ہیں۔ تو بہت ضرورت ہے اس بات کی کہ آپ لوگ اپنی ایسوسی ایشن کو آرگنائز کر کے منصوبہ بندی کریں کہ کس حد تک آپ پاکستان کے غریب احمدی طلباء کی مدد کر سکتے ہیں، جن کو پڑھائی کے حق سے ہی محروم کیا جا رہا ہے۔ بہت ساری جگہیں ایسی ہیں جہاں احمدی طلباء کو اسکولوں سے نکالا گیا کہ تم احمدی ہو۔ تو ان کو بہر حال ربوہ میں لایا جاتا ہے، وہاں سمونے کی کوشش کی جاتی ہے تا کہ ان کی پڑھائی ضائع نہ ہو۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا: یہاں تک ہے کہ آپ سن کے حیران ہوں گے کہ سیکنڈری ایجوکیشن کا بورڈ جو ہے انہوں نے اس دفعہ میٹرک کے اور ایف ایس سی وغیرہ کے داخلہ فارم میں یہ خانہ درج کر دیا کہ یہ لکھو کہ تمہارا مذہب کیا ہے؟ آگے پھر نیچے instruction تھی کہ جو احمدی لڑکے ہوں گے جو فارم احمدی طلباء کے، لڑکوں یا لڑکیوں کے آئیں گے، ان کی مارکنگ کے لئے علیحدہ examiner مقرر ہوں گے۔ یہ اس حد تک discrimination ہے۔ تو اس لئے مجبوراً ہمیں اب وہاں آغا خان بورڈ سے جو نیا شروع ہوا ہے اس کے ساتھ جماعت کے سارے اداروں کو رجسٹر کروانا پڑا۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا: یہ بھی مَیں آج آپ کو بتا دوں کہ اسکول اور کالجز کا 1995ء-1996ء میں فیصلہ ہوا تھا کہ جتنے اداروں کے تنظیموں کے اسکول قومیائے گئے ہیں، nationalise ہوئے ہیں وہ واپس کر دیئے جائیں گے، بشرطیکہ ایک ایک سال کی سٹاف کی تنخواہ جمع کرا دی جائے اور عیسائی اسکولوں نے جمع کروائی، ان کو کچھ ملے۔ کچھ کراچی میں ہندو پارسیوں کے اسکول تھے ان کو ملے۔ ہم نے بھی جمع کروائی، مَیں اس زمانہ میں ناظر تعلیم ہوتا تھا بڑی کوشش سے ہر جگہ جا کے خیر کسی طرح فنڈ اکٹھا کر کے کروڑوں میں رقم تھی وہ جمع کروائی اور جیسے کہ حکومت کی عادت ہے وہ بھی ہضم کر لی اور اسکول بھی واپس نہیں ہوئے۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا: ہم اس کوشش میں تھے کہ کسی طرح ہمارے ادارے واپس ہو جائیں، تو ہم دوبارہ اس طرح ان کا وہ معیار بحال کرنے کی کوشش کریں جو کسی زمانہ میں ہوا کرتا تھا۔ لیکن بہر حال اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اب نئے اسکول اور کالجز جو کھلے ہیں جیسا کہ چوہدری حمید صاحب نے بھی ذکر کیا ہے، بڑے اچھے، well-equiped، فرنیچر وغیرہ کے لحاظ سے بھی، اور لیبارٹریز کے لحاظ سے بھی ہیں۔ تو جہاں تک جماعت پاکستان کی کوشش ہے وہ بھرپور کوشش کر رہے ہیں کہ اپنے اداروں کو چلائیں اور احمدی بچوں کو سنبھالیں۔ اسی طرح احمدی طلباء جو

مختلف شہروں میں پڑھ رہے ہیں، ان کے وظائف ہیں، وہ بھی دیئے جاتے ہیں۔تو بہر حال یہ تو جماعت کا فرض ہے چاہے یہاں سے مدد جائے یا نہ جائے یا کہیں کوئی اور کرے یا نہ کرے لیکن جو احمدی بچہ ہے اس کا talent ضائع نہیں ہونا چاہئے۔اور اس کے لئے بھرپور کوشش کی جاتی ہے۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا: یہ دعا بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ وہاں ایسا ماحول پیدا کرے کہ احمدی بچوں کو جو تعلیم حاصل کرنے کے مواقع ہیں وہ آسانی سے ہمیشہ مہیا ہوتے چلے جائیں۔اور جو قانونی روکیں ہیں یا قانون کی آڑ میں جو ظالمانہ عمل ہیں حکومت اور ان کے کارندوں کے یا اسکول چلانے والی انتظامیہ کے، ان کو بھی اللہ تعالیٰ دور فرمائے۔

چوہدری محمد علی صاحب کا ذکر ہوا جو بھی بزرگان پیغام بھیجنے والے تھے، ان میں بھی سب سے بڑی عمر کے، ماشاء اللہ چوہدری محمد علی صاحب ہیں اور وہ بھی اس وقت بڑے active ہیں اس لحاظ سے کہ باوجود بیماری کے، سال میں مہینہ دو مہینہ hospital بھی رہتے ہیں، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کا انگلش میں ترجمہ بڑی محنت سے کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو جزا بھی دے اور ان کی عمر وصحت میں برکت بھی ڈالے۔ان کے لئے بھی دعا کریں۔بس ان چند باتوں کے ساتھ میں یہاں اپنی باتیں ختم کرتا ہوں۔اللہ تعالیٰ کرے کہ یہ ایسوسی ایشن، آخر پر یہی کہوں گا مَیں کہ اللہ تعالیٰ کرے، یہ ایسوسی ایشن پہلے سے بڑھ کر فعال ہو اور اپنا کردار ادا کرنے کی طرف بھرپور توجہ دینے والی ہو۔جزاک اللہ۔

خطاب کے آخر پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے دعا کروائی۔

(الفضل انٹرنیشنل 18 نومبر 2011ء)

خطاب سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ

برموقع تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن یو کے کی سالانہ تقریب

(فرمودہ 25 جنوری 2014ء بروز ہفتہ بمقام طاہر ہال مسجد بیت الفتوح لنڈن)

تشہد وتعوذ کے بعد حضورِ انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ایسوسی ایشن کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

تعلیم الاسلام کالج اولڈ بوائز ایسوسی ایشن اسلئے قائم کی گئی تھی اور اس میں تمام طالب علم شامل ہیں چاہے احمدی ہیں یا غیر از جماعت ہیں، تا کہ ممبران کو سال کے مختلف وقتوں میں مل بیٹھنے کا ایک موقع میسّر آجائے اور وہ پرانی یادیں تازہ کرسکیں۔ تعلیم الاسلام کالج کے جو مختلف دور گزرے ہیں، ان کی جو یادیں ہیں جو مختلف طلباء سے وابستہ ہیں وہ جب اپنے اپنے دور کی یادیں اکٹھے بیان کریں تو ایسا ماحول پیدا ہوتا ہے جہاں بزرگ اساتذہ کیلئے دعائیں بھی نکلتی ہیں اور ان کی نیکیوں کو جاری کرنے کی طرف توجہ بھی پیدا ہوتی ہے۔ پس ایک مقصد یہ تھا جس کیلئے جب مجھ سے پوچھا گیا تو میں نے کہا یہ ایسوسی ایشن ضرور بنائیں۔ اسلئے ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ایک نیک مقصد کے لئے یہ ایسوسی ایشن قائم کی گئی تھی نہ کہ کسی قسم کا سیاسی اکھاڑہ بنانے کیلئے۔

گذشتہ دنوں یہ بھی مطالبہ میرے پاس آیا کہ اس سال ہماری ایسوسی ایشن کے الیکشن ہونے ہیں، اس لئے کنویسنگ کی بھی اجازت دی جائے تو میں نے اس تجویز کو اس لئے رد کردیا تھا کہ ایک دوستانہ ماحول میں ایک ایسوسی ایشن بنائی گئی تھی جس میں لوگ آپس میں مل کر بیٹھیں اور اپنی ایک انتظامیہ منتخب کرلیں، نہ کہ کنویسنگ کی جائے۔ کسی کے حق میں لوگوں کو قائل کرنے کی کوشش کی جائے، کسی کے خلاف بولا جائے اور پھر اس طرح رنجشیں پیدا ہوں گی، محبتیں اور پیار نہیں پنپیں

گے۔ پس اس لحاظ سے ہمیشہ ہمیں خیال رکھنا چاہیے۔

بعض طلباء جو بعد کی پیداوار ہیں، وہ جنہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی پرنسپل شپ کے زمانے میں کالج میں وقت نہیں گزارا، بلکہ بعد میں وقت گزارا، جب آپؒ خلافت پر متمکن ہوئے تو اس کے بعد مختلف پرنسپل صاحبان آتے رہے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک احمدی کا جو کردار ہے اس کو، یا جماعت کا جو کردار ہے اس کو ہر طالب علم کے اندر خواہ وہ احمدی تھا یا غیر از جماعت تھا راسخ کرنے کی کوشش کرتے رہے اور وہ یہی ہے کہ محبت پیار سے رہنا اور اپنی تعلیمی سرگرمیوں کی طرف توجہ دینا۔ اس کے بعد بعض ایسے بھی ہوں گے جو بھٹو دور کے بعد جب کالج قومیا لئے گئے تو اس وقت وہاں پڑھتے رہے۔ اس وقت وہاں ایک ایسا ماحول پیدا ہو گیا تھا جس کو ایک احمدی ماحول تو بہر حال نہیں کہا جا سکتا بلکہ سیاست اور مخالفت، احمدیوں کی مخالفت، اساتذہ کی آپس میں ایک دوسرے کے خلاف رنجشیں، اس طرح کا ماحول تھا۔ بہر حال اس ماحول میں پلنے بڑھنے والے اور پڑھنے والے جو سٹوڈنٹس تھے ان میں شاید یہ خیال آیا ہو کہ ہم بھی اس طرح کا ایک رنگ دے دیں۔ لیکن یہ رنگ تو ہم اس ایسوسی ایشن کو قطعاً نہیں دے سکتے۔ اس لئے کنویسنگ کا تو سوال ہی نہیں۔

جیسا کہ میں نے کہا کہ (اس کا مقصد) مل کر بیٹھنا ہے اور آپس میں تفریحی ماحول پیدا کرنا ہے اور دنیا میں مختلف قسم کے جو بوجھ ہر انسان پر پڑے ہوئے ہیں ان سے کسی طرح نجات حاصل کرنا اور یہ موقع پیدا کرنا ہوتا ہے کہ ہلکے ماحول میں ایک ایسا اکٹھ کیا جائے جہاں ایک دوسرے سے کھل کر باتیں بھی ہوں، ایک دوسرے کے خیالات بھی سنے جائیں اور تھوڑی بہت enjoyment بھی ہو جائے۔ لیکن ہمیشہ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ہماری تفریح اور بے تکلفی کی بھی کچھ حدود ہیں، کچھ روایات ہیں، جو جماعت کی روایات تھیں وہ کالج میں بھی قائم رہیں، خواہ کالج میں پڑھنے والا احمدی تھا یا غیر احمدی۔ ہمارے اندر بے تکلفی کا وہ ماحول پیدا نہیں ہوتا جس کے بارے میں حضرت مصلح موعودؓ نے بیان فرمایا ہے کہ ایک دفعہ کچھ لیڈر ایک جگہ جمع تھے اور وہاں باتیں ہو رہی تھیں کہ ہم

پر اتنا بوجھ اور اتنی ٹینشن اور تکلفات میں پڑے ہوئے ہیں کہ ہماری آپس کی باتیں بھی تکلف بن کر رہ گئی ہیں۔ اسلئے آج کی جو میٹنگ ہے، آج کا جو بیٹھنا ہے اس میں بے تکلفی کا ماحول ہونا چاہئے اور اس میں ہر ایک نے بے تکلفی کی جو تعریف اپنے مطابق کی۔ حضرت مصلح موعودؓ نے بیان فرمایا کہ اس سے وہاں ایسی بے ہودگی شروع ہوگئی کہ پھل اٹھا کر ایک دوسرے پر پھینکنے شروع کر دیئے، ایک دوسرے کے خلاف گندے الفاظ استعمال کرنے لگے، اوچھے قسم کے مذاق ہونے لگے۔ تو اس قسم کی بے تکلفیاں ہمارے ماحول میں نہیں ہوتیں۔ حالانکہ وہ سب بڑے پڑھے لکھے اور قوم کے لیڈر کہلانے والے لوگ تھے۔ غیروں کی بے تکلفی کے تو یہ معیار ہیں۔ جبکہ ہماری بے تکلفی کا معیار بے تکلفی کے باوجود وقار کا احساس دل میں رکھتے ہوئے ہونا چاہئے اور ایک دوسرے کی عزت اور عزتِ نفس کا خیال رکھتے ہوئے ہونا چاہئے۔ پس یہ بے تکلفیاں ہیں جو ہم اپنی ایسوسی ایشن میں پیدا کر سکتے ہیں۔

بہر حال جیسا کہ میں نے کہا اب اس سال انتخاب ہونے ہیں، آپ کے موجودہ صدر صاحب جو ہیں انہوں نے ایک بڑی اچھی تجویز دی ہے اور میں نے ان کی تجویز پر صاد کیا ہے کہ صدر جو ہے وہ زیادہ سے زیادہ 6 سال کی مدت کیلئے مقرر کیا جائے اور کیونکہ ان کو 6 سال ہو گئے ہیں اس لئے ان کا نام تو اس دفعہ پیش نہیں ہوگا۔ اس دفعہ الیکشن جو آپ کا ہے اس میں آپ اپنا نیا صدر چنیں گے ۔لیکن باقی عہدیداران جو ایسوسی ایشن کے چنے جاتے ہیں ان کے لئے میرے خیال میں کسی وقت کی حد معیّن کرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف صدر کیلئے ہی یہ حد کافی ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر دفعہ احمدی ہی عہدیدار منتخب ہو۔ اگر کوئی غیر از جماعت ایسا ہے جو ہماری ایسوسی ایشن کا ممبر بنتا ہے تو وہ بھی منتخب ہوسکتا ہے لیکن جیسا کہ میں نے کہا ان شرائط کے ساتھ کہ جماعتی نظام اور جماعتی وقار کو اپنے سامنے رکھنا ہوگا۔ یہ اس کو بھی پتا ہونا چاہئے۔ اور ایسوسی ایشن کے جو قواعد ہیں ان میں ان باتوں کا ذکر ہے۔ ان کے اندر رہتے ہوئے کوئی بھی شخص جو تعلیم الاسلام کالج میں پڑھا ہو، وہ اس ایگزیکٹو باڈی کا ممبر بن سکتا ہے۔ اور وہ باتیں یہی ہیں کہ اعلیٰ اخلاق کی

باتیں ہوں۔ ایسوسی ایشن کو ان باتوں کو ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہئے، ان اقدار کو ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہئے جو تعلیم الاسلام کالج کی اقدار رہی ہیں۔ دین کی باتیں تو بے شک ہوں لیکن یہاں کبھی بھی ایسی باتیں ہلکے سے اشارے سے بھی نہیں ہونی چاہئیں جس میں کسی قسم کا اختلافی مسئلہ پیدا ہوسکتا ہو۔ علاوہ اور ہلکی پھلکی باتوں کے خدمت انسانیت کے حوالے سے باتیں ہوں اور اس میں جیسا کہ ابھی رپورٹ میں تعلیمی امداد کا ذکر کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسوسی ایشن کی طرف سے براہ راست نظارت تعلیم ربوہ کو یہ تعلیمی امداد بھجوائی جاتی ہے اور وہاں کئی طالب علموں کا اس سے فائدہ ہوتا ہے لیکن اس سے بڑھ کر بھی پروگرام ہونے چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہاں ایسے پرانے طالب علم ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے آسودہ حالی میسر فرمائی ہوئی ہے۔ اس لئے بعض ایسے پروگرام جو افریقہ میں مثلاً احمدیہ آرکیٹکٹس ایسوسی ایشن کے ذریعے سے یا ہیومینٹی فرسٹ کے ذریعے سے جاری ہیں، ان میں بھی کبھی کبھی ایسوسی ایشن کے نام پر حصہ ڈال لیا کریں۔ اس میں بعض ایسے پراجیکٹ ہیں کہ اگر آپ مکمل طور پر اس میں حصہ ڈالیں تو اس پراجیکٹ پر ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کے نام کا Display بھی ہوسکتا ہے، تو ان باتوں پر بھی آپ کو غور کرنا چاہیے۔ اللہ کرے یہ ایسوسی ایشن ہر لحاظ سے کامیاب ہو اور آئندہ بھی جس وقار کو قائم رکھتے ہوئے اب تک کام سرانجام دیتی رہی ہے وہ جاری رہیں۔

خطاب کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اجتماعی دعا کروائی اور اجلاس کی کارروائی اپنے اختتام کو پہنچی۔ بعد ازاں حاضرین کی خدمت میں عشائیہ پیش کیا گیا اور حضورِ انور کے ساتھ ایسوسی ایشن کے عہدیداران کی ایک گروپ فوٹو ہوئی۔ حضورِ انور ایدہ اللہ تعالیٰ کی موجودگی میں ہی سابق طلباء تعلیم الاسلام کالج کے مابین بیت بازی کا دلچسپ مقابلہ ہوا اور پھر سابق طلباء اور ایم ٹی اے کی ٹیموں کے مابین باسکٹ بال کا ایک دوستانہ میچ کھیلا گیا۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے از راہ شفقت دونوں ٹیموں کے کھلاڑیوں کو شرفِ مصافحہ بخشا۔ ازاں بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز مسجد فضل واپس تشریف لے گئے۔ (المنار فروری 2015ء)

تعلیم الاسلام کالج کے اساتذہ کا ذکر خیر

حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ بحیثیت پرنسپل

(پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی)

حضرت مصلح موعودؓ نے جماعت کے اعلیٰ تعلیم کے پہلے ادارہ کو جو حضرت مسیح موعودؑ کے عہد میں قائم کیا جا چکا تھا۔ از سر نو زندہ کرنے کی خدمت اپنے فرزند دلبند حافظ مرزا ناصر احمدؓ (ایم اے آکسن) کے سپرد فرمائی تو آپؓ نے ایسا شاندار نمونہ پیش فرمایا کہ اس کالج اور مرزا ناصر احمد کا نام گویا ایک ہی نام بن گیا۔ تعلیم الاسلام کالج کا دور ثانی 1944ء میں قادیان سے شروع ہوا۔ اس کالج کا طرز امتیاز یہ تھا کہ جس کے سامنے یہ مقصد تھا کہ کوئی ذہین طالب علم (بلاتخصیص مذہب محض اپنے وسائل کی کمی کی وجہ سے تعلیم سے محروم نہ رہ جائے۔ یہی مقصد کالج کے قومیائے جانے تک کالج کے ارباب حل وعقد کے سامنے رہا۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ قابل اساتذہ کو اپنے کالج میں اکٹھا کر لینا اور انہیں ایک ہمہ وقت مستعد ٹیم کی صورت دے دینا حضرت صاحب کا کمال تھا اساتذہ اپنے پرنسپل کی ماتحتی نہیں بلکہ ان سے محبت کیا کرتے تھے۔ لہجہ میں خلوص، باتوں میں ادب، مشورہ میں انکساری، اختلاف میں حیا اور پھر فیصلوں پر مستعدی سے عمل پیرا ہو جانے کا عزم صمیم! کالج کے اساتذہ کی روایتیں ہی کالج کو نیک بنانے میں مد ہوئیں اور سربراہ دارہ کا کمال یہ تھا کہ کالج کی کسی کامیابی کا کریڈٹ خود نہیں لیتے تھے اپنے ساتھیوں کے ساتھ بانٹ لیتے تھے۔

ایک سٹاف میٹنگ میں میں نے ایسی بات کہہ دی کہ سب ہنس دیئے اور پرنسپل صاحب نے بھی بآواز بلند خندہ فرمایا۔ لیکن میٹنگ ختم ہوئی تو محترم صوفی بشارت الرحمن صاحب نے مجھے الگ

لے جا کر کہا کہ دیکھو ہم سٹاف میٹنگ میں پرنسپل صاحب کے سامنے سر اٹھا کر بات بھی نہیں کرتے تم نے آج میٹنگ کو ہنسی کا میدان بنا دیا۔ میں نے نہایت ادب سے ان کی بات سنی اور جواب نہیں دیا کہ میرے نزدیک کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہوئی تھی جس سے بے ادبی کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔ اگلے روز محترم چوہدری محمد علی صاحب سے سامنا ہوا تو وہ ناراض سے نظر آئے۔ کچھ فرمانا چاہا مگر کچھ کہنے سے پہلے ان کی آواز بھرا گئی۔ محترم محبوب عالم خالد صاحب ملے تو مجھ سے کہا کہ تم میرے شاگرد بھی اور بیٹوں جیسے۔ پرنسپل کے سامنے شوخی نہین کرنی چاہئے...ان سینئر اساتذہ کی یہ بات ثابت کرنے کو کافی ہے کہ ان کا اور پرنسپل کا عشق کا تعلق تھا افسری ماتحتی کا نہیں تھا۔

تقسیم ملک کے وقت کالج بھی اُجڑ کر در بدر ہو گیا۔ قادیان میں اس کالج کی عظیم الشان عمارت تھی۔ لاہور میں پہلے ایک متروکہ اصطبل میں کالج کا آغاز ہوا بعد کو DAV کالج کی متروکہ عمارت الاٹ ہوئی جس کے دروازے کھڑکیاں غائب، دیواریں کہیں کھڑی کہیں سرنگوں، غرض عجیب بے سروسامانی کے عالم میں کالج شروع ہو گیا اور وہی بوسیدہ لٹی پٹی عمارت معتبر ہو گئی۔ کالج کی نیک نامی کا وہ چرچا تھا کہ غریب اور ذہین طالب علم جو خود کو معاشرہ میں بے سہارا محسوس کرتے تھے کھینچ کر کالج کی طرف آجاتے اور پرنسپل کی ایک مسکراہٹ ان کے سارے مسائل حل کر دیتی۔ مشہور شاعر احسان دانش مرحوم نے اپنی خودنوشت میں نام لے کر حضرت مرزا ناصر احمد کا ذکر خیر کیا ہے۔ لاہور کے کالجوں میں ایک چپقلش سی چلتی رہتی تھی مگر جہاں پرنسپل تعلیم الاسلام کالج کا ذکر کرتا لوگ ادب سے سر جھکا لیتے تھے۔ اسلامیہ کالج کے پرنسپل اور پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر حمید احمد خان نے مجھے بتایا کہ کشتی رانی کے مقابلہ کا فائنل اسلامیہ کالج اور تعلیم الاسلام کالج کے درمیان تھا۔ تعلیم الاسلام کالج پچھلے دو سال سے چیمپیئن چلا آرہا تھا اب کے برس جیتنے کا مطلب یہ تھا کہ ٹرافی مستقل اس کی ہو جائے گی۔ اس لئے میں نے اپنے کھلاڑیوں سے کہا کہ اگر آج تم لوگ تعلیم الاسلام کالج کی ٹیم کو شکست دے دو میں تمہیں دو سو روپے انعام دوں گا۔ یہ خبر مرزا ناصر احمد تک پہنچی

تو انہوں نے اعلان کیا کہ اگر اسلامیہ کالج کی ٹیم ان کی ٹیم کو شکست دے دے گی تو وہ بھی اسلامیہ کالج کی ٹیم کو دوسو روپے انعام دیں گے۔ یہ سن کر ماحول کا سارا تناؤ دور ہو گیا اور دونوں ٹیموں نے جان توڑ کر مقابلہ کیا۔ مگر تعلیم الاسلام کالج کی ٹیم نے مقابلہ جیت لیا۔ لاہور کے ماحول میں کسی کالج کا پرنسپل ہونا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ کالجوں کے پرنسپل یونیورسٹی کی اکیڈیمک کاؤنسل اور سنڈیکیٹ کے ارکان بھی منتخب ہوتے جاتے تھے تاکہ یونیورسٹی کا نصاب بھی ان کی نگاہوں میں رہے اور یونیورسٹی کے دیگر انتظامی اور تعلیمی معاملات میں کالجوں کے پرنسپل کی رائے ارباب حل وعقد کے سامنے آتی رہے۔ حضرت میاں صاحب جب تک تعلیم الاسلام کالج کے پرنسپل رہے۔ یونیورسٹی کے اکیڈیمک کاؤنسل کے رکن اور سنڈیکیٹ کے رکن رہے اور ان کی رائے کو بہت وقعت دی جاتی تھی۔ زرعی یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر ظفر علی ہاشمی کہا کرتے تھے کہ سارے پنجاب میں ایک ہی کالج ہے جس کا نام سامنے آئے تو اس کے پرنسپل کا چہرہ آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتا ہے۔

لاہور میں لڑکوں کی بے راہ روی کا سامان سامنے دھرا رکھا تھا۔ مگر تعلیم الاسلام کالج کے لڑکے ان آلائشوں سے بچتے تھے کیونکہ انہیں اپنے کالج اور کالج کے پرنسپل کی آبرو کا خیال تھا۔ برمنگھم کے ایک غیر از جماعت ڈاکٹر نے مجھے بتایا کہ میں لاہور کے ایک کالج میں پڑھتا تھا۔ زیادہ وقت سینما میں یا ہوٹلوں میں گزرتا تھا۔ ایک دن میرے والد صاحب نے مجھے بھاٹی دروازہ کے باہر ایک ہوٹل میں چائے پیتے ہوئے آ پکڑا اور سیدھے حضرت میاں صاحب کے پاس لے گئے کہ میرا بیٹا فلاں کالج میں پڑھتا ہے مگر بے راہ رو ہونے پر مستعد ہے مگر میں تو اسے ڈاکٹر بنانے کا تہیہ کئے ہوئے ہوں اور پھر شکایت کے انداز میں کہا کہ میں اسے بھاٹی کے ایک ہوٹل سے چائے پیتا ہوا پکڑ کر لایا ہوں۔ میاں صاحب نے مجھے ایک نظر دیکھا اور فرمایا لڑکا تو ذہین معلوم دیتا ہے بس چائے زیادہ پینے کا شوقین ہے۔ میاں صاحب کی وہ نظر میرے اندر تک اتر گئی۔ کہنے لگے اب میں اسے کالج میں داخل تو نہیں کر سکتا کہ کالج ربوہ منتقل ہو رہا ہے، ہاں آپ اسے میرے کالج ہی میں داخل

کروانا چاہتے ہیں تو ربوہ لے آئیں، میں کوشش کروں گا کہ یہ لڑکا اچھے نمبر حاصل کر لے۔ چنانچہ میں ربوہ آ گیا۔ مجھے ہر وقت میاں صاحب کا خیال رہتا تھا کہ مجھے کہیں کسی ایسی جگہ دیکھ لیا۔ جہاں مجھے نہیں ہونا چاہئے تو میں انہیں کیا جواب دوں گا۔

اس سلسلہ کے تو بے شمار واقعات ہیں کہ لوگ اپنے بچوں کو پکڑ کر تعلیم الاسلام کالج میں لے کر آتے اور پرنسپل کے سپرد کر کے مطمئن ہو جاتے۔ ممتاز احمد کاہلوں کے والد انہیں آپ کے پاس لے کر آئے اور نہ پڑھنے کی شکایت کی۔ آپؒ نے صرف ایک بار ممتاز کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا اور پوچھا کہو پڑھنا چاہتے ہو اور کامیاب ہونا چاہتے ہو؟ ممتاز نے سر جھکایا اور پھر ممتاز نہ صرف کامیاب ہوا بلکہ سیاست میں بھی نام کمایا۔ پنجاب میں وزیر بھی رہا۔ یہ حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ کی نظر کرامت تھی یا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب کی سیاسی تربیت کہ ممتاز نے اپنا وزارت کا زمانہ نیک نامی سے بسر کیا۔ ربوہ سے گزرتے ہوئے ممتاز کی جھنڈے والی گاڑی مرزا طاہر احمد صاحبؒ کے دروازے پر ضرور رکتی اور وہ انہیں حضرت صاحبؒ سے ملوانے لے کر جایا کرتے تھے۔

حضرت پرنسپل صاحب کی سرزنش کے تصور سے ہی جان نکلا کرتی تھی۔ کالج کی روئنگ ٹیم کا ایک کھلاڑی روئنگ کی پریکٹس کے لئے دریا پر جانے کی بجائے کبڈی کا کوئی میچ دیکھ رہا تھا۔ پرنسپل صاحب نے سب کے سامنے اسے بلایا اور بیدوں پر دھر لیا۔ پلے پلائے مضبوط پہلوان قسم کے لڑکے کے منہ سے اُف تک نہ نکلی۔ وہ سزا کھا کر سیدھا دریا کی طرف بھاگا۔ سٹاف میں شامل ہونے کے بعد ایک روز کالج بند ہو جانے کے بعد ہم اپنے دوستوں کے ساتھ ایک لان میں کرسیاں بچھائے بیٹھے اور سگریٹ نوشی کر رہے تھے۔ یکا یک ایک دوست نے نعرہ لگایا:

ارے میاں صاحب! ہماری تو جان نکل گئی۔ سب نے مڑ کر دیکھا۔ میاں صاحب نے اپنا بایاں ہاتھ بائیں کنپٹی پر شیلڈ کی طرح رکھا ہوا تھا اور بغیر ادھر ادھر دیکھے سیدھے کالج کے دفتر کی طرف جا رہے تھے گویا آپ نے ہمیں دیکھا ہی نہیں تھا۔ سب کا خیال تھا کہ اگلے روز جواب طلبی ہو گی۔ کچھ بھی نہیں ہوا۔ ہاں اتنا ضرور ہوا کہ ہم لوگوں نے کالج کے ماحول میں سگریٹ نوشی چھوڑ دی

۔ایک دیندار غیر از جماعت دوست اپنے جیسے دیندار بچے کو لے کر کالج میں آئے اور اسے کالج میں داخل کروا گئے لڑکا پڑھ بھی جائے گا اور بے راہ روی کے ماحول سے بھی بچا رہے گا۔اس کے رشتہ داروں دوستوں نے اسے بہت سمجھایا کہ تم اپنے بچے کو ربوہ میں داخل کروا آئے ہو وہ اس کا دین خراب کر دیں گے۔ان کا جواب یہی تھا کہ مجھے اپنے بچے کی اب کوئی فکر نہیں انجنیئر نگ کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد نیک نامی سے ملازمت کی اور اب جماعت احمدیہ کینیڈا کا امیر ہے یعنی مکرم ملک لال خان صاحب۔پچھلے برس ان کے والد کا انتقال ہوا وہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے احمدیت کی آغوش میں آ گئے تھے۔یہ سارا کرشمہ بھی حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ کے فیضان نظر کا تھا۔

پرنسپل صاحب اپنے طلباء اور سٹاف کو علمی لحاظ سے ترقی کرتے ہوئے دیکھنا چاہتے تھے۔طلباء میں جو ہر قابل تلاش کرتے رہتے اور ان کو ہر ممکن اعلیٰ تعلیم دلوانے کے لئے کوشاں رہتے۔صرف میرے زمانہ کے کالج کے شاگردوں میں سے سو سے زیادہ Ph.D امریکہ میں موجود ہیں۔یہ سب برکات حضرت مرزا ناصر احمدؒ کے وجود باوجود سے وابستہ تھیں۔سٹاف کو Ph.D کرنے کے لئے حوصلہ دیتے۔ڈاکٹر سید سلطان محمود شاہد اور ڈاکٹر پروفیسر نصیر احمد خاں سٹاف میں ہوتے ہوئے Ph.D کے لئے انگلستان گئے اور کامیاب واپس آئے۔مجھے بھی تمام سہولتیں اور مراعات حاصل رہیں اور جب مجھے ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی تو حضورؒ کی خوشی دیکھنے کی تھی۔میں ملنے کو حاضر ہوا تو معانقہ فرمایا اور پہلی بار فرمایا آپ مجھے بیٹوں کی طرح عزیز ہیں۔ہمارا کالج ربوہ اور باہر کی دنیا کے درمیان ایک پل کی حیثیت رکھتا تھا اور اپنی زائد نصاب سرگرمیوں کی وجہ سے ممتاز تھا۔مباحثے اپنے معیار کی وجہ سے سارے ملک میں مشہور تھے۔دور دور سے اچھے مقررین ان میں شرکت کے لئے آتے۔پرنسپل صاحب تقاریر اور مباحثوں کے لئے باہر سے آنے والے طلباء کے ساتھ ان کے ذہنی معیار پر اُتر کر بات کرتے۔یہی حال کھلاڑیوں کے ساتھ ان کے تعلقات کا تھا۔ربوہ باسکٹ بال کا بڑا اہم مرکز سمجھا جاتا تھا اور باسکٹ بال کی صوبائی اور قومی انتظامیہ میں پرنسپل تعلیم الاسلام کالج کا نام نامی موجود ہوتا

تھا۔ پھر تعلیم الاسلام کالج علمی ادبی تقریبات کے لحاظ سے صوبہ بھر میں منفرد تھا۔ ہمارے ہاں کانوکیشن میں اہل علم بلائے جاتے تھے۔ یہ پہلا کالج تھا جس نے کل پاکستان اُردو کانفرنسوں کا اہتمام کیا اس میں حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ نے یہ سلوگن وضع کیا کہ ''اردو'' ہماری قومی زبان بھی ہے اب تو یہ بات ایک زمانے پر آشکار ہے کہ حضرت مرزا ناصر احمد کو مناسب سلوگن سوچنے کا خاص ملکہ تھا ان کا سلوگن ''محبت سب سے نفرت کسی سے نہیں'' اب سارے عالم میں گونجتا ہے۔ کالج کی پہلی ایک روزہ اُردو کانفرنس 1964ء میں ہوئی جو بہت کامیاب رہی۔ حضرت مرزا ناصر احمدؒ نے مسند خلافت پر پر متمکن ہونے کے بعد مجھے حکم دیا کہ میں دوسری کانفرنس کا اہتمام کروں جو دوروزہ ہو۔ 1967ء کی اس کانفرنس میں تین وائس چانسلرز، سولہ پروفیسرز اور دوسو سے زیادہ مندوبین شریک ہوئے۔ صوفی تبسّم بھی منجملہ شعراء تشریف لائے۔ حضرت صاحب نے خاص تاکید فرمائی کہ ''میرے استاد ہیں ان کا خاص خیال رکھا جائے''۔ ایک شام سارے مندوبین کا ازراہ کرم اپنے مہمان کے طور پر دعوت میں مدعو کیا۔ یہ کانفرنس پہلی سے بھی زیادہ کامیاب رہی ان دنوں کانفرنسوں کا سارا کریڈٹ حضرت صاحب کو جاتا ہے۔ کالج میں روس کے سائنسدان آئے۔ امریکہ کے اہل علم آئے۔ ہماری اپنی عدالت ہائے عالیہ کے جج صاحبان آئے۔ علماء آئے، کبراء آئے، سفراء آئے اور ان سب کو ربوہ لانے کا باعث تعلیم الاسلام کالج اور کالج کے پرنسپل مرزا ناصر احمد تھے۔

اردگرد کے کالجوں کے پرنسپل حضرات سے خوشگوار حالات رکھنا حضرت میاں صاحب کی اولین ترجیح تھی۔ سب آپؒ کا نام سن کر احترام کرتے تھے۔ سرکاری اداروں کے ساتھ کالج کے معاملات کے سلسلہ میں رابطہ رکھنا ایک حد تک میرے ذمہ تھا۔ میں علی وجہ البصیرت کہہ سکتا ہوں کہ جب بھی کسی سرکاری افسر سے ملنے کے لئے جانا ہوتا وہ تعلیم الاسلام کالج کا نام سن کر احترام سے پیش آتے اور کہتے آپ تو مرزا ناصر احمد کے کالج سے آئے ہیں۔

ربوہ جیسی جگہ پر جہاں زمین شور، پانی نایاب، ضروریات زندگی عسیر الحصول، قدم قدم پر

مشکلات اور رکاوٹیں راہ روکتی تھیں جماعت نے کالج کی بنیاد رکھ دی اور کالج کے آکسفورڈ کے پڑھے لکھے پرنسپل نے ہمہ وقت مزدوروں کی طرح محنت کر کے اور اپنا خون پسینہ ایک کر کے ایک عظیم الشان عمارت کھڑی کر لی۔کڑکڑاتی دھوپ میں چھتری لے کر کھڑے رہتے۔نگاہ عمارت شناس تھی کہ ذرا سا سقم بھی فوراً ان کی نگاہ میں آجاتا تھا۔کالج کے ہال کی چھت پڑنے کا سماں تو اب تک آنکھوں کے سامنے ہے۔سینکڑوں مزدور اپنے کام پر مستعد ہیں۔شٹرنگ پڑ چکی ہے ابلنٹر پڑنے کا وقت ہے کہ گھٹا ٹوپ گھٹا اٹھی اور سب کے رنگ فق ہو گئے کہ اب بارش ہو گی تو سب کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔مگر حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ چھت پر کھڑے ہیں اور انہماک سے کام جاری رکھے ہوئے ہیں۔قریب کے لوگ کہتے ہیں کہ ان کے لبوں پر دعا ہے اور ایک آدھ بار آنکھ اٹھا کر بادلوں کی طرف بھی دیکھتے ہیں۔پھر ایک بار انگلی اٹھا کر بادلوں کی طرف اشارہ کیا۔یہ گویا بادلوں کو دور ہٹ جانے کا حکم تھا۔اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کی بات نہیں ٹالی۔گھٹا کھڑی رہی پانی کا ایک قطرہ نہیں برسا۔

حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ کی طبیعت میں ایک خاص قسم کا مزاح تھا۔چہرہ پر ہر وقت مسکراہٹ کھیلتی رہتی مگر مزاج کے خلاف کوئی بات ہوجاتی تو چہرہ پر سنجیدگی چھا جاتی۔باتوں میں ملائمت کے باوجود لئے دیئے رہنے کا احساس ضرور موجود رہتا۔ہمارے ایک دوست بشیر حاجی مرحوم سگریٹ نوشی کرتے تھے۔ایک بار انہوں نے پرنسپل صاحب کو کسی مقصد سے شیخوپورہ سے فون کیا۔میاں صاحب فرمانے لگے ”ٹیلیفون کرتے ہوئے تو سگریٹ پھینک دیا کرو۔تمہارے منہ سے یہاں تک سگریٹ کی بو آرہی ہے“۔ہاسٹل کے سالانہ فنکشن میں تو سب اساتذہ ہی طلبا کی کڑوی کسیلی باتوں کا ہدف بنتے تھے مگر پرنسپل صاحب کی شخصیت کا لحاظ کرتے ہوئے اُن کی لاڈلی کار کو نشانہ تضحیک و تمسخر بنایا جاتا تھا۔ایک بار وہ لاڈلی کچھ زیادہ ہی تمسخر کا نشانہ بنی تو چوہدری محمد علی صاحب نے پابندی لگا دی اگلے فنکشن میں کوئی پرنسپل صاحب کی کار کے بارہ میں ایک لفظ تک منہ

سے نہیں نکالے گا۔میاں صاحب کو اس پابندی کا پتا چلا تو کہلا بھیجا اگر ''میری ولز لے'' کو نظر انداز کر دیا گیا تو میں فنکشن میں آنے سے انکار کر دوں گا۔آپؒ خود پر ہنسنے کا حوصلہ بھی رکھتے تھے اس لئے طالب علم آپؒ کی سزا بھی خندہ پیشانی سے جھیل جاتے تھے۔اور یہ جو طالب علم آپؒ کے ہاتھوں بیدزنی کا ہدف بنا وہ جب تک کالج میں رہا آپؒ کی بے پناہ شفقت اور محبت کا مورد رہا۔ہمارا ایک دوست جو روئنگ کا کیپٹن تھا کہا کرتا تھا یار ہم بھی کہیں دو چار بید میاں صاحب سے کھا لیتے تو باقی عمر چین سے گزرتی۔حضورؒ کا سب سے بڑا کارنامہ کالج کو پوسٹ گریجوایٹ لیول تک لانے کا ہے۔

اس زمانہ میں آپؒ یہ کہتے نہیں تھکتے تھے اگر پاکستان میں اعلیٰ تعلیم کو رواج دینا ہے تو مختلف کالجوں کو اعلیٰ تعلیم دینے کا حق ہونا چاہیے مگر یونیورسٹی کے ارباب حل وعقد عموماً اور محکمہ تعلیم کے حکام خصوصاً اس بات پر کان دھرنے کو تیار نہیں تھے۔یونیورسٹی کو بالآخر سر تسلیم خم کرنا پڑا۔مفصل کالجوں میں تعلیم الاسلام کالج پہلا کالج تھا جسے ایم اے عربی کی کلاسیں شروع کرنے کی اجازت ملی۔یونیورسٹی کی طرف سے اس سلسلہ میں جائزہ کے لئے جو کمیشن آیا اس نے جو رپورٹ یونیورسٹی کو بھیجی اس میں ربوہ کو مرکز علم قرار دیا گیا تھا۔کمیشن میں شامل ڈاکٹر شفیع صاحب نے بعد میں ایک بار مجھ سے فرمایا اگر ربوہ میں ایم اے عربی کی کلاسیں شروع نہیں کی جاسکتیں تو پاکستان کا کوئی اور شہر اس کا مستحق نہیں۔ایم اے عربی کی کلاسیں شروع ہوئیں تو نتائج دیدنی تھے۔اول دوئم اور سوم آنے والے طلبا ہمارے ہی کالج کے ہوتے تھے۔یہی حال فزکس میں پوسٹ گریجوایٹ کلاسوں کا تھا۔ایک بار کلاسیں شروع ہوگئیں تو MSc فزکس کے نتائج حیران کن حد تک لوگوں کو چونکا دینے والے تھے۔چنانچہ آپؒ نے اپنی زندگی میں اپنے اور حضرت مصلح موعودؓ کے اُس خواب کو پورا ہوتے دیکھ لیا جو خواب اس کالج کے افتتاح کے موقع پر دیکھا گیا تھا۔

(بحوالہ الفضل انٹرنیشنل 7 اکتوبر 2011 صفحہ 13-14)



محترم قاضی محمد اسلم صاحب

(مکرم مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب مرحوم کی

غیر مطبوعہ خودنوشت سے ماخوذ)



مکرم پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب جماعت احمدیہ اور برّصغیر پاک و ہند کی علمی دنیا کی ایک معروف شخصیت ہیں۔ آپ مکرم ڈاکٹر قاضی کرم الٰہی صاحب ؓ لاہور (یکے از اصحاب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام) کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ 2فروری 1900ء کو پیدا ہوئے۔ علی گڑھ، لاہور اور کیمبرج سے حصول تعلیم کے بعد علی گڑھ میں تدریس کے شعبے سے منسلک ہوئے۔ بعد ازاں 1924ء سے 1955ء کے عرصے میں پہلے گورنمنٹ کالج لاہور کے پروفیسر اور بعد ازاں گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل بھی رہے۔ 1966ء سے 1970ء تک تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے پرنسپل رہنے کا اعزاز بھی آپ کو حاصل ہوا۔ علاوہ ازیں پنجاب یونیورسٹی لاہور کے جزوقتی پروفیسر کے طور پر خدمات بھی سرانجام دیں۔ 1939ء سے 1954ء تک پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ فلاسفی اور سائیکالوجی میں بورڈ آف سٹڈیز اور بورڈ آف ایگزیمینرز کے کنوینز اور چیئرمین اور 1940ء سے 1955ء تک پنجاب یونیورسٹی سینٹ کے ممبر رہے۔ مختلف اوقات میں سنڈیکیٹ کے رکن، تقرری بورڈ کے رکن، پنجاب یونیورسٹی لائبریری کمیٹی کے چیئرمین، فیکلٹی آف ایجوکیشن کے سکرٹری اور پنجاب یونیورسٹی کی سی ایس ایس تیاری کلاس کے

ڈائریکٹر رہے۔ 1954ء سے 1962ء تک کراچی یونیورسٹی سے منسلک رہے اور وہاں شعبہ نفسیات کا اجراء کیا، اس شعبہ کے چیئر پرسن اور ایک سال تک پروفیسر اور رجسٹرار یونیورسٹی بھی رہے۔ کراچی میں قیام کے دوران آپ نے سِیٹو کانفرنس میں پاکستان کے نمائندے کی حیثیت سے شرکت کی۔ کراچی سے واپسی پر آپ نے پنجاب یونیورسٹی میں شعبہ اپلائیڈ فزکس کا اجراء کیا اور اس کے بانی چیئرمین رہے۔

تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی پرنسپل شپ کے دوران ایم ایس سی فزکس کلاسز کا اجراء ہوا، جو پنجاب یونیورسٹی کے تحت کسی قصبے میں کیا جانے والا اپنی نوعیت کا پہلا عظیم منصوبہ تھا۔ اس کے علاوہ آپ مختلف اوقات میں پاکستان اکیڈمی آف سائنسز کے فیلو اور نیشنل سائنس پالیسی کے پینل کے رکن رہے۔ آل پاکستان فلاسفیکل کانگریس کے سکرٹری اور صدر اور سائیکالوجی کانگرس کے بانی صدر رہے۔ 1965ء میں صدر پاکستان کو مشورہ دینے کیلئے سائیکالوجی وار فیئر (نفسیاتی جنگ) کی ایک کمیٹی بنائی گئی اس کے بھی رکن رہے۔ 1962ء میں پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ فلسفہ میں جس کے آپ بانی چیئرمین بھی رہ چکے تھے۔ خصوصی عہدہ ''اقبال چیئر'' کے نام سے قائم کیا، جسکے تین سال تک اوّلین اقبال پروفیسر رہے۔

جرمن زبان میں شائع ہونے والے ایک مشہور انسائیکلو پیڈیا کے مضمون نگاروں میں آپ واحد مشرقی فرد تھے جنہوں نے سائیکاٹری اینڈ اسلام Psychiatry and Islam کے موضوع پر مقالہ لکھا۔ محترم قاضی صاحب کا شمار سینئر ترین ماہرین تعلیم میں ہوتا تھا۔ تعلیم کے محکمے میں آپ کو قریباً نصف صدی کا طویل عرصہ نہایت اہم عہدوں پر فائز رہنے کا شرف حاصل ہے۔ آپ کے شاگرد پاکستان اور بھارت میں تعلیم کے اہم میدانوں میں نمایاں عہدوں پر فائز ہیں۔ آپ کے لائق ترین شاگردوں میں محترم ڈاکٹر عبد السلام صاحب بھی شامل ہیں۔

محترم قاضی صاحب مرحوم کی بے شمار گراں قدر خدمات میں سرفہرست حضرت سیدنا مصلح موعودؓ

رضی اللہ عنہ کی معرکہ آراء تصنیف دیباچہ تفسیر القرآن کا انگریزی ترجمہ ہے، جو انہوں نے محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب مرحوم کے ساتھ مل کر کیا اور ترجمہ کے علاوہ کتاب کا انگریزی خلاصہ بھی تیار کیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے حضرت مصلح موعودؓ رضی اللہ عنہ کی تصنیف دعوۃ الامیر کا انگریزی ترجمہ، اِنوی ٹیشن ٹو احمدیت Invitation to Ahmadiyat کے نام سے کیا۔ اس کے علاوہ انگریزی زبان میں بہت سے تراجم اور مضامین آپ کی یادگار ہیں۔

محترم قاضی صاحب کو حضرت مصلح موعودؓ رضی اللہ عنہ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ارشاد کے تحت سپرد کی گئی متعدد خدمات دینیہ بجالانے کی توفیق ملی۔ شوریٰ جماعت احمدیہ کے تحت قائم کی گئی متعدد کمیٹیوں اور جماعت احمدیہ کے متعدد علمی منصوبوں اور پروگراموں میں نہایت سرگرم اور اہم خدمات بجالانے کی توفیق بھی آپ کو ملتی رہی۔ آپ نے مرکز میں بطور ناظر تعلیم بھی خدمات سرانجام دیں۔ لاہور میں قیام کے دوران اعلیٰ جماعتی عہدوں پر فائز رہے۔ جماعت احمدیہ کے جلسہ سالانہ پر سالہا سال علمی تقاریر کرتے رہے۔ آپ نے انگریزی ترجمہ قرآن کلاس کے انڈیکس کے علاوہ تفسیر کبیر جلد سوم کا انڈیکس بھی تیار کیا، جو شائع ہوا اور جماعت کے احباب نے اس سے بھرپور استفادہ کیا۔

مدراس یونیورسٹی کے زیر انتظام پرنسپل ملّر آنجہانی کی یادگار میں عرصہ سے ہر سال لیکچر دیئے جاتے تھے، جن کا موضوع مقصد حیات اور تاریخ عالم کا کوئی معنی خیز حصہ ہوتا تھا۔ 1943ء میں مکرم پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب کو مدراس یونیورسٹی کی طرف سے ظہور اسلام کے موضوع پر لیکچر دینے کیلئے مدعو کیا گیا۔ آپ نے تین لیکچر پچیس، ستائیس اور اٹھائیس ستمبر 1943ء کو مدراس یونیورسٹی میں نہایت کامیابی کے ساتھ دیئے۔ جماعت احمدیہ کے احباب بھی کثرت سے ان لیکچرز کو سننے کیلئے تشریف لے جاتے رہے۔

پہلے لیکچر میں صداقت اسلام کے دلائل بیان کئے۔ اس لیکچر کیلئے منعقدہ جلسہ کی صدارت

مدراس یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر لکشمن سوامی مدالیار نے کی۔ دوسرے لیکچر میں علم نفس والوں میں سے بعض چوٹی کے لوگوں نے جو بے ہودہ توجیہات ظہور اسلام کے متعلق پیش کی تھیں ان کا ردّ مفصل طور پر کیا اور تیسرے لیکچر میں اقتصادی، جغرافیائی اور سیاسی توجیہات پر مبنی اعتراضات کا ردّ پیش کر کے ثابت کیا کہ اسلام ایک عالمگیر روحانی تحریک ہے جو بنی نوع انسان کیلئے خدا تعالیٰ کی طرف سے جاری ہوئی اور اس کے دورِ ثانی کا آغاز ہمارے اس موجودہ زمانہ میں ہوا ہے۔ دوسرے اور تیسرے لیکچر کی صدارت یونیورسٹی پروفیسر ڈاکٹر مہادیون صاحب نے کی۔

مکرم قاضی صاحب کے لیکچرز کا ذکر متعدد اخبارات میں بہت جوش وخروش سے ہوا، جس کے نتیجے میں مکرم قاضی صاحب موصوف سے کثرت سے استفسارات اور علمی سوالات کئے گئے، جن کے جوابات آپ نے نہایت تسلی بخش طور پر دیئے۔ وہاں آپ کے قیام کے دوران معززین شہر نے آپ سے ملاقاتیں بھی کیں، جن میں راج گوپال اچاریہ سابق وزیر اعظم مدراس خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ راج گوپال اچاریہ بعد ازاں لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے بعد ہندوستان کے دوسرے گورنر جنرل ہوئے۔

جن دنوں مدراس یونیورسٹی نے مکرم قاضی محمد اسلم صاحب مرحوم کو ظہور اسلام کے عنوان پر لیکچر دینے کیلئے مدعو کیا۔ ان دنوں سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ عنہ، ڈلہوزی کے صحت افزا مقام پر قیام پذیر تھے۔ محترم قاضی صاحب کا ارادہ تھا کہ وہ اپنے تین لیکچروں میں سے ایک لیکچر ڈاکٹر فرائیڈ اور اس کے نظریات کے متعلق دیں۔ اس لیکچر کے تعلق میں آپ نے 12 سوالات مرتب کر کے حضرت مصلح موعودؓ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بغرض راہنمائی بھجوائے۔ جب مکرم قاضی صاحب کا خط حضور رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا تو حضورؓ نے خاکسار (ابوالمنیر نورالحق) کو حاضر ہونے کا ارشاد فرمایا اور قاضی صاحب کے مرسلہ 12 سوالوں کے جوابات کاپی سائز کے 16 صفحات پر لکھوائے اور آخر میں یہ نوٹ بھی لکھوایا کہ:

''میں آپ کا مضمون اور اس کے جوابات بھجوا رہا ہوں.........لیکچروں کے بعد سوالات اور جوابات کی کاپی بھجوا دیں کیونکہ یہ نیا مضمون ہے۔''

چنانچہ یہ مضمون مکرم قاضی صاحب کو دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کی طرف سے بھجوا دیا گیا۔مکرم پروفیسر سعود احمد خان صاحب نے اپنے ایک مضمون مطبوعہ اخبار الفضل (12/اپریل 1982ء) میں اپنے والد محترم محمد حسن صاحب آسانؔ (دہلوی) سے سنی ہوئی ایک روایت بیان کی ہے کہ سفرِ مدراس کے دوران مکرم قاضی صاحب کچھ دیر دہلی میں رُکے تو انہوں نے سعود احمد خان صاحب کے والد محترم کو بتایا کہ ایک لیکچر کے لئے میں نے حضرت مصلح موعودؓ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بارہ سوالات تحریر کئے تھے، جس پر حضور رضی اللہ عنہ کی طرف سے آمدہ جوابات کی روشنی میں لیکچر نہایت عمدہ رنگ میں تیار ہو گیا۔مکرم قاضی صاحب کے لیکچرز کی خبر اخبار الفضل 9/اکتوبر 1943ء میں مختصراً شائع ہوئی۔مکرم قاضی صاحب جب مدراس یونیورسٹی میں لیکچر دے کر واپس لاہور لوٹے تو اپنے مرتب کردہ 12 سوال اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے لکھوائے ہوئے ان کے جواب کسی محفوظ جگہ رکھ کر بھول گئے۔ بعد ازاں ان کو یاددہانی کراتا رہا کہ آپ حضور کے لکھوائے ہوئے جوابات مجھے بھجوادیں تاکہ انہیں کسی اخبار یا رسالہ میں افادۂ عام کیلئے شائع کرا دیا جائے، لیکن ان کا جواب یہی ہوتا کہ مذکورہ مواد گم ہو گیا ہے۔

ایک لمبے عرصہ کے بعد 16 فروری 1970 کو مکرم قاضی صاحب مرحوم نے خاکسار کو اطلاع دی کہ حضرت مصلح موعودؓ رضی اللہ عنہ کے لکھوائے ہوئے جوابات تو مل گئے ہیں لیکن سوالات کا سراغ نہیں مل رہا۔ میں نے مکرم قاضی صاحب موصوف کو لکھا کہ آپ کے سوالوں پر لکھوائے ہوئے جوابات حضرت مصلح موعودؓ رضی اللہ عنہ کا ایک علمی شاہکار ہے، جو ہمارے لٹریچر میں محفوظ ہو جانا چاہئے، خواہ سوالات نہ بھی ہوں، فائدہ اٹھانے والے جوابات سے فائدہ اٹھا لیں گے۔ چنانچہ مکرم قاضی صاحب نے مجھے حضور رضی اللہ عنہ کے لکھوائے ہوئے جوابات بھجوا دیئے جو میں نے تاریخ

احمدیت میں محفوظ کرنے کیلئے مکرم مولانا دوست محمد صاحب فاضل کے سپرد کردیئے۔

مکرم قاضی صاحب کی یہ خواہش تھی کہ حضرت مصلح موعودؓ رضی اللہ عنہ کے لکھوائے ہوئے جوابات کسی رسالہ میں بھی چھپوادئے جائیں تاکہ احباب اس سے استفادہ کرسکیں۔اس کے ساتھ ہی ان کی یہ خواہش بھی تھی کہ جب حضور رضی اللہ عنہ کا مذکورہ مضمون کسی رسالہ میں چھپے تو مضمون کے ابتدا میں یہ ذکر بھی تعارف کے طور پر آنا چاہیئے کہ ان معرکۃ الآراء جوابات کے معرض ظہور میں آنے کی کیا وجوہات پیدا ہوئی تھیں اور پھر حضور رضی اللہ کے تحریر کردہ مضمون کے نتیجہ میں حضرت قاضی صاحب مرحوم نے جو لیکچر تیار کیا اس کے سامعین پر کیا اثرات مترتب ہوئے۔مکرم قاضی صاحب مرحوم چاہتے تھے کہ حضور رضی اللہ عنہ کے تحریر کردہ مضمون کا ابتدائی تعارف ان کو اور خاکسار (ابوالمنیر نورالحق) کو مل کر لکھنا چاہیئے تاکہ مضمون کے سارے گوشے واضح ہوسکیں،لیکن مکرم قاضی صاحب کی مصروفیات اور مشاغل اتنے زیادہ تھے کہ ان کیلئے وقت نکالنا مشکل ہوگیا اور زندگی کے آخری ایام میں بیماری کی وجہ سے کچھ ایسے نڈھال ہوئے کہ وہ اپنی اس خواہش کو پورا نہ کرسکے اور آخر 15 دسمبر 1981ء کو خدا تعالیٰ کے حضور حاضر ہوگئے۔خاکسار خود بھی کثرت کار کی وجہ سے اس قابل نہ ہوسکا کہ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ رضی اللہ عنہ کا قیمتی شاہکار کسی رسالہ میں شائع کرادیتا۔ اب ایک عرصہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی ہے کہ مذکورہ مضمون محفوظ کروانے کی غرض سے برائے اشاعت ارسال کرسکوں۔الحمدللہ۔

(المنار جنوری 2015ء)



تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے بعض پروفیسرز کا تذکرہ

(مکرم انجنیئر محمود مجیب اصغر صاحب)

بچوں کی ایک کلاس میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے خواہش ظاہر فرمائی تھی کہ ربوہ کے اساتذہ کا ذکر ہونا چاہئے۔ خاکسار کو تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں دو سال پڑھنے کا شرف حاصل ہوا اور خاکسار نے یہیں سے ایف ایس سی (پری انجینئرنگ) کر کے انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور میں داخلہ لیا جہاں سے سول انجینئرنگ میں ڈگری حاصل کی۔ اگر خاکسار کو اس کالج میں پڑھنے کا موقع نہ ملتا جہاں کا پاکیزہ ماحول اور اچھی روایات اور شفیق اور دعا گو محنت کرنے والے اساتذہ ملے تو عین ممکن ہے خاکسار اتنے نمبر حاصل نہ کر سکتا اور انجینئرنگ یونیورسٹی میں داخلہ نہ ملتا۔ ایف ایس سی میں یہ 1960-62ء کا پیریڈ تھا۔ اتنا اچھا ماحول تھا اور خوشگوار فضا تھی کہ یوں لگتا ہے کوئی خواب دیکھا ہو۔ زمین پر چلتے پھرتے فرشتے تھے جو وقف کر کے اس تعلیمی ادارے کو چلا رہے تھے اور اس کے پس منظر میں حضرت مصلح موعودؓ خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی دعائیں اور آپ کے فرزند جلیل حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل ٹی آئی کالج کی حسن تدبیر اور اعلیٰ قسم کی Management انتظامی صلاحیتیں کارفرما تھیں۔ چنانچہ اس امر کا اعتراف 1961ء کے جلسہ تقسیم اسناد (Convocation) کے موقع پر اس وقت کے صوبائی سیکرٹری تعلیم پروفیسر سراج الدین صاحب نے صدارتی خطاب میں ان الفاظ میں کیا:

''تعلیم الاسلام کالج دو نمایاں اور ممتاز شخصیتوں والد اور فرزند کی محنت اور محبت وشفقت کا ثمرہ ہے۔ میری مراد آپ کی جماعت کے واجب الاحترام امام جو اس کالج کے بانی ہیں اور ان کے لائق وفائق فرزند مرزا ناصر احمد سے ہے۔ وہ اپنے مشہور و معروف خاندان کی قائم کردہ روایات کو وقف کی روح اور ایک ایسے جذبہ وشوق کے ساتھ چلا رہے ہیں جو دوسرے ممالک میں بھی شاذ ہی نظر آتا ہے۔'' (حیات ناصر صفحہ 231 جلد اول)

اس مضمون میں زیادہ تر ان پروفیسر صاحبان کا ذکر ہوگا جن کی شاگردی کا خاکسار کو شرف حاصل ہوا لیکن پہلے پرنسپل صاحب کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ

حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر صاحب ایم اے (آکسن) جو خلیفۃ المسیح الثالث کے روحانی اعلیٰ منصب پر 8 نومبر 1965ء کو فائز ہوئے۔ آپ کی عظیم الشان شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ کی بارُعب، شفیق، مقناطیسی شخصیت اور نورانی چہرہ آج بھی خاکسار کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ آپ نے ہماری فرسٹ ایئر کی کلاس کو اپنے ویلکم ایڈرس میں تین نصائح فرمائیں (1) محنت کرنا (2) دعا کرنا (3) حسد نہ کرنا (حسد حافظے کو خراب کر دیتا ہے) آپ انتخاب خلافت تک کالج کے پرنسپل رہے۔ کالج کے جنوب مغرب میں آپ کی کوٹھی تھی۔ کالج کے پرنسپل ہونے کے علاوہ آپ پر اس وقت بے شمار اور جماعتی ذمہ داریاں بھی تھیں آپ کے تعلق باللہ اور توکل اور اِنقطاع الی اللہ کے ایسے اعلیٰ مقام پر فائز تھے کہ آپ کے چہرہ کی مسکراہٹ پریشان حال طلباء میں بھی بشاشت اور عزم اور ہمت پیدا کر دیتی تھی۔ کیا بلحاظ تعلیم وتربیت اور کیا بلحاظ گیمز، Debates، علمی شخصیات کے لیکچروں اور تمام ضروری اُمور ڈسپلن، شاندار روایات، یونیفارم، وقت کی پابندی اور شاندار نتائج ہر لحاظ سے یہ کالج چوٹی کے کالجوں میں سے تھا۔ کسی قسم کی لغویات یہاں نہیں ہوتی تھیں۔ سگریٹ نوشی ممنوع تھی سر پر ٹوپیاں اور طلباء کے کالج کے اوقات میں انڈر گریجوایٹ گاؤن اور اساتذہ کے

گریجوایٹ گاؤن زیب تن ہوتے تھے۔اس شاندار ماحول کا تصور بھی اب محال ہے۔ٹی آئی کالج کا یہ امتیاز پرنسپل حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ کے دم قدم سے تھا۔آپ سے ملنے کے لئے بڑی بڑی شخصیات کالج میں آتی تھیں۔خاکسار نے پہلی مرتبہ حضرت مرزا طاہر احمد صاحب کو بھی کالج میں ہی دیکھا۔ایک خوبرُو پینٹ کوٹ میں ملبوس ٹائی لگائے ہوئے چہرے پر فرنچ کٹ داڑھی آپ کو ملنے پرنسپل آفس میں آئے۔طلباء آپس میں باتیں کررہے تھے کہ یہ پرنسپل محترم کے چھوٹے بھائی ہیں کچھ عرصہ پہلے ہی انگلستان سے واپس آئے ہیں اوران دونوں بھائیوں میں آپس میں بہت محبت ہے ان کا نام مرزا طاہر احمد ہے اورسب جماعت کے بزرگ آپ کے پاس آتے تھے۔حضرت مولانا جلال الدین شمس کو بھی آپ کے پاس آتے ہوئے کئی بار دیکھا گیا۔حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری تو باقائدہ Theology کا مضمون پڑھانے کالج میں آتے تھے۔ ایک بار سرگودھا کالج کے پرنسپل عبدالعلی خاں بھی آئے تھے۔علم کے فروغ کے لئے بڑی بڑی نامور شخصیتوں کو آپ مدعو کرتے رہتے تھے تعلیم کے بارے میں آپ کو جو تصور تھا اس بارے میں 1964ء کے کانووکیشن پر آپ کا مندرجہ ذیل اقتباس اس کی غمازی کرتا ہے۔فرمایا۔

”....علم ایک بحرِ بے کنار ہے۔اس لئے ایک انسان علم میں خواہ کسی قدر ترقی کر جائے علم ختم نہیں ہوتا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہہ دے اگر سمندر کو سیاہی بنا کر اس سے خدا تعالیٰ کی معرفت کی باتیں،اس کے دیئے ہوئے علوم اور قدرت کے راز ،ضبط تحریر میں لانا چاہو تو وہ ایک سمندر کیا اس جیسا ایک اور سمندر بھی لے آؤ تو وہ بھی ختم ہو جائے گا مگر خدا کی باتیں اوراس کے دیئے ہوئے علوم ختم نہ ہوں گے۔(کہف:110)اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اور حضور کی اتباع میں ہر مسلمان کی زبان سے یہ کہلوایا کہ رب زدنی علماً (طٰہٰ:115)اے اللہ مجھے اپنی معرفت اور علم میں بڑھاتا جا۔پس علم کبھی نہ ختم ہونے والی چیز ہے اس لئے آپ تا دَم حیات علم کی جستجو میں رہیں۔ (حیات ناصر صفحہ 218)

1965ء کے کانووکیشن پر فرمایا: ”حقیقی علم کا اَبدی سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے.......اگر

آپ علم سے محبت رکھتے ہیں تو ضروری ہے کہ آپ کا تعلق علم کے حقیقی سرچشمہ سے ہمیشہ مضبوط رہے پس اپنی عقل اور علم پر تکیہ نہ کرو بلکہ ہمیشہ علام حقیقی کے آستانہ پر عاجزی اور انکساری کے ساتھ جھکے رہو تا اس تعلق کے طفیل تمہارے دلوں سے بھی ہمیشہ مصفیٰ، میٹھے اور لذیذ علم کے چشمے پھوٹتے رہیں .... یہ بھی نہ بھولنا کہ انسان علم اس لیے حاصل کرتا ہے کہ خود اس سے فائدہ اٹھائے اور دوسروں کی خدمت کرے۔ (حیات ناصر اول صفحہ 21)

تعلیم الاسلام کالج کی پاکیزہ روایات

تعلیم الاسلام کالج کی روایات کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے خلیفہ بننے کے بعد کالج تشریف لا کر جلسہ تقسیم اسناد 1966ء کے موقع پر فرمایا: ''اس درسگاہ کے اساتذہ کی یہ روایت ہے کہ وہ اپنے طلباء کے ساتھ بچوں سے بھی زیادہ پیار کرتے ہیں ان کی جائز ضروریات کا خیال رکھتے ہیں دُکھ سکھ میں ان کے شریک ہوتے ہیں ہر وقت بے نفس خدمت میں لگے رہتے ہیں اور پوری توجہ اور پوری کوشش کے ساتھ بچوں کی رہبری اور رہنمائی میں مصروف رہتے ہیں۔ ہمارے عزیز بچوں میں یہ روایت پختگی کے ساتھ قائم ہو چکی ہے کہ وہ غلط سیاست میں حصہ نہیں لیتے اور سٹرائیک و دیگر ایسی ہی بد عادات سے وہ اتنے ہی دور ہیں جتنی کہ زمین آسمان سے۔ اس درسگاہ کا فکر و عمل مذہب و ملت کی تفریق و اِمتیاز سے بالا ہے ہر طالب علم خواہ وہ کسی مذہب کسی فرقہ یا سیاسی جماعت سے ہی تعلق کیوں نہ رکھتا ہو ں ہر قسم کی جائز سہولتیں حاصل کرتا ہے اور اس کالج کے اساتذہ ہر طالب علم کی جسمانی اور ذہنی نشو نما کی طرف پوری طرح متوجہ رہتے ہیں۔ یہاں امیر و غریب میں کوئی امتیاز نہیں رکھا جاتا ایک غریب کی عزت و احترام کا ویسا ہی خیال رکھا جاتا ہے جیسا کہ کسی امیر طالب علم کا۔ اساتذہ اس طالب علم کی قدر کرتے ہیں جو علمی شوق رکھتا ہو اور علم کی وسیع شاہراہ پر بشاشت اور محنت کے ساتھ آگے بڑھنے والا ہو اور سب سے بڑھ کر ہمارے اساتذہ میں یہ احساس پختگی کے ساتھ قائم ہے کہ محض ظاہری دیکھ بھال اور تربیت کافی نہیں ہمارے بچوں کا پہلا اور آخری

حق ہم پر یہ ہے کہ ہم دعاؤں کے ساتھ ان کی مدد کرتے رہیں (حیات ناصر جلد اوّل صفحہ 210 صفحہ 211) خاکسار کے پاس وہ الفاظ نہیں اور نہ قلم میں وہ طاقت ہے کہ اس عظیم انسان پرنسپل ٹی آئی کالج اور اس عظیم ادارہ ٹی آئی کالج کی خوبیاں اور عظمتیں بیان کرے اس لئے انہی فقرات پر اکتفا کر کے آگے باقی اساتذہ کا ذکر کرتا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ

پروفیسر میاں عطاء الرحمن صاحب۔ایم ایس سی بی ٹی

آپ اس زمانے میں فزکس کے ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ ہوتے تھے۔ نہایت درویش منش، لائق، محنتی، زمین پر چلتے پھرتے فرشتے تھے۔ پرنسپل صاحب کی غیر موجودگی میں آپ قائم مقام پرنسپل ہوا کرتے تھے چنانچہ خاکسار کا داخلہ ہوا تو آپ نے ہی انٹرویو لیا اور داخلہ فارم پر دستخط بھی کیے تھے جس کے نیچے Acting Principal کی مہر تھی۔ آپ سے ہماری کلاس نے باقاعدہ نہیں پڑھا کیونکہ اور پروفیسر مقرر تھے (اس وقت آپ بی ایس سی کی کلاسوں کو فزکس پڑھاتے تھے) تاہم چند لیکچر آپ نے بھی ہماری کلاس کو دیئے اور اتنے تحمل اور پیار سے پڑھاتے تھے کہ ان کے لیکچر کا ایک ایک لفظ لکھا جا سکتا تھا اور مضمون پوری طرح سمجھ آجاتا تھا کمزور سے کمزور ذہن کو مد نظر رکھ کر لیکچر دیا کرتے تھے تا کہ ہر ایک استعداد کے طالب علم کو سمجھ آجائے۔ ایف ایس سی کا رزلٹ نکلنے کے بعد جو عبوری سرٹیفکیٹ کالج کی طرف سے خاکسار کو ملا اس پر بھی قائم مقام پرنسپل کے طور پر آپ ہی کے دستخط تھے۔ آپ کی علمی قابلیت کا یہ عالم تھا کہ پنجاب یونیورسٹی کے فزکس کے ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ ڈاکٹر عبدالبصیر پال اپنے فزکس کے مسائل آپ کے پاس آکر Discuss کرتے تھے۔ آپ کا مالوف وطن حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کا مولد و مسکن بھیرہ تھا گزشتہ دنوں رجسٹر روایات میں سے مندرجہ ذیل روایات خاکسار کو ملی جو آپ کے بارے میں ہے اور انتہائی ایمان افروز ہے۔ محترمہ فاطمہ بی بی صاحبہ بنت (میاں) کرم الدین صاحب (صحابی) 313 میں شامل سکنہ بھیرہ اہلیہ (میاں) اللہ بخش صاحب رجسٹر روایات نمبر 13 صفحہ 7 تحریر فرماتی

ہیں۔ ”میری والدہ صاحبہ مسماۃ طالع بی بی صاحبہ مرحومہ اور والد صاحب نے حضور کو دعویٰ کرتے ہی مان لیا۔ ایک دفعہ میری والدہ کو خواب آئی کہ کوئی بزرگ آدمی ہیں وہ کہتے ہیں کہ قادیان میں جو امام مہدی صاحب ہیں ان کے ساتھ نکاح پڑھائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو لڑکا عطا کرے گا (کیونکہ ان کا لڑکا کوئی نہیں تھا اور خواہش تھی کہ لڑکا ملے) پھر خواب اپنے خاوند کو سنائی انہوں نے قادیان لکھی حضور نے جواباً تحریر فرمایا کہ جس عورت کو یہ خواب آئی اس عورت کو مجھ پر کامل یقین نہیں ہے اگر وہ مجھ پر کامل یقین کرے تو خدا لڑکا عطا کرے گا پھر قادیان دستی بیعت کے لئے گئے اور پھر خدا تعالیٰ نے لڑکا عطا فرمایا جس کا نام حضور نے عطا الرحمن رکھا جو کہ خدا کے فضل سے موجود ہے۔ میری عمر اس وقت 12 سال تھی۔“ (تاریخ احمدیت بھیرہ کے مطابق آپ کی پیدائش 1905ء کی ہے)

محترم پروفیسر نصیر احمد خان صاحب

آپ ہر دلعزیز شخصیت کے مالک تھے۔ فزکس کے پروفیسروں کا ذکر چل رہا ہے اس لئے آپ کا یہاں ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے آپ بڑے ہنس مکھ اور کامیاب پروفیسروں میں سے تھے۔ کئی غیر نصابی سرگرمیاں بھی آپ کے ذمہ تھیں۔ پروفیسر نصیر احمد خان صاحب نے ہماری کلاس کو فرسٹ ایئر میں فزکس پڑھائی۔ خاکسار بالکل غیر معروف اور بیک بنچز طلباء میں سے تھا۔ شروع میں تو انگریزی میں لیکچر کی سمجھ نہیں آتی تھی۔ تاہم محنت اور دعاؤں میں لگا رہا ستمبر میں کلاسیں شروع ہوئیں اور تین ماہ بعد ہی دسمبر ٹیسٹ شروع ہوئے جن میں مشکل سے پاس ہوا۔ جلسہ سالانہ آیا۔ اس پر ڈیوٹی دی۔ دعائیں کیں۔ بہت فکر مند رہتا تھا کہ کیا بنے گا؟ یکم اپریل کو سالانہ امتحان کے لئے فری ہوگئے۔ چودہ یا پندرہ تاریخ کو امتحان شروع ہوا اور امتحان ختم ہوتے ہیں سیکنڈ ایئر کی کلاسیں شروع ہوگئیں اور رزلٹ ساتھ ساتھ تیار ہو رہا تھا۔ فزکس کی کلاس میں نصیر احمد خان صاحب تشریف لائے اور پہلے ایک لڑکے کا رول نمبر پکار کر کھڑا کیا اور اس پر اظہار افسوس کیا کہ اس کے فزکس میں سب سے کم نمبر ہیں۔ خاکسار قدرے تاخیر سے داخل ہوا اور رول نمبر 188 تھا پھر آپ

نے کہا رول نمبر 188 کون ہے؟ وہ کھڑا ہو جائے۔خاکسار ڈرا ڈرا کھڑا ہوا اور دل میں گزرا کہ فزکس کا پیپر تو اچھا ہو گیا تھا نہ جانے خاکسار کو کیوں کھڑا کر دیا ہے۔مسکرا کر کہنے لگے کہ آپ تو چھپے رُستم نکلے ہیں۔کلاس میں اول پوزیشن لی ہے۔اس کے بعد خاکسار کے کلاس فیلو خاکسار کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھتے اتنا پڑھتے ہو؟ کیسے پڑھتے ہو؟ اس قسم کے کئی سوال ہوتے تھے اور خاکسار اندر ہی اندر اپنی نالائقی پر ہنستا تھا کہ انہوں نے کب سے خاکسار کو لائق سمجھنا شروع کر دیا ہے۔چنانچہ 1980ء سے جلسہ سالانہ ربوہ کے موقع پر شعبہ ترجمانی کے لئے جو سسٹم ڈیزائن ہو کر رائج ہے وہ بھی انہوں نے ہی ایک ہونہار اور لائق طالب علم (جو نئے احمدی تھے اور اخلاص میں بہت بڑھے ہوئے ہیں) محترم انجینئر ملک لال خان صاحب (حال امیر کینیڈا) کے ذریعے شروع کروایا تھا۔خاکسار جیسے نالائق شاگرد سے بھی انہوں نے ایک مرتبہ اپنی ایم ایس سی کی کلاس کو ''پاکستان میں بجلی کی پیداوار اور اس کی ترسیل'' پر لیکچر دلوایا تھا۔انہوں نے وہ خط و کتابت بھی دکھائی جو ڈاکٹر سلام اور حکومت کے درمیان ان کے ایم ایس سی کلاسز کو پڑھانے سے ایک انٹرمیڈیٹ کالج میں تبادلے کے سلسلہ میں ہوئی تھی۔حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی شدید خواہش تھی کہ تعلیم الاسلام کالج کے کئی اہم شعبوں میں ایم اے، ایم ایس سی کی کلاسیں شروع ہو سکیں۔اس مقصد کے لئے انہوں نے پروفیسر نصیر احمد خان صاحب کو پی ایچ ڈی کے لئے بجھوایا اور پروفیسر صاحب کامیاب و کامران ڈاکٹر نصیر احمد خان بن کر واپس آئے اور اتنی محنت اور لگن سے ایم ایس سی کلاسیں شروع کیں کہ ایک سال ٹی آئی کالج کا طالب علم پوری یونیورسٹی میں اول آ گیا لیکن کالج کے قومیائے جانے کے بعد صورت حال اَبتر ہوتی چلی گئی۔اللہ تعالیٰ رحم کرے۔پروفیسر ڈاکٹر نصیر احمد خان صاحب خلافت رابعہ کے شروع میں (قدرے جلد ہی) اللہ کو پیارے ہو گئے۔حضور نے جلسہ سالانہ 1983ء کے موقع پر آپ کا بڑی محبت سے ذکر فرمایا تھا۔اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔آمین۔

پروفیسر مسعود احمد عاطف صاحب

فزکس کے پرفیسروں میں مکرم مسعود احمد عاطف صاحب بھی تھے جو کہ حضرت مولانا عبدالرحیم درد صاحب کے داماد تھے۔آپ سے پڑھنے کا موقع تو نہیں ملا تاہم ایف ایس سی کے پریکٹیکلز کے دوران Internal Examiner تھے اور بڑے ہمدرد انسان تھے۔اس سے چند سال قبل غالباً 1958ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول بھیرہ میں سائنس کے پریکٹیکل کے ممتحن بن کر آئے تھے اور ہمارے والد صاحب (میاں فضل الرحمن بسمل صاحب بی اے بی ٹی) نے انہیں اپنے گھر بھی کھانے پر مدعو کیا تھا۔اس کالج میں تعلیم کے دوران ان سے بھی جان پہچان رہی۔یہ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔آمین۔

پروفیسر محمد اسلم قریشی صاحب

یہ بھی فزکس کے پروفیسر تھے غالباً احمدی نہیں تھے لیکن بالکل غیر متعصب انسان تھے۔کلاس کو بڑی محنت سے پڑھاتے تھے۔سیکنڈ ایئر میں ہمیں آپ نے پڑھایا تھا۔

محترم پروفیسر ڈاکٹر سلطان محمود شاہد صاحب

فرسٹ ایئر میں کیمسٹری ہمیں ڈاکٹر پروفیسر سلطان محمود شاہد صاحب (ڈاکٹر ایس ایم شاہد) نے پڑھائی۔بڑے ہر دلعزیز اور سادہ قسم کے انسان تھے بہت ہنس مکھ۔پڑھانے کا انداز بہت عمدہ۔قادیان کے زمانے کے کئی بار لطیفے بھی سناتے تھے اور اس طرح انگلستان Ph.D کے زمانے کے سبق آموز واقعات بھی۔سیکنڈ ایئر کی کلاسیں شروع ہوئیں تو اگلا رزلٹ ان کے مضمون کا تھا۔انہوں نے بتایا کہ خاکسار کیمسٹری میں بھی اپنی کلاس میں اوّل آیا۔آپ کی ایک اور پروفیسر کے ساتھ مل کر لکھی ہوئی کیمسٹری کی کتاب ہماری ٹیکسٹ بک ہوا کرتی تھی۔

پروفیسر مبارک احمد انصاری صاحب

سیکنڈ ایئر میں کیمسٹری پڑھانے کے لئے پروفیسر مبارک احمد انصاری صاحب مقرر ہوئے بہت شریف النفس انسان اور شفیق اساتذہ میں سے تھے اب کینیڈا نقل مکانی کر گئے ہیں۔اعلیٰ تحریک جدید جیسے اعلیٰ منصبوں پر فائز کیا، جہاں انہوں نے اپنی محنت وذہانت اوراخلاص کی وجہ سے ہمیشہ ہی خلیفہ وقت کی خوشنودی حاصل کی۔اللہ تعالیٰ آپ کی صحت اور عمر میں بے حد برکت دے آمین۔آپ اُن پروفیسرز میں سے تھے جنہیں کالج کے قومیائے جانے کے بعد جلد ہی حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے جماعتی اداروں میں واپس بلوالیا تھا۔

پروفیسر حبیب اللہ خان صاحب

کیمسٹری کے ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ پروفیسر حبیب اللہ خان صاحب ہوا کرتے تھے جوکہ حضرت ذوالفقار علی خان صاحب گوہر کے بڑے بیٹے اور مولانا عبد المالک خان صاحب ناظر اصلاح وارشاد مرکزیہ کے بڑے بھائی تھے۔ان سے ہمیں پڑھنے کا موقع نہیں ملا۔یہ اس وقت بی ایس سی کی کلاسوں کو پڑھاتے تھے۔

پروفیسر سعید اللہ خان صاحب

کیمسٹری لیبارٹری میں پروفیسر سعید اللہ خان صاحب پریکٹیکل کروایا کرتے تھے۔محترم پروفیسر سعید اللہ خان صاحب اصل میں ایم اے (شماریات) ہیں۔انہوں نے بی ایس سی میں حاصل کیمسٹری میں پنجاب یونیورسٹی میں پوزیشن کی تھی۔اس لئے جب تک باقاعدہ شماریات کا شعبہ کالج میں نہیں کھلا وہ کیمسٹری ڈیپارٹمنٹ میں کام کرتے تھے۔

(روزنامہ الفضل 17 نومبر 2014ء صفحہ 5-6)

اسی مضمون کی دوسری قسط مطبوعہ 19 نومبر 2014ء الفضل میں مکرم انجنیئر محمود اصغر صاحب دیگر اساتذہ کا تعارف کرواتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

محترم پروفیسر محمد ابراہیم ناصر صاحب

ایف ایس سی میں ہماری کلاس کو میتھ پڑھانے کے لئے محترم پروفیسر محمد ابراہیم ناصر صاحب مقرر ہوئے۔ آپ واقف زندگی تھے اور پہلے ایران میں مشنری بھی رہ چکے تھے۔ نہایت شفیق پروفیسر تھے۔ محنت سے کلاس کو پڑھاتے تھے۔ جب فرسٹ ایئر کا امتحان ہوا تو پری میڈیکل کلاس میں خاکسار کی دوسری پوزیشن تھی۔ خاکسار کے بڑے بھائی محمد عبداللطیف شاہد اسی کالج میں خاکسار سے چند سال آگے تھے۔ ان کی وساطت سے آپ سے تعارف ہوا۔ موصوف کا تعلق بھی اس علاقے سے تھا۔ یعنی ان کے آباؤ اجداد کا گھوگھیاٹ (میانی) جو حضرت خلیفہ اوّل کے مسکن ومولد بھیرہ کے قرب وجوار میں ہے اس لحاظ سے بھی ہم پر شفقت فرماتے تھے۔ جہاں تک خاکسار کو یاد ہے وہ کنٹرولر آف ایگزیمنیشن بھی تھے ان کی رہائش دارالصدر شمالی حلقہ انوار میں تھی جہاں اب ان کے ایک صاحبزادے داؤد احمد صاحب رہائش پذیر ہیں۔

محترم پروفیسر چوہدری حمید اللہ صاحب

آپ بھی ان دنوں میتھ پر مامور تھے لیکن ہماری کلاس ان سے نہیں پڑھی اس وقت آپ بی اے بی ایس سی کی کلاسز کو پڑھاتے تھے۔ آپ واقف زندگی ہیں۔ نہایت زیرک، محنتی اور مخلص واقف زندگی تھے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ، افسر جلسہ سالانہ صدر مجلس انصار اللہ اور وکیل اعلیٰ تحریک جدید جیسے اعلیٰ منصبوں پر فائز کیا۔ جہاں انہوں نے اپنی محنت، ذہانت اور اخلاص کی وجہ سے ہمیشہ ہی خلیفہ وقت کی خوشنودی حاصل کی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو 2003ء میں یہ بھی منفرد اعزاز بخشا کہ آپ نے مجلس انتخاب خلافت کے اجلاس کی صدارت فرمائی جس میں اللہ تعالیٰ کی غالب تقدیر کے ماتحت حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس منتخب ہوئے۔اللہ تعالیٰ آپ کی صحت اور عمر میں بے حد برکت دے۔آمین آپ ان پروفیسرز میں سے تھے جنہیں کالج کے قومیائے جانے کے بعد جلد ہی حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے جماعتی اداروں میں واپس بلوایا تھا۔

پروفیسر عبد الرشید غنی صاحب

آپ بھی ہمارے زمانے میں ٹی آئی کالج میں میتھ پڑھاتے تھے اور ریٹائرمنٹ کے بعد ایڈیشنل وکیل المال اوّل کے طور پر بھی خدمت کی توفیق پائی۔آپ مجلس انصاراللہ میں مسلسل کئی سال قائد مال کے طور پر بھی خدمت بجالاتے رہے ہیں۔چند سال قبل وفات پا چکے ہیں۔اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے آمین۔

صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب۔انگلش ڈیپارٹمنٹ

ہمارے دور میں انگلش کے ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ صاحبزادہ خورشید احمد صاحب ہوا کرتے تھے۔آپ حضرت مسیح موعودؑ کے خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔حضرت مرزا عزیز احمد صاحب کے بڑے بیٹے اور حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کے پوتے ہیں۔حضرت مرزا سلطان احمد صاحب حضرت مسیح موعود بانی سلسلہ احمدیہ کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔کالج کے قومیائے جانے کے غالباً فوراً بعد آپ کو کالج سے بلوایا گیا اور جماعتی اداروں میں خدمات پر مامور کردیا گیا۔آپ نے ناظر امور عامہ، ناظر امور خارجہ کے طور پر بھی کام کیا اور اب خلافت خامسہ کے آغاز سے ناظر اعلیٰ اور امیر مقامی کے طور پر دن رات خلیفہ وقت کا دست و بازو بن کر خدمت کی توفیق پا رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ آپ کی صحت اور عمر میں برکت دے۔آمین۔

پروفیسر محمد شریف خالد صاحب

ایف ایس سی میں ہماری کلاس کو انگلش A کا مضمون محترم پروفیسر محمد شریف خالد صاحب نے پڑھایا۔آپ کی Vocabulary بڑی زبردست تھی۔آپ کو شعر وشاعری سے بھی شغف تھا۔بعض اوقات غالب کا شعر بورڈ پر لکھ کر کہتے کہ اسے انگریزی زبان میں Explain کریں۔ایسا ایک شعر خاکسار کو اب تک یاد ہے۔

واں گیا میں بھی تو ان کی گالیوں کا کیا جواب
یاد تھیں جتنی دعائیں صرف دربان ہو گئیں

حقیقت تو یہ ہے کہ ہم نے اسے کیا Explain کرنا تھا یہ شعر تو ہمارے سروں کے اوپر سے گزر گیا تھا۔بعض پنجابی شاعروں کے بھی آپ بڑے مداح تھے اور کہتے تھے کہ ان کا کلام اتنا گہرا ہے کہ اگر یورپ جیسے براعظم میں ہوتے تو شیکسپئر کی طرح مشہور ہوتے۔بعد میں خاکسار کی ان کے ساتھ ربوہ میں ملاقات ہوتی رہی اور مل کر ہمیشہ خوشی کا اظہار کرتے تھے۔اب وہ وفات پا چکے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے۔آمین

پروفیسر حمید احمد صاحب

آپ اس وقت نسبتاً جوان تھے۔انگلش B کا مضمون ہمیں پڑھاتے تھے دارالرحمت شرقی میں ان کی رہائش تھی۔بعد میں وہ نائیجریا گورنمنٹ ملازمت میں چلے گئے اور اب جرمنی میں مقیم ہیں۔خاکسار کو 2000ء میں جلسہ سالانہ برطانیہ جانے کا اتفاق ہوا اور ایک جمعہ بیت النور فرینکفرٹ میں پڑھا۔وہاں کئی سالوں بعد ان سے ملاقات ہوئی اور جتنے دن وہاں رہا کئی بار فون پر بات ہوتی رہی۔اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت دے۔آمین۔

متفرق اساتذہ کاذکر

حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری

ٹی آئی کالج ربوہ میں ایک Theology کا مضمون ہوتا تھا جس میں قرآن کریم کا کچھ حصہ ہوتا تھا، یہ مضمون پڑھانے کے لئے جامعہ احمدیہ سے حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری (خالد احمدیت) تشریف لاتے تھے۔ آپ سابق مشنری بلاد عربیہ تھے اور جماعت کے بہت بڑے عالم فاضل تھے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے حضرت مولانا جلال الدین شمس کو اور آپ کو اور حضرت ملک عبدالرحمن خادم صاحب کو 1956ء کے جلسہ سالانہ پر خالد احمدیت کا خطاب دیا تھا۔ مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری کے ایک صاحبزادے مولانا عطاء المجیب راشد صاحب (مشنری انچارج برطانیہ) ہم سے کالج میں ایک دوسال آگے تھے اور بڑے اچھے مقرر ہوا کرتے تھے۔

ملک محمد عبداللہ صاحب

Theology کے ایک پروفیسر ملک محمد عبداللہ صاحب تھے جن کے ایک صاحبزادے Ph.D ڈاکٹر مقبول احمد صاحب اسلام آباد ہمارے کلاس فیلو تھے۔ حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب اور ملک محمد عبداللہ صاحب وفات پاچکے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرماتا رہے۔ آمین۔

پروفیسر سلطان اکبر صاحب

شعبہ عربی سے متعلق تھے اور انہوں نے ہماری کلاس کو عربی Optional کا مضمون پڑھایا تھا۔ اب بھی بڑی شفقت فرماتے ہیں۔ آپ نے خاکسار کو حضرت خلیفۃ المسیح اوّل کے اس عربی مکتوب

اور قصیدہ کا ترجمہ کر کے دیا جو روحانی خزائن 7 میں شامل اور صفحہ 149 سے شروع ہو کر صفحہ 153 پر ختم ہوتا ہے۔ خاکسار کی ایک بچی ان سے ایم اے (عربی) میں پڑھتی رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت دے۔ آمین۔

پروفیسر صوفی بشارت الرحمن صاحب

آپ شعبہ عربی کے ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ تھے اور کالج کی Admin کے انچارج تھے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ کے قریبی احباب میں سے تھے اور کالج میں ان کا بڑا رعب اور دبدبہ ہوا کرتا تھا۔ آپ سے بعد میں بھی تعلق رہا۔ صدر مجلس کارپرداز اور ناظر تعلیم بھی رہے۔ وفات کے وقت وکیل التعلیم تحریک جدید کے طور پر خدمت بجا لا رہے تھے۔ خاکسار کو ایک مرتبہ بتایا گیا کہ خدا نے مجھے اگلے خلیفہ کے بارے میں بتایا ہوا ہے لیکن آپ کو نہیں بتاؤں گا پھر باتوں میں حضرت مرزا مسرور احمد صاحب کا نام بھی لے گئے جس کی سمجھ کئی سال بعد 22 اپریل 2003ء کے انتخاب کے دوران آئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

پروفیسر شیخ محبوب عالم خالد صاحب

آپ شعبہ اُردو کے ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ تھے۔ آپ کو حضرت پرنسپل صاحب کا کلاس فیلو ہونے کا شرف حاصل تھا، اس لیے حضور کے بہت قریب تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد ایک لمبا عرصہ پرائیویٹ سکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح الثالث، ناظر بیت المال آمد اور کئی اہم جماعتی عہدوں پر رہے۔ نہایت منکسر المزاج دعا گو بزرگ تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب کی وفات پر آپ کو صدر صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ کے منصب پر فائز فرمایا تھا اور اس خدمت کے دوران خلافت خامسہ کے ابتدائی سالوں میں آپ کی وفات ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

آپ کے ایک صاحبزادے پروفیسر منور شمیم خالد صاحب بھی کالج میں پولیٹکل سائنس کے پروفیسر رہے ہیں۔اُردو کے شعبہ میں ہمارے ایف ایس سی کر جانے کے بعد ایک نامور شخصیت ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب بھی آئے جو اپنے ادبی کاموں اور شاعرانہ مزاج کی وجہ سے جماعت میں کافی مشہور ہیں اور کسی تعارف کے محتاج نہیں۔

چوہدری محفوظ الرحمن صاحب ایم اے

آپ فزیکل ایجوکیشن سے متعلق تھے واقف زندگی تھے اکثر گیمز یہی کرواتے تھے۔کالج میں لائبریری کے انچارج بھی رہے اب تک ماشاء اللہ بہت فعال تھے۔بیت انوار دارالصدر شمالی ربوہ کی زینت تھے۔اب وفات پا چکے ہیں۔اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔آمین۔

پروفیسر چوہدری محمد علی صاحب

آپ فلسفہ کے ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ تھے۔ایک آدھ بار انگلش کے پروفیسر انکے چھٹی پر ہونے کی وجہ سے انہوں نے ہماری کلاس کو انگریزی بھی پڑھائی تھی۔آپ بھی پرنسپل صاحب کے خاص احباب میں سے تھے۔آپ اور پروفیسر نصیر خان صاحب عموماً باسکٹ بال ٹورنامنٹ کے انچارج ہوا کرتے تھے۔ بعد میں ٹی آئی کالج ربوہ کے پرنسپل ہونے کا آپ کو اعزاز حاصل ہوا۔آج کل آپ وکیل التصنیف تحریک جدید کے طور پر حضرت مسیح موعود کی کتب کے تراجم پر کام کر رہے تھے۔آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع پر کتاب A Man of God کا ترجمہ ''ایک مرد خدا'' بھی کیا ہے۔بہر حال علمی لحاظ سے بہت قیمتی اور قابل قدر وجود تھے۔آپ نے 13۔اگست 2015ء کو وفات پائی۔اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔آمین۔

جب خاکسار کو حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی سیرت وسوانح کا کام تفویض ہوا تو آپ اور صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب اس کام کے لئے نگران کمیٹی کے طور پر مقرر ہوئے تھے۔باقی

اساتذہ کا ذکر ممکن نہیں صرف ان کا ذکر کیا ہے جن سے خاکسار کو پڑھنے کا اتفاق ہوا یا کسی طرح واسطہ پڑا۔ ورنہ سب اساتذہ کا اتنا احسان ہے کہ ان پر ایک کتاب مرتب ہونی چاہیے تا کہ ان کے لئے دعاؤں کا سلسلہ جاری رہے۔

(بحوالہ روزنامہ الفضل ربوہ۔19 نومبر 2014ء صفحہ 6)

۞

تعلیم الاسلام کالج کے مرحوم اُساتذہ اور کارکنان کا ذکرِ خیر

(پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی)

الفضل ربوہ نے جب خلیفۃ المسیح الثالثؒ نمبر شائع کیا تو میرا ایک شعر حضرت اقدس کی تصویر کے نیچے درج کیا اور اب تک جہاں تہاں حضور کی تصویر کے نیچے درج ہوتا ہے۔ آنکھیں کہ جیسے نور کی ندی چڑھی ہوئی۔ چہرہ کہ جیسے پھول کھلا ہو گلاب کا۔ میں کالج کے مرحوم اساتذہ کا ذکر اسی پرُنور چہرے والے وجود سے شروع کر رہا ہوں۔

میں نے پہلی بار قادیان میں حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ کو دیکھا تو وہ ہمارے اطفال الاحمدیہ کے اجتماع میں مہمان خصوصی کے طور پر تشریف لائے تھے۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ حضرت میاں صاحب انگلستان سے پڑھے ہوئے ہیں اور ایم اے آکسن ہیں۔ آکسن آکسفرڈ کے فارغ التحصیل طلبا کو کہا جاتا ہے۔ ہمیں یہ تو اندازہ نہیں تھا کہ آکسفرڈ کوئی بہت بڑی اور مشہور یونیورسٹی ہے مگر کسی شخص کا انگلستان پلٹ ہونا ہی اس کی شخصیت کا رعب ڈالنے کو کافی تھا۔ ہمارے سامنے جو انگلستان پلٹ آدمی تھا اس کے لب ولہجہ یا لباس واطوار سے کوئی غیر معمولی صاحبیت کا

اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ نہ ہی یہ مترشح ہوتا تھا کہ یہ شخص تعلیم الاسلام کالج کا پرنسپل ہے اور پرنسپل تو بہت بڑا آدمی ہوتا ہے۔

اس کے بعد مرزا ناصر احمد صاحبؒ کو ربوہ میں اس وقت دیکھا جب ہم حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے ساتھ خدمت کر رہے تھے۔ میاں صاحب لاہور سے آتے، اپنے عموں صاحب کی خدمت میں حاضری دیتے اور پھر کالج کی تعمیر کی نگرانی کے لئے کالج کی طرف چلے جاتے۔ ایک سائیکل اور چھتری ان کا کل سامان ہوتا تھا۔ کالج بن گیا تو ہم کالج میں داخل ہو گئے اور کالج میں چار سال بہ طور طالب علم گذارے اور سولہ سال بہ حیثیت لیکچرار اور پروفیسر۔

قادیان کے زمانے سے ہی اس کالج کی شاندار تعلیمی روایات کا آغاز ہوا اور جتنے اساتذہ اس ادارہ میں آئے وہ سب کے سب اپنے اپنے مضمون کے ماہر اور اپنی دینداری میں دوسروں کے لئے مشعل راہ تھے۔ پروفیسر اخوند عبد القادر صاحب محترم میاں عطاء الرحمن۔ چوہدری محمد علی۔ استاذی المحترم صوفی بشارت الرحمٰن۔ استاذی المحترم پروفیسر محبوب عالم خالد۔ محترم پروفیسر حبیب اللہ خاں۔ ڈاکٹر سید سلطان محمود شاہد۔ یہ اساتذہ لاہور میں اور پھر ربوہ میں کالج کے ساتھ وابستہ رہے اور طلبا نے ان علمی شخصیتوں سے کما حقہٗ فائدہ اٹھایا۔ اپنے کالج میں ایسے نابغوں کو اکٹھا کر لینا اور انہیں ایک ہمہ وقت مستعد ٹیم کی صورت دے دینا حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد کا کمال تھا۔ ہم نے ان سینیر اساتذہ کو پرنسپل صاحبزادہ مرزا ناصر احمد کی ماتحتی کرتے نہیں دیکھا ان سے محبت کرتے دیکھا ہے۔ ہمارے سامنے کا زمانہ تو ربوہ کا زمانہ ہے کالج کی سٹاف میٹنگ ہو یا درس و تدریس کے سلسلہ کی کوئی میٹنگ یہ اساتذہ پرنسپل کے سامنے یوں محبت سے بات کرتے تھے جیسے پرنسپل سے نہیں کسی محبوب سے بات کر رہے ہوں۔ لہجہ میں خلوص، باتوں میں ادب، مشورہ میں انکساری، اختلاف میں حیا اور پھر فیصلوں پر مستعدی سے عمل پیرا ہو جانے کا عزم صمیم! کالج کے اساتذہ کی یہ روایتیں ہی کالج کو نیک نام بنانے میں مدد ہوئیں۔

تقسیم ملک کے وقت پنجاب کی تقسیم سے جو قیامت صغریٰ برپا ہوئی اس سے سب لوگ ہی متاثر ہوئے اور کالج بھی اجڑ کر دربدر ہو گیا۔ قادیان میں اس کالج کی عظیم الشان عمارت تھی لاہور میں پہلے پہلے ایف سی کالج کے قریب کے متروکہ اصطبل میں کالج کا آغاز ہوا۔ بعد کو ڈی اے وی کالج کی متروکہ عمارت کالج کو الاٹ ہوئی۔ متروکہ عمارت تھی اور ہر لحاظ سے متروکہ تھی۔ دروازے کھڑکیاں غائب۔ دیواریں کہیں کھڑی کہیں سرنگوں غرض عجیب بے سروسامانی کے عالم میں کالج شروع ہو گیا اور وہی بوسیدہ لٹی پٹی عمارت معتبر ہو گئی۔

مرے خدا مجھے اتنا تو معتبر کر دے
میں جس مکان میں رہتا ہوں اس کو گھر کر دے

لاہور کے زمانہ میں کالج کی نیک نامی کا وہ چرچا تھا کہ غریب اور ذہین طالب علم جو خود کو معاشرے میں بے سہارا محسوس کرتے تھے کھنچ کر کالج کی طرف آ جاتے اور پرنسپل کی ایک مسکراہٹ ان کے سارے مسائل حل کر دیتی۔

لاہور کے کالجوں کی ایک روایت یہ تھی کہ کوئی نہ کوئی کالج کسی خاص کھیل میں نامور ہو جاتا تھا اور پھر اپنا اعزاز برقرار رکھنے کی سرتوڑ کوشش کرتا تھا۔ تعلیم الاسلام کالج اور اسلامیہ کالج میں روئنگ کے مقابلوں کا رَن پڑتا تھا یہاں بھی ایسی ہی تناؤ کی کیفیت ہوتی مگر دونوں پرنسپل مقابلہ کے وقت موجود ہوتے اور طلبا بڑے لحاظ ملاحظہ سے رہتے۔ جھگڑے تو شاید ہوئے ہوں سر پھٹول اور مار پیٹ تک نوبت نہیں پہنچتی تھی۔ یہ بات اسلامیہ کالج کے سابق پرنسپل اور پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر حمید احمد خان نے خود مجھ سے کہی کہ روئنگ کے مقابلوں کا فائنل دن تھا اور تعلیم الاسلام کالج پچھلے دو سال سے چیمپئن چلا آ رہا تھا اب کے برس جیتنے کا مطلب یہ تھا کہ تعلیم الاسلام کالج ٹرافی کا مستقل مستحق ہو جائے گا اس لئے میں نے اپنے کھلاڑیوں سے کہا کہ اگر آج آپ لوگ تعلیم الاسلام کالج کی ٹیم کو شکست دے دیں تو میں تمہیں دو سو روپے انعام دوں گا۔ یہ خبر تعلیم الاسلام کالج

کے پرنسپل مرزا ناصر احمد صاحبؒ تک پہنچی تو انہوں نے بھی یہ اعلان کیا کہ اگر اسلامیہ کالج کی ٹیم ان کی ٹیم کو شکست دے دے گی تو وہ بھی اسلامیہ کالج کی ٹیم کو دوسو روپے انعام دیں گے۔ یہ خبر سن کر ماحول کا سارا تناؤ دور ہو گیا اور دونوں ٹیموں نے جان توڑ مقابلہ کیا مگر تعلیم الاسلام کالج کی ٹیم نے مقابلہ جیت لیا۔ دونوں ٹیموں کے کھلاڑی سر جھکا کر مرزا صاحب کے سامنے آئے اور ان سے پیار شاباش اور تھپکی لی۔ تعلیم الاسلام کالج مدتوں روئنگ کا چیمپئن رہا۔ اس کے بعد آں قدح بشکست و آں ساقی نماند۔

زرعی یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر ظفر علی ہاشمی سے مضبوط تعلق رکھتے تھے وہ کہا کرتے تھے کہ سارے پنجاب میں ایک ہی کالج ہے جس کا نام سامنے آئے تو اس کے پرنسپل کا چہرہ آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتا ہے اور اس سلسلہ کے تو بے شمار واقعات ہیں کہ لوگ اپنے بچوں کو پکڑ کر تعلیم الاسلام کالج میں لے آتے اور پرنسپل کے سپرد کر کے نشچنت ہو جاتے کہ اب ہمارے بچے کی بے راہ روی کا کوئی خدشہ نہیں اور اب وہ پڑھائی میں بھی سست نہیں رہے گا۔ طالب علمی کے زمانہ میں تو ہم نے خاصی شرافت سے وقت گزارا اور سوائے جرمانوں کے اور کوئی سزا نہیں پائی اور جرمانے بھی حضرت پرنسپل صاحب کی مہربانی اور دریا دلی سے معاف ہو جاتے رہے۔ البتہ سٹاف پر آجانے کے بعد ہم لوگ ایک عجیب جرم میں پکڑے گئے۔ عصر کے بعد جب کالج بند تھا لیبارٹری کے سامنے والے لان میں کرسیاں بچھائے بیٹھے اور مزے سے سگریٹ نوشی کر رہے تھے۔ یکا یک ایک دوست نے جن کا رخ لیبارٹری کی طرف تھا زور سے نعرہ لگایا ارے میاں صاحب! ہماری تو جان نکل گئی ۔ یہ تو گمان میں نہ تھا کہ اس وقت میاں صاحب اپنی کوٹھی سے نکل کر اسی برآمدہ میں آجائیں گے جس کے سامنے ہم نے دھواں دار گھٹائیں چھوڑ رکھی تھیں ۔ سب نے مڑ کر دیکھا ۔ میاں صاحب نے اپنا بایاں ہاتھ بائیں کنپٹی پر شیلڈ کی طرح رکھا ہوا تھا اور بغیر ادھر ادھر دیکھے سیدھے کالج کے دفتر کی طرف جا رہے تھے گویا آپ نے ہمیں دیکھا ہی نہیں تھا۔ سب کا خیال تھا کہ اگلے روز جواب طلبی ہو

گی۔کچھ بھی نہیں ہوا۔ہاں اتنا ضرور ہوا کہ ہم لوگوں نے کالج کے ماحول میں سگریٹ نوشی چھوڑ دی۔تعلیم الاسلام کالج پہلا کالج تھا۔جس نے کل پاکستان اردو کانفرنسوں کا اہتمام کیا اس میں حضرت مرزا ناصر احمد نے یہ سلوگن وضع کیا کہ ’’اردو ہماری قومی ہی نہیں مذہبی زبان بھی ہے‘‘۔اب تو یہ بات ایک زمانے پرآشکار ہے کہ حضرت مرزا ناصر احمد کو مناسب سلوگن سوچنے کا خاص ملکہ تھا ان کا سلوگن LOVE FOR ALL HATRED FOR NONE یعنی محبت سب سے نفرت کسی سے نہیں۔اب سارے عالم میں گونجتا ہے۔

کالج میں روس کے سائنسدان آئے۔امریکہ کے اہل علم آئے ہماری اپنی عدالت ہائے عالیہ کے جج صاحبان آئے۔علماء آئے کبراء آئے سفراء آئے اور ان سب کو ربوہ لانے کا باعث تعلیم الاسلام کالج اور کالج کے پرنسپل مرزا ناصر احمد تھے۔ان کی قائم کردہ روایتیں ان کے بعد بھی کالج والوں نے جاری رکھیں۔ہمارے پڑوسی کالج گورنمنٹ کالج سرگودھا کے پرنسپل خان عبدالعلی خان گرم مزاج پٹھان تھے پہلی بار سرگودھا کالج کے پرنسپل بن کر آئے تو آتے ہی اپنا پستول سامنے میز پر رکھ دیا کہ طالب علموں پر رعب رہے۔پروفیسر غلام جیلانی اصغر جو حضرت مرزا ناصر احمد کے ساتھ محبت کا تعلق رکھتے تھے فرمایا کرتے تھے علی خان کا پستول لڑکوں کو خوف زدہ نہیں کر سکا مگر مرزا ناصرا حمد کی میز پر کاغذ کاٹنے والا چاقو بھی نہیں ہوتا تھا تب بھی لڑکے ان سے دبتے اور خوف کھاتے تھے۔حضرت صاحب کی وفات کے بعد لندن میں ایک غیر احمدی آرکیٹیکٹ دوست نے مجھ سے کہا تھا کہ ’’مرزا ناصر احمد جماعت احمدیہ کے شاہجہان تھے انہیں عمارتوں سے خاص شغف تھا‘‘۔ہم نے تو کالج کی تعمیر میں ان کا شغف دیکھا ہوا تھا اس لئے ان کی بات ہمیں زیادہ سمجھ میں آئی۔کالج کی اکثر عمارت تو کالج کے شروع ہو جانے کے بعد مکمل ہوئی ہال کی چھت پڑنے کا سماں تو اب تک آنکھوں کے سامنے ہے۔سینکڑوں مزدور اپنے کام پر مستعد ہیں شٹرنگ پڑ چکی ہے ابلنٹر پڑنے کا وقت ہے کہ مغرب سے گھٹا ٹوپ گھٹا اٹھی اور سب کے رنگ فق ہو گئے کہ اگر بارش ہو گئی تو سب

کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔مگر حضرت میاں ناصر احمد چھت پر کھڑے ہیں اوراسی انہاک سے کام جاری رکھے ہوئے ہیں۔قریب کے لوگ کہتے ہیں کہ ان کے لبوں پر دعا ہےاور ایک آدھ بار آنکھ اٹھا کر بادلوں کی طرف بھی دیکھتے ہیں مگر انہیں جیسے یقین ہے یہ بادل ان کا کام خراب نہیں کر سکتے ۔سنا ہے انہوں نے ایک بار انگلی اٹھا کر بادلوں کی طرف اشارہ کیا کہ یہ گویا بادلوں کو دور ہٹ جانے کا حکم تھا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کی بات نہیں ٹالی۔گھٹا ٹلی کھڑی رہی پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں برسا۔لنٹر کا کام مکمل ہو گیا تو سب کی جان میں جان آئی۔بادل برس جاتا تو لنٹر کی توانائی کو بہا لے جاتا۔اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک خادم کی بات سن لی۔

جس بات کو کہے کہ کروں گا میں یہ ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

ہم نے اپنے پرنسپل کے ہاتھوں بھی معجزے ہوتے دیکھے ہیں۔

میں آج آپ سب لوگوں کے سامنے اس بات کا اظہار کر رہا ہوں کہ اس پہلی بیعت کے وقت حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی آواز اس مرزا ناصر احمد کی آواز نہیں تھی جس کو ہم جانتے پہچانتے تھے۔ ہمارا جانا پہچانا مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالث کے پیرہن میں گم ہو گیا تھا۔اس کے علاوہ ایک اور نظارہ کا بھی میں گواہ ہوں۔پروفیسر حمید احمد خاں جو پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے اور حضرت مرزا ناصر احمد کے پرانے شناسا تھے حضور کو ملنے کے لئے آئے۔حضور نے انہیں دوپہر کے کھانے پر مدعو فرمالیا اور ساتھ میں مجھے اور چوہدری محمد علی صاحب کو بھی کھانے میں شرکت کی دعوت دی۔پروفیسر حمید احمد خاں کوئی تین گھنٹے تک حضور کی خدمت میں حاضر رہے۔کھانا ہوا باتیں ہوتی رہیں۔جب پروفیسر صاحب رخصت ہونے لگے تو حضرت صاحب نیچے ان کی کار تک تشریف لائے اور اپنے پرانے دوست اور رفیق کار کی کار دروازہ خود کھولا۔خان صاحب بیٹھ گئے کار روانہ ہوئی تو پروفیسر حمید احمد خاں نے میری طرف دیکھا اور فرمایا’’ پروازی یہ مرزا ناصر احمد تو نہیں

رہے“۔ یہ گواہی ایک پرانے رفیق کار کی تھی جو ان کے مدتوں کے رفیق رہے تھے۔ میں تو اپنے دوستوں سے برملا کہا کرتا تھا اور کہتا ہوں کہ میں اس بات کا گواہ ہوں کہ خلیفہ خدا بناتا ہے اور ہم نے اس کا نظارہ تین بار اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

حضرت صاحب کی ایک عادت کا ذکر کر دوں شائد کسی کے کام آ جائے۔ دعوتوں میں حضور اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے دوستوں چھوڑے ہوئے روٹی کے ٹکڑوں میں سے ایک دو ٹکڑے اہتمام سے کھایا کرتے تھے۔ میں نے ایک بار اپنی نادانی میں پوچھ لیا میاں صاحب آپ بچے کھچے ٹکڑے کیوں کھاتے ہیں؟ فرمایا کہ تمہیں حضرت اقدس مسیح موعود کا وہ شعر یاد ہے۔

لفاظات الموائد کان اکلی

فصرت الیوم مطعمعام الا ھالی

میں نے شعر پڑھا (اس کا ترجمہ یہ ہے کہ ایک وقت تھا کہ دستر خوان کے بچے کھچے ٹکڑے مجھے کھانے کو ملتے تھے اور اب خاندانوں کے خاندان میرے دستر خوان سے کھاتے ہیں) فرمانے لگے بس حضور کی سنت کی پیروی کرتا ہوں اور اس طرح پوری کی اور ہم اپنی آنکھوں سے اس کا نظارہ دیکھ رہے ہیں۔

حضرت قاضی محمد اسلم صاحب

حضرت مرزا ناصر احمد کے بعد دوسرے باقاعدہ پرنسپل حضرت قاضی محمد اسلم صاحب تھے۔ میاں صاحب کے استاد بھی تھے اور جانشین بھی۔ سبحان اللہ کیا بے نفس اور عالم وجود تھے۔ پھلوں سے لدے ہوئے پیڑ کی طرح منکسر، مطمئن اور سراپا عطا۔ قاضی صاحب برصغیر ہندو پاکستان کے نامور ماہر تعلیم، فلسفی اور ماہر نفسیات تھے۔ علی گڑھ یونیورسٹی اور کیمبرج یونیورسٹی کے پڑھے ہوئے تھے گورنمنٹ کالج کے پرنسپل اور پنجاب کے ڈی پی آئی رہے۔ پنجاب یونیورسٹی میں فلسفہ و نفسیات کا شعبہ قائم ہوا تو قاضی صاحب اس کے پہلے صدر شعبہ مقرر ہوئے۔ وہاں سے ریٹائر ہوئے تو

کراچی یونیورسٹی نے ان کی خدمات طلب کر لیں وہاں سے فارغ ہوئے تو اپنے امام کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے کمزور صحت کے باوجود تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے پرنسپل بن کر آئے۔ آج اس نابغۂ روزگار شخص کا نام زبان پر آیا ہے تو ان کے علم اور ان کے حلم کی خوشبو چاروں طرف محسوس ہو رہی ہے۔

قاضی صاحب نے سرکاری ملازمت میں ہونے کے باجود جماعت احمدیہ سے نہایت مضبوط اور فعال تعلق قائم رکھا۔ قادیان کے ہر جلسہ سالانہ پر ان کی تقریر ہوتی تھی زیادہ تر ان کا موضوع ہستی باری تعالیٰ ہوتا تھا کیونکہ دور حاضر میں دہریت کا فسوں ہر آزاد خیال کو اپنی طرف کشش کرتا تھا۔ قاضی صاحب ہر سال ایک نئے انداز سے اس موضوع پر روشنی ڈالتے اور پھر ان کی تحریر چھپ کر لوگوں کی ہدایت کا سامان بنتی رہتی۔ تعلیم الاسلام کالج کے سابق پرنسپل قبلہ چوہدری محمد علی صاحب قاضی صاحب ہی کے فیضان صحبت سے احمدی ہوئے تھے۔ ان سے کسی نے پوچھا تھا آپ احمدی کیوں ہوئے تو ان کا کہنا تھا قاضی محمد اسلم جیسا پڑھا لکھا اور روشن خیال آدمی کبھی غلط نہیں ہوسکتا یہ ہماری کم نظری ہے کہ ہمیں وہ باتیں نظر نہیں آتیں جو ان کو نظر آ گئی ہیں۔ یعنی قاضی صاحب کا وجود باوجود ہی احمدیت کی صداقت کی ایک دلیل تھا۔ مگر اتنی علمی وجاہت کے باوجود اس شخص میں اتنی خاکساری تھی کہ دیکھنے میں وہ شخص ہر کہہ ومہ سے اسکی سطح پر اتر کر بات کرتا تھا اور اس کی بات دلوں میں اترتی تھی۔

نامور ادیب اور غالب شناس سرکاری افسر جناب آفتاب احمد نے اپنی یادداشتوں میں لکھا کہ ایک بار برٹرنڈ رسل کی کسی کتاب پر پاکستان ٹائمز میں ایک تبصرہ چھپا۔ پطرس بخاری اس وقت گورنمنٹ کالج کے پرنسپل تھے تبصرہ کے نیچے مبصر کا نام نہیں تھا۔ صرف ایم اے کے الفاظ لکھے ہوئے تھے۔ پطرس نے قاضی صاحب سے عند الملاقات کہا کہ رسل کی کتاب پر آپ کا تبصرہ بہت عمدہ ہے۔ قاضی صاحب نے کہا وہ تو میرا لکھا ہوا نہیں میرے شاگرد ڈاکٹر محمد اجمل کا لکھا ہوا ہے۔ پطرس کہنے لگے ”میں تو سمجھتا تھا کہ ہمارے ہاں آفتاب فلسفہ صرف آپ ہی ہیں۔“ قاضی

صاحب نے فرمایا''جی آپ درست فرماتے ہیں میں ڈوبتا ہوا سورج ہوں اجمل چڑھتا ہوا سورج ہے۔'' یہ استادانہ حوصلہ کسی کسی استاد میں ہوتا ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کو ایسا خراج تحسین ادا کر سکے۔ میں تعلیم الاسلام کالج میں حضرت قاضی صاحب کے ماتحت رہا ہوں میں جانتا ہوں کہ وہ اپنے رفقاء کو اپنی تعلیمی قابلیت بڑھانے کے لئے ترغیب دیتے رہتے تھے۔ ان کی چٹیں سٹاف میں مقبول ومرغوب تھیں۔ جب بھی وہ کسی مسئلہ سے دوچار ہوتے فوراً متعلقہ مضمون کے استاد کو ایک چٹ بھیجتے کہ فلاں موضوع پر آپ کو ریسرچ کرنی چاہیئے۔ یا فلاں موضوع کی طرف آپ کو توجہ دینی چاہیئے۔ ان کی زیادہ تر چٹیں ان اساتذہ کی طرف ہوتی تھیں جو ریسرچ کی طرف توجہ کررہے تھے میں بھی ان چٹوں کا مورد تھا اور میں نے وہ چٹیں سب سنبھال کر رکھی ہوئی تھیں مگر حیف کہ پاکستان سے ہجرت کے وقت وہ چٹیں ضائع ہوگئیں۔

قبلہ قاضی صاحب اپنے شاگردوں کی نظر میں کتنے مقبول ومحترم تھے اس کا ایک نظارہ ہم نے اس وقت دیکھا جب سرگودھا کے کمشنر شیخ محمد حسین بزم اُردو کے افتتاح کے لئے کالج میں آئے۔ شیخ صاحب گورنمنٹ کالج میں قاضی صاحب کے شاگرد رہے تھے۔ کالج میں داخل ہوتے ہی اپنی گاڑی سے اُتر گئے کہ میں اپنے استاد کے سامنے گاڑی میں بیٹھ کر نہیں جاسکتا۔ خاصی دور تک پیدل چل کر اور قاضی صاحب کے قدموں میں جھک کر انہیں سلام کیا اور ان سے تھپکی لی۔ ایسی محبتیں ہر استاد کو نصیب نہیں ہوتی تھیں۔ ڈاکٹر وزیر آغا صاحب بھی جو ہمارے پرنسپلوں کے ساتھ بے تکلف تھے قاضی صاحب کے سامنے روتے رہتے تھے کہ میرے استاد ہیں۔ وزیر کوٹ میں ان کو کھانے پلانے پر بلایا تو اتنا اہتمام کیا کہ باید وشاید سرگودھا کے تمام اُمرا اور علماء کو مدعو کیا کہ میرے استاد کی دعوت ہے شرکت کیجئے۔ قبلہ قاضی صاحب کا یہ اُسوہ تھا کہ اپنے شاگردوں اور دوستوں رفیقوں کی جائز مدد اور سفارش کے لئے ہر دم تیار رہتے تھے۔ لاہور پنجاب کا صدر مقام ہے اس لئے دار الحکومت ہونے کی وجہ سے لوگ اپنے کام سلسلہ میں قاضی صاحب کو تکلیف دیتے رہتے تھے اور

اکثر سرکاری افسر کیا وزیر کیا سکرٹری سب ان کے شاگرد تھے۔جائز کام کے لئے سفارشی خط ضرور دیتے تھے بلکہ جانے کا موقع ہوتا تو خود جا کر کام کرواتے تھے۔

قاضی صاحب کی زندگی نہایت سادہ تھی جس میں کسی قسم کا کوئی طمطراق نہیں تھا۔لباس بھی سادہ مگر صاف ستھرا۔ہم نے قاضی صاحب کو اکثر کیمبرج کا بلیزر پہنے دیکھا۔فرماتے تھے اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ جوانی یاد آتی رہتی ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ہر رنگ کی پتلون کے ساتھ پہنا جا سکتا ہے۔ان کے پاس سوٹ ایک آدھ ہی تھا اور شیروانی بھی ایک ہی تھی البتہ ٹوپی ضرور اوڑھتے تھے ۔ہم نے ان کے سکرٹری ایجوکیشن ہونے کے زمانے کی ایک تصویر دیکھی تھی اپنے وزیر کے ساتھ کیبنٹ میں میٹنگ میں بیٹھے تھے اور ایک سادہ سی بش شرٹ زیب تن تھی باقی افسران قسما قسم کے لباسوں میں تھے قاضی صاحب نہایت اطمینان سے اپنے سادہ لباس میں مطمئن بیٹھے تھے۔ان کے کھانے پینے کی عادات بھی سادہ تھیں۔ربوہ میں تھے تو ہوسٹل میں پکے ہوئے کھانے پر اکتفا کرتے تھے ان کے گھر میں بھی ایک دو بار کھانے کے وقت حاضر ہونے کا موقع ملا۔ان کا کھانا سادہ سالن اور روٹی یا شام کو خشک دال یا ذرا سا قیمہ۔بس یہ ان کی ڈنر پلیٹ تھی۔دعوتوں میں اول تو جاتے ہی نہیں تھے مگر جانا گریز ہوتا تو صرف ایک کھانے میں ہاتھ ڈالتے۔قاضی صاحب سے ہم نے ایک سبق بھی سیکھا۔ڈاکٹر کی ہدایات کو ملحوظ رکھتے فرماتے تھے یہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اپنی طرف سے معالج کی بات مانو دوا وقت پر اور احتیاط سے استعمال کرو پھر شفا کے لئے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو۔یہ اصل توکل ہے۔قاضی صاحب اس بات پر عمل پیرا تھے مگر آخری بیماری میں تو زیادہ دوا کی نوبت نہیں آئی۔دیکھتے دیکھتے ایک دو دن ہی میں چٹ پٹ ہو گئے۔اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔قاضی صاحب کا جنازہ ربوہ میں لایا گیا تو ان دنوں میرے پاؤں کی ہڈی میں فریکچر ہو گیا تھا میں بیساکھی کے سہارے ان کے جنازے میں شامل ہوا اور تدفین تک موجود رہا۔امبیسیڈر منصوران کے صاحبزادے کہنے لگے آپ نے بہت تکلیف کی۔میں نے کہا قاضی صاحب سے

محبت کا تعلق ایسا ہے کہ اگر خدانخواستہ سٹریچر پر بھی آنا پڑتا تو میں حاضر ہوتا۔

آخری عمر میں پلنگ پر لیٹے پڑھتے یا لکھتے رہتے تھے۔ان کے یونیورسٹی کے زمانہ کا ایک سٹینوان کا مرید تھا وہ ان سے ڈکٹیشن لینے آجاتا تھا اور ان کے مضامین ٹائپ کر دیتا تھا۔اخباروں میں چھپنے والے مسائل حاضرہ پر ان کی گہری نظر تھی کوئی بات ان کے مسلک کے خلاف ہوتی تو فوراً جواب دیتے یا کسی رفیق کار کو جواب دینے کو کہتے ۔حضرت اقدس کی بہت سی کتابوں کا ترجمہ انگریزی میں کرنے کی توفیق پائی اور قاضی محمد اسلم جیسی انگریزی بھلا اور کوئی کیا لکھے گا اسی طرح دیگر علماء کے تراجم پر نظر ثانی کا موقع انہیں ملا۔حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثالثؒ ان کے شاگرد تھے اور ہمیشہ ان سے احترام سے پیش آتے جو کسی استاد کا حق ہوتا ہے مگر ہم نے قاضی صاحب کو حضرت صاحب کا پورا احترام ملحوظ رکھتے پایا۔سر جھکا کر نہایت ادب سے حضور کے ارشادات سنتے اور ہمہ تن تعمیل پر مستعد ہو جاتے ۔ایسے نابغہء روزگار کبھی کبھی ہی پیدا ہوتے ہیں اور ہماری خوش بختی ہے کہ ہم نے ان کو دیکھا اور ان کے ماتحت کام کیا۔ (المنار جنوری 2012ء)

پروفیسر اخوند عبدالقادر صاحب

جب ہم کالج میں داخل ہوئے تو کالج کے وائس پرنسپل میں قبلہ پروفیسر اخوند عبدالقادر صاحب تھے۔انگریزی کے آدمی تھے انگریزوں کی طرح انگریزی بولتے تھے مگر سر پر طرہ والی پگڑی پہنتے تھے اور اچکن یا شیروانی میں ملبوس رہتے ۔ بہت رُعب داب والی شخصیت تھی۔ہم نے تو ان سے پڑھا نہیں البتہ ایک دوبار ان کی انگریزی سننے کے شوق میں اپنے بے تکلف دوستوں سعید رحمانی اور اسلام بھٹی کے ساتھ ان کی کلاس میں جا بیٹھے۔دیکھا کہ ان کی کلاس میں ایک اجنبی شخص موجود ہے تو پوچھا آپ کیسے آئے ہیں ہم نے کہا آپ کی انگریزی کی دھوم سنی ہے اسے سننے کے لالچ میں آگئے ہیں فرمایا اچھا بیٹھو بیٹھو تمہارے پلے تو کچھ پڑے گا نہیں۔ہم بیٹھے ان کو انگریزی بولتے دیکھتے رہے۔طالب علموں پر ان کا بہت رُعب تھا کوئی ان کے سامنے دم نہیں مارتا تھا۔اس روز ہمیں پتا چلا

کہ سعید احمد خان رحمانی پر اخوند صاحب کی انگریزی کا رنگ چڑھا ہوا ہے۔ لچھے دار انگریزی۔ مشکل موٹے موٹے الفاظ۔ ریٹائر ہونے کے بعد کالج میں کبھی نہیں آئے۔ نہ ہی پتا چلا کہ کہاں فوت ہوئے اور کہاں دفن ہیں۔

پروفیسر محبوب عالم خالد صاحب

تعلیم الاسلام کالج میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے تعلق قبلہ پروفیسر محبوب عالم صاحب خالد سے اُستوار ہوا۔ ہوا یوں کہ پرنسپل صاحب نے جب ہمارے داخلہ پر اپنے دستخط ثبت فرما دیئے تو ارشاد فرمایا خالد صاحب کے پاس چلے جائیں۔ خالد صاحب کا کمرہ پرنسپل کے کمرہ کے بالکل سامنے ہی تھا۔ ہم نے اپنا فارم لیا اور خالد صاحب کے کمرے میں چلے گئے۔ اس زمانہ میں کمرہ پر کوئی جالی تھی نہ کسی چق کا وجود تھا خالد صاحب تو ہماری ہی گلی کے مکین تھے اور پرنسپل صاحب کی طرح ہمارے ابا کے دوست اور ہمجولی بھی تھے۔ خالد صاحب نے بھی ہمارے داخلہ کے فارم پر ایک نشان سا لگا دیا اور فرمایا جنید صاحب کے پاس لے جائیں۔ جنید صاحب اللہ اللہ کیا باغ و بہار شخصیت تھے منہ میں پان کی پیک بھری رہتی تھی اور ہونٹ بقول شخصے خون کبوتر بنے رہتے۔ ہمارا فارم دیکھا فرمایا بس ہو گیا۔ آپ کا داخلہ یہ فائل سنبھالئے، وہ فائل المنار کی تھی۔ گویا پہلے روز ہی ہمیں المنار سے وابستگی کا پروانہ مل گیا۔ ہمیں پتا بھی نہ چلا اور فیس بھی جمع ہو گئی رول نمبر بھی مل گیا۔ طے شود جادہ صد سالہ بہ آہے گاہے! قبلہ خالد صاحب سے ہماری روشنائی المنار کے سلسلہ میں تھی کچھ اس لئے بھی کہ ہم نے اردو کا مضمون رکھا تھا۔ پرنسپل صاحب ہم پر مہربان تھے اور اپنے عمو صاحب کی ملاقات کے لئے لاہور سے ربوہ تشریف لاتے تو ہر بار یہی فرماتے تھے آپ کی جگہ یہ نہیں کالج ہے۔ اب ہم تھے اور کالج تھا اسی کالج نے ہمیں علم کے نور سے روشنی دی اور پھر اسی کالج سے وابستگی نے ہمیں مٹی سے اٹھا کر کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ جی تو یہی چاہتا تھا اور ہے کہ اسی کالج سے وابستگی میں عمر بسر ہو مگر گردش زمانہ کے سامنے کس کی پیش گئی کہ ہماری جاتی۔

حسرت یہ تھی کہ اس کی گلی میں رہے یہ خاک
ہم خاک ہوگئے تو ہوا تیز ہو گئی

قبلہ پروفیسر شیخ محبوب عالم خالد کے انتقال کی خبر ملی تو یوں محسوس ہوا کہ ہم ننگی دھوپ میں کھڑے رہ گئے ہیں اور سر پر کوئی سایہ نہیں۔ خالد صاحب ہمارے اساتذہ میں سے تھے اور استاد اپنے شاگردوں کے لئے گھنے سایہ کی مانند ہوتا ہے جو انہیں علم کی کڑی دھوپ سے امان میں لاتا ہے۔ خالد صاحب کا اُٹھ جانا ایک فرد کا اُٹھ جانا نہیں اخلاص و وفا اور جاں نثاری کے ایک پورے عہد کا اُٹھ جانا ہے۔ سلسلہ کے پرانے جاں نثار کے ایک پورے عہد کا اُٹھ جانا ہے۔ سلسلہ کے پرانے جاں نثاروں میں وہ اپنی سادگی، محبت، محنت اور ہمہ وقت خدمت گزاری کی وجہ سے ممتاز تھے۔ ان جیسے اور بھی بہت ہوں گے مگر بات حالی کی سچی ہے عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں؟

ہمارا خالد صاحب سے ہمسائیگی کا تعلق بھی تھا خالد صاحب اس تعلق کا لحاظ بھی رکھتے تھے۔ کہیں راستہ میں ہمیں ننگے سر پھرتا دیکھ لیتے تو ٹوکتے اور کہتے میاں ہمارے ہمسائے میں رہتے ہوا پنے ''سر'' کا خیال رکھا کرو۔ ایک بار ہم نے شوخی میں کہہ دیا کہ ''سر ہم آپ کا بہت خیال رکھتے ہیں''، مسکرائے کہنے لگے ''مگر میں تمہارے سر کی بات کر رہا تھا''۔ ہم نے کہا ''جناب ہم بھی اپنے ہی ''سر'' کی بات کر رہے ہیں''۔ فرمانے لگے ''باتوں میں تمہارے ساتھ کون پورا اُترے مگر میں حق ہمسایہ کا فائدہ اُٹھاتا ہوں''۔ اب ان کے اُٹھ جانے کے بعد ہماری گلی خالی ہوگئی ہے۔

استاذی المحترم صوفی بشارت الرحمن صاحب

استاذی المحترم صوفی بشارت الرحمن! سبحان اللہ کیسا نیک پاک صاف ستھرا بے ریا وجود تھا۔ عربی ان کا تخصص تھا مگر تربیت ان کا فرض! کالج کا پرکٹوریل نظام ان کے قدم سے قائم تھا۔ ہاسٹل میں بھی ٹیوٹر تھے اپنے طالبعلموں سے انتہا کے اخلاص و وفا کی توقع رکھتے کیونکہ خود ان دونوں میں انتہا کے مقام پر تھے۔ نمازی، دعا گو، مخلص ہمدرد، تقویٰ کے جس مقام پر فائز تھے۔ اپنے طالبعلموں کو بھی اسی

مرتبہء بلند تک لے جانا چاہتے تھے اسی لئے ہم جیسے کمزور طالب علم ان سے بہت بدکتے تھے۔ کالج کے شرارتی طلباء یا نظام کی ذرا سی بھی خلاف ورزی کرنے والے ان کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ کڑا جرمانہ کرتے اور پرنسپل صاحب دریا دلی سے وہ جرمانہ معاف کردیا کرتے تھے۔

کلاس میں اپنے طلباء سے چھیڑ چھاڑ کرنا ان کی سنت جاریہ تھی مگر کسی کی سبکی مقصود نہیں تھی محض کلاس کی فضا کو خوش گوار بنانے کو ایسا کرتے تھے۔ دوران سبق لطائف کی پھلجھڑیاں بھی چھوڑتے تھے۔ ایک بار کالج آتے ہوئے ان کی سائیکل سے ان کا تھیلا گر گیا اور خوبیٔ قسمت کہ ہمارے ہاتھ لگ گیا۔ ہم نے ان کی کتاب قطب الازہار دیکھی۔ آپ نے بین السطور ترجمہ بھی لکھا ہوا تھا اور حاشیہ پر وہ لطائف درج تھے جو آپ کلاس میں سنایا کرتے تھے۔ یعنی ان لطائف کا بھی ایک معین مقام تھا۔ دو دن ہم نے کتاب واپس نہیں کی صوفی صاحب نے دو دن کلاس نہیں لی۔ ہمیں تو کلاس نہ لینے کی وجہ کا پتا تھا صوفی صاحب غلط بیانی تو نہیں کر سکتے تھے۔ یہی کر سکتے تھے کلاس کے وقت پر چھٹی لے لیں۔ لوگ بھی حیران تھے کہ پروفیسر جس نے شدید بیماری کے دوران بھی کبھی چھٹی نہیں لی دو دن سے تسلسل سے چھٹی کیوں لے رہا ہے۔ آخر ہم نے یعنی دو چار دوستوں نے مل کر کتاب واپس کردینے کا فیصلہ کیا اور صوفی صاحب کو جا کر کتاب اور تھیلہ واپس کر دیا اور جناب ہمیں صوفی صاحب نے پہلی اور آخری بار چائے پلائی۔ عزیزم مولانا عطاء المجیب راشد صاحب جیسے لائق شاگردوں کو تو وہ چائے پلاتے ہی رہتے ہوں گے۔ ہم جیسے نالائقوں کی بھی بن آئی ہاں ایک اور فائدہ بھی ہوا کہ وہ جو وقتاً فوقتاً عربی گرامر کے مشکل سوالات پوچھ کر ہمیں آزمائش میں ڈالتے اور زچ کرتے رہتے تھے وہ آزمائش بھی ختم ہوگئی۔

صوفی صاحب کالج سے ریٹائر ہوئے تو گویا ان کی زندگی تھم سی گئی۔ نظارت تعلیم میں کام کیا مگر انتظامی نوعیت کے کام ان کو راس نہیں آتے تھے۔ بہشتی مقبرہ کے محکمہ میں رہے پھر جامعہ میں متعین ہوئے مگر بجھ سے گئے تھے۔ کچھ ان کی عمر بھر کی الرجی کی تکلیف غلبہ کر آئی تھی۔ اواخر عمر

میں تو سانس لینا بھی دشوار ہو گیا تھا۔وہ جو عرفی نے کہا تھا کہ وہ سینہ جس میں دنیا بھر کے آلام سما جاتے ہیں ایک سانس کا متحمل نہیں ہو پاتا۔اسی عالم میں وہ نفس مطمئنہ اپنے مولا کے حضور حاضر ہو گیا۔ اللھم اغفرہ۔

مولانا ارجمند خان صاحب

مولانا ارجمند خان صاحب ہمارے دینیات کے استاد تھے۔ہمارے ابا کے مدرسہ احمدیہ کے زمانے کے استاد تھے اس لئے ہم کوئی اونچ نیچ کرتے اور اکثر کرتے رہتے تھے تو سرزنش فرمانے کی دھمکی دیتے خو! تمہارا باپ بھی میرا شاگرد ہے اس کے بھی کان کھینچوں گا۔کیا مہربان وجود تھا بات اس خوبی سے کرتے کہ سیدھی دل میں اُترتی تھی۔عمر بھر پنجاب میں رہ کر پڑھایا مگر ان کا پشتو لہجہ ان کے ساتھ مخصوص تھا اس پر انہوں نے کوئی آنچ نہیں آنے دی۔ ہر بات کے ساتھ خود کہنا ان کی عادت تھی اس بات پر کوئی سمجھوتا انہوں نے نہیں کیا۔دینیات کو دینیات سمجھ کر پڑھاتے اور اپنے مضمون کے تقدس کا بہت خیال رکھتے کلاس کی فضا کو بھی پاکیزہ رکھتے ہمارے ایک دوست تمبا کونوشی میں بہت بڑھے ہوئے تھے وہ بغیر کلی کئے کلاس میں آجاتے تو فوراً کلاس سے نکال دیتے فرماتے کلی کر کے آؤ۔ میں وضو کر کے آسکتا ہوں تم کلی کر کے نہیں آسکتے۔ہمارا یہ بے بدل استاد کینیڈا کی سرزمین میں آسودہ خاک ہے۔

مولانا غلام احمد بدوملہی صاحب

مولانا غلام احمد بدوملہی بھی دینیات کے استاد تھے۔عالم بے بدل اور حاضر جواب مقرر۔جوانی میں میدان مناظرہ کے شہسوار تھے۔سب طلباء کے رول نمبر انہیں یاد رہتے۔ بلکہ وہ کالج سے باہر ملتے تو رول نمبر کے حساب سے لڑکوں کو بلاتے۔ان کی کلاس میں پر اکسی بھلا کون بولتا؟ کالج میں شرارتی طلباء سے نوک جھونک ہوتی تو ایسا مسکت جواب دیتے کہ شرارت سے سوال کرنے والا اپنا

سامنہ لے کر رہ جاتا۔ بیرونی ممالک میں گیمبیا اور ماریشیس میں مبلغ بھی رہے جہاں تک میری یادداشت کام دیتی ہے گیمبیا کے گورنر جنرل ایف ایم سنگھاٹے کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے کپڑوں سے برکت حاصل کرنے کا مشورہ مولانا صاحب ہی نے دیا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ میں نے ابھی اپنے رفیق کار اور دوست پروفیسر محمد اسلم صابر سے استصواب کیا انہوں نے بھی میری بات کی تائید کی ہے۔ الحمدللہ کہ میری یادداشت نے دھوکا نہیں دیا۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

مولانا کالج کے سٹاف کو سال میں ایک بار دم پخت گوشت پکا کر کھلاتے تھے۔ واہ واہ کیا مزے دار چیز ہے۔ یہ دم پخت عین سٹاف روم کے سامنے پکایا جاتا۔ اس کے لئے گوشت مولانا اہتمام سے چن کر کٹوا کر لاتے۔ مرچ مصالحے ٹماٹر گھی ہر چیز خالص مہیا کی جاتی ہلکی ہلکی آنچ پر گوشت پکتا اور پھر مولانا سگھڑ بی بی کی طرح کھانا نکالتے اور ایک ایک پلیٹ اور ایک ایک بوٹی ہر ایک کو دیتے جاتے۔ جو لوگ زیادہ کی فرمائش کرتے مولانا فرماتے ایک ہی ہضم کر لو تو دوسری بھی دے دوں گا مگر ایک بوٹی کھانے کے بعد اتنی سیری ہو جاتی تھی دوسری کی خواہش ہی باقی نہیں رہتی تھی۔ بس لوگ کھاتے اور ہونٹ چاٹتے رہ جاتے۔ کئی بار گھروں میں ہم لوگوں ویسا دم پخت پکانے کی کوشش کی مگر وہ ذائقہ پیدا نہ ہوا۔ ہمیں تو وہ نظارہ یاد ہے کہ مولانا پکا رہے ہیں اور سارا سٹاف ان کے گرد جمع ہے مگر مولانا ایک معین حد سے کسی کو آگے آنے کی اجازت نہیں دیتے۔ مولانا خاموش کھڑے ہیں۔ کہیں کہیں سے بھاپ نکل رہی ہے اور سوندھی سوندھی خوشبو نے سارے کالج کا احاطہ کیا ہوا ہے اور مولانا بڑی اماں کی طرح چولہے کے سامنے بیٹھے ہیں اور ارد گرد کھڑے بچوں کو چولہے کے پاس آنے سے روک رہے ہیں۔

مولانا ابوالعطا صاحب

مولانا ابوالعطا صاحب جامعہ احمدیہ اور جامعۃ المبشرین کے پرنسپل کے طور پر سبکدوش ہونے کے بعد کالج میں تشریف لائے تھے۔ ایسے اعلیٰ مرتبے کے اداروں کے مقابلہ میں کالج میں دینیات

کی پروفیسری کوئی دنیاوی منفعت کے لئے نہیں تھی محض اس بات کا ثبوت دینے کو تھی کہ ایک واقف زندگی کو کسی بھی کام پر مقرر کیا جا سکتا ہے اور کوئی کام بھی اس کے مرتبے کے منافی نہیں۔ حضرت مولانا اپنے رفقاء کے ساتھ نہایت محبت اور پیار سے پیش آتے ان میں کوئی تفاخر نہیں تھا۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ سرگودھا ایکسپریس سے ربوہ سے لاہور جانے کے لئے ان کے ہمرکاب ہونے کا موقع ملا۔ سفر وحضر میں اپنے ماحول کو بشاشت سے خوش گوار بنائے رکھتے۔ سرگودھا ایکسپریس میں فرسٹ کلاس کا درجہ بھی تھا مگر مولانا ہمیشہ سیکنڈ کلاس میں دوسرے ساتھیوں کی طرف سفر کرتے۔

مولانا سلسلہ کے جید علماء میں تھے ان کا رسالہ الفرقان ملک کے علمی حلقوں میں بڑا وقیع جانا جاتا تھا۔ ہمارے ایک غیر از جماعت دوست کو بہائی مسئلہ پر اپنا ایم اے کا مقالہ لکھنا تھا۔ اسے علامہ علاؤالدین صدیقی صدر شعبہ اسلامیات پنجاب یونیورسٹی نے کہا کہ وہ ربوہ چلا جائے اور مولا ابوالعطاء صاحب سے استفادہ کرے۔ وہ صاحب جو بعد کو اسلامیات کے سینئر پروفیسر کے مرتبہ تک پہنچے ربوہ آئے۔ میں انہیں مولانا کے پاس لے گیا۔ مولانا نہ صرف چائے پینے سے تواضع فرمائی۔ بلکہ رسالہ الفرقان کا وہ نمبر بھی انہیں ہدیۃً دے دیا جو جو آپ نے بڑی محنت سے شائع کیا تھا اور فرمایا اگر اس کے بعد کسی مدد کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں۔ وہ صاحب عمر بھر مولانا کے احسان کو نہیں بھولے۔ یہ کالج کی خوش نصیبی تھی کہ سلسلہ کا مولانا جیسا عالم اس کے سٹاف پر رہا اور طلباء سے بہرہ ور کرتا رہا۔

ملک عبداللہ صاحب

مولانا کے بعد ملک عبداللہ صاحب بھی کالج کے سٹاف پر رہے۔ بڑے محنتی استاد تھے۔ اپنی اولاد کو بھی انہوں نے ایم اے تک تعلیم دلائی۔ ان کا بیٹا ڈاکٹر ملک مقبول احمد ہمارا شاگرد رہا بیٹی ایم اے تک پڑھا غالبا! کسی کالج میں لیکچرار بھی رہی۔ سنا ہے ملک صاحب نے اپنی خود نوشت قلمبند کی تھی ہم تک پہنچی ہوتی تو اس پر ضرور کچھ لکھتے۔ عربی میں ایم اے کی کلاسیں شروع ہوئیں تو اپنے ملک

مبارک احمد صاحب جامعہ سے وزیٹنگ پروفیسر کے طور پر تشریف لانے لگے۔وہ کالج کے واحد وزیٹنگ پروفیسر تھے۔سارے ملک میں ان جیسا عربی کا عالم اور کوئی نہیں تھا ہم نے علی گڑھ یونیورسٹی کے پروفیسر عبدالعزیز میمن کا بہت ذکر سنا ہے۔ہمارے ملک صاحب ان سے کسی طور کم نہ تھے۔

جناب محمد لطیف صاحب

ہم نے انگریزی جناب محمد لطیف صاحب سے پڑھی۔وہ حساب کے ایم اے تھے مگر کالج میں انگریزی پڑھانے پر مامور تھے پھر جماعت کی طرف سے افریقہ چلے گئے۔واپس آ کر وہ بیچارے جلد ہی فوت ہو گئے تھے دارالصدر میں بڑی سی کوٹھی انہوں نے خریدی تھی مگر اس میں رہنا انہیں نصیب نہ ہوا۔ان کا بھائی حفیظ کالج میں آیا تھا اب پتا نہیں کہاں ہے۔؟ سنا ہے ان کا بیٹا ڈاکٹر ہے اور یہاں انگلستان میں ہے۔

چوہدری عطاء اللہ صاحب

ہمارے فارسی کے استاد قبلہ چوہدری عطاء اللہ صاحب نہایت خاموش طبع اور متین صورت آدمی تھے۔سٹاف روم میں بھی کسی سے کوئی سروکار نہ رکھتے۔اپنی کلاس لی اور بس مگر سٹاف پر ایسے ایسے تیز لوگ بھی موجود تھے جنہیں چوہدری عطاء اللہ صاحب کی خاموش طبع ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ وہ ان سے چھیڑ چھاڑ لگائے رکھتے تھے مگر آفرین ہے چوہدری عطاء اللہ صاحب کی ان پر کوئی اثر نہ ہوتا ایک میٹھی مسکراہٹ سے ان کی باتیں سن لیتے اور چپ رہتے۔اچھے خاصے زمیندار تھے۔ کالج کے تنخواہ کے علاوہ بھی ان کو زمین سے خاصی آمدنی ہو جاتی تھی دارالصدر میں ان کی اچھی خاصی کوٹھی تھی مگر سٹاف روم میں چائے پینا یا چائے پلانا ان کی سنت کے خلاف تھا۔ان کی اس عادت کے خلاف تو پرنسپل صاحب بھی ان سے چائے پلانے یا کھلانے کا مطالبہ کر لیتے تھے مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوتے تھے۔فرماتے تھے کہ گھر پر آجائیں پلا دوں گا۔اللہ تعالیٰ نے اُنہیں بیٹا

دیا تو البتہ چوہدری صاحب نے سٹاف کو ایک ایک ٹکڑا برفی کا کھلایا۔ہم ان سے آپشنل فارسی پڑھتے تھے ایف اے میں بھی اور بی اے میں بھی ہم نے فارسی کے ساتھ تعلق قائم رکھا۔ ہمیں یاد نہیں کہ چوہدری صاحب نے کبھی کلاس میں سر اٹھا کر کسی طالب علم سے بات کی ہو یا کسی کوٹو کا ہو۔ایسے لوگ دنیا میں کتنے ہوتے ہیں؟

پروفیسر محمد شریف خالد صاحب

پروفیسر محمد شریف خالد صاحب واقف زندگی تھے۔کسی زمانہ میں وکیل الدیوان کے عہدے پر بھی کام کیا تھا سیدھے سادھے جاٹ! پرائیویٹ طور پر ایم اے انگریزی کر لیا تو کالج کے سٹاف پر آ گئے مگر انگریزی نے ان کا کچھ نہیں بگاڑا۔ وہی جاٹوں والی سادگی لباس میں بھی اور رکھ رکھاؤ برتاؤ میں بھی۔ایک سائیکل میں کالج آتے اور پھر ایک روز سٹاف روم میں اعلان فرمایا کہ میں نے اپنی سائیکل بیچ کر ایک بھینس خرید لی ہے ایک دوست فرمانے لگے کے کل سے شریف صاحب بھینس پر سوار ہو کر کالج تشریف لایا کریں گے۔مگر شریف خالد صاحب بھینس پر سوار ہو کر آتے یا سائیکل پر کلاس کا کبھی ناغہ نہ کرتے تھے۔کالج کے واحد استاد تھے جن پر کلاس چھوڑنے کا الزام نہیں لگایا جا سکتا۔لڑکوں میں بہت مقبول تھے۔زیادہ تر طالب علم انہیں چاچا شریف خالد کہتے تھے اور شریف خالد صاحب کا برتاؤ بھی طلباء سے بڑا ہمدردانہ اور ''چاچانہ'' تھا۔کالج سے فارغ ہوتے ہی اپنی بھینس کے لئے چارہ خود کاٹ کر لاتے اور گھر پر انہیں دیکھ کر ذرا اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ کالج کے پروفیسر ہیں۔اندر سے باہر سے کھرے اور صاف گو۔بچوں کو انگریزی کی ٹیوشن بھی پڑھاتے تھے مگر صرف ان کو جو گھر پر آ کر اُن سے پڑھیں کسی کہ ہاں جا کر پڑھانا ان کی عادت نہیں تھی۔کالج سے سبک دوشی کے بعد ماشاءاللہ لمبی عمر پائی اور ربوہ میں پیوند خاک ہوئے۔

میاں عطاء الرحمٰن صاحب

اپنے سائنس کے رفقاء کا ذکر میں اب تک موخر کرتا چلا آیا ہوں۔میاں عطاء الرحمٰن! آدمی نہیں فرشتہ تھے لباس میں وضع داری ان کی خصوصیت تھی ہمیشہ اچکن شلوار قمیص پہنتے اور ٹوپی اوڑھتے ہاتھ میں چھڑی رکھتے یا گرمیوں میں چھتری۔دار الرحمت وسطی میں اپنے گھر سے نکلتے تو ریلوے لائن کے ساتھ چلتے ہوئے کالج آتے ریلوے لائن کے ساتھ چلنے کی غائت یہ تھی کہ جوتے ربوہ کی بے پناہ گرد سے محفوظ رہیں۔کالج پہنچتے ہیں چائے کا پانی ہیٹر پر رکھ دیتے۔ چائے بن جاتی تو اطمینان سے بیٹھ کر اس کی چسکیاں لگاتے اور لطف لیتے۔ہم نے سائنس نہیں پڑھی مگر ان کے طلباء کو یہی کہتے سنا کہ فزکس پڑھنی ہو تو میاں عطاء الرحمٰن صاحب سے پڑھو۔علم کو پانی کر دیتے ہیں۔طبیعت کے دھیمے تھے مگر ایک بار ہم نے انہیں غصہ میں بھی دیکھا۔کسی لڑکے نے استاد کے خلاف ان سے شکایت کرتے ہوئے نازیبا الفاظ استعمال کئے تھے۔میاں صاحب نے اس طالب علم کو اتنے غصہ سے اپنے کمرے سے نکل جانے کو کہا کہ ہم جو پڑوس میں نصیر خاں صاحب کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے حیران رہ گئے۔وہ طالب علم باہر نکل کر رونے لگا۔ذرہ سی دیر کے بعد میاں صاحب کمرے سے باہر آئے اور اُس سے معافی مانگنے لگے۔بیٹا استاد کے خلاف نازیبا باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔تب ہمیں پتا چلا کہ طالب علم نے کیا حرکت کی تھی۔اس دن سارا روز میاں صاحب خاموش خاموش رہے میاں صاحب صبح کالج آتے اور شام تک جب تک پریکٹیکل وغیرہ ختم نہ ہو جاتے کالج میں رہتے۔دوپہر کے کھانے کا کیا کرتے تھے ہمیں علم نہیں۔ چائے تک تو خود بناتے تھے اپنے شعبہ کے مدد گار کارکنوں سے نہیں بنواتے تھے۔فزکس کے کارکن غلام حیدر صاحب بھی کالج کے مخلص خدمت گذار تھے۔کالج کی تعمیر میں بہت مستعدی سے وہ حضرت میاں صاحب کے ساتھ کام کرتے رہے ان کا ایک بیٹا ہمارا کلاس فیلو تھا دوسرا ہمارا شاگرد ہوا۔

پروفیسر حبیب اللہ خان

پروفیسر حبیب اللہ خان ! حضرت مولانا ذوالفقار علی خاں گوہر کے صاحبزادے اور مولانا عبدالمالک خاں صاحب کے بھائی تھے۔ کیمسٹری کا آدمی ہونے کے باوجود نہایت ادب دوست اور ادب پرور آدمی تھے۔ سائنسی موضوعات پر ان کی کتابیں اردو سائنس بورڈ نے چھاپیں اور انہیں انعام بھی دیئے۔ پروفیسر حبیب اللہ صاحب کی سائیکل بھی پطرس کی سائیکل کی قریبی رشتہ دار تھی۔ مگر اس نے خاں صاحب کا ساتھ نبھایا۔ حبیب اللہ خاں صاحب کی آواز بھی اپنے ابا کی طرح پاٹ دار تھی۔ کیمسٹری تھیئٹر میں ہم جیسوں کا لاؤڈ سپیکر کی ضرورت پڑتی رہتی تھی مگر خان صاحب بغیر کسی لاؤڈ سپیکر کے پڑھاتے تھے۔ پھر پریکٹیکل کرواتے تھے ان کی محنت کا یہ عالم تھا کہ کالج کے کنٹرولر امتحانات تھے امتحان کے پرچوں کی تیاری چھپوائی اور بروقت تقسیم اس کے بعد نتائج مرتب کرنے کی ذمہ داری بڑا اہم کام تھا اور خاں صاحب کرتے تھے ان کے ساتھ صرف ایک کارکن ہمارے ناصر صدیقی صاحب تھے۔ یہ سارے کام ان تدریسی فرائض میں شامل نہیں تھے مگر وہ اپنی راتیں کالی کرتے تھے پھر کتابیں لکھتے تھے۔ ادھر ماشاءاللہ بھرا خاندان تھا بہت سے بیٹے بیٹیاں۔ کریم اللہ اور کلیم اللہ دونوں کالج میں تھے ہمیں آج تک پہچان نہیں ہوئی کہ ان میں کون کریم اللہ اور کون کلیم اللہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ہم جیسے لفظوں کے طوطے مینا بنانے والوں کے علاوہ کیسے کیسے محنتی لوگ ہمارے کالج کو دے رکھے تھے۔

فزکس میں اپنے مسعود عاطف صاحب تھے اپنے مولانا عبدالرحیم درد صاحب کے داماد۔ کالج میں بس اپنے کام سے کام رکھتے پڑھایا پریکٹیکل کروایا اور واپس گھر۔ کالج کی کسی زائد از نصاب سرگرمی میں انہیں مصروف نہیں پایا۔ اپنا گھر بنوانے کی انہیں لولگی ہوئی تھی مگر گھر بن گیا تو بچارے رہ گزائے قضا ہو گئے اس گھر میں زیادہ رہنا انہیں نصیب نہ ہوا البتہ بچوں کی تعلیم وتربیت خوب کی۔ اس میں ہماری بہن رضیہ درد کا بھی بہت حصہ ہے۔

پروفیسر نصیر احمد بشیر صاحب

ایم ایس سی میں گولڈ میڈل لے کر آئے تھے بڑے لمبے چوڑے وجیہہ آدمی تھے اور ربوہ کے دارالصدر کے احمد نگر کی سمت کے آخری کونے پر ایک سرخ کوٹھی میں رہتے تھے وہاں سے اپنے چھوٹے سے ٹیریئر کتے کی زنجیر پکڑ کر نکلتے۔ کالا گاؤن گھر سے ہی زیب تن کر لیتے پہلے ریلوے لائن تک آتے اور ریلوے لائن کے ساتھ چلتے چلتے کالج تک تشریف لاتے۔ ان کے آنے سے قبل کالج کو بیالوجی کا کوئی استاد میسر نہیں تھا۔ ہمارے ڈاکٹر حمید احمد خاں جیسے ذہین طلبا ہی کام چلا لیتے تھے۔ اور اعلیٰ کامیابیاں بھی حاصل کرتے تھے، نصیر احمد بشیر صاحب ایک دوسال بعد پی ایچ ڈی کے لئے امریکہ چلے گئے ان سے کوئی بیس برس بعد میڈیکل کالج فیصل آباد میں ملاقات ہوئی آپ وہاں فزیالوجی کے پروفیسر تھے۔ آپ نے وہاں بھی اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا مگر جلد ہی دست اجل نے انہیں اچک لیا۔

پروفیسر نصیر احمد خان صاحب

اپنے پروفیسر نصیر احمد خان! زباں پہ بارے خدایا یہ کس کا نام آیا۔ ذہانت فطانت اور وجاہت ،اللہ تعالیٰ نے تینوں انہیں بدرجہ اتم عطا کی تھیں۔ علی گڑھ کے پڑھے ہوئے تھے اس لئے علی گڑھ والوں کی جدت پسندی بھی ان میں تھی۔ کالج کی زائد نصابی سرگرمیوں کی جان تھے۔ یونین کو یونین بنا دیا۔ باسکٹ بال کا کھیل شروع ہوا تو ربوہ باسکٹ بال کا قومی مرکز بن گیا۔ فزکس کے شعبہ میں ایم ایس سی کی کلاسیں شروع کرنے کا سہرا پرنسپل صاحب کے بعد انہی کے سر ہے۔ ایم اے عربی کی کلاسیں تو پہلے شروع ہوئی تھیں سائنس میں کسی کالج کو یونیورسٹی کے مقابلہ میں لا کھڑا کرنا کوئی معمولی کام نہ تھا ہمارے کالج نے یہ کام کر دکھایا۔ نتائج دیکھ کر یونیورسٹی والوں نے بھی اعتراف کیا کہ ربوہ کا معیار ہم سے کہیں آگے اور بہتر ہے۔ پھر نصیر احمد خاں صرف سائنسدان ہی نہیں تھے نہایت اچھے شاعر بھی تھے ان کا مجموعہ کلام رود چناب چھپا ہوا ہے۔ ہمارے ساتھ بہت ہی بے تکلف تھے

اور محبت کا سلوک بھی روا رکھتے تھے۔ ابھی پچھلے دنوں اپنے بھائی مسعود احمد خاں دہلوی کا انتقال ہوا ہم نے کسی مضمون میں لکھا تھا کہ بھائی مسعود احمد خاں دہلوی سیٹھ محمد اعظم اور نصیر احمد خاں اکٹھے ہو جاتے تو پھلجھڑیا چھوٹتیں کہ چراغاں ہو جاتا۔ نصیر احمد خان کا اتنا مختصر ذکر کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں مگر ان کی شخصیت کے تمام پہلو اجمال کے ساتھ ہم نے بیان کر دیئے ہیں۔ یہ جوان رعنا دل کی بیماری کے سبب اچانک ہم سے رخصت ہو گیا مگر اس کی یادیں اب تک دل میں کروٹیں لیتی ہیں۔ انکے دونوں بیٹے ہمارے شاگرد ہوئے اور بیٹی عائشہ ہمارے دوست عنایت اللہ منگلا سے بیاہی گئی تینوں بچے اپنے ابا کے دوست ہونے کی وجہ سے ہمارے ساتھ احترام اور محبت کا سلوک روا رکھتے ہیں۔ سٹاف میں مولوی محمد دین صاحب اسلامیات کے پروفیسر تھے۔ بزرگ آدمی تھے۔ اس لئے ہم ان سے بے تکلف نہ ہو سکے جیسے دوسرے استادوں سے تھے مگر مضمون میں سند تھے۔

پروفیسر عثمان صدیقی صاحب

ان کے بعد اپنے عثمان صدیقی آئے۔ ہماری ہی گلی کے مکین، واحد پرفیسر تھے جو ٹخنوں سے اونچی شلوار پہنتے تھے اور جرابوں کے بغیر جوتے۔ اٹلی میں مبلغ بھی رہے تھے واپس آنے کے بعد گھٹیالیاں کالج میں بھی پڑھایا۔ جامعہ نصرت میں بھی پڑھایا اور پھر کالج کے سٹاف میں آ گئے۔ ہر وقت زیر لب دعائیں کرتے رہنا ان کا شیوہ تھا کئی بار ایسا ہوا کہ گلی میں ہمارے پاس گزر گئے اور دیکھا تک نہیں۔ جب میں نے شکوہ کیا تو فرمایا اچھا میں اپنے خیالات میں مگن تھا میں نے نہیں دیکھا کالج میں بھی ان کا یہی عالم تھا۔ نیک خوار و دیندار تھے۔ ساتھ ہی اپنے شاگرد اور بعد کے رفیق کار انور حسین یاد آئے۔ کالج میں تھوڑا عرصہ ہی پڑھایا پھر افریقہ چلے گئے واپس آئے تو اس جان بہار کو دست اجل نے جوانی میں چھین لیا۔ نہایت متقی آدمی تھے۔

اپنے پروفیسر ابراہیم محمد ناصر کسی زمانہ میں ہنگری میں مبلغ رہے۔ پھر قدرت انہیں چنیوٹ اسکول میں لے آئی کیونکہ اس کے اردگرد کینر کی باڑ تھی ہمارے ماسٹر ابراہیم ناصر صاحب نے وہ بار

ہامرے ہاتھوں پر صرف کر دی مگر حساب ہمیں آنا تھا نہ آیا۔ پھر کالج میں آ گئے۔ ہم نے کالج میں انہیں پہلے دن دیکھا تو چنیوٹ اسکول کی کنیر یاد آ گئی مگر الحمد للہ کہ حساب سے ہماری جان چھوٹ چکی تھی اور ناصر صاحب کی بیدزنی سے بھی۔ ناصر صاحب کے سپرد کالج کے نصابیات کا شعبہ تھا شاید امتحان کا کام بھی کچھ عرصہ آپ نے کیا۔ اچکن پہن کر کالج آتے تھے۔ کلاس میں جاتے تو چاکوں کا پورا ڈبہ ختم کر کے لوٹتے ہاتھ اور اچکن دونون چاکوں سے لتھڑے ہوتے۔ اپنے چوہدری حمیداللہ صاحب کا بھی یہی حال ہے ہم تو سوچ سوچ کر حیران ہوا کرتے ہیں کہ وکالت علیا میں چوہدری حمیداللہ صاحب کس چاک سے کام لیتے ہوں گے؟ چاک گریباں یا چاک جگر سے تو ان کا واسطہ نہیں۔ پروفیسر رحمت علی مسلم کالج سے ریٹائرڈ ہوئے تو کالج میں آ گئے۔ پھر جامعہ میں پڑھاتے رہے۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں کے ایم اے تھے اور خوب عالم آدمی تھے۔

اب اپنے عزیز دوست اور رفیق عبدالرشید غنی کا ذکر آ گیا۔ اللہ غنی کیا باغ و بہار آدمی تھے۔ کالج میں ڈیمانسٹریٹر تھے پھر پشاور یونیورسٹی سے حساب کے مضمون میں ایم ایس سی کر کے کالج کے سٹاف پر آ گئے۔ فرمایا کرتے تھے میں یونیورسٹی بھر میں سوم تھا دوست کہتے تھے تین ہی لڑکے ہوں گے۔ منہ پھر کر فرماتے ہاں تین ہی تھے۔ حساب پڑھاتے تھے اور ہاکی یا فٹ بال کھلاتے تھے حالانکہ خود دونوں میں سے کوئی کھیل بھی نہیں کھیل سکتے تھے۔ خدام الاحمدیہ میں بڑے مستعد تھے اور انصاراللہ میں بھی۔ سلسلہ کے کاموں میں انہیں خاصی دلچسپی تھی۔ نیشنلائزیشن کے بعد کالج کے وائس پرنسپل ہو کر ریٹائر ہوئے ایک ہی بار اپنے بیٹے سے ملنے کینڈہ تشریف لائے پھر موت نے انہیں کھینچ لیا۔ کینڈہ آئے تو انہیں دل کی تکلیف ہو چکی تھی مگر حوصلہ میں تھے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد ان کی سناؤنی آ گئی۔ ہمارے گروپ کے آدمی تھے اس لئے ہمارے ساتھ بے تکلفی بھی بہت تھی۔ اللہ بخشے دوستوں کے دوست تھے اور بڑے مہمان نواز۔ چوہدری فضل داد کے پی ٹی پھر لائبریرین ہو گئے۔ لائبریری میں بیٹھے اپنی موٹے موٹے شیشوں والی عینک سے لوگوں کو گھورتے رہتے اور کبھی کبھار نعرہ بلند فرماتے خاموش۔ حالانکہ پہلے ہی سناٹا ہوتا۔ کسی زمانہ میں اچھے کھلاڑی

تھے پرنسپل صاحب کے ساتھیوں میں سے تھے اس لئے کوئی ان سے اونچ نیچ نہیں کر سکتا تھا۔

پروفیسر جنید ہاشمی صاحب

کالج کے دفتر میں جنید ہاشمی صاحب تھے حضرت قاضی ظہور الدین اکمل کے صاحبزادے ان کے نائب ناظر بیت المال مقرر ہونے پر قریشی عبداللہ صاحب آئے وہ انجمن میں واپس جا کر آڈیٹر کے طور پر ریٹائر ہوئے۔ چوہدری محمد احمد بو بک الرشید تھے ہمارے پی ایچ ڈی کا مقالہ آپ نے بڑی محنت سے ٹائپ کیا۔ اپنے پیر ہارون الرشید تھے دیوار بیچ کے پڑوسی، پیر افتخار صاحب کے پوتے۔ ان کے علاوہ دوسرے کارکن بھی توجہ کے مستحق ہیں ہوسٹل والے حسن دین صاحب اور میجر بشیر دریا والے سردار ملاح پرنسپل کے گھر کی چوکیداری کرنے والے گل خاں۔ پرنسپل صاحب کے خدمت گذار لعل دین صدیقی کا مرحوم بھائی محمد علی، بایولوجی کے مددگار عبدالستار اور شریف نام کے کے ایک کارکن کیمسٹری میں بھی تھے۔ بیلدار سوہنی اور ماشکی چراغ۔ اپنے ڈسپنسری والے ڈاکٹر سراج الدین اور لئیق۔ یہ سب کالج کے مخلص خدمت گذار تھے۔ اللہ سب کی مغفرت فرمائے

بھلا شادی کے اوصاف کو بھی کاغذ میں پابند کیا جا سکتا ہے؟ شادی شادی تھا۔ کالج کے ساتھ لازم وملزوم اور کالج کے طلبا میں ہر ایک کا چاہنے والا۔ اس کی خواہش تھی کہ مرنے کے بعد کالج ہی کی چاردیواری میں دفن ہو مگر اس کی موت کہیں کسی گاؤں میں ہوئی اور اس کے لواحقین نے کالج والوں کو اطلاع نہ دی۔ مدتوں بعد پتا چلا کہ شادی نہیں رہا۔ شادی ہر طالب علم کو یاد ہے بھلا وہ بھی مر سکتا ہے؟ میں حضرت اقدس کی خدمت میں باریاب ہوا حضور نے فرمایا ''شادی'' کا ذکر تو ہوگا۔ میں نے عرض کیا حضور ''شادی'' کے ذکر کے بغیر کالج کا ذکر مکمل ہو سکتا ہے؟

(المنار جنوری۔فروری 2012ء)

بیتے دنوں کی یاد



اساتذہ تعلیم الاسلام کالج کا ذکر خیر

(محترم مولانا بشیر احمد رفیق خان صاحب مرحوم)

آج سے قریباً نصف صدی قبل یہ خاکسار 1949ء میں تعلیم الاسلام کالج میں داخل ہوا۔ان دنوں کالج کی بلڈنگ ہندوؤں کی متروکہ جائداد تھی ۔کافی خستہ حالت میں تھی۔کالج کے پرنسپل حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ تھے آپ کی اعلیٰ انتظامی قابلیت، اساتذہ اور طلباء سے مثالی حسن سلوک اور آپ کی پرولولہ قیادت نے تعلیم الاسلام کالج کو لاہور کے چند بہترین کالجوں میں سرفہرست ہونے کا اعزاز بخشا۔حضرت میاں صاحب نہایت حلیم طبیعت کے مالک تھے۔چہرہ پر سدا مسکراہٹ رہتی تھی۔طلباء کو اپنے بچوں کی طرح پیار کرتے تھے اور ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے تھے۔

حضرت میاں صاحب پولیٹیکل سائنس اور اکنامکس کے گریجوئیٹ تھے۔ایک مرتبہ ہمارے اکنامکس کے پروفیسر لمبی رخصت پر گئے تو حضرت میاں صاحب نے کچھ عرصہ اکنامکس کی کلاس کو پڑھایا۔اس عاجز کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ میں ان کی شاگردی سے مستفیض ہوا اور ان کی کلاس میں اکنامکس کا مضمون آپ سے براہ راست پڑھا۔الحمدللہ۔

ان دنوں کالج میں ایک پٹھان ناصر خان نامی کام کیا کرتے تھے۔اسے اردو نہیں آتی تھی۔اس لئے وہ فارغ ہو کر میرے پاس آکر وقت گزارتا تھا۔عموماً ڈیوٹی گیٹ پر ہوتی تھی۔حضرت

میاں صاحب اس سے بے حد پیار اور محبت کا سلوک فرماتے تھے۔ ایک دفعہ ناصر خان نے مجھے کہا کہ تم ٹک شاپ میں ناشتہ کر کے کیوں رقم برباد کرتے ہو۔ میں تمہارے لئے چائے اور روٹی لایا کروں گا۔ میں نے محض ناصر خان کا دل رکھنے کے لئے اجازت دی کہ وہ صبح میرے لئے چائے اور روٹی لایا کرے۔ ایک دن ناصر خان صاحب کیتلی اٹھائے میرے کمرے کی طرف آ رہا تھا کہ اس کی مٹھ بھیڑ حضرت میاں صاحب سے ہوگئی۔ حضرت میاں صاحب نے پوچھا کہ ناصر خان کدھر جا رہے ہو۔ ناصر خان نے جواب دیا، میاں صاحب! میں بشیر رفیق کے لئے چائے اور بغیر گھی کے پراٹھے لے جا رہا ہوں۔ حضرت میاں صاحب بغیر گھی کے پراٹھوں کی اصطلاح سے بے حد محظوظ ہوئے اور کئی مرتبہ مجھ سے دریافت فرماتے کہ تمہاری صحت بغیر گھی کے پراٹھوں سے بہت اچھی لگ رہی ہے۔

میں آرٹس کا سٹوڈنٹ تھا لیکن کالج میں داخل ہونے کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد میرا جناب محترم پروفیسر ڈاکٹر سلطان محمود شاہد صاحب جو سائنس کے استاد تھے، نہایت پرخلوص اور گہرا محبت کا تعلق قائم ہوگیا۔ ان کے اعلیٰ اخلاق دوستانہ اور محبانہ انداز رویے نے مجھے ان کی طرف ایسا کھینچا کہ بی اے پاس کرنے کے بعد بھی ہمارے تعلقاتِ خلوص و محبت میں فرق نہ آیا۔ میں آرٹس کا سٹوڈنٹ ہونے کے باوجود محترم ڈاکٹر شاہد صاحب کے اصرار پر سائنس سوسائٹی کے ساتھ کراچی اور پھر صوبہ سرحد کے دورے پر گیا اور محترم ڈاکٹر شاہد صاحب کے اعلیٰ اخلاق سے مستفیض ہوا۔ میں انہیں ہمیشہ اپنی دعاؤں میں یاد رکھتا ہوں۔

میں اکنامکس کا سٹوڈنٹ تھا۔ ہمارے استاد محترم فیض الرحمٰن فیضی تھے اور جناب فیضی صاحب کا تعلق طلباء سے دوستانہ تھا۔ وہ کبھی طلباء کو یہ محسوس نہیں ہونے دیتے تھے کہ وہ ہمارے استاد ہیں۔ میرے ساتھ ان کا دوستانہ تعلق ایسا ہوگیا تھا کہ میں انہیں دوست زیادہ استاد کم سمجھتا تھا۔ جناب فیضی صاحب کو اکنامکس کے مضمون پر بڑا عبور حاصل تھا۔ ان دنوں پڑھائی انگریزی زبان میں ہوتی تھی۔ محترم فیضی صاحب نہایت روانی کے ساتھ انگریزی زبان میں لیکچر دیتے تھے کہ گویا کوئی انگریز پڑھا

رہا ہو۔ محترم فیضی صاحب نہایت خوش لباس تھے۔ سوٹ اور ٹائی بہت اعلیٰ قسم کی زیب تن فرماتے تھے۔ آپ سلسلہ کے مشہور اور خالد احمدیت حضرت خادم صاحب گجراتی کے بھائی تھے۔

ہمارے انگریزی کے استاد حضرت اخوند محمد عبدالقادر صاحب تھے۔ آپ کو اپنی انگریزی دانی پر بڑا فخر تھا اور اکثر دوران لیکچر فرمایا کرتے تھے:

Akhwand Abdul Qadir has a command over English Language

آپ ہمیشہ اچکن اور شلوار قمیص میں ملبوس ہوتے تھے اور سر پر سفید پگڑی باندھتے تھے۔ Wordsworth جو انگریزی کا مشہور شاعر گزرے ہیں ان کی نظمیں پڑھاتے وقت اس قدر محو ہو جاتے کہ یوں لگتا کہ اشعار کا ان پر نزول ہو رہا۔ بہت عرصہ بعد مجھے حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا جب قرب نصیب ہوا تو ایک دن باتوں باتوں میں حضرت اخوند صاحب کا ذکر آ گیا تو حضرت چوہدری صاحب فرمانے لگے کہ اخوند کو انگریزی زبان پر غیر معمولی قدرت حاصل ہے بلکہ وہ تو اردو اور پنجابی بھی انگریزی لہجہ میں بولتے ہیں۔ حضرت اخوند صاحب کی انگریزی دانی کی شہرت اردگرد کے کالجوں میں بھی تھی وہاں کے طلباء جنہیں انگریزی زبان کا شوق تھا اخوند صاحب سے ملنے ہمارے کالج آیا کرتے تھے۔

ہمارے ہوسٹل کے سپرنٹنڈنٹ محترم چوہدری محمد علی صاحب۔ آپ فلسفہ کے استاد تھے۔ فلسفہ میرے مضامین میں شامل نہ تھا۔ اس لئے ان کے بارے میں، مَیں استاد ہونے کے ناتے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ البتہ بحیثیت ہوسٹل سپرنٹنڈنٹ، میں نے انہیں قریب سے دیکھا ہے۔ میں ایک سال Mess کا انچارج رہا۔ جناب چوہدری صاحب کو اس بات کا بہت خیال رہتا تھا کہ بورڈرز کو صحت مند کھانا میسر ہو۔ محترم چوہدری صاحب کو کھیلوں میں بھی بہت دلچسپی تھی۔ وہ پہلے کشتی رانی اور بعد میں باسکٹ بال کے انچارج رہے۔ ان کے دور میں کھیلوں کا معیار بہت بلند تھا۔ آپ شاعر تھے۔ جن دنوں کا میں ذکر کر رہوں ان دنوں ان کی ایک نظم بہت مشہور تھی جس کا عنوان تنہائی تھا۔ یہ بہت

مشکل نظم تھا جو ہماری سمجھ سے بالا تھی لیکن ہر محفل میں طلباء کا پرزور مطالبہ ہوتا کہ چوہدری صاحب اپنی یہ نظم ضرور سنائیں۔

عربی زبان کے پروفیسر صوفی بشارت الرحمٰن صاحب تھے۔ میں عربی کا طالب علم نہ تھا۔ اس لئے میں ان کی عربی دانی کی قابلیت کے متعلق کچھ کہنے سے قاصر ہوں۔ وہ ہمارے ہوسٹل کے ٹیوٹر تھے۔ میں نے اس حیثیت میں انہیں قریب سے دیکھا ہے۔ محترم صوفی صاحب نہایت متقی، اور عبادت گزار بزرگ تھے۔ وہ اس بات کی سختی سے نگرانی کرتے تھے کہ طلباء نمازوں میں باقاعدگی اختیار کریں۔ نماز مغرب اور فجر کے بعد آپ درس القرآن و حدیث بھی دیتے تھے۔ لباس میں سادگی ان کا شعار تھا۔ کبھی مغربی لباس زیب تن نہ کیا۔ طبیعت میں حس مزاح بھی موجود تھی۔ خوب کھل کھلا کر ہنسا کرتے تھے۔

ہمارے مضامین میں اردو بھی شامل تھی۔ ہمارے اردو کے وفیسر شیخ محبوب عالم خالد تھے۔ آپ ایک نیک متقی اور مخلص انسان تھے۔ یہ آپ ہی کی تعلیم وتربیت کا نتیجہ تھا کہ میں کالج کے میگزین المنار کے حصہ اردو کا ایڈیٹر بنا۔ میں اردو سوسائٹی کا پریذیڈنٹ بھی تھا۔ حضرت خالد صاحب کی خواہش کی تکمیل میں ہم نے لاہور سے مشہور اردو ادب کی خدمت کرنے والوں کو تقاریر کی دعوت دی۔ ان میں پروفیسر عبادت بریلوی، وقار عظیم اور شوکت تھانوی جیسے عظیم ادیب شامل تھے۔

ایک استاد جن سے میں نے بہت کچھ سیکھا اور جو میرے استاد ہونے کے علاوہ میرے دوست اور ہمدرد اور سرپرست بھی تھے اور حقیقی معنوں میں ایک متقی پرہیزگار اور شفیق انسان تھے۔ میری مراد حضرت مولانا ارجمند خان صاحب سے ہے۔ آپ دینیات کے استاد تھے۔ پٹھان ہونے کے ناتے مجھ سے محبت کرتے تھے۔ باوجود لمبا عرصہ پنجاب میں رہنے کے آپ اردو پشتو لہجہ میں بولتے تھے۔ دینی علوم کا ایک سمندر تھے۔ انگریزی زبان سے نابلد ہونے کی وجہ سے انہیں اکثر مشکل پیش آتی کیونکہ کالج میں ان دنوں انگریزی کا رواج تھا۔ ان کی اس کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے طلباء نے ان سے منسوب کر کے لطائف بھی گھڑ لئے تھے۔ آپ اپنے سے منسوب لطائف کو سن کر

بجائے ناراض ہونے کے لطف اندوز ہوتے تھے۔ میرے پاس ان سے منسوب لطائف کا ایک ذخیرہ تھا۔ ایک دن فرمانے لگے مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے خود گھڑ رکھے ہیں جو مجھ سے منسوب کرتے ہو لیکن میں بھی ان سے لطف اندوز ہوتا ہوں۔ آپ کی وفات کینیڈا میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔

میں آرٹس کا سٹوڈنٹس تھا لیکن جناب پروفیسر نصیر احمد خان صاحب سے بوجہ اس کے اعلیٰ اخلاق اور بے تکلفی کے نہایت قریبی تعلقات تھے۔ وہ نہایت خوش اخلاق اور خوش لباس تھے۔ حلیم طبع تھے اور شاعر بھی تھے۔ ان کی انتھک محنت سے فزکس ڈیپارٹمنٹ لاہور کے کالجوں میں سے اول نمبر پر تھا۔ نصیر خاں صاحب طلباء کے دکھ سکھ میں شریک رہتے تھے۔ کالج کے آفس سپرنٹنڈنٹ اے آر جنید ہاشمی تھے۔ وہ نہایت خوش طبع انسان تھے۔ ہر کسی کے کام آنے والے اور کسی کے دکھ سکھ میں شریک ہونے والے یہ حضرت قاضی ظہور الدین اکمل صاحب صحابی کے فرزند تھے۔ گفتگو مختصر کرتے تھے۔ طلباء میں ان کا بے حد احترام تھا۔

کالج کی ایک نہایت مقبول شخصیت مددگار کارکن شادی کی تھی۔ شاید ان کا نام سعدی تھا جو بگڑ کر شادی ہو گیا نہایت مستعد کارکن تھے۔ ہر طالب علم سے رابطہ رکھتے۔ حس مزاح سے وافر حصہ پایا تھا۔ جناب پرنسپل صاحب کو ان سے بے حد پیار تھا۔ اور شادی بھی ان کے ساتھ بے تکلفی کے ساتھ بات کرتا۔ ایک دفعہ ایک طالب علم نے شادی کی منت سماجت کی کہ اس کی درخواست پرنسپل صاحب کو پیش کر کے اس کی سفارش بھی کرے۔ شادی اس کی درخواست لے کر پرنسپل صاحب کے پاس گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اس وقت میں مصروف ہوں درخواست نہیں دیکھ سکتا۔ شادی بھلا کب ٹلنے والا تھا۔ درخواست ہاتھ میں لے کر پرنسپل صاحب کے سامنے کھڑا رہا۔ پرنسپل صاحب کو غصہ آیا اور شادی کو باہر نکال کر اندر سے کنڈا لگالیا۔ شادی بھی ٹلنے والا نہ تھا۔ درخواست کو دروازہ کے نیچے سے گزار کر آواز دی کہ درخواست اٹھالیں اور بچے کا کام کر دیں۔ پرنسپل صاحب کو ہنسی آ گئی۔ دروازہ کھولا، درخواست

منظور کر کے شادی کو پکڑائی اور شادی خوشی خوشی درخواست طالب علم کے پاس لے گیا۔

ایک دفعہ کی بات ہے کہ میں اور جناب سید سلطان محمود صاحب شاہد چاندنی رات سے لطف اندوز ہونے کے لئے کالج کے صحن میں بیٹھے تھے کہ شادی ہاتھ میں ایک بڑا پیالہ پکڑے سامنے آیا اور سلام کیا۔ شاہ صاحب نے پوچھا شادی ہاتھ میں کیا ہے۔ کچھ بچا کھچا سالن روٹی ہے۔ آپ کھالیں۔ شاہ صاحب نے کہا میں نے تو یوں ہی پوچھا ہے ہم نے کھانا کھا لیا ہے۔ شادی اصرار کرنے لگا تو ہم نے تنگ آ کر اسے ڈانٹا کہ کہہ جو دیا کہ کھا چکے ہیں۔ شادی نے نہایت معصومت سے کہا۔ کھالو کھالو ویسے بھی اسے میں پھینکنے ہی جا رہا تھا۔ شادی کے بے شمار قصے ہیں جنہیں بیان کرنے کا موقع نہیں۔

آخر میں ان تمام اساتذہ اور کارکنانِ کالج کے لئے جنہوں نے دن رات محنت اور کاوش سے تعلیم الاسلام کالج کو بام عروج تک پہنچایا۔ دعا کریں کہ جو ان میں وفات پا گئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور جو ابھی زندہ ہیں انہیں سلامت رکھے۔ آمین۔

(المنار فروری 2012 صفحہ 7۔8)



میرے اساتذہ کرام

تعلیم الاسلام کالج ربوہ

(سید ہدایت اللہ ہادی-کینیڈا)

ہم نے بچپن میں سنا تھا کہ ماں باپ عرش سے فرش پر لاتے ہیں اور اساتذہ فرش سے عرش پر لے جاتے ہیں۔ یہ بات بالکل درست ہے۔ اسی طرح یہ بھی درست ہے کہ اپنے اساتذہ کرام کی عزت اس طرح کرو جس طرح اپنے ماں باپ کی کرتے ہو کیونکہ عموماً تمام ترقیاں اور مدارج کے سرچشمہ اساتذہ ہوتے ہیں۔ ہمارے بچپن کا شعور ربوہ کا ہے۔ اس وقت آندھیاں اور بگولے چلا کرتے تھے اور جگہ جگہ ٹوبے ٹبے تھے۔ کالی سیاہ اور بلند پہاڑیوں کا ایک سلسلہ تھا جو دریائے چناب سے شروع ہو کر ربوہ کی آخری حد تک ہوتا تھا۔ درہ میں سے سڑک گزرتی تھی۔ ربوہ کے اندر بھی بعض محلوں میں پہاڑیاں تھیں کچھ چھوٹی اور بعض بڑی۔ لوگ خیموں میں رہتے تھے پھر رفتہ رفتہ کچے مکان بننا شروع ہوئے اور بالآخر اپنے مکان بازار دفاتر لنگر خانے، اسکول، کالج مساجد، جلسہ گاہ ہسپتال، لاریوں کا اڈہ، ریلوے اسٹیشن وغیرہ بنے غرض کہ ربوہ ہماری آنکھوں کے سامنے آباد ہونا شروع ہوا اور ترقی پذیر ہوا۔

کالج کا زمانہ بہت خوبصورت زمانہ تھا۔ اکثر و بیشتر تمام اساتذہ طلباء سے ہمدردی رکھتے تھے اور ان کے لئے دعائیں بھی کرتے تھے طلباء کے والدین سے ذاتی مراسم ہوتے تھے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ تعلیم الاسلام کالج کی در و دیوار سے اخلاص و محبت اور وفا کے چشمے پھوٹتے تھے۔ اس ادارہ نے

دنیا کے کونے کونے میں لائق فائق اور مخلص احمدی پروان چڑھائے ہیں شاید ہی کوئی ایسا ملک ہو جہاں تعلیم الاسلام کالج کا طالب علم نہ ہو۔

ہمارے سوٹ پہننے کی ابتداء بھی کالج کے زمانہ سے ہوئی۔ یہ 1962ء کا زمانہ تھا جب میں تعلیم الاسلام کالج میں داخل ہوا۔ میرا داخلہ بھی ایک دلچسپ واقع ہے۔ مجھ سے کم نمبر والے طلباء کو سائنس میں داخلہ مل رہا تھا مگر مجھے داخلہ دینے سے انکار کیا جا رہا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ پرنسپل تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں آپ کو نمبروں کی کمی کی وجہ سے سائنس میں داخلہ لینے سے نہیں روک رہا بلکہ آپ کے فطری رجحانات کی وجہ سے آرٹس میں زیادہ مناسب خیال کرتا ہوں۔ لیکن میرے بچپن کے دوست سائنس میں داخلہ لے چکے تھے ان سے جدائی قدرے دشوار ہو رہی تھی۔ بہرکیف پرنسپل صاحب نے ازراہ نوازش ہمیں Pre Engineering Science Group میں داخلہ دے دیا لیکن ہوا وہی جو حضور رحمہ اللہ نے فرمایا تھا۔ دوسرے سال کے آخر میں واپس آرٹس کی طرف لوٹ۔ اس موقع پر فرمایا اب تم میرا مضمون اکنامکس پڑھو۔ یہ Chemistry of the Arts ہے۔ اس بار ہم نے حکم کی تعمیل کی اور سائنس کے دوستوں کو خیر باد کہا اور نئے دوستوں سے جس طرح ہوا نباہ کیا اور بہتر کارکردگی ظاہر کی۔ الحمدللہ۔

تاہم سائنس کے دوران مرحوم پروفیسر میاں عطاء الرحمان صاحب سے فزکس پڑھی۔ آپ شعبہ فزکس کے صدر تھے۔ ہمارے پرنسپل صاحب کے خاص دست راست تھے۔ عموماً تمام امور میں ان کی مدد کرتے تھے۔ دبلے پتلے کمزور اور ناتواں سی شخصیت تھے۔ ان نحیف اور ناتواں کندھوں نے کالج کا بہت سا بوجھ اٹھایا ہوا تھا مگر پھر بھی تھکتے نہیں تھے۔ بہت ہی محنتی اور بلند ہمت تھے۔ ہمیشہ شیروانی اور شلوار پہنتے تھے۔ ہاتھ میں چاک کا ڈبہ اور انگلیاں چاک سے سفید نظر آتی تھیں بلکہ سیاہ گاؤن پر بھی سفید چاک کے نشان نظر آتے۔ بہت ہی شریف، ہمدرد، خیر خواہ، نیک صالح متقی اور دعا گو استاد تھے۔

مرحوم پروفیسر ڈاکٹر نصیر احمد خان طبیعات میں ید طولی رکھتے تھے۔ان کی دیرینہ کوششوں سے ڈگری کالج میں ایم ایس سی فزکس کی کلاسز شروع ہوئیں۔اور نتائج کے اعتبار سے پنجاب یونیورسٹی میں ٹی آئی کالج نے نام پیدا کیا۔نصیر خان صاحب نہ صرف خوبصورت بلکہ خوب سیرت بھی تھے۔ نہایت عمدہ لباس پہنتے تھے۔بہت نفیس طبیعت تھی۔کالج کی یہ خصوصی روایت تھی کہ اساتذہ اور طلباء ٹوپی ضرور پہنتے تھے۔نجانے ٹوپی میں کیا رکھا ہے لیکن ہم نے نصیر خان صاحب کو ٹوپی پہنتے کبھی نہیں دیکھا۔ان کی یہ ادا ہمارے دل کو بہت اچھی لگتی تھی۔کیونکہ ہم بھی ٹوپی نہیں پہنتے تھے۔خان صاحب ایک اچھے اور بلند پایہ شاعر تھے۔رودِ چناب ان کا بہت خوبصورت مجموعہ کلام ہے سائنس کے ساتھ ساتھ ادبی ذوق بھی بہت اعلیٰ تھا۔ہمدرد اور خیر خواہ استاد تھے۔

مرحوم مسعود احمد عاطف بھی طبیعات پڑھایا کرتے تھے۔ان کا کندھا خوب ہلتا تھا۔ انہیں پڑھاتے وقت ہاتھ سے اپنا چشمہ اوپر نیچے کرنے کی بہت عادت تھی۔جسکی وجہ سے ان کا چشمہ چاک کے سفید دھبوں سے اٹا ہوتا تھا۔لیکن پھر بھی ان کو 20 / 20 ہی دکھائی دیتا۔بعد میں مکرم چوہدری محمد ارشد بھی اس شعبہ سے وابستہ ہو گئے۔خوب دلچسپی سے فزکس پڑھاتے تھے اچھے استاد تھے۔

کیمسٹری کے شعبہ کے صدر شاہ جی تھے۔ان کا نام ڈاکٹر سلطان محمود شاہ صاحب ہے۔شاہ جی دل کے شاہ اور مزاج کے بادشاہ تھے۔کیمسٹری میں ید طولی رکھتے تھے۔کئی کتابوں کے مصنف تھے۔کیمسٹری میں پڑھانے میں طاق تھے۔نہایت خوش گفتار،خوش لباس، اور خوش مزاج آدمی تھے۔ان کے ایک بھتیجے سید شریف احمد المعروف بُھل ہمارے کلاس فیلو تھے۔وہ بھی شاہ جی کی طرح بادشاہ تھے۔شاہ جی کا ایک نہایت یادگار مضمون ''بابا شادی'' ہم نے تعلیم الاسلام کالج کے رسالہ المنار میں شائع کیا تھا جو بہت مقبول ہوا۔شاہ جی کا شمار ہر دلعزیز اساتذہ میں ہوتا تھا۔

تحریک خلافت کے علمبردار رام پور کے تاجدار تین بھائی تھے۔ایک مولانا محمد علی جوہر، دوسرے مولانا شوکت علی اور تیسرے ذوالفقار علی گوہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔کسی نے مولانا شوکت علی

سے کہا کہ آپ کے تینوں دونوں بھائی تخلص فرماتے ہیں آپ بے تخلص کیسے ہیں۔ کیا بہتر نہیں کہ آپ اپنا تخلص شوہر فرمالیں۔ حضرت ذوالفقار علی خان گوہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکومت سے ''خان بہادر'' کا خطاب ملا تھا۔ مرحوم پروفیسر حبیب اللہ خان صاحب ان کے فرزند ارجمند تھے اور ہمیں کیمسٹری پڑھایا کرتے تھے۔ معلومات افزا اور نہایت دلچسپ سائنسی مضامین آسان اور سلیس اردو زبان میں لکھتے جو جماعت احمدیہ کے رسائل و جرائد اور اخبارات کی زینت بنتے تھے۔ آپ نے اردو میں چند سائنسی کتابیں بھی تالیف کی ہیں۔ آپ یوپی کی وضع قطع کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔ میرے ابا کے دوست تھے۔ امتحانات کے دوران بطور Invigilator مجھے اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ کیمسٹری پڑھاتے وقت بڑی تیزی سے بلیک بورڈ پر لکھتے تھے اور اتنی ہی تیزی سے بلیک بورڈ کو صاف کرتے تھے۔ شیروانی اور مخصوص پاجامہ زیب تن رکھتے۔ نہایت مخلص، محنتی نیک، صالح متقی اور دعا گو بزرگ تھے۔

مبارک احمد انصاری اور رفیق احمد ثاقب، نامیاتی اور غیر نامیاتی کیمسٹری پڑھایا کرتے تھے۔ دونوں بھائی اکثر سوٹ میں ہوتے تھے۔ دونوں ہی کم گو اور نفیس طبیعت کے مالک تھے۔ انصاری صاحب کینیڈا میں ہوتے ہیں۔ جب کہ ثاقب صاحب ربوہ میں مقیم ہیں۔ انصاری صاحب تالیف و تصنیف کے کاموں میں اب بھی ہمارا بہت ہاتھ بٹاتے ہیں اور بہت مفید مشورے دیتے ہیں۔ اس خاندان کی خوبی یہ ہے کہ اپنے عزیز و اقارب کا بہت خیال رکھتے ہیں۔

سائنس پڑھتے ہوئے لیبارٹری کے حوالہ سے اگر عبدالشکور ہاشمی صاحب کا ذکر نہ کیا جائے تو یہ ناانصافی ہوگی۔ بھلے آدمی تھے۔ اساتذہ اور طلبا کی خوب خدمت کرتے تھے۔ کالج کی لائبریری میں بھی دکھائی دیتے تھے۔ حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کے سامنے ان کا گھر تھا۔ حضرت مولانا کے گھر پر لکھا ہوتا تھا۔

پتا پوچھے کوئی قدسی فقیر کا
کہہ دیجئے منزل قدسی یہی تو ہے

شعبہ ریاضی کے صدر مرحوم پروفیسر ابراہیم ناصر صاحب تھے۔ تاہم الجبرا پروفیسر حمید اللہ صاحب سے پڑھا اور ٹرگنومیٹری۔ مرحوم پروفیسر عبدالرشید غنی انبالوی صاحب اور کیلوکس مرحوم پروفیسر محمد ابراہیم ناصر صاحب نے پڑھائی۔ آپ ناظم امتحانات بھی تھے اور ہنگری میں بطور مشنری خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ کو ہومیوپیتھی کا بہت شوق تھا۔ گھر میں بے شمار دوائیں رکھی ہوتی تھی۔ دارالصدر غربی میں مسجد کے قریب ہی ناصر صاحب کا گھر تھا۔ شام کو مریضوں کو دیکھا کرتے تھے۔ شافی مطلق خدا نے ان کے ہاتھ میں بہت شفا رکھی ہوئی تھی۔ جلسہ سالانہ کے موقع پر ڈیوٹی چارٹ کے نگران اعلیٰ تھے۔ ہماری خواہش ہوتی تھی کہ گھر کے قریب ہی لنگر خانہ میں ڈیوٹی مل جائے تو آسانی ہو جائے گی۔ محترم ناصر صاحب از راہ شفقت ہمیں ہر سال اس قسم کی سہولت فراہم کرتے تھے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

یہ تینوں حضرات ریاضی میں طاق تھے۔ چوہدری صاحب پنجاب یونیورسٹی میں اول آئے تھے۔ عام طور پر وہ پڑھاتے وقت الجبرا کے کئی مراحل ذہنی طور پر ایک ہی جست میں طے کر جاتے تھے۔ جس سے عام سطح کا طالب علم پریشان ہوتا تھا۔ انبالوی صاحب مرحوم اور ناصر صاحب مرحوم ہر مرحلہ کی وضاحت کر کے آہستہ آہستہ آگے بڑھتے تھے۔ حسن اتفاق سے یہ تینوں حضرات میرے ابا سے راہ و رسم رکھتے تھے۔ چوہدری صاحب نظم وضبط کے بہت پابند تھے۔ ہمارے چیف پراکٹر بھی تھے اس لئے ٹوپی نہ پہننے کی وجہ سے اکثر ناراض بھی رہتے تھے اور اعلیٰ حضرت پرنسپل صاحب اور انتظامیہ ہماری کمزوریوں کی پردہ پوشی کرتی رہی۔ اس اُمید سے کہ آگے چل کر یہ اچھا کام کرے گا۔ خدا تعالیٰ انکی توقعات پر پورا اترنے کی توفیق عطا فرمائے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے دامے، درمے، سخنے خدمت کی توفیق مل رہی ہے۔ البتہ ٹوپی ابھی تک نہیں پہن سکا اور یہ عارضہ ہمارے سوا

اور لوگوں کو بھی لاحق ہے جو ڈاکٹر اور پروفیسر بھی کہلاتے ہیں۔ کئی کتابوں کے مؤلف و مرتب اور سینکڑوں مضامین کے خالق ہیں۔ طلباء میں مقبول اور یاروں کے یار ہیں۔ آج کل کینیڈا میں مقیم ہیں۔ اگر انہیں کوئی ٹوپی پیش کردے تو بصد شکریہ واپس کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کسی بھلے مانس کی عزت ہے۔ اس کے سر پر ہی زیادہ سجتی ہے۔ یہ ان کی وضعداری کی ایک خوبصورت جھلک ہے جو دیگر خوبیوں سے انہیں ممتاز کرتی ہے۔ حضرت صاحب کے ساتھ بھی ان کی ننگے سر تصویر ہے۔ مرحوم پروفیسر ڈاکٹر نصیر احمد خان صاحب بھی اسی قبیل کے وضعدار تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ننگے سر کھڑے ہیں۔ کالج کے زمانہ میں انگریزی کی آفتاب احمد بیالوجی کے حبیب الرحمٰن بھی ٹوپی نہیں پہنتے تھے۔ ہم نے ڈاکٹر ظفر وینس کو بھی کم ٹوپی پہنتے دیکھا ہے۔

ایم ٹی اے کے مقبول پروگرام لقاء مع العرب میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے ساتھ مرحوم السید حلمی شافعی صاحب ننگے سر خوبصورت دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح کبھی کبھی مصطفیٰ ثابت بھی ننگے سر خطاب فرماتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ محبت وعقیدت واحترام والتزام میں ٹوپی آڑے نہیں آتی۔

اردو شعبہ کے صدر مرحوم پروفیسر شیخ محبوب عالم خالد صاحب تھے۔ آپ پرنسپل صاحب کے خاص معتمدین میں سے تھے۔ یہاں تک کہ عین پرنسپل صاحب کے دفتر کے سامنے ایک چھوٹا سا دفتر حضرتِ شیخ کا بھی تھا۔ تیرے گھر کے سامنے اک گھر بناؤں گا، کی تصویر بیٹھے رہتے تھے۔ ان کی کلاس میں شاید ہی اردو ادب کا کوئی ایک آدھ طالب علم ہوگا۔ میرے خیال میں ہمارے کلاس فیلو صرف مبارک احمد عابد تھے جنہوں نے خالد صاحب سے اردو پڑھی۔ اس لئے خالد صاحب عموماً دیگر کاموں میں مصروف رہتے تھے۔

مرحوم شیخ خالد احمد صاحب کے بارہ میں ایک بات یاد آ گئی۔ جب ہم کچے گھروں میں ریلوے اسٹیشن کے قریب رہتے تھے تو شیخ صاحب اپنے کتے کے ساتھ نماز پڑھنے مسجد

میں آیا کرتے تھے۔اور شام کو بی بی سی کی خبروں کا خلاصہ سنایا کرتے تھے۔ہم نے یہ بات المنار کے ایک مزاحیہ کالم میں لکھ دی کہ شیخ محبوب عالم صاحب کا کتا بھی نمازی تھا۔ بلا ناغہ پانچوں وقت شیخ صاحب کے ساتھ آتا اور مسجد کے باہر بیٹھ جاتا بس اس مزاحیہ کالم کا شائع ہونا تھا کہ طوفان برپا ہو گیا۔ اعلیٰ حضرت پرنسپل صاحب کی خدمت میں پیشی ہوئی اپنے لکھے پر نادم ہوا مرتا کیا نہ کرتا۔ معافی مانگی اور ہمارے مہربان اور شفیق پرنسپل صاحب نے ایک ہلکا سا تبسّم فرمایا اور نصیحت کی کہ مزاح میں بھی ادب اور شرعی پہلوؤں کا خیال رکھنا چاہیے۔

کالج میں اردو لازمی مضمون تھا۔ اس مضمون کی سب سے بڑی کلاس ہوتی تھی جو عموماً کالج کے ہال میں ہوا کرتی تھی۔ ناصر احمد خاں پروازی بغیر لاؤڈ سپیکر کے اردو پڑھایا کرتے تھے۔ خوب صاحب ذوق ہیں۔ دل جلے تو پہلے ہی تھے مگر سگریٹ پی پی کر انگلیاں تک جلا لی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے کبھی اردو کا نصاب مکمل نہیں کیا لیکن پھر بھی اردو کا نتیجہ بورڈ میں اتنا برا نہ تھا۔ پڑھاتے ہوئے ان کی بھرپور خواہش ہوتی تھی بلکہ انتھک کوشش تھی کہ سائنس کے طلباء بھی ساتھ ہو جائیں اور عشق و محبت کے جذبہ سے سرشار ہو کر مئے خانہ اردو سے جام پیا کریں۔مگر ساقی میں اتنا دم خم کہاں کہ سب کو سیر کر سکے تاہم محبت کی چاشنی پیدا کرنے میں قدرے کامیاب ہو گئے تھے۔ البتہ خود حساب کتاب میں بہت کمزور تھے۔اس لئے بعض طلباء کا خیال تھا کہ ان کو چالیس سے آگے گنتی نہیں آتی۔ اردو میں کم نمبر دینے کے عادی تھے۔ ویسے قد آور، دبلے پتلے گورے چٹے میلوں میل پیدل چلتے، سبک رفتار مزاح میں ایک خاص ذوق رکھتے ہیں۔بعض اوقات چھوٹے اور موقع محل کا لحاظ نہیں رکھتے لیکن ذوق لطیف اور مزاح کی چاشنی پھر بھی برقرار رہتی اور محفل کو گرما دیتے۔ اکثر ہم ان کے ساتھ کالج جاتے اور واپس راستے میں دوران گفتگو خوب مزاح پیدا کرتے۔ بعد میں سید سجاد احمد شعبہ اردو سے ہی وابستہ ہو گئے۔ چھوٹا قد تھا عموماً سوٹ پہنتے، ٹھیٹھ پنجابی اور دیہاتی لہجہ میں اردو پڑھاتے۔ اور طالب علم خوب لطف اندوز ہوتے بعض ان کی نقل بھی اتارتے۔بعض طالب علم

کہتے یہ ہمای کلاس کے 'سجاد حیدر یلدرم' ہیں۔

شعبہ تاریخ کے صدر صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب تھے۔ انہی دنوں میں بیرون ملک سے ربوہ میں وارد ہوئے تھے۔ انہیں سٹاف روم سے الرجی تھی۔ شاید کبھی کسی نے صاحبزادہ صاحب کو سٹاف روم میں دیکھا ہو۔ اعلیٰ حضرت گرمیوں میں آدھی بازو کی ٹی شرٹ اور نکر پہن کر آتے۔ ان کے بازو گھنے سیاہ بالوں سے اٹے ہوتے اور اپنی سفید واگس ویگن میں عین کلاس روم کے سامنے اپنی بیگم کے ہمراہ تشریف لاتے۔ کار کا دروازہ کھولتے اپنی سیاہ گاؤن نکالتے اور پہنتے۔ اپنے ساتھ کتابوں کا ایک انبار لاتے اور عین اس وقت بے چارہ بابا شادی بھی برآمدے میں موجود ہوتا جیسے ہی میاں صاحب کی کار رکتی بھاگ کر جاتا۔ کچھ کتابیں اٹھاتا کچھ گراتا ہوا کلاس روم میں لے کر جاتا۔ میاں صاحب بڑی محنت سے اپنا تاریخ کا لیکچر تیار کرتے۔ بے شمار Book Mark سے کتابیں سجی ہوتیں۔ تاریخ انگریزی میں پڑھاتے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انگریزی ان کی مادری زبان ہے۔ بیگم صاحبہ ان کو کلاس کے سپرد کر کے کار لے کر واپس چلی جاتیں۔ بعد میں محمد عثمان صاحب، چوہدری نذیر احمد، عبدالرشید فوزی اور حمیدہ اللہ ظفر سبھی شعبہ تاریخ سے وابستہ ہو گئے۔ یہ چاروں حضرات اچھے استاد تھے۔

انگریزی شعبہ کے صدر پروفیسر صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب تھے۔ انہیں خاکوں اور نظموں میں زیادہ دلچسپی تھی۔ ان کا لب و لہجہ انگریزوں سے ملتا تھا۔ ہمیشہ ٹہل کر پڑھایا کرتے تھے۔ وقت کے بہت پابند تھے۔ آفتاب احمد، خوش شکل، خوش رفتار اچھے لباس کے شوقین تھے۔ انگریزی پڑھاتے تھے۔ عموماً مسکراتے رہتے تھے۔ بعد کو سینٹرل سپریر سروسز آف پاکستان کے امتحان میں کامیابی کر کے کہیں انکم ٹیکس آفیسر مقرر ہو گئے۔ حبیب الرحمٰن کے گہرے دوست تھے اور محلہ دار الیمن میں ایک ساتھ رہتے تھے۔ حبیب الرحمٰن بیالوجی پڑھاتے تھے۔ اپنے لمبے گھنے بالوں کا خاص خیال رکھتے تھے اور گاہے بگاہے ان کو جھٹکتے رہتے۔ بھلے آدمی تھے۔ حبیب صاحب

کے جانے کے بعد عبدالشکور اسلم آ گئے بات ہو رہی تھی انگریزی کے اساتذہ کی بیچ میں بیالوجی آ گئی۔

اللہ بھلا کرے ہمارے مرحوم چچا چوہدری محمد شریف خالد کا وہ انگریزی کے استاد اور ایڈوکیٹ تھے۔ادیب بھی تھے اور شاعر بھی۔خالصتاً دیہاتی لہجہ میں انگریزی پڑھایا کرتے تھے۔مگر خوب پڑھاتے تھے انگریزی سمجھانے کے لئے ہیر وارث شاہ، غالب ،مولانا روم، سعدی، حافظ، امرء القیس کے اشعار سناتے تھے۔شعر و ادب کی ان نزاکتوں کے ادراک کے باوجود بھینسوں اور ان کے چارہ وغیرہ کا بہت خیال رکھتے تھے۔ان کے بچے ویسٹرن کینڈا میں مقیم ہیں۔

پروفیسر حمید احمد چوہدری بھی ایک حصہ کو انگریزی پڑھاتے ،وضع قطع میں خوب تھے۔عام طور پر حمیدی صاحب کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ہم نے ہمیشہ انہیں سوٹ میں دیکھا ہے۔ایک اچھے اور ہمدرد استاد ہیں۔طلباء میں کالج کی سرگرمیوں کو پروان چڑھانے اور انکی حوصلہ افرائی میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں ۔شاگردوں میں گھل مل جاتے ہیں۔آج کل جرمنی میں ۔ڈاکٹر ظفر وینس کے گہرے دوست تھے۔نجانے انگریزی اور اکنامکس میں کیا قدرے مشترک تھی۔شاید یہ دونوں بہت صاف گو تھے سچی اور کھری بات کہتے بے جا مدح سرائی اور خوشامد اور چاپلوسی دونوں کو پسند نہیں تھی۔

ڈاکٹر ظفر احمد وینس صاحب شعبہ اقتصادیات کے صدر رتھے۔وینس صاحب کو کندھا ہلاتے ہوئے ٹہل ٹہل کر پڑھانے کی عادت تھی اور یہ اکنامکس پڑھانا گناہ سمجھتے تھے۔الفاظ خوب چبا چبا کر ادا کرتے جو آسانی سے ہضم ہو جاتے تھے۔طبیعت میں قدرے سختی تھی۔کم نمبر دینا ان کی عادت ثانیہ تھی۔لیکن ہمدرد اور اچھے استاد تھے۔اپنے مضمون کو ہمیشہ اپ ڈیٹ رکھتے تھے۔کچھ عرصہ کے بعد عزیز طاہر شعبہ اقتصادیات میں منسلک ہو گئے۔ بہت موٹا چشمہ لگاتے تھے اور بہت شرمیلے تھے۔پھر اسی شعبہ میں رشید احمد جاوید شامل ہو گئے۔رشید جاوید اچھا ادبی ذوق رکھتے تھے۔رسالہ المنار کی ادارت سے بھی وابستہ رہے۔بعد میں کراچی میں سٹیٹ بینک سے وابستہ ہو گئے۔

وینس صاحب کے مضمون کے ساتھ ایک مصیبت یہ آن پڑی کہ شماریات ضرور پڑھی جاتی۔ وہ اعلیٰ حضرت مرغی خانہ کے بہت دلدادہ تھے۔ وہ مرغیوں کے انڈوں کو قطار در قطار ترتیب دیتے پھر شماریات کے حساب سے گراف بناتے اوران کی تعداد بتاتے جو عام طور پر صحیح ہوتی تھی۔ بہت سادہ طبیعت تھے۔شرٹ اور پینٹ پہنتے تھے۔ان کو ننگے سر کبھی نہیں دیکھا۔ وہ مرغیوں کے ڈربے میں ٹوپی پہن کر جھانکتے۔ ادب ہوتو ایسا ہو کہ اعلیٰ حضرت مرغیوں کا بھی احترام کرتے تھے۔ Statistics پڑھانے میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ان کا نام سعید اللہ خان تھا۔ایک اچھے ہمدرد استاد تھے۔

استاد کرام کا ذکر کرتے ہوئے اگر لائبریرین کو فراموش کر دوں تو زیادتی ہوگی کیونکہ وہ کتابوں اور رسالوں او رمضامین کے حصول اور تلاش میں اساتذہ اور طلباء کی سب سے زیادہ خدمت کرتا ہے۔ ہمارے کالج کے لائبریرن چوہدری محفوظ الرحمٰن تھے۔ باسکٹ بال کے اچھے بوسٹر تھے۔ موٹا سا چشمہ لگاتے تھے اور سارا دن خود ہی کتابیں پڑھتے رہتے تھے۔ لائبریری میں طالب علم کم ہی نظر آتے تھے عام طور پر اساتذہ کرام ہی اچھی اچھی کتابیں لائبریری سے لے جایا کرتے تھے اور سٹاف روم کی زینت بنا دیتے تھے۔ کیونکہ جب کبھی ہمیں ان کی ضرورت ہوتی تو معلوم ہوتا کہ ابھی کتاب واپس نہیں آئی۔

تعلیم الاسلام کالج میں بھی ایک خوبصورت تکون تھا یعنی باپ بیٹا استاد تھے اور بھائی شاگرد تھا۔ باپ سے میری مراد شیخ محبوب عالم خالد صاحب سے ہے بیٹے سے میری مراد منور شمیم خالد سے جو شعبہ سیاسیات کے صدر تھے اور بھائی سے مراد شیخ مظفر خالد ہے جو اپنے ابا اور بھائی کے شاگرد تھے اور سیاسیات کے طالب علم تھے۔منور خالد اب اللہ میاں کو پیارے ہو چکے ہیں۔ ہمارے بہت ہی پیارے دوست تھے۔ گول بازار خواجہ ریسٹورنٹ میں گئی رات تک بیٹھے رہتے تھے۔ جہاں مرحوم شیخ محبوب عالم خالد صاحب پست قد کے تھے وہاں اتنے ہی بلند ہمت اور سخت جان بھی

تھے۔تاہم قدوقامت میں منور خالد اپنے والد سے دوگنے لمبے تھے۔سیاسیات ان کا محبوب مضمون تھا وہی مضمون ساری عمر پڑھاتے رہے۔منور خالد صاحب کو علمی اور ادبی ذوق ورثہ میں ملا ہے۔جماعت کے رسالوں میں ان کے مضامین گاہے بگاہے شائع ہوتے ہیں۔ بعد میں اسی شعبہ سے محمد ارشد ترمذی صاحب منسلک ہو گئے۔کالج یونین کے پریذ ڈنٹ بھی رہے۔منور خالد کے ایک شاگرد عبد الجلیل صادق بھی شعبہ تدریس سے منسلک ہو گئے مگر وہ انگریزی پڑھانے لگے۔کم گو تھے۔والی بال کے بہت اچھے کھلاڑی تھے۔ہمارے محلہ دار تھے۔

شعبہ اسلامیات کے صدر مرحوم مولوی محمد دین صاحب تھے اس وقت اکیلے ہی استاد تھے بعد میں ایک اور استاد مرحوم چوہدری انور حسین اس شعبہ سے منسلک ہو گئے۔ بہرکیف ہم نے اسلامیات مولوی صاحب موصوف سے ہی پڑھی۔ ہمارے محلہ کے امام الصلوۃ تھے۔آپ کے سر اور ڈاڑھی کے بال سفید تھے۔آپ کے صاحبزادے مسعود مزاج کے لحاظ سے اپنے ابا کے مضمون سے ذرہ مختلف تھے مگر یاروں کے یار تھے وہ کہا کرتے تھے

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

دینیات کے تعلق میں ملک عبد اللہ صاحب کو کیسے فراموش کیا جائے وہ بھی بڑی محنت سے دینیات پڑھاتے۔ بہت ہی بھلے اور شریف آدمی تھے۔ان کی صاحبزادی عائشہ ٹورانٹو میں مقیم ہیں اور فاروق احمد ملک کی اہلیہ ہیں۔

چوہدری عطاء اللہ صاحب فارسی پڑھایا کرتے تھے۔ یہ فارسی کے اکیلے ہی استاد تھے۔ شاید پڑھیں فارسی اور بیچیں تیل کے خود سے ان کی کلاس میں تین چار طالب علم ہوتے تھے۔ ہمیں مرتا کیا نہ کرتا فارسی اختیاری پڑھنی پڑھی لیکن خدا کا شکر ہے کہ تیل بیچنے سے بچ گئے۔ ہذا من فضل ربی۔ایں سعادت بروز بازو نیست۔ چوہدری صاحب پر اردو یا انگریزی کی کلاس کی

طرح زیادہ بوجھ نہیں تھا۔ ان پر عموماً غنودگی طاری رہتی تھی اس لئے کلاس میں جاگتے کم اور سوتے زیادہ تھے۔

مرحوم پروفیسر صوفی بشارت الرحمٰن صاحب شعبہ عربی کے صدر تھے اور ہمارے پرنسپل صاحب کے قدیم دست راست تھے۔ ان کا دفتر بھی عین پرنسپل صاحب کے دفتر کے سامنے تھا۔ چوہدری محمد سلطان اکبر صاحب اور محمد اسلم صاحب بھی عربی پڑھاتے تھے۔ صابر صاحب ٹورنٹو میں ہیں اور جامعہ احمدیہ کینیڈا میں پروفیسر ہیں۔ مسجد بیت الاسلام کے امام الصلوٰۃ تھے۔ بارش ہو یا طوفان نمازیں جمع کرائیں تو مقتدی کو تراویح پڑھنے کا گمان ہوتا تھا۔ امام ہوں تو ایسے ہوں۔ ویسے خوش الحان ہیں۔ نظمیں گا کر پڑھتے ہیں۔ صابر صاحب بڑے صبر سے فرمانبرداری اور مدح سرائی کرتے ہیں۔ شاید اسی لئے مدح کہتے ہیں یا نعت لکھتے ہیں۔ غزل ان کا مضمون نہیں۔

چوہدری محمد سلطان اکبر صاحب چشم بد سے بچنے کے لئے ہمیشہ سیاہ چشمہ لگایا کرتے تھے اور انگلی منہ پر رکھ کر ہمیشہ مسکراتے رہتے تھے۔ اکثر سوٹ پہنتے تھے۔ آج کل امریکہ میں مقیم ہیں۔ اکثر جلسہ سالانہ کینیڈا کے موقع پر ٹورانٹو تشریف لاتے ہیں۔ ہمارے ہاں بھی آئے تھے اور اپنے شاگردوں سے ملاقات کی تھی۔ ان کے چھوٹے بھائی سلیمان ہمارے کلاس فیلو تھے۔ آج کل جرمنی میں ہیں۔ ان کے بھتیجے احمدیہ صحافت سے وابستہ ہیں اور ہر ماہ جرمنی سے ایک خوبصورت رسالہ نکالتے ہیں۔

عربی کی صرف ونحو تو بدقسمتی سے ہم بھول چکے ہیں البتہ قرآن کریم اور حدیث کا ترجمہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کلیلہ دمنہ تو بالکل بھول گئی ہے۔ ہاں زرقاء الیمامہ ابھی تک یاد ہے۔ سُنا ہے بہت خوبصورت عورت تھی۔ بہت دور سے دیکھ لیتی تھی۔ جنگوں میں لوگ اس سے کام لیتے تھے۔ وہ کوہ ہمالیہ کے پیچھے بھی دیکھ لیتی تھی۔ نجانے انکا شوہر ان کی نظروں سے کیسے بچتا ہوگا۔ آگے چل کر ہم نے عربی میں ایم اے مرحوم صوفی بشارت الرحمٰن صاحب سے پڑھی۔ آپ بہت ہی محتاط صوفی

تھے کتاب کی سطر کبھی ادھر اُدھر نہ ہو جائے۔ کتاب کی سطر پر دہرا تہرا کاغذ رکھ کر پڑھایا کرتے تھے۔عربی میں بہت طاق تھے۔ ہمارے محلہ دار رہتے تھے۔مسجد میں حدیث کا درس بھی دیتے تھے۔ مرحوم صوفی صاحب نے اپنے والد بزرگ کی بہت خدمت کی۔ ہمارے پڑوس میں رہا کرتے تھے۔ بہت محنتی مخلص اور نیک اور صالح استاد تھے۔نماز فجر کے بعد ہم بھی سیر کے قافلہ میں ان کے ساتھ شریک ہو جاتے دوران سیر ایسے لطائف سناتے کہ ساری محفل زعفران بنا دیتے اس قافلہ میں خالد احمدیت مولانا ابوالعطا جالندھری صاحب، مولوی امام دین صاحب، مولانا عطاء المجیب راشد صاحب مسعود دہلوی صاحب، سیٹھ محمد اعظم وغیرہ ہوتے تھے۔

ان کے علاوہ پروفیسر چوہدری محمد علی صاحب بھی ہمارے پرنسپل صاحب کے خاص معتمدین میں سے تھے۔ چوہدری صاحب ایک لمبا عرصہ تک فضل عمر ہاسٹل کے نگران اعلیٰ تھے۔اور باسکٹ بال کے روح رواں تھے۔ پاکستان باسکٹ بال ٹیم میں ٹی آئی کالج کی ٹیم نے اپنا خاص مقام پیدا کیا۔ربوہ میں آل باسکٹ بال ٹورنامنٹ ہوتے رہے۔ان کا سہرا چوہدری صاحب کے سر ہے آپ کا تخلص مضطر عارفی ہے اور اپنے تخلص سے اسم بامسمی ہیں۔انمیں خوشی اور غمی میں سیمابی کیفیت پائی جاتی ہے۔طبیعت میں انتہائی گداز پایا جاتا ہے۔ بہت اعلیٰ پایہ کے شاعر ہیں۔ان کا مجموعہ کلام 'اشکوں کے چراغ' لاجواب ہے جتنے تبصرے چوہدری صاحب کے کلام پر آج تک لکھے گئے ہیں کسی دوسرے احمدی شاعر کے کلام پر نہیں لکھے گئے۔ آپ اپنے عہد کے ناصر کاظمی ہیں انگریزی ترجمے میں ید طولی رکھتے ہیں۔ فلسفہ ان کا محبوب مضمون ہے۔ عام طور پر اسی میں کھوئے رہتے ہیں۔ بلا مبالغہ ایک نہایت ہی ہمدرد خیر خواہ بہت ہی پیار کرنے والے استاد ہیں۔دراصل یہ بزرگ پروفیسر تعلیم الاسلام کالج کے بانی مبانی اساتذہ میں سے تھے۔

بی اے کرنے کے بعد ہم نے ابا کے اصرار پر ایم اے عربی میں داخلہ لے لیا۔عربی اہل جنت کی زبان ہے۔قرآن، حدیث اور اسلام کا سارا علم عربی میں ہے۔میں نے عربی میں غالباً ایک

سال تک پڑھا ہوگا۔اُس وقت کلاس میں ایک دو چھوٹی عمر کے طالب علم تھے باقی سب بڑی عمر کے سینئر مولانا تھے۔ کافی سنجیدہ اور بڑی عمر کی خواتین عربی پڑھا کرتی تھیں۔ کلاس روم میں ایک کونے سے دوسرے کونے تک بڑا سا پردہ لٹکا ہوتا تھا اور بابا شادی نے اتنی مضبوطی سے باندھا ہوا تھا کہ تیز ہوائیں اور جھکڑ بھی چلیں تو گرتا نہیں تھا۔شاید وہ بھی غض بصر سے کام لیتا تھا۔ بہر کیف ایم اے عربی کلاس میں خالصتاً اسلامی ماحول پایا جاتا تھا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس خشک ماحول کے باوجود پھر بھی امن وسلامتی کی ٹھنڈی ہوائیں چلتی تھیں۔ہم نے 1967ء کی تعطیلات میں اعلیٰ تعلیم کے لئے کراچی کا رخ کرلیا۔

ہمارے زمانہ میں کالج کے Physical Education کے انسٹرکٹر محمد انور حیدر آبادی تھے۔ کھیل کوداور بعض دیگر امور کا خیال رکھتے تھے۔انہوں نے ایم اے اسلامیات بھی کرلیا تھا۔ان کی گائکی بہت اچھی تھی۔ جلسہ سالانہ اور دیگر مواقع پر نظمیں پڑھا کرتے تھے۔ نائیجیریا میں تدریس سے وابستہ رہے۔آج کل جرمنی میں ہیں۔طلباء میں اچھے مقبول ہیں نفیس طبیعت پائی ہمدردی اور خیر خواہ تھے۔

کالج کے دفتری انتظامی امور کی دیکھ بھال عبدالرحمن جنید ہاشمی کرتے تھے۔آپ جماعت احمدیہ کے مشہور شاعر اور دیرینہ صحابی حضرت قاضی ظہور الدین اکمل صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے تھے۔جنید صاحب کے دیگر رفقاء میں قریشی عبداللہ صاحب، محمد احمد اسلم بھی تھے۔مگر جنید صاحب خود بہت علم دوست اور باغ و بہار طبیعت کے آدمی تھے۔طلباء کے ہمدرد اور خیر خواہ تھے۔ پان خوب کھاتے تھے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ کھاتے کم اور جگالی زیادہ کرتے تھے۔ ہمیں المنار کے لئے ادبی مضامین دیا کرتے تھے۔ ہمارے محلہ کے ڈاکٹر محمد احمد کے یار غار تھے۔ شام کو سیر کرتے ہوئے کواٹروں سے ڈاکٹر صاحب موصوف کے پاس غلہ منڈی روزانہ آتے اور خوب مجلس لگاتے۔ ہمارے بزرگ دوست تھے۔طبعاً آزاد خیال تھے۔وہ بھی کہا کرتے تھے

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

آخر میں ہم سب کے محسن حضرت حافظ ناصر احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ پرنسپل کا ذکر کس طرح کیا جائے۔آپ کی صفات و کمالات کو بیان کرنے کے لئے ایک دفتر درکار ہے بلکہ وہ بھی کم ہے۔ آپ کے بارہ میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں لکھ سکتا کہ ہر طالب علم سمجھتا کہ میاں صاحب سب سے زیادہ اس سے محبت کرتے ہیں اور اسی کے سب سے زیادہ قریب ہیں۔من جملہ دیگر صفات و کمالات کے طلباء کے سچے ہمدرد اور خیر خواہ تھے۔غریب طلباء کی عزت نفس کا بہت خیال رکھتے فرماتے اور ہمیشہ ہر طالب علم کے مستقبل کا خیال دامن گیر رہتا۔

ہم نے 1952ء سے لے کر 1967ء تک احمدی اساتذہ سے ربوہ میں پڑھا ہے۔اور ہم نے دیدہ دانستہ اپنے اساتذہ کرام کے تکیہ کلام کو نظر انداز کیا ہے تا کہ بے ادبی تصور نہ ہو۔ان میں اکثر و بیشتر اساتذہ کے ہمارے ابا کے ساتھ ذاتی مراسم تھے بلکہ ہر استاد کا ہر طالب علم کے ساتھ ایک ذاتی تعلق تھا۔تمام اساتذہ کرام نیک،صالح دعا گو محبت وشفقت،شرافت و نفاست کا نادر نمونہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے شاگردوں کو غیر معمولی فضلوں سے نوازا ہے اور دنیا کے ہر ملک میں کامیاب شہری کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور احمدیت کے سفیر ہیں۔اللہ تعالیٰ تمام اساتذہ کرام کو جزائے خیر دے اور ان کے اموال و نفوس میں برکت ڈالے اور ان کے فیضان کو ان کے شاگردوں میں ہمیشہ جاری و ساری رکھے۔آمین۔

(المنار امریکہ اپریل 2012ء)

ایک بے نفس اور مضبوط انسان

پروفیسر میاں عطاء الرحمن صاحب مرحوم

تعلیم الاسلام کالج کے فزکس کے استاد محترم میاں عطاء الرحمن صاحب 1905ء کو بھیرہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے رکھا۔ 1944ء کو قادیان میں تعلیم الاسلام کالج کے دوبارہ اجراء کے وقت آپ شاہ پور کے گورنمنٹ ڈی مونٹ مورنسی کالج میں تعلیم دے رہے تھے۔ اس کالج کے پرنسپل نے آپ کو بہت سمجھانے اور روکنے کی کوشش کی مگر زندگی کو خدا کی خاطر وقف کرنے کا پختہ عزم لئے یہ دیوانہ عقل کو محو تماشائے لب بام چھوڑ کر قادیان میں تعلیم الاسلام کالج سے وابستہ ہو گیا۔ آپ ایک درویش صفت وجود تھے۔ مجھے یاد ہے کہ خدام الاحمدیہ کی عمر میں جب کبھی محلے میں رات کے پہرے کی ڈیوٹی لگا کرتی تھی تو ان کی سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی نماز تہجد ادا کرنے کی آواز ہماری سماعتوں کو ایک روحانی کیف عطا کیا کرتی تھی۔ آپ کے حالات زندگی پر مشتمل ایک مضمون کے چیدہ چیدہ حصے پیش خدمت ہیں جو آپ کے صاحبزادے مکرم لطف الرحمن محمود صاحب نے تحریر کیا ہے۔

بھیرہ کا گورنمنٹ ہائی اسکول بیسویں صدی کے آغاز ہی سے اس علاقہ کی مشہور درسگاہ کا مقام رکھتا تھا۔ آپ نے میٹرک کا امتحان اسی اسکول سے پاس کیا اور ضلع بھر میں اول رہے۔ ہمارے دادا حضرت میاں کرم الدین صاحب کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ ہماری دادی مکرمہ طالع بی بی صاحبہ اس وقت ان کا ساتھ نہ دے سکیں۔ لیکن کچھ عرصہ بعد انہوں نے ایک خواب دیکھا۔ جس کی تعبیر یہ تھی کہ امام الزمانؑ کے دامن سے وابستہ ہوئے بغیر

اولادِ نرینہ کی نعمت نصیب نہیں ہوگی۔اس خواب کے بعد سات بیٹیوں کی ماں کو ولادت کی توفیق ملی اور ہمارے ابا جان کی ولادت کی شکل میں یہ خواب پورا ہوا۔حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے نومولود کو عطاء الرحمن نام عطا کرتے وقت دعاؤں سے نوازا جس نے اس بچے اور اس کی آئندہ نسل کا مقدر بدل دیا۔مجھے معلوم نہیں ہوسکا کہ ابا جان نے لاہور کے کن کالجوں سے استفادہ کیا۔ایک مرتبہ ایف سی کالج سے اولڈ بوائز کے نام کسی تقریب میں شرکت کے لئے خطوط بھجوائے گئے۔ان کے نام ایک ایسا ہی خط میری نظر سے بھی گزرا۔ایم ایس سی کرنے کے بعد سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے بی ٹی بھی کی۔اس درسگاہ کے بارے میں ان دنوں انگریز ماہرین تعلیم کہا کرتے تھے Bestin the East of یعنی مصر سے جانب مشرق طریق تدریس کی تعلیم دینے والا بہترین ادارہ۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے عہد مبارک میں 1944ء کو قادیان میں تعلیم الاسلام کالج کا دوبارہ آغاز ہوا۔کالج میں سائنس کلاسز کے اجراء کے وقت ابا جان شاہ پور کے گورنمنٹ ڈی مانٹ مورنسی کالج (Government De Montmorency College) میں فزکس کے استاد تھے۔یہی کالج بعد میں سرگودھا کا گورنمنٹ کالج کہلایا اور اب غالباً یونیورسٹی کے مراحل و مدارج سے گزر رہا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس وقت آپ کو زندگی وقف کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔کالج کے پرنسپل ملک احمد حسین صاحب نے ازراہ ''ہمدردی'' بہت سمجھایا اور روکنا چاہا۔مگر اس شفیق انسان (جن سے بعد میں بھی آپ کی راہ و رسم رہی) کی عقل کو محو تماشائے لب بام چھوڑ کر آپ تعلیم الاسلام کالج قادیان سے وابستہ ہوگئے۔وقف زندگی کے فیصلہ کے دنوں میں آپ کو خواب میں حضرت مسیح موعودؑ کی زیارت نصیب ہوئی۔حضور نے فرمایا:''ضروریات زندگی کے حاصل کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی''۔چنانچہ یہ بشارت حرف بحرف پوری ہوئی۔ابا جان کو کالج کے تینوں ادوار، قادیان ، لاہور اور ربوہ میں اخلاص، انہماک اور محبت سے خدمات سرانجام دینے کی توفیق ملی۔اس عاجز کے خطبہ نکاح میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے کالج کے حوالے سے ابا جان کی طویل رفاقت کا ان

الفاظ میں ذکر فرمایا: ''مکرم پروفیسر میاں عطاء الرحمن صاحب واقف زندگی ہیں اور بڑے اخلاص اور محنت کے ساتھ ایک لمبے عرصے (قادیان کے زمانے) سے تعلیم الاسلام کالج میں جماعت کی خدمت کر رہے ہیں۔ بڑے بے نفس اور مضبوط انسان ہیں۔''

1947ء میں قادیان سے ہجرت کے وقت گھر سے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ ؑ کا ایک کوٹ جو دادا جان کے وقت سے بطور تبرک چلا آتا تھا۔ ساتھ لے آئے۔ فقط یہی ایک چیز تھی جو سینے سے چمٹا کر ساتھ لائے۔ یہ تبرک اب تک ہماری فیملی میں موجود ہے۔

قارئین خوب جانتے ہیں کہ پیشگوئی کے مطابق کس طرح بعض بادشاہ ان تبرکات سے برکت حاصل کر چکے ہیں۔ مگر میں تو گدایان بے نوا کے برکت پانے کی کہانی رقم کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان نور یقین اور اخلاص عمل سے بہرہ ور کرے تاہم اس عظیم امانت سے نسبت کے اہل ثابت ہوسکیں۔ ابا جان اپنے مضمون میں قابلیت اور تدریسی مہارت کے ساتھ ساتھ ہمدردی خیر خواہی، بے نفسی اور شفقت کا پیکر تھے۔ ان کے شاگردوں پر ان کی شخصیت کے بعض پہلوؤں کا خاص اثر تھا۔ ان کے بعض شاگرد یہاں امریکہ میں مقیم ہیں۔ اعلیٰ اور اہم مناسب پر فائز رہے ہیں اور بعض اب بھی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ وہ انہیں اب بھی محبت اور ارادت سے یاد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس عاجز بندے کو بہت سی خوبیوں سے نوازا۔ سادگی، درویشی، نماز باجماعت کی پابندی نیکی کو مخفی رکھنے کی خواہش، عبادت میں خشوع وخضوع، ذکر الٰہی سے زبان تر رکھنے والے بے ضرر ایسے کہ کسی کیڑے مکوڑے کو بھی دانستہ گزند نہ پہنچائے۔ تہجد گزار، بہت دعائیں کرنے والے اور قبولیت دعا پر گہرا ذاتی یقین رکھنے وجود تھے۔ یہ حضرت اقدس کی مسیحائی کا اعجاز ہے کہ کوئی بھی احمدی گھرانہ اور خاندان قبولیت دعا اور روحانی تجارب و واقعات سے محروم نہ رہا۔ ابا جان بھی اس کوچے کے آداب و رموز سے واقف تھے۔ طبیعت میں حجاب تھا۔ بزرگان امت کی خواب ورؤیا میں زیارت کا کوئی تجربہ کبھی کبھار نصیحت وتربیت کی نیت سے بچوں کو سنا دیا

کرتے تھے۔دعاؤں سے دلی محبت و الفت تھی۔یہی عادت ذریعہ تسکین تھی۔تہجد کے وقت یا دوسرے اوقات میں جب وہ ان دعاؤں کو کسی قدر جہراً پڑھتے تو وہاں سے سن سن کر مجھے بھی حفظ ہو گئیں۔جس شخص کی ساری عمر فزکس پڑھنے پڑھانے میں گزری۔بھلا اسے فراعنہ مصر کی تاریخ اور ان کے دفینوں سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے؟ زیادہ اہرام مصر کی تعمیر سے فزکس کا کچھ تعلق بنتا ہے کہ آج سے 4000 سال قبل جب دیوہیکل Cranes نہیں تھیں تو مزدوروں نے اتنے بھاری بھر کم پتھر کیسے ڈھوئے اور انہیں اپنے مقام پر رکھنے میں کیسے کامیاب ہو گئے؟ مگر انہیں ایسے مضامین اور عناوین کے مطالعہ کا بھی شوق تھا۔جن سے فزکس کا کوئی تعلق واسطہ نہیں تھا۔مجھ سے فراعین مصر کے بارے میں کتابوں کی فرمائش کی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں خود بھی Egyptology کی زلف دراز کا اسیر ہوگیا۔ان کا حلقہ احباب زیادہ وسیع نہیں تھا مگر جو دوست تھے ان سے دلی محبت تھی۔سلسلے کے ممتاز خادم اور داعی حضرت مولانا نذیر احمد علی صاحب مرحوم (بانی سیرالیون مشن) ان کے طالب علمی کے زمانے سے دوست تھے۔برادرانہ اور اخلاص کا تعلق تھا۔عظیم الشان خدمات کی وجہ سے ان کے لئے خاص احترام کے جذبات تھے۔ان کے حسن سلوک کے مداح و معترف تھے۔مولانا سیرالیون کے دوسرے بڑے شہر بو(Bo) میں مدفون ہیں۔اس شہر میں مجھے سالہا سال تک رہنے اور وہاں بار بار جانے کے مواقع ملتے رہے۔ہر بار سیرالیون کے سفر کے وقت یاد دہانی کرواتے کہ ان کی طرف سے مولانا کے مزار پر حاضر ہوکر ضرور دعا کروں۔زندہ دوستوں کو سلام و پیغام بھجوانا عام معمول اور دستور زمانہ ہے۔مگر فوت ہوجانے والے دوست کو اہتمام کے ساتھ ہدیہ دعوات بھجوانا محبت و وفا کا ایک نادر اور قابل قدر انداز ہے: اے خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔

ابا جان فطرتاً خاموش طبع اور خلوت نشین وجود تھے بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ان کی زندگی ارباب تصوف کی اس روش کم خوردن، کم گفتن، کم خفتن کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔جیسے کہ عرض کر چکا ہوں ان کے بے تکلف دوستوں کا حلقہ محدود تھا۔میں نے انہیں ہنستے ہنستے تو دیکھا ہے مگر لطیفے سنتے

سناتے کبھی نہیں دیکھا۔ بے تکلف احباب سے گفتگو کے دوران کبھی کبھار مناسب حال شعر بھی چسپاں کر دیتے تو احساس ہوتا کہ اس خاکستر میں بھی آتش سخن فہمی کی چنگاری موجود ہے۔ ریٹائر منٹ کے کچھ عرصہ بعد انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ان کی وفات ہسپتال میں آپریشن کے بعد ہوئی۔ وفات کے حوالے سے ہمارے اعصاب پر دمہ ہی سوار رہا اور ہم لوگ اس خواب کو بھول گئے۔ اک مرتبہ شاہدرہ میں نماز کے لئے مسجد جاتے ہوئے گرنے سے چوٹ آئی۔ کافی عرصہ بعد تفصیلی معائنہ سے معلوم ہوا کہ Femur ہڈی کے اوپر والے حصہ میں فریکچر ہوا اور آپریشن کی ضرورت ہوگی۔ ابا جان کے ایک شاگرد نے آپریشن کی حامی بھر لی اور اپنے تجربے کی بناء پر یقین دلایا کہ میاں صاحب آپ چل کر گھر جائیں گے۔ چنانچہ آپریشن ہوا مگر چند روز قبل ابا جان حرکت قلب بند ہو جانے سے وفات پا گئے۔

جس طرح ان کا دنیا میں آنا اظہار غیب سے وابستہ تھا عجیب اتفاق ہے کہ ان کا دار فانی سے جانا بھی اظہار غیب سے وابستہ ثابت ہوا۔ حق یہ ہے کہ ہر فرد کی حیات و ممات کا مل علم صرف خالق حقیقی ہی کو ہے۔ اصل اہمیت اس بات کو حاصل ہے کہ انسان عبد ہونے کی حالت میں نفس مطمئنہ کی سکنیت کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو۔

عبدالقادر یاد رہے گا

(سمیع اللہ قریشی ایم۔اے)

دس سال قبل میں اپنی محبوب درس گاہ تعلیم الاسلام کالج لاہور میں داخل ہوا تھا۔ جب چچا مجھے داخل کرانے کے لئے گئے تو ہوسٹل کے قریب سے گذرے۔ لحیم شحیم بارُعب ڈھیلا ڈھالا کرتہ اور شلوار پہنے ایک شخصیت نظر آئی۔ میرے دوست جو مجھ سے سینئیر تھے اور میرے ہمراہ تھے فوراً بولے ''یہ پروفیسر اخوند عبدالقادر ہیں۔ وائس پرنسپل۔ انگریزی پڑھاتے ہیں۔''

ان کے پڑھانے کا انداز بھی خوب تھا۔ خصوصاً ڈرامہ اور نظم۔ واہ واہ کیا چٹخارے دار انگریزی بولتے تھے۔ اب بھی آنکھیں بند کر کے گُم سُم بیٹھ جاؤں اور ذہن میں کرلوج کی ''کرسٹا مِل'' یا بائرن کی '' پہلی محبت'' کے مصرعے دہرانے لگوں تو بند آنکھوں میں یادوں کے تخیل اُجالے میں اخواند عبدالقادر سامنے آجاتے ہیں۔ وجیہ، بلند و بالا ٹھوڑی پر ہلکی سی سفید داڑھی خوبصورت شیروانی۔ سفید شلوار پاؤں میں انگریزی جوتا سر پر پگڑی اور ان سب کو سمیٹے ہوئے ایک پھیلا ہوا گاؤن۔ کلاس میں آتے۔ کتابیں میز میں رکھ دیتے۔ حاضری کا رجسٹر کھولنے سے قبل کیس میں سے عینک نکالتے۔ پھر اسے کھٹ سے بند کر دیتے۔ پگڑی اتار کر میز کے ایک کونے میں ٹکا دیتے۔ اب ان کے سر پر شفاف چاندی جیسے بال نمایاں ہو جاتے۔ جس کتاب کو پڑھانا مقصود ہوتا اُسے اپنے سامنے کھول کر رکھ دیتے۔ ایک پیریڈ میں بعض دفعہ ایک مصرعہ کی وضاحت کے لئے ناکافی ٹھہرتا۔ اُن کا کہنا تھا کہ شعر کا مطالعہ اس وقت تک بے جان ہے جب تک اُسے دل و دماغ اور رُوح کی مکمل ہم آہنگی میسر نہ ہو۔ پھر وہ اپنے ساتھ اپنے طلباء کو بھی بائرن، کیٹس، شیلے کولرج اور شیکسپئر کی آوارہ روحوں کے ساتھ جانے کہاں کہاں لئے پھرتے۔ ساری جماعت پر ایک سحر زدہ سی خاموشی طاری

رہتی۔ کیا مجال تھی کہ یہ خاموشی ناروا آواز سے ٹوٹ جاتی۔ وہ شعر کا کچھ حصہ اس تفصیل اور ہمہ گیر تجزیہ کرتے کہ تشنگی کا کوئی احساس تک باقی نہ رہتا۔ پڑھائی کے دوران کبھی خود بھی موج میں آجاتے۔ کھو جاتے اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر چلتے رہتے بولتے رہتے اور کبھی اپنی شیروانی کی دونوں سامنے کی جیبوں میں عجیب انداز سے ہاتھ ڈال کر یوں کھڑے ہو جاتے جیسے کوئی مجسمہ ہو، جو ہلتا جلتا نہیں مگر معانی اور الفاظ کا دریا بہتا چلا جا رہا ہے۔ پگڑی اس دوران میں کبھی پہن لیتے اور کبھی اتار لیتے۔ الفاظ اُن کے اپنے قول کے مطابق بلاشبہ اُن کے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے کہ جسے حکم ہو آگے آئے۔

پہلے ہی سال کا ذکر ہے میں نے جہاں اردو میں ایک نظم کہہ کر استاذی فیضی صاحب کے حوالے کی وہاں ایک ہلکی پھلکی نظم اُردو ہی کے چند فقرے لکھ کر اُن کا انگریزی میں ترجمہ کر کے کچھ اس طرح کے اشعار جیسی شکل بن جائے اخوند صاحب کے کمرہ میں ایک لفافہ بند کر کے چپکے سے ڈال کر آیا۔ دوسرے دن چپڑاسی کے ہاتھوں مجھے بُلوا بھیجا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں ڈر گیا۔۔ خوف یہی تھا کہ انگریزی میں نظم تو لکھ لی ہے، اب جب وہ انگریزی میں مجھ سے بات کریں گے، تو جواب کون دے گا۔ پر میں ہمت کر کے اُن کے رہائشی کمرے میں چلا گیا۔ وہ نماز کی تیاری میں مصروف تھے مجھے دیکھا تو کھل اٹھے۔ اُنہوں نے بازو سے پکڑ کر خود مجھے کرسی پر بٹھایا۔ نظم نکال لائے۔ ایک ہی سانس میں کھٹ سے پڑھ گئے۔ مجھ سے کہا تم سناؤ۔ اب میری یہ حالت کہ جگہ جگہ کوئی چیز گلے میں جیسے اٹک سی جاتی ہو۔ سنتے رہے مسکراتے رہے۔ کچھ تعریف بھی کی۔ وعدہ کیا کہ آئندہ شمارہ میں المنار میں شائع کر رہا ہوں۔ تم کوئی نثر بھی مضمون لکھو۔ پھر میں نے اجازت چاہی اور اٹھ آیا۔

رسالہ چھپ گیا اور انگریزی اور اُردو دونوں نظمیں شامل اشاعت ہوئیں۔ پھر اگلے چند شماروں میں کچھ اور اردو کی نظمیں چھپ گئیں۔ حتیّٰ کہ مجلس ادارت میں بھی مجھے شامل کر لیا گیا۔ بی

اے کے دونوں سالوں میں وہ ہمیں ڈرامہ اورنظم پڑھاتے رہے۔ان کے پڑھانے میں اس قدر لطف محسوس ہوتا تھا کہ اکثر سائنس کے طلبا بھی ہمارے آرٹس کے گروپ میں آبیٹھتے۔ مجھے یاد ہے ورڈز ورتھ(Wordsworth) کے صوفیانہ کلام کی تشریح وتفسیر بڑے مزے لے کر کیا کرتے تھے۔ کبھی قرآن حکیم کی کوئی آیت، کبھی اقبال کے اشعار وہ بڑی روانے اور بے ساختگی کے ساتھ اپنے لیکچر میں سمیٹتے جاتے۔ان کے درس کی روانی میں بھی ایک سلیقہ تھا۔ چھوٹے چھوٹے فقرات اور نئے نئے خوبصورت محاورات بیان کرنے کی چادر موتیوں کی طرح جڑتے چلے جاتے۔فقرات کی بندش اور مرصع تراکیب سے اپنی گفتگو اور کلام کو خوشبودار اور رنگین بناتے ۔ ساری جماعت پر خاموشی چھائی رہتی۔کیا مجال جوکسی کوشرارت کا خیال تک آیا ہو۔اور وہ اسی قسم کی صحبتوں میں ملٹن۔شیکسپئر، اور ورڈزورتھ کے اشعار کے وہ وہ نکات بیان کرتے کہ یہی جی چاہتا کہ بس سنتے چلے جائیں اور کاش آج شادی پیریڈ بجانا بھول جائے۔لیکن شادی عین وقت پر گھنٹی بجادیتا۔اوراخوند صاحب وہیں پر رک جاتے۔عینک اتار کر کیس میں، پھٹ سے بند کر پگڑی سر پر جماتے اور ''تھینک یو'' کہہ کر چلے جاتے۔

انہیں اپنے ہر طالب علم سے محبت تھی ۔ جولڑکے کامیاب ہو کر چلے جاتے۔ ان سے بعد میں بھی خط وکتابت رکھا کرتے تھے اور ملتے تو عزت اور محبت سے ملا کرتے تھے۔ ہرلڑکے کا نام اور رول نمبر انہیں زبانی یاد ہوتا۔ان کی حاضری کا رجسٹر بے حد صاف ستھرا تھا۔کہیں کوئی داغ دھبہ نہ ہوتا۔سب سے زیادہ حاضر باش طالب علم کی بڑی تعریف کرتے۔اتفاق سے بی اے کے دونوں سالوں میں میری حاضریاں ان کے پیریڈ میں سب سے زیادہ تھیں ۔ اس لئے دوسرے لڑکوں کو میری مثال دیا کرتے تھے۔انہوں نے کبھی کسی کو جُرمانہ نہ کیا تھا۔ان کے نظم پڑھانے کا انداز بھی خوب تھا۔کسی کے معانی بیان کرنے پر آتے تو انگریزی میں متبادل الفاظ کا ڈھیر لگا دیتے۔اردو کے الفاظ بھی کبھی بتادیا کرتے تھے۔ پوپ صاحب کی نظم ''ریپ آف دی

لائف'' پڑھانے لگے تو صرف عنوان ہی کے اس قدر تراجم پیش کئے کہ ہم سب حیران رہ گئے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں اُن سب متبادل الفاظ کو نظم کے ساتھ ہی حاشیہ پر لکھتا گیا تھا وہ کوئی پانچ چھ تھے۔ انہی دنوں میں ان کے بارے میں ایک نظم لکھی جو المنار میں شائع ہوئی اور خاصی پسند کی گئی اس نظم کی ہیئت کچھ یوں تھی۔

عبدالقادر ایک کتاب۔ پڑھتے جاؤ ختم نہ ہوگی۔ اس کے لاکھوں باب

کالج سے کامیاب ہو کر فارغ ہونے کے بعد ہی کا ذکر ہے کہ ان کی پیاری سی ننھی منی بچی کی وفات کی خبر سننے میں آئی۔ میں نے ملتان سے انہیں تعزیت کا خط لکھا۔ تو شدید صدمے سے دو چار ہونے کے باوجود فوراً جواب دیا۔ لکھا تھا۔'' عزیزم مکرم۔ پیام تعزیت نے دل کو تڑپا دیا۔ میری محبوب و معصوم بچی کی طویل و شدید علالت جس سے جانبر نہ ہو سکی، کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ جب کہ زندگی اور موت اس ننھی سے جان کے لئے نبرد آزما تھیں۔ زندگی ہاری اور موت کی جیت ہوئی۔''

پھر دن گذرتے چلے گئے اور میں کالج سے فارغ ہونے کے بعد کسب معاش کی الجھنوں میں پھنس گیا۔ اس دوران شاید ہی کبھی ملنا ہوا ہو۔ ایک خط ان کا پھر مجھے موصول ہوا جو افسوس محفوظ نہ رہ سکا۔ اب اپنی پُرانی ڈائری کے صفحات الٹ رہا ہوں تو 13 دسمبر 1955ء کا صفحہ سامنے آ گیا۔ غالباً اخوند صاحب ہی کی شخصیت کو ذہن میں رکھ کر لکھا ہے۔ تاثرات کی مثال آئس برگ کی سی ہے۔ جو سمندر میں پانی کی سطح پر تیرتا ہے۔ اس کی صرف چوٹی سطح آب سے باہر ہوتی ہے۔ جو سورج کی شعاؤں میں چمکتی ہے لیکن کون جانتا ہے کہ برف کے اس تودہ کے نیچے کتنا بڑا پہاڑ ہے جو سمندر کی تیز رو میں بہتا چلا جا رہا ہے۔ لیکن دیکھنے والوں کی آنکھوں سے اوجھل۔

آج کی شام بڑی خوبصورت تھی۔ سیلونی کے چائے خانے میں بیٹھے تھے کہ استاذی اخوند عبد القادر بھی تشریف لے آئے۔ (میرے واجب الاحترام استاد۔ وہ جن سے میں بے حد متاثر ہوا

ہوں۔اور میرا سر جسے دیکھ کر احتراماً جھک جاتا ہے)۔اِدھر اُدھر کی بہت سی باتوں کے بعد وہ میرا اُس نظم کے بارے میں بات کرنے لگے جو میں نے اُن کے بارے میں کالج کے آخری ایام میں کہی تھی۔ وہ کبھی اپنی دھیمی اور کھنک دار آواز میں کبھی انگریزی میں اور کبھی اردو اور کبھی پنجابی اور کبھی ملتانی میں مجھ سے باتیں کرتے رہے۔ کہنے لگے ”میں ان ساری تعریفوں کے بھلا کب قابل ہوں جو اس نظم میں تم نے میرے لئے روا رکھی ہیں۔ ویسے تم نے مجھے سمجھنے کی کوشش ضرور کی ہے۔“

پھر کسی جلسہ سالانہ کی بات ہے۔ میرے ذمہ ملتان اور مظفر گڑھ کے مہمانوں کے قیام اور طعام کا بندوبست تھا۔اچانک ایک دن مجھے پتا چلا کہ اخوند صاحب میرے مہمانوں کے ساتھ بیرک کے فرش پر ہی دراز ہیں۔اور یہیں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ہم سب کے سب بھاگے بھاگے گئے۔تو دیکھا کہ وہ اپنے سیاہ رنگ کے سوٹ کیس کو تکیہ بنائے پرالی پر دراز ہیں۔ان کی گٹھڑی ان کے قریب ہی دھری تھی۔ میں نے سلام کہا اٹھ بیٹھے۔ہم سب باتیں کرتے رہے۔اور اس شام پرانی یادوں کا سلسلہ پھر تازہ ہو گیا۔میں نے اپنے گھر چلنے کی دعوت دی۔کالج میں کسی مناسب جگہ چلنے کو کہا مہمان خانہ میں جگہ حاصل کرنے کی تجویز پیش کی لیکن ایک ہی بات کہتے رہے ”مسیح موعود کے پیغام کو سننے آیا ہوں اور اُنہی کے لنگر سے تبرک کھانے کے خواہش ہے اس راہ میں ننگی زمین پر بھی سونا پڑے تو سوؤں گا۔“ چنانچہ اس دوران جتنے دن بھی وہاں رہے، عام مہمانوں ہی کے درمیان اسی حالت میں قیام کرنا پسند کیا۔انسان میں کمزوریاں ہوتی ہیں۔ان میں بھی کمزوریاں ہوں گی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی خوبیاں ان کی کمزوریوں پر چھا گئی تھیں۔پھر اچانک سنا کہ وہ فوت ہو گئے۔ ان کے شاگردوں میں سے جس جس نے بھی سنا دم بخود ہو گئے۔ (اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے) خود مجھے بھی اس پر یقین نہ آتا تھا اب بھی حالت یہ ہے کہ شیکسپیئر کا کوئی ڈرامہ ورڈزورتھ یا بائرن کی کوئی نظم سامنے آجاتی ہے تو تعلیم الاسلام کالج بے طرح یاد آنے لگتا ہے۔۔ پُرانی خوشگوار یادیں،خیال کے اُفق پر بے پناہ ہجوم کرنے لگتی ہیں۔اور عالم تصور ہی میں

یوں لگتا ہے کہ اخوند صاحب جیسے ابھی سٹاف روم سے فراٹے کے ساتھ نکلیں گے۔ اُن ہی کے بارے میں کہی ہوئی اپنی نظم کا آخری شعر بار بار زبان پر آنے لگتا ہے۔

عبدالقادر نہ مٹ سکے گا   عبدالقادر یاد رہے گا۔

(المنار ربوہ جنوری تا مارچ 1962ء بحوالہ المنار امریکہ جلد نمبر 1 شمارہ نمبر 3 جولائی تا دسمبر 2013ء صفحہ 14 تا 16)

حضرت قاضی عبداللہ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مکرم عنایت اللہ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ

''میرا بچپن تین سال سے سے بارہ سال کی عمر تک قادیان میں گزرا ہے۔ بزرگوار قاضی عبداللہ صاحب جو حضرت مسیح موعودؑ کے 313 صحابہ میں سے تھے، میرے خالو جان تھے۔ ان کی چھوٹی بیوی امت الرشید صاحبہ میری خالہ جان تھیں۔ اُن کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی اسلئے وہ مجھے تین سال کی عمر میں میری اماں جی سے اپنے پاس قادیان لے آئیں۔ بزرگوارم خالو جان لمبا عرصہ تعلیم الاسلام ہائی اسکول قادیان کے ہیڈ ماسٹر رہے۔ اس سے پہلے 1914ء میں وہ انگلستان میں بطور مربی بھی گئے۔ خالہ جی نے مجھے قاعدہ یسّرنا القران شروع کرادیا اور جلد ہی میں نے قرآن کریم ختم کرلیا۔ چھ سال کی عمر میں خالو جان نے مجھے تعلیم الاسلام اسکول میں داخل کروادیا۔ اس وقت بزرگوارم سیّد محمود اللہ شاہ صاحب ہیڈ ماسٹر تھے۔ نہایت ہی بارعب، باوقار شخصیت، بہت ہی کم گو اور سنجیدہ، شاذ ہی کلاس رومز کے آگے سے گزرتے۔ ہر اُستاد اپنا کام تندہی سے کرتا اور شاہ صاحب اس میں کوئی مداخلت نہ کرتے۔ پرائمری میں ماسٹر حسن محمد صاحب، ماسٹر چراغ دین صاحب اور ماسٹر محمد بخش صاحب کے نام یاد ہیں۔ مڈل میں ماسٹر عبدالرحمن صاحب حساب پڑھاتے تھے۔ سوال بہت اچھی طرح سمجھاتے۔ ان کا بڑا رعب تھا، نظر سے ہی سب پر کنٹرول رکھتے۔ زراعت کے ماسٹر اللہ بخش صاحب تھے جو زراعت عملاً زرعی فارم میں سکھاتے۔ ماسٹر خداداد صاحب پی ٹی کرواتے۔ یہ دو بزرگ استاد تو ربوہ میں کافی عرصہ تک بہت محبت سے ملتے رہے۔ تعلیم

الاسلام ہائی اسکول 1951 میں چنیوٹ میں تھا، سو روزانہ ریل پر آتے جاتے۔ میرے کلاس ٹیچر محترم محمد ابراہیم ناصر صاحب تھے۔ بڑی ہی پیاری شخصیت۔ انگریزی اور حساب غالباً وہی پڑھاتے تھے۔ میں ان مضامین میں ٹھیک تھا، مجھ سے خوشنودی کا اظہار فرماتے تھے۔ بزرگوارم محمد ابراہیم بھامبڑی صاحب ہمارے دینیات کے استاد تھے۔ بھامبڑی صاحب کو اللہ تعالیٰ لمبی فعال عمر عطا فرمائے، جب بھی ملتے ہیں گلے لگا کر ملتے ہیں۔ سائنس ماسٹر حضرت صوفی غلام محمد صاحب تھے۔ سائنس خوب سمجھاتے، پریکٹیکل کرواتے، گیسز وغیرہ بنواتے اور بھی تجربات کرواتے۔ خوب بارعب اور صحت مند شخصیت رکھتے تھے۔ تعلیم الاسلام کالج جب لاہور ہی میں تھا، بزرگوارم عطا الرحمن صاحب بھی اچھی طرح فزکس انگریزی میں پڑھاتے کہ ان کی کوئی نظیر نہ تھی۔ کیمسٹری پروفیسر حبیب اللہ خان پڑھاتے تھے۔ بڑے ہی مخلص اُستاد تھے۔ سب ہی سادہ شخصیت اور سادہ لباس تھے۔ کیمسٹری کے پریکٹیکل کے انسٹرکٹر محترم سعید اللہ خان تھے، بعد میں کالج میں پروفیسر بنے۔ انگلش کے پروفیسر بزرگوارم عبدالقادر صاحب تھے۔ خوب بانکی شخصیت کے مالک تھے۔ چست اچکن اور سفید خوبصورت پگڑی پہنتے۔ قدآور اور متاثر کن شخصیت تھے۔ انگلش ایسی فرفر پڑھاتے کہ انگریز بھی ایسی نہ پڑھاتے ہونگے۔ امریکن پروفیسروں سے تو میں پڑھا ہوں وہ تو اس سپیڈ سے نہ پڑھاتے تھے۔ بزرگوارم چوہدری محمد علی صاحب ہمارے ہوسٹل کے سپرینٹنڈنٹ تھے، بعد میں کالج کے پرنسپل بھی رہے۔ بزرگوارم صوفی بشارت الرحمن صاحب انکے اسسٹنٹ تھے۔ دینیات کے پروفیسر مولانا ارجمند خان صاحب تھے، بہت ہی محنت سے قرآن کا ترجمہ پڑھاتے۔ نیک تھے، بھاری بھرکم شخصیت رکھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ ان سب اساتذہ کو اجر عظیم اور جماعت کو علمی میدان میں نمایاں ترقیات سے نوازے۔ آمین۔ (المنار اکتوبر نومبر 2014)



پروفیسر محمد ابراہیم ناصر صاحب مرحوم

(محمد داؤد طاہر۔ جرمنی)

پرفیسر محمد ابراہیم ناصر صدر ریاضی ہونے کے ساتھ ساتھ اُس زمانے میں کنٹرولر امتحانات بھی تھے۔ وہ میرے سگے چچا تھے اس لئے مجھے انہیں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور میں یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ ایک انتہائی بے نفس انسان تھے۔ وہ 12 اکتوبر 1912ء کو اپنے آبائی گاؤں موضع گھوگھیاٹ ضلع شاہ پور (حال سرگودھا) میں پیدا ہوئے۔ وہ صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت بابو فخر الدین صاحب کے صاحبزادے تھے انہوں نے میٹرک تعلیم الاسلام ہائی اسکول قادیان سے ایف اے صادق ایجٹرین کالج بہاولپور سے اور بی۔ اے دیال سنگھ کالج لاہور سے پاس کیا۔ مرحوم شروع سے ہی اصلاح وارشاد کے کاموں میں دلچسپی رکھتے لیکن جب وہ باقاعدی تعلیم سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اپنی اس دلچسپی کا عملی اظہار اپنی زندگی خدمت سلسلہ کے لئے وقف کر کے کیا۔ مرحوم اپنے اس فیصلہ کے محرک کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ رقمطراز ہیں:

''کئی سالوں کا ذکر ہے کہ ابھی پیدا ابھی نہ ہوا تھا کہ والدہ مکرمہ نے جن کو اللہ کے فضل سے سچی خوابیں دکھائی جاتی ہیں ایک خواب میں دیکھا جس میں انہوں نے حضرت اماں جان کو دیکھا کہ آپ ایک مکان کی لپائی فرما رہی ہیں۔ والدہ صاحب نے تعجب سے دریافت کی کہ آپ یہ کیا کرتی ہیں تو حضرت اماں جان نے فرمایا ''یہ مکان تمہارے اس بیٹے کے لئے بناتی ہوں جو اب پیدا ہوگا۔'' اس خواب کے متعلق مجھے اکثر خواہش رہی کہ اس کی تعبیر معلوم کروں۔ 1933ء میں مئی کے آخر میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ لاہور تشریف لے گئے اور آپ نے احمدیہ ہوسٹل میں قیام فرمایا۔ اُن دنوں

میں نے حضور کی خدمت میں خواب لکھا جس پر حضور نے اپنے قلم سے تحریر فرمایا:

عزیز مکرم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

لپائی صفائی کے لئے کی جاتی ہے۔اس کی تعبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے ایک پاک زندگی بسر کرنے کے سامان پیدا جو کئے اور ایسی طاقتیں دی ہیں تو نیک زندگی بسر کر سکتے ہیں۔اس کے بعد دوسرا قدم مکین کا ہوتا ہے کو کبھی اسے ناپاک کر دیتا ہے۔یہ امر آپ سے تعلق رکھتا ہے۔

خاکسار

محمود

حضورؓ کی بیان فرمودہ اس تعبیر کے پیش نظر عمی المکرم کے دل میں تڑپ پیدا ہوئی کہ وہ خدمت احمدیت کے لئے اپنی زندگی وقف کر دیں۔چنانچہ مئی 1935ء میں جب وہ بی اے کا امتحان دے چکے تو حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں اپنا نام پیش کیا جسے حضور نے بکمال شفقت قبول فرماتے ہوئے انہیں تحریک جدید کے منتخب واقفین میں شامل کر لیا اور امریکہ بھجوانے کا فیصلہ کیا۔ انہیں صوفی مطیع الرحمٰن صاحب کے ساتھ بطور معاون امریکہ بھجوانے کی تجویز تھی چنانچہ ان دونوں کی روانگی کا اکٹھا ہی پروگرام رکھا گیا۔حسب پروگرام یہ دونوں 17 اکتوبر 1936ء کو قادیان سے روانہ ہوئے اور 31 اکتوبر کو ممبئی سے قیصر ہند نامی جہاز کے ذریعے امریکہ کے لئے روانہ ہوئے۔وہ 20 نومبر کو لندن پہنچے جہاں اُن دنوں مولانا جلال الدین شمس مشنری انچارج تھے۔ایک ہفتہ قیام کے بعد وہ دونوں امریکہ کے لئے روانہ ہو گئے عمی المکرم کو امریکہ میں داخل ہونے کی اجازت محض اس وجہ سے نہ دی گئی کہ وہ عقیدہ کے لحاظ سے تعدد ازدواج کے قائل تھے۔امیرکہ میں داخلے کی اجازت نہ ملنے پر انہیں ہنگری کے دارالحکومت بوڈاپسٹ بجھودیا تھا۔

نومبر 1938ء میں ہنگری واپسی پر انہوں نے سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے بی ٹی کا امتحان کیا اور ان کی تقرر تعلیم الاسلام ہائی اسکول قادیان میں بطور استاد ہو گئی جہاں وہ بارہ سال تک کام

کرتے رہے۔ اسی اثنا میں وہ پنجاب یونیورسٹی سے بطور پرائیوٹ امیدوار ایم اے ریاضی کا امتحان پاس کر چکے تھے چنانچہ جب تعلیم الاسلام کالج لاہور سے ربوہ شفٹ ہوا تو ان کی خدمات بحیثیت لیکچرار ریاضی کالج کو منتقل کر دی گئیں جہاں وہ تا حیات تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ اس دوران انہیں چند سال جامعہ نصرت ربوہ میں بھی تدریس کا موقع ملا۔

میرے والد

محترم پروفیسر حبیب اللہ خان صاحب

(م۔جاوید)

میرے شفیق والد مکرم پروفیسر حبیب اللہ خان صاحب کی وفات 13 جنوری 1997ء کو رمضان شریف کے بابرکت مہینہ میں ربوہ میں ہوئی۔

میرے ابوّ برصغیر کے معروف خاندان سے تعلق رکھنے والے بزرگ حضرت مولانا ذوالفقار علی خان گوہرؔ کے صاحبزادے تھے اور ان خوش نصیبوں میں سے تھے جن کا نام سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے عطا فرمایا تھا۔ آپ کے والد صاحب نے دس برس کی عمر میں آپ کو قادیان بھجوا دیا تھا۔ آپ نے میٹرک کا امتحان قادیان سے دیا پھر F.Sc اور BSc اسلامیہ کالج لاہور سے کی۔ MSc کی ڈگری آپ نے علی گڑھ سے 1931ء میں حاصل کی اور ملازمت کے لئے حیدرآباد دکن چلے گئے۔ وہاں پھر مدرسہ عالیہ میں سائنس ٹیچر مقرر ہوئے جو ایچی سن کالج کی طرز کا ادارہ تھا جہاں افسران، جاگیرداروں کے بچے پڑھتے تھے، وہاں سولہ سال رہے۔ ابا جان بتاتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حیدرآباد سے مجلس مشاورت پر بطور نمائندہ قادیان گیا تو حضرت مصلح

موعودؑ نے ''پروفیسر حبیب اللہ آئے ہوئے ہیں'' پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی جانب سے ایک کارڈ پہنچا کہ تعلیم الاسلام کالج لاہور میں Bsc کی کلاسز شروع ہوگئی ہیں سٹاف کی ضرورت ہے آپ قادیان پہنچ کر رپورٹ کریں۔اس دوران ملک تقسیم ہو چکا تھا اور حیدرآباد سے آنا مشکل تھا لیکن خدا نے جو ہر مشکل میں بندوں کے کام آنے والا ہے اس کا انتظام بھی کر دیا۔حیدرآباد میں ہی سیٹھ محمد اعظم صاحب کے مکان پر ایک کیپٹن سے ملاقات ہوئی اور لاہور جانے کے بارہ میں ذکر ہوا،اس نے کہا آپ بطور بیرہ کے فوج کے ساتھ آرمی شپ میں جا سکتے ہیں۔آپ نے فوراً اس بات کی حامی بھر لی ۔اس طرح بمبئی اور پھر کراچی سے سانگلہ ہل تک ان کے ساتھ رہے۔آخر کار لاہور پہنچ گئے۔ٹی آئی کالج اس وقت لاہور میں تھا حضرت مرزا ناصر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثالث) کالج کے پرنسپل تھے لہٰذا اسٹاف میں شامل کر لیا گیا۔

آپ اڑھائی تین میل روزانہ سائیکل پر کالج جاتے،وقت کی پابندی کو ضروری سمجھتے۔نیز طلباء کی تعلیمی سرگرمی پر ہمیشہ نظر رہی ۔اکثر طالب علم کو کالج ٹائم کے بعد بھی وقت دیتے۔آپ کی تنخواہ معمولی تھی اور 9 بچوں کے ساتھ گزر بسر بڑی مشکل تھی۔گھر کیا تھا ایک کمرہ کچن اور مختصر سا صحن وہ بھی اوپری منزل پر،برسات میں پانی سیدھا کمرہ میں آجاتا اگر رات ہوتی تو اور بھی دقت پیش آتی کیونکہ گھر میں واحد چارپائی اور تین صندوق۔رات اس پر بیٹھ کر گزارنی پڑتی۔ہم بہت چھوٹے تھے لیکن ذہن میں وہ نقشہ ابھی تک یاد ہے،ابوامی صبح صبح اٹھتے نماز قرآن سے فارغ ہونے کے بعد ناشتہ کی تیاری کرتے اس زمانہ میں لکڑیوں سے چولہا جلا کرتا تھا۔باری باری سب بچوں کو اٹھاتے نماز پڑھنے کا کہتے اور سکول کی تیاری میں اباجان ہماری مدد کرتے ناشتہ سے فارغ ہونے پر زینے سے نیچے تک چھوڑنے آتے،یہ سب کام جلدی جلدی کرتے کیوں کہ انہوں نے بھی وقت پر کالج پہنچنا ہوتا تھا۔ایک لالٹین کے گرد سب بچوں کو پڑھاتے،چھٹی کے روز لارنس گارڈن کی سیر پر بھی لے جاتے،راستہ بھر چھوٹے چھوٹے واقعات سچائی اور بہادری سے متعلق بتاتے۔

ایک مرتبہ ہمارے اسکول کی دوست جو غیر از جماعت تھی اس نے ہمارے گھر آنے کی خواہش ظاہر کی اور اسکول کے بعد پروگرام بنالیا۔ جب کھیتوں کے بیچ سے گزر کر گھر جا رہے تھے تو کہنے لگی سنو یہاں درختوں پر چڑیلیں تمہارا نام لے کر پکار رہی ہیں جب ہم نے غور کیا تو ہمیں بھی کچھ سنائی دینے لگا۔ وہ تو آدھے راستے سے واپس چلی گئی اور ہم بھی ایک لمبا راستہ کاٹ کر گھر پہنچے ۔ اگلے روز ہم نے اسکول جانے سے انکار کر دیا جب ابا جان نے وجہ پوچھی تو سب بات کہہ ڈالی ۔ ابا جان کہنے لگے چلو میرے ساتھ !اور راستے میں کہنے لگے کہ کیا اب تمہیں وہ آوازیں آ رہی ہیں؟ تو ہم نے انکار میں سر ہلایا۔ کہنے لگے تمہاری دوست کا صرف وہم تھا اس کے گھر میں ایسی باتوں کا ذکر ہوتا ہوگا جو اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی ورنہ کوئی چڑیلیں وغیرہ نہیں ہوتیں اور جب گھر سے نکلا کرو تو دعا ضرور پڑھا کرو سورتیں دہراتی رہا کرو۔ یوں ہماری تربیت کا ہمیشہ خیال رکھا۔

میرے ابو بڑے صابر بڑے ہمت والے انسان تھے، تنگی وخوشحالی ،غمی وخوشی ہر دور سے گزرے اور اس کو معمول کا حصہ سمجھا۔ مجھے یاد ہے ایک دن ہمیں گندم ابال کر کھانی پڑی ۔ ہم نے کہا! یہ کیا ہے؟ کہنے لگے یہ بھی کھانے کی چیز ہے۔ اگلے روز امی جان کے کہنے پر کہ سنو جی! آج تو کھانے کو کچھ بھی نہیں کہنے لگے جانتا ہوں لیکن کیا کروں دست سوال کرنا طبیعت پر بار معلوم دیتا ہے۔ پھر کچھ توقف کے بعد سائیکل پکڑی اور باہر نکل گئے جاتے ہوئے امی جان سے کہا تم بھی دعا کرو اللہ بہتر بندوبست کرے گا۔

ابو بتاتے ہیں کہ ابھی میں بازار سے گزر رہا تھا کہ کسی نے پیچھے سے آواز دی خان صاحب رکئے۔ آپ سائیکل سے اترے اور وجہ دریافت کرنے پر کسی نوجوان لڑکے نے کہا خان صاحب میں نے آپ سے ٹیوشن پڑھنی ہے امتحان قریب ہیں۔ آپ نے کہا ٹھیک ہے کالج کے بعد میرے پاس آ جانا۔ اس نے جیب سے پیسے نکالے اور دینے لگا۔ ابا جان نے کہا کہ ابھی تو پڑھانا شروع نہیں کیا جب پڑھاؤں گا تب ہی لوں گا لیکن وہ بصد اصرار رقم آپ کے ہاتھ میں تھما گیا۔ ابا جان

نے انہی پیسوں سے گھر کا سودا وغیرہ خریدا، یوں خدائے مہربان نے غیب سے سامان پیدا کر دیا۔

جب کالج ربوہ شفٹ ہو گیا تو آپ بھی ربوہ چلے آئے۔ یہاں پر خدا نے اپنا چھوٹا سا گھر بنانے کی توفیق دی ۔آپ تعلیم الاسلام کالج کے شعبہ کیمسٹری کے پروفیسر تھے ۔ نصرت گرلز کالج میں جب سائنس کا شعبہ قائم ہوا تو وہاں پر بھی خدمات انجام دیں ۔آپ ناظم امتحانات بھی رہے ہیں اور بڑی دیانتداری سے پرچے چیک کرتے بلکہ اکثر اوقات ہمیں کہتے کہ ذرا تم بھی دوبارہ سے چیک کرو کہیں غلطی تو نہیں رہ گئی خوب تسلی کر لیتے ،مبادا کسی سٹوڈنٹ کی سال بھر کی محنت رائیگاں نہ جائے۔ جن دنوں پرچے آتے تو اکثر سٹوڈنٹ دوسرے شہروں سے اپنے والدین کے ساتھ یا پھر اکیلے ہی آتے کہ اگر نمبر میں کمی ہو تو پوری کروالیں مگر میرے ابو اس معاملے میں اصول کے بہت پابند تھے۔انہوں نے کبھی ایسا نہ کیا وہ کہتے تھے جتنی محنت وہ اس بات کے معلوم کروانے میں کہ فلاں پرچہ کس کے ہاتھ گیا ہے اگر پڑھائی میں ذرا سی محنت کرتے تو یوں خواری نہ اٹھانی پڑتی۔ہمیں بھی دل لگا کر پڑھنے کی تلقین کی۔

پیارے ابو جان کو باغبانی کا بہت شوق تھا اور ایک حصہ پلاٹ میں خوب سبزیاں پھل اور سفیدے کے درخت لگائے ہوئے تھے۔ایک مرتبہ پرنسپل صاحب حضرت مرز اناصر احمد صاحب کو چند اساتذہ کے ساتھ گھر پر مدعو بھی کیا اور اپنا باغیچہ دکھایا۔حضرت صاحب دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور ساتھ ہی فرمایا! خان صاحب آپ کے باغیچہ میں ٹماٹر تو بہت بہار دکھا رہے ہیں۔ آپ جلسہ سالانہ پر ناظم مکانات بھی رہے۔جلسہ شروع ہونے سے بہت پہلے ہی لوگوں کے خطوط آنے شروع ہو جاتے آپ ہر کام نہایت جانفشانی سے سرانجام دیتے۔آپ کا اپنا گھر بھی جلسے کے ایام میں مسیح کے مہمانوں سے بھرا ہوتا۔رشتے داروں کی اولین خواہش ہوتی کہ آپ کے گھر رہا جائے آپ اس میں بڑی راحت محسوس کرتے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ تو پچاس کے قریب لوگ تھے لہٰذا گھر میں ہی چھولداری لگوانی پڑی ۔ابا جان کا بستر ان دنوں میں کچن میں

لگا کرتا تھا۔آپ صبح صبح مہمانوں کے لئے گرم پانی کا بندوبست کرتے تا کہ مہمانوں کو ٹھنڈے پانی سے منہ نہ دھونا پڑے۔ اور برابر کے چولہے پر چائے بناتے۔ روٹیاں سالن گرم کر کر دیتے رہتے۔کہتے تھے کہ مسیح کے مہمانوں کا خیال رکھنا ہم پر فرض ہے۔جلسہ کے ایام میں کیا خوب گہما گہمی رہتی ۔دن کو جلسہ کی کارروائی سنی جاتی تو رات کو دن بھر کی کارروائی پر تبادلہ خیال ہوتا۔ایک دو مرتبہ تو رات کو گھر پر شاعری سن کر بھی لطف اٹھایا گیا۔وہ اس طرح کہ ہمارے پھوپھا جان حکیم خلیل احمد مونگھیری صاحب نے اپنے اشعار سنائے اور خوب داد موصول کی خالصتاً روحانی ماحول ہوتا اب تو وہ زمانہ خواب معلوم دیتا ہے۔

ہمارے گھر جب کبھی شادی کی تقریب منعقد ہوتی تو ابا جان خاندان مسیح موعود کے افراد کو ضرور دعوت نامہ بھجواتے اور ان کی محبت وخلوص دیکھئے کہ کچھ تو آ کر رونق بخشتے اور جو نہیں آ سکتے بوجہ مجبوری جوابی لفافہ ضرور ارسال کرتے۔میرے بھائی جان کلیم اللہ خان کی شادی کی تقریب پر تو حضرت مسیح موعود کی دختر حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ تشریف لائیں ،میری بھابی نصیرہ خاں صاحبہ تو لفافہ ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہنے لگی تمہیں معلوم ہے کہ کس خاندان میں بیاہ کر آئی ہو۔یہاں تو اردو بولی جاتی ہے لہٰذا اب اسی زبان کو رواج دینا۔اس طرح حضرت چھوٹی آپا،حضرت مہر آپا اور کئی افراد خاندان مسیح موعود نے اس چھوٹے سے گھر کو زینت بخشی ۔ابا جان کے پاس بھی اکثر ہی خاندان مسیح موعود کے احباب ملاقات کے لئے آتے اور دعا کی درخواست کرتے۔آپ کو ان سب سے مل کر بہت خوشی ہوتی ۔یہ سب تعلق خلوص و پیار کا جماعت کی برکات کے طفیل ہی سے ہے۔

جن دنوں ابا جان ہوسٹل کے وارڈن تھے اور کالج میں ہی قیام تھا بتایا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے بڑی بھاری ذمہ داری سونپی ہے دعا کرو میں اس پر پورا اتر سکوں ۔ہم نے دیکھا ابا جان رات کا اکثر حصہ نماز پڑھتے دعاؤں میں گزارتے ۔ایک مرتبہ ہمیں خط دیا کہ حضرت نواب

امۃ الحفیظ بیگم صاحبہؓ کو دے آؤ۔ جب ہم گئے تو انہوں نے اسی وقت کھول کر پڑھا اور کہنے لگیں خان صاحب سے کہنا اب ان کا بیٹا جہاں جاب کے لئے جا رہا ہے وہاں سے ریٹائر ہو کر ہی نکلے گا۔ وہ بات جو آپ کی زبان مبارک سے نکلی ویسے ہی پوری ہوئی۔ دراصل میرے بھائی کسی جگہ بھی جم کر کام کرنے کے عادی نہ تھے۔

پیارے ابا جان کو کئی مرتبہ اعتکاف بیٹھنے کا موقع ملا۔ کبھی مسجد مبارک تو کبھی محلے کی مسجد میں۔ رمضان شریف کے روزے بڑی با قاعدگی سے رکھتے رہے بلکہ شوال کے روزے بھی رکھتے تھے۔ یہ سلسلہ ان کی وفات سے دو تین سال پہلے تک چلا۔ جمعہ کی نماز میں بھی با قاعدگی تھی لیکن جب صحت خراب رہنے لگی تو جانا چھوڑ دیا۔ ہمیں کہتے دیکھو آپ لوگ جمعہ پر جا رہے۔ غور سے خطبہ سننا پھر آ کر مجھے بتانا کہ کس بارہ میں خطبہ دیا گیا۔ لہٰذا ہم بھی بڑی توجہ سے سنتے اور یوں ہماری بھی جمعہ کی نماز میں با قاعدگی ہونے لگی۔ ابا جان کو محلے داری کا ہمیشہ ہی خیال رہا جہاں دیکھتے کوئی ہے تو اس کی یوں امداد کرتے کہ دوسرے کو خبر بھی نہ ہوتی۔ ہماری دوست کبھی ہماری غیر موجودگی میں ملنے چلی آتی تو خود اپنے ہاتھوں سے چائے بنا کر دیتے۔ بعد میں وہ ہمیں بتاتیں کہ تمہارے ابا نے ہمارا اتنا خیال رکھا۔ پیارے ابا جان کو اپنے کئی پیاروں کے جدائی کے صدمات بھی سہنے پڑے لیکن صبر و تحمل سے برداشت کرتے رہے۔ ابا جان کی وفات بھی کچھ اس رنگ میں ہوئی کہ ہم سب کو ہی حیران کر گئی۔ دراصل بیمار تو میری والدہ صاحبہ تھیں اور ہسپتال میں داخل تھیں ایک دن ڈاکٹروں نے کہا کہ اب ان کا زندہ رہنا مشکل ہے ان کے جو بچے باہر ہیں اطلاع کر دو۔ ہم نے یہ بات سنی تو دل پریشان ہو گیا۔ ابا جان کو بتایا تو انہوں نے ہمیں اپنے پاس بٹھایا تسلی دی اور ساتھ ہی کہا کہ باہر بچوں کو اطلاع ضرور بھجوا دو جس نے آنا ہے آ جائے۔ کہنے لگے دیکھو میں ابھی انہیں ہی کو خط لکھ رہا تھا ابھی تھوڑا ہی لکھا کہ آگے قلم ہی نہیں بڑھ رہا تھا لہٰذا چھوڑ دیا۔ میری بڑی بہن کو کہا کہ بینک سے کچھ رقم بھی نکلوا لو شاید ضرورت پیش آ جائے۔ خدا کا کرنا دیکھئے ممی جان کو جب فضل

عمرہسپتال دیکھنے گئے تو وہ اپنے بستر پر ہی ٹھیک ٹھاک بیٹھی ہیں اور ڈاکٹر سے گھر جانے کی اجازت مانگ رہی تھیں ۔ڈاکٹروں نے بھی کہا آپ انہیں گھر لے جا سکتے ہیں ۔ان کا اس طرح ٹھیک ہوجانا کسی معجزے سے کم نہیں ۔یوں میری والدہ گھر آ گئیں ۔میرے بھائی کلیم اللہ خان صاحب نے اطلاع دی تھی کہ وہ دو دن میں پہنچ رہے ہیں ۔ہم نے محسوس کیا کہ ابا جان ان کی آمد کا شدت سے انتظار کررہے ہیں اور بار بار ان کے بارہ میں پوچھا بھی ۔بہرحال جب میرے بھائی جان آئے تو پہلے سیدھا امی جان کا حال احوال پوچھا اور فوراً ہی ابا جان کے کمرہ میں چلے آئے۔ تقریباً آدھ پون گھنٹہ ان سے باتیں کیں سب کا حال دریافت کیا پھر ہم سے کہنے لگے اس کے کھانے کا انتظام کرواتنی دیر میں میں بھی عشاء کی نماز سے فارغ ہوجاتا ہوں ۔ابھی کچھ ہی وقت گزرا کہ میری بہن بشریٰ گوہر جو اچانک ابا جان کے پاس گئیں تو انہوں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر ماتھے پر رکھا اور ان کے ہاتھ کو چوما اور بس آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں وہ گھبرا کر آئیں ،سب ہی دوڑے چلے آئے ۔ڈاکٹر لطیف احمد قریشی صاحب کو بلایا گیا لیکن انہوں نے کہا کہ افسوس اب یہ اس دنیا میں نہیں رہے ۔یوں اتنے آرام سے اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے ۔باہر مقیم بھائیوں کو جب اطلاع دی گئی وہ سب دم بخود رہ گئے اور سوچنے لگے کہیں ہمیں سننے میں تو غلطی نہیں لگی کیونکہ بیمار تو والدہ صاحبہ تھیں لیکن خدائی تقدیر میں جو تھا سو پورا ہوا۔

ابا جان نے تقریباً نوے سال عمر پائی ۔آپ موصی تھے آپ کا وصیت نمبر 4336 ہے۔اگلے روز بہشتی مقبرے میں تدفین ہوئی ۔آپ دنیاوی علوم کے علاوہ دینی خدمات بھی بجالاتے رہے آپ مختلف عہدوں پر فائز رہے ۔سیکرٹری مجلس کارپرداز ۔نائب ناظر مال ۔قائد تعلیم انصاراللہ ۔قائد وقف جدید و ناظم مکانات جلسہ سالانہ اس کے علاوہ ایک عظیم الشان سعادت بھی ملی کہ حضرت مصلح موعودؓ نے میسور میں ہونے والے ایک مباہلہ میں آپ کو نمائندہ مقرر فرمایا۔آپ کی تصانیف میں ''تاریخ انصاراللہ''''انصاراللہ کا بنیادی نصاب''اور کلام گوہر شامل ہیں ۔اس کے علاوہ آپ

کے سائنسی مضامین میں ''سمندر کے عجائبات''''خلاء کی تسخیر''شامل ہیں ۔آپ صاف گو،نہایت سادہ مزاج مخلص فدائی احمدی تھے۔ ہمیشہ دین کو دنیا پر مقدم رکھنے والے تھے خدا سے دعا ہے کہ مولا کریم میرے پیارے والد کے درجات کو بلند تر کرتا چلا جائے اوران کی اولاد کو بھی ان جیسی خوبیاں اپنانے کی توفیق دے۔آمین۔

(روزنامہ الفضل ربوہ 5 ستمبر 2013ء صفحہ 5۔6)

پروفیسر عبدالرشید غنی صاحب مرحوم کی یاد میں



(پروفیسر محمد شریف خان۔امریکہ)

مرحوم پروفیسر عبدالرشید خان صاحب ہندوستان کے شہر انبالہ میں 16 ستمبر 1934ء کو مکرم بابو عبدالغنی صاحب امیر جماعت کے گھر پیدا ہوائے۔ بابو صاحب نے 1909ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ جب کہ آپ کے نانا چوہدری سر بلند خان صاحب اور نانی حاکم بی بی صاحبہ دونوں صحابی تھے۔اور انہیں حضرت مرزا شریف احمد صاحب اور حضرت بوزینب صاحبہ کی خدمت کی توفیق ملی۔ پارٹیشن کے بعد یہ گھرانہ لودھراں شفٹ ہو گیا۔ جب آپ کی عمر 6 سال تھی اور والدہ ماجدہ کا انتقال ہو چکا تھا۔آپ نے میٹرک لودھراں سے اور F.sc اور 1956 B.sc میں تعلیم الاسلام کالج ربوہ سے پاس کیا اور فزکس میں ڈیماسٹریٹر کی حیثیت سے کام شروع کیا۔آپ اُس وقت اپنے نام کے ساتھ انبالوی کا لاحقہ استعمال کیا کرتے تھے اور ایف ایس سی کے دوران ہمارے فزکس کے ڈیمانسٹریٹر تھے۔آپ کے پیار و محبت اور محنت سے سمجھانے کے سادہ انداز کے

باعث آپ ہمارے چہیتے استادوں میں سے ایک تھے۔آپ کی محنت کے باعث ہمیں روشنی کے انعکاس اور انعطفاف جیسے دقیق اصول جومیٹرک کے دوران ہمارے سر کے اوپر سے گزر جاتے تھے،کوعملی ثبوت کے ساتھ سمجھنے میں مدد ملی۔آپ ہر طالب علم کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے۔اور جب کلاس سے باہر ملاقات ہوتی تو مسکراتے ہوئے چہرے سے سلام اور حال پرسی میں پہل کرتے۔ہم اگر مذاق کرتے تو خوب لطف اٹھاتے اور احسن پرائے میں جواب دیتے۔

والد صاحب کی وفات کے بعد اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کی نگرانی آپ کے سپرد تھی اور آپ نے بڑے بھائی کا فرض کامیابی سے نبھایا آپ کی زیر نگرانی اور رہبری میں بہن نے بی اے اور بی ایڈ کیا اس کی شادی کے فرض سے احسن طور پر فارغ ہوئے۔ جب کہ آپ کے دونوں چھوٹے بھائیوں مکرم عبد الشکور صاحب اور مکرم ڈاکٹر عبد الرؤف صاحب نے تعلیم الاسلام کالج سے ایف ایس سی کرنے کے بعد ڈاکٹری کی تعلیم مکمل کی اور اب کینڈا میں خوش وخرم مقیم ہیں۔

مجھے شاگردی اور کالج میں لمبا عرصہ آپ کے ساتھ پڑھانے کے لمبے عرصے کے دوران رشید صاحب کے ساتھ بارہا جلسہ ہائے سالانہ میں ڈیوٹی کالج ہال میں ضلع سرگودھا کی جماعتوں کی مہمان نوازی سے لے کر مکانات،معلومات گوشت وغیرہ میں دینے کا موقع ملا۔آپ ڈیوٹی پر وقت سے دس منٹ قبل پہنچ جاتے۔لیٹ آنے والوں کی محبت سے مسکراتے ہوئے سرزنش کرتے۔ ہر کوئی آپ سے ہر قسم کی بات بلا جھجک کر لیتا۔کسی بات کا بُرا نہ مناتے۔

میں 1959 میں ایف ایس سی کے بعد مزید پڑھائی کے سلسلہ میں لاہور چلا گیا۔جب استاد کے طور پر 1963ء میں تعلیم الاسلام کالج جائن کیا تو پروفیسر رشید صاحب یونیورسٹی سے 1961ء میں حساب میں ایم ایس سی کر کے آچکے تھے۔اور انبالوی سے غنی بن چکے تھے۔آپ کے چہرہ پر وہی پُر کیف محبت سے کھیلتی ہوئی مسکراہٹ مزید نکھر آئی تھی۔ اب تو اکثر سٹاف روم اور بیالوجی میں ملاقات ہونے لگی۔cplleague ہونے کے ناتے آپ کی وسعت قلب اور معمولات زندگی سے

مزید آگاہی ہوئی۔

کالج میں پڑھانے کے علاوہ رشید صاحب نے مختلف حیثیتوں وائس چانسلر سے لیکر کنٹرولر امتحانات، رجسٹرار، نگران لائبریری وغیرہ کے کام خوش اسلوبی سے ادا کئے۔ آپ حسن خلق کے باعث اساتذہ اور طلباء میں ہردلعزیز تھے۔ آپ کالج ہاکی کلب کے انچارج تھے۔ یہاں مجھے لطیفہ یاد پڑتا ہے۔ جب ڈاکٹر عبد السلام صاحب لندن میں پی ایچ ڈی کا مقالہ پیش کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے واپس آئے تو ستم ظرف کالج والوں نے انہیں کالج کی فٹ بال ٹیم کا انچارج بنا دیا۔ میرے خیال میں میتھ، ہاکی اور فٹ بال میں کسی بھی فارمولے سے قدر مشترک ڈھونڈی نہیں جاسکتی۔

علمی اور قلمی ذوق

کالج میں ریاضی جیسے دقیق مضمون کی تدریس کے علاوہ آپ کا علمی ذوق وسیع تھا جس کی غمازی آپ کے وہ متعدد مضامین کرتے ہیں جو الفضل میں گاہے بگاہے اسلام اور سائنس کی قبیل کے دقیق موضوعات پر چھپتے رہے۔ وراثت کے متعلق اسلامی قوانین پر کسی مستند کتاب کی مدت سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی۔ جس زمانہ میں فضل عمر فاؤنڈیشن نے علمی مقالہ جات انعام کا اعلان کیا مرحوم رشید صاحب نے اسلام کے وراثتی نظام پر مبسوط مقالہ لکھ کر پیش کیا اور انعام کے مستحق ٹھہرے۔ یہ مقالہ کتابی شکل میں چھپا اور ملک کے مختلف لاء کالجوں اور جامعات کے نصاب میں ایک عرصہ تک شامل رہا۔ اس کے سرسری مطالعہ سے مصنف کی عرق ریز محنت کا پتا چلتا ہے۔ اس میں آپ نے قرآن کریم احادیث اور جماعتی لٹریچر کے گہرے مطالعے کا نچوڑ پیش کر دیا ہے۔ اس سکیم کے تحت اغلباً تعلیم الاسلام کالج کے سٹاف میں پروفیسر حبیب اللہ صاحب پہلے تھے جنہوں نے مقالے خلا کی تسخیر پر انعام جیتا تھا۔ رشید صاحب نے بچوں کی تربیت کے سلسلے میں ایک رسالہ ''نماز'' شائع کیا جس میں نماز سے متعلقہ تمام معلومات یکجا کر دیں تھیں۔

جماعتی خدمات

رشید صاحب مرحوم اللہ تعالیٰ کے فضل سے اخلاص کے ساتھ ہر وقت جماعت کی خدمت کہ لئے کمر بستہ رہتے تھے اور صحیح رنگ میں دین کو دنیا پر مقدم رکھتے تھے۔ باقاعدگی سے نماز تہجد کے لئے اٹھتے اور کوشش سے نمازیں با جماعت ادا کرتے اور بچوں کو بھی نماز کی تلقین کرتے۔ نماز فجر کے بعد صحن میں بلند آواز سے تلاوت قرآن کریم کرتے درود شریف کا ورد کرتے ہوئے اپنے والدین بچوں اور عزیز و اقارب کے لئے دعائیں کرتے۔ آپ کا یہ معمول آخر عمر تک قائم رہا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی سب دعاؤں کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین۔

آپ کی سالہا سال تک پھیلی خدمات جو 1961ء سے لے کر 2004ء تک مجالس مرکزیہ اور خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ کی تاریخ میں پھیلی ہوئیں ہیں، کو دیکھتے ہوئے میں حیران ہوں کس طرح ملازمت اور بڑی عیالداری کے ساتھ ان گونا گوں فرائض کے ساتھ ان اہم خدمات سے عہدہ برا ہوتے ہوں گے، آپ مجالس کی عاملہ میں بھی رہے۔ قائد انصار اللہ اور مجلس افتاء اور قاضی بورڈ کے کافی عرصہ ممبر رہے۔

جب موقع ملتا سلسلے کہ ہر طرح خدمت کے لئے خاطر رہتے۔ رشید صاحب نے میرے خیال کے گھوڑا چھوڑ تانگے کی سواری بھی نہیں کی ہوگی۔ میں نے تو انہیں کالج میں 36 سال کے دوران سائیکل پر ہی آتے جاتے دیکھا ہے۔ لیکن آپ کی عقیدت دیکھئے جن دنوں ربوہ میں گھڑ دوڑ ہوا کرتی تھی آپ کی نگرانی میں قصر خلافت میں گھوڑے میدان میں لائے جاتے تھے۔

1994ء میں کالج سے ریٹائر ہونے کے بعد آپ کا تقرر ایڈیشنل وکیل المال تحریک جدید میں ہوا اس عہدہ پر آپ کو 2003ء تک کام کرنے کی توفیق ملی۔ تحریک جدید اور الفضل کی خرید داری کی سلسلہ میں آپ نے متعدد جماعتوں کے دورے بھی کئے۔ آپ محنت اور لگن سے کام کرنے کے عادی تھے۔ جس شعبہ میں آپ نے کام کیا وہاں کے کارکنان کے ساتھ تعاون اور خوش خلقی کی

فضا قائم رکھی اور جو بھی خدمت سپرد ہوئی اُسے نیک نیت سے ادا کیا۔

اوصاف حمیدہ

تعلیم الاسلام کالج کے اساتذہ ویسے تو ایک سے بڑھ کر ایک تھا مگر رشید صاحب اپنے شاگردوں کے ساتھ خاص منفرد انداز کی شفقت سے پیش آتے ۔ ہوسٹل میں سالانہ فنکشن بڑی تیاریوں اور شان کے ساتھ منایا جاتا تھا۔ کالج کے طلباء اپنے اساتذہ سے اس طرح اشارے کنایوں میں بات کرتے کہ حاضرین اور متعلقہ استاد بےضرر قسم کے مذاق کو انجائے کرتے اور محفل کشتِ زعفران بن جاتی۔ قدرتی طور پر رشید صاحب کی آواز کا زیر و بم بات کرنے کے دوران بدلتا رہتا تھا۔ اسی قسم کی ایک محفل میں آپ کے ایک ستم ظریف شاگرد نے ''بوجھو تو جانے'' کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل شعر کے دوسرے مصرعہ کو آواز کے بدلتے ہوئے زیر و بم سے پڑھا

اس غیرت ناہید کی ہر تان ہے دیپک
ایک شعلہ سا لپک جائے ہے آواز تو دیکھو

محفل تو کیا کشتِ زعفران بنی تھی، رشید صاحب نے قہقہ لگاتے ہوئے پڑھنے والے کو آگے بڑھ کر گلے لگا لیا۔

آپ کو اپنے شاگردوں سے ایک طرح کی محبت تھی۔ بعض اوقات گھنٹی بج جانے کے بعد ہاتھ میں رجسٹر پکڑے ہوئے ہوسٹل کی طرف جاتے لڑکوں کو کہتے فلاں کمرے میں فلاں لڑکے کو جا کر پیغام دے دو کہ اس کی میتھ کی کلاس شروع ہو چکی ہے۔

میں رشید صاحب مرحوم کے وائس پرنسپل کے کمرے میں اکثر جایا کرتا تھا، مختلف موضوعات پر باتیں ہوتی رہتی تھیں۔ شادی کو آواز دیتے، اپنے لئے چائے کا آڈر دیتے میں چائے نہیں پیتا تھا میرے لئے پکوڑے منگواتے۔ یہی مہمانوازی گھر میں چلتی۔ کئی بار گھر جانے کا اتفاق ہوا ہمیشہ خندہ

زن پشیمان مہمان نواز پایا۔شادی اور دوسرے کارکنان سے ہلکا پھلکا مذاق چلتا رہتا،اکثر انہیں چائے پلاتے۔میں نے کسی طالب علم کارکن کو آپ کی شکایت کرتے نہیں سنا۔زندگی میں مختلف الطبع لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے بڑا امتحان ہوتا ہے کہ ہر ایک کے ساتھ یکساں مزاج ملایا جائے مگر رشید صاحب بڑے سکون اوراطمینان سے ہر ایک سے خندہ پیشانی سے ملتے۔ نہ کبھی کسی سے شکوہ،شکایت لڑائی جھگڑا،ہمیشہ صلح واطمینان سے سلوک رکھا۔

کالج کے natinalized ہونے کے بعد حالات یکسر بدل گئے تھے اس پیار اور خلوص سے عاری ماحول میں رشید مرحوم جیسے مخلص چہرے احمدی طلباء کے لئے سہارا بنے رہے۔ جنہوں نے اس متعصب ماحول میں طلباء کے جائز حقوق کے لئے پرنسپل سے رابطہ رکھا اور حکمت سے طلباء کی پشت پناہی کی۔اپنے کیا غیر بھی مرحوم کے اس اخلاص کے قائل تھے۔گھر میں ہدایت تھی کہ نوکروں سے شفقت سے سلوک کیا جائے ان کے کھانے پینے کا خیال رکھنے کا کہتے ،اگر کوئی چوری کرتا اسے شفقت کے ساتھ معاف کردیتے۔

شادی اوراولاد

آپ کی اہلیہ محترمہ امۃ السمیع صاحبہ بنت چوہدری وزیر محمد خان صاحب حضرت مولانا جلال الدین شمس مرحوم کی بھانجی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے رشید صاحب کو دو بیٹوں اور سات بیٹیوں سے نوازا۔ سب بچے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور ہر ایک نے اپنے والد کی خوش طبعی سے حصہ لیا۔جماعت سے منسلک اور خادم ہیں۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے سب شادی شدہ ہیں اور صاحبِ اولاد ہیں۔کینڈا اور امریکہ میں setteld ہیں۔

وفات

رشید صاحب مرحوم کو بلڈ پریشر اور سانس کی تکلیف رہنا شروع ہوگئ تھی ایک بار دل کے

دورے سے بیمار ہوئے۔ کالج سے ریٹائر ہونے کے بعد جماعتی ڈیوٹیوں میں ہمیشہ کی طرح مستعد رہے۔ کمزوری بڑھ رہی تھی۔ آخر اللہ کا یہ خادم بندہ 29 مارچ 2004ء کو 70 سال کی کامیاب زندگی گزارنے کے بعد اپنے مالک کی خدمت میں جا حاضر ہوئے، بہشتی مقبرہ میں سپرد خاک ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(رسالہ المنار امریکہ)

مکرم پروفیسر چوہدری صادق علی صاحب

(پروفیسر محمد شریف خان)

صادق صاحب بھی چلے گئے۔ آج تُوکل میں یہ تنا تا یونہی سے ہے اور قیامت تک یونہی بندھا رہے گا۔ باقی رہے نام اللہ کا۔ چوہدری صادق کو مرحوم کہتے ہوئے بیالوجی لیکچر روم میں صادق کی مخصوص کرسی کو چشم تصور میں خالی دیکھتے ہوئے دل کو پکڑ ہوتی ہے جب میں کالج سے ستمبر 1999ء میں رخصت ہوا تو صادق صاحب نے اُسی کرسی سے اٹھ کر بغلگیر ہو کر الوداع کیا تھا، دھمیا مر بیانہ گفتگو اور صاف شفاف شخصیت گہری دل میں اتر جانے والی نظر کم بول تول اور بے دھڑک بول واہ کیا مجاہد آدمی تھا۔

کالج کی nationalization کے بعد ہمیں طور واطوار کے قریب بارہ پرنسپل صاحبان سے واسطہ پڑا اب میں سوچتا ہوں ہم جو تعلیم الاسلام کالج میں جاری ساری محبت وتوقیر کے ماحول کے عادی تھے ہمارے لئے یہ کیسا کڑا وقت تھا جب ہمیں تشویش ناک نظروں سے دیکھا جانے لگا تھا۔ ہر لمحہ ہر دن ہماری نیک نیتی کا امتحان، ہم جو کالج سے چھٹی کے بعد شام گئے تک کالج میں ٹھہر کر کام

کرتے نوبت ایں جار سید پیریڈ پڑھایا اور سائیکل پر سوار یہ جاوہ جا، ہم کالج میں اپنے دن گنا کئے۔

صادق صاحب مرحوم کا باٹنی کا مضمون تھا لیکچر بڑے جچے تلے دھیمے پنجابی لہجے میں مرحوم پروفیسر عطاء الرحمان صاحب کی طرح دیتے تھے۔ طلباء کے لئے فالو کرنا نوٹس لینا اور سمجھنا آسان تھا۔ مرحوم چوہدری صادق علی 1942ء میں موضع پرچیاں جالندھر انڈیا میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد چوہدری رحمت علی نے خلافت ثانیہ کے عہد میں بیعت کی، بہت نیک اور دعا گو بزرگ تھے۔ پارٹیشن کے بعد آپ کا خاندان گگومال ضلع فیصل آباد میں رہائش پذیر ہوا۔ چوہدری صاحب نے تعلیم الاسلام کالج سے ایف ایس سی اور بی ایس سی کیا۔ پشاور یونیورسٹی سے ایم ایس سی باٹنی کے بعد 1966ء میں تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں لیکچرار مقرر ہوئے اور 2002ء میں ریٹائر ہوئے۔

آپ مختلف جماعتی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔ گلشن احمد نرسری ربوہ کے انچارج تھے۔ تزئین کمیٹی ربوہ کے ممبر تھے دفتر وقف جدید میں خدمت کی توفیق پائی۔ 1989 تا 2007ء کا لمبا عرصہ دارالقضاء میں مرکزی قاضی رہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ صاحب الرائے تھے۔ ایک دفعہ آپ کا قضاء میں لکھا ہو فیصلہ کسی جج کے سامنے پیش ہوا جج نے پوچھا صادق علی صاحب نے لاء کہاں سے پڑھا ہوا ہے جب بتایا گیا کہ کالج میں پروفیسر ہیں۔ حیران ہو کر کہنے لگے ”میں حیران ہوں فیصلے میں کوئی جھول نہیں۔“

ریٹائرمنٹ کے بعد 2007ء میں اپنے بچوں کے پاس آسٹریلیا منتقل ہو گئے۔ جہاں حضور کی ہدایت پر آپ کو صدر قضا بورڈ آسٹریلیا مقرر کیا گیا اور اس طرح آسٹریلیا میں دارالقضاء کا قیام عمل میں آیا اور یہ عہدہ وفات تک قائم رہا۔ آپ کی اہلیہ بیان کرتی ہیں کہ سادگی عاجزی اور انکساری آپ کی زندگی کے نمایاں اوصاف تھے۔ آپ خود بھی باقاعدگی سے نماز پڑھتے اور بچوں کو تلقین کرتے خلافت کے ساتھ بے حد وابستگی تھی اور بچوں کا ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتے اور انہیں احساس دلاتے رہتے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں عطا کی ہیں یہ سب احمدیت کی بدولت ہیں۔ خود

بھی موصی تھے بچوں کو بھی نظام وصیت سے منسلک کرایا۔ چندہ باقاعدگی سے ادا کرتے اپنے اہل و عیال اور سب رشتہ داروں سے ہمیشہ پیار اور محبت کا سلوک رہا۔ضرورت مندوں کا خیال رکھتے اور مختلف طریقوں سے مالی امداد کرتے رہتے۔ 2010ء سے پھیپھڑوں کے کینسر سے بیمار تھے سخت تکلیف میں بھی کبھی ناشکری کا کلمہ زبان سے نہ نکالا۔10 مارچ 2013ء بقضائے الٰہی وفات پا گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔سڈنی میں قطعہ موصیان میں مدفون ہیں۔مرحوم کے لواحقین میں بیوہ کے علاوہ تین بیٹے اور تین بیٹیاں شامل ہیں۔

(المنار جرمنی دسمبر 2013ء صفحہ 31۔32)

استادِ محترم سعیداللہ خان صاحب کی یاد میں

(پروفیسر محمد شریف خان۔امریکہ)

میں 1956 میں تعلیم الاسلام کالج میں ایف ایس سی میں داخل ہوا، جب ہوسٹل کے داخلے کے انٹرویو میں گھبرایا ہوا پیش ہوا، اچانک داخلہ کمیٹی کے ایک رکن نے میری طرف اشارہ کر کے تیز تیز الفاظ میں میرے شہید بھائی جان کا نام لیکر پوچھا:''تم منیر شامی کے بھائی تو نہیں؟'' بعد میں معلوم ہوا یہ سعیداللہ خان صاحب تھے، آپ 1946 میں قادیان میں بھائی جان کے کالج فیلو تھے۔ میری اس سے قبل ان سے کبھی بھی ملاقات نہ ہوئی تھی ، یہ تھی مرحوم خان صاحب کی یادداشت اور قوتِ پہچان ! کالج میں پڑھائی شروع ہوئی، ہمارے کیمسٹری کے استاد محترم مکرم مبارک احمد صاحب انصاری تھے، لیبارٹری میں ڈیمانسٹریٹر سعیداللہ خان صاحب، بڑی محنت سے ہمیں مختلف کیمیکلز اور گیسوں کے خواص کی پہچان میں ہماری راہنمائی فرماتے۔سلفر گیس کی گندی بُو کے لئے سائنسی

اصطلاح Pungent Smell ہم نو واردوں کے لئے ایک چھیڑ سی بن گئی۔ اور خان صاحب مرحوم بھی اپنے شگفتہ انداز میں انجوائے کیا کرتے۔

جب کالج ربوہ منتقل ہوا اور فضل عمر ہوسٹل کا افتتاح ہوا، مرحوم چوہدری محمد علی صاحب سپرنٹنڈنٹ اور سعید اللہ خان صاحب ہوسٹل کے وارڈن مقرر ہوئے۔ میں شروع ہی سے سحر خیز رہا ہوں، عشاء کے بعد جلد سونا میری عادت ہے۔ رات دس بجے خان صاحب کمروں میں حاضری چیک کرنے لئے چکر لگاتے، مجھے سویا ہوا پاکر وارنگ دے جاتے کہ تم ساری رات سوئے رہتے ہو پڑھتے نہیں، ماہانہ رپورٹ میں تمہاری شکایت ہوگی۔ والد صاحب مرحوم کا دوسرے چوتھے ڈانٹ کا خط آجاتا، آخر مجھے خان صاحب کو اپنی سحر خیزی کا بتانا ہی پڑا، تو خان صاحب خوش ہوئے اور کہنے لگے پڑھنے کا اصل وقت تو وہی ہوتا ہے۔ جب میں نے استاد کے طور پر کالج جائن کیا، اس وقت خان صاحب کالج کے پاس ہی فضل عمر ریسرچ کی ایک کوٹھی میں رہائش پذیر تھے، صحن میں جالی دار ڈربوں میں مرغیاں رکھ کر بڑے پیمانے پر پولٹری فارم کھولنے کے لئے تجربات کر رہے تھے، میرا مضمون زولوجی تھا اس لئے خان صاحب مجھے اکثر اپنے گھر لے جاتے، اور ہم پولٹری فارم میں صفائی، مرغیوں کے علاج، اور چوزوں کی جنس کی پہچان وغیرہ قسم کے مسائل ڈسکس کیا کرتے تھے۔ کچھ عرصے بعد خان صاحب اپنے کھلے گھر دارالفضل میں پہاڑی سے متصل منتقل ہو گئے، جہاں 1960 میں ''خلیل پولٹری فارم'' کا مستقل بنیادوں پر آغاز کیا، اسوقت پاکستان میں کسی کو اس شعبے سے کم دل چسپی تھی۔ خان صاحب کی محنت رنگ لائی، برائلر مرغیوں کے تجربے اور خان صاحب کی کوششوں میں اللہ تعالیٰ نے برکت ڈالی، اردگرد سرگودھا، ربوہ اور فیصل آباد سے انڈوں اور مرغیوں کے دھڑا دھڑ آرڈر موصول ہونے لگے۔

خان صاحب کو ہومیوپیتھی میں دلچسپی تھی، اکثر مریض پاکستان کے علاوہ خطوط اور بلمشافہ آپ سے مشورہ لینے آتے۔ میں اکثر احمد نگر کی طرف سیر پر جاتے ہوئے راستے میں خان صاحب کے گھر

ملاقات کے لئے جاتا تو ہمیشہ محبت سے پیش آتے ، اکثر مجھے میرے بھائی جان اور اپنے دوست منیر شامی کے متعلق باتیں بتاتے ۔ مرحوم سعید اللہ خان صاحب ، سادہ لباس ، سادہ خو ، اور خوش مزاج متوکل بزرگ تھے ۔ آپ نے اپنی آمدنی بڑھانے کے لئے مختلف پراجیکٹ پر کام کیا ، کیٹل فارم ، زمینداری (جس سے اپنے گھر کے لئے گندم سالانہ حاصل کر لیتے) ، آپکا پولٹری فارم علاقے کا معروف فارم تھا ۔ آپ حساب کے ماہر تھے ، آپ کو کئی جماعتی مالی کمیٹیوں میں کام کرنے کی سعادت ملی ۔ خان صاحب کی خوش گوار یادیں ہمیشہ آپ کے شاگردوں کو گرماتی رہیں گی ۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کی لغزشوں سے صرفِ نظر کر کے آپکی مغفرت فرمائے ، اور اپنی رحمت سے اعلیٰ درجات سے نوازے اور آپ کے لواحقین کا حامی و ناصر ہو ۔ آمین ۔

محترم پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی کے ساتھ ایک شام

(پروفیسر محمد شریف خان ۔ امریکہ)

یہ تعارفیہ AALA)Md Atlantic Association for Literature Apprecation) کے تحت تعلیم الاسلام کالج طلباء قدیم کے اجلاس میں ’’ پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی کے ساتھ ایک شام ‘‘ منعقدہ 8 ستمبر 2007ء میں مکرم سفیر الحق رامہ صاحب نے پڑھ کر سنایا ۔

کچھ پریشانی اور حیرانی کے عالم میں جناب ناصر جمیل صاحب کی خواہش کے احترام میں اخویم محترم ڈاکٹر پروفیسر ناصر احمد خان صاحب پرویز پروازی کے بارے میں کچھ لکھوں ۔ ’’ کچھ ‘‘ پریشانی اس لئے کہ نصف صدی پر محیط واقعات کو چند صفحوں میں قید کر سکوں گا ۔ دوسرے یہ کہ ڈاکٹر

صاحب ٹھہرے اردو ادب کے استاد اور یہ فقیر اردو سے اور اردو ادب سے تہی دست۔ بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی۔ اور پھر نصف صدی کے قلزم کو تن تنہا پھر سے عبور کرنا۔ اتنے سارے ڈیٹا کو کھنگالنا تھا اور جمیل نے دیئے تھے چار دن، جو خیالات کو مجتمع کرنے میں ضائع کئے جا سکتے تھے۔ بہرحال جو الٹے سیدھے واقعات لکھ پایا ہوں۔ صاحبان سخن کے سامنے ہیں اگر کوئی فقرہ گراں گزرے تو جمیل کو پکڑیئے کہ جس نے اس سانپوں اور چھپکلیوں کے پیچھے بھاگنے والے کو دعوتِ سخن دی ہے۔ ڈاکٹر صاحب ایسے موقعوں پر بے ساختہ کہا کرتے ہیں ''ہور چوپو''

میں نے 1956ء میں تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں داخلہ لیا۔ موسم گرما کی تعطیلات کے بعد کالج کھلا۔ اسکول کے ماحول سے گئے تھے پہلا ہفتہ تو کالج کی راہ داریوں اور کلاس رومز کی پہچان میں ادھر اُدھر بھٹکتے گزرا۔ اپنے سے سینئر طلباء کی پہچان ہوئی۔ کالج یونین کے انتخاب ہوئے امیدوار کی تقاریر سننے کا موقع ملا۔ سٹیج پر ایک منہم الجسم، سیاہ ٹوپی پوش شفید شلوار قمیص میں ملبوس کالے فریم میں بھاری شیشوں سے جھانکتے زیرہ سی تیز آنکھیں، زیرلب کوچی داڑھی سجائے ایک صاحب کو اپنی طرح کی منہنی مگر زوردار آواز میں تقریر کرتے سننے کا موقع ملا۔ کیا طرز تخاطب تھا کہ ایک ایک جملے پر ہیئر ہیئر (جسے لوگوں نے خرگوش، خرگوش میں بدل دیا تھا) کے نعرے بار بار کالج میں گونج رہے تھے۔ مقرر کے خاموش ہونے پر پتا چلا مقرر کا نام پرویز پروازی ہے۔ پھر تو ہم اس تقریب کے لئے out standing سامع رہے جس میں پروازی صاحب نے بولنا ہوتا۔ پروازی صاحب کا چلبلا پن اور بے ساختہ بازی debates کے دوران سننے والا ہوتا۔ اور حذف مخالف بے اختیار واہ واہ کے ریلوں سے بلبلا اٹھتا۔

ستمبر 1963ء میں میری تقرری شعبہ بایولوجی میں لیکچرار کے طور پر ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب ستمبر 1961ء سے کالج میں اردو ادب پڑھا رہے تھے۔ پروفیسر صاحب سے شعبہ بیالوجی میں ہر روز ملاقات رہتی۔ صدر شعبہ حبیب الرحمٰن صاحب سے موصوف کا سگرٹ نوشی کا سانجھا تھا۔ میز پر کینچی

مار کر سگریٹ کی مخصوص ڈبیا، ٹک شاپ کی رنگ اڑی ٹرے میں چائے کی پیالیوں کی بجھی بسات گرم گرم چائے۔ پلیٹ میں کچھ ملوٹے سے بسکٹ ایک پرچ میں سگرٹ سے جھٹکی راکھ کی چھوٹی سی پہاڑی اور کچھ سگریٹ کے بجھے stubs اور گرم گرم موضوعات پر بحث، کہ بھٹو کی آمد آمد تھی اور ایوب کا چل چلاؤ تھا موضوعات کی کمی نہیں تھی۔ ناگہاں گھنٹی کی آواز محفل کو تتر بتر کر جاتی، اپنا اپنا رجسٹر بغل میں دابے کوئی مشرق کوئی شمال سدھارتا۔

کالج میں کھلے بندوں سگریٹ نوشی منع تھی۔ یہاں تک کہ شادی خان بھی کالج بند ہونے کا منتظر رہتا اور پھر اپنا حقہ تازہ کرتا۔ اس وقت میڈکل سائنس بھی اتنی بالغ نہ ہوئی تھی کہ صرف سگریٹ سے بلکہ سگریٹ نوشوں کی محفل سے بھی پرہیز بتاتی۔ ہم تھے کہ نہ سگریٹ کے شوقین اور نہ چائے کے رسیا۔ محفل میں بیٹھے پروازی صاحب کے برجستہ چست کئے فقروں سے لطف لیتے رہتے۔ پروفیسر صاحب کے دو برجستہ جملوں کی طرف سیاق و سباق کرتے بے اختیار ہنسی روکتے ہوئے آگے بڑھتا ہوں ''بیٹے خالہ کو سلام کرو۔'' اور خط بشارتی'' ڈاکٹر صاحب سے تفصیل پوچھیۓ اور لطف اندوز ہوییۓ۔

تو میں بات کر رہا تھا کالج میں اپنے اوائل دور کی۔ اس زمانہ میں جب ہماری شادی کی طرح پڑی، پتا چلا موصوفہ بیگم پروازی صاحب کے ''لنگوٹیا'' سہیلی ہیں۔ بس پھر کیا ہمارے ہم زلف صاحب تھے اور ہم تھے دوستوں کے دوست۔ ہماری خوب گرومنگ ہوئی کہ ہمارا تعلق دوستی اور ہم کاری حدود پار کرتا ہوا جا ہمارے گھروں میں گھسا۔ فیملی تعلقات قائم کئے۔ اور بفضل اللہ تعالیٰ اب تک قائم ہیں۔ اس دوران پروازی صاحب نے پنجاب یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی میں رجسٹریشن کرالی۔ کالج میں جمعہ کا دن چھٹی کا تھا۔ جمعرات شام لاہور چلے جاتے۔ جمعہ سے پچھلے پہر واپسی ہوتی۔ اس دوران بس کے حادثہ کا شکار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جان بچ گئ۔ ہنسلی اور پسلی ٹوٹی ہی تھی کہ جگہ جگہ چوٹیں بھی آئیں۔ وقت گزر گیا اللہ نے صحت دی اور انعام میں ''ہڈی پسینے'' کی کمائی ڈاکٹریٹ کی ڈگری مل گئی۔ الحمد اللہ۔

جاپانی یونیورسٹی اوساکا میں visiting professor ہوئے۔ جاپانیوں کے دلوں میں پاکستانی اخلاص اور محبت کی جوت لگا آئے۔ کئی سال تک جاپانی جوڑے ربوہ میں اپنے استاد کا درشن کرنے آتے۔ تو ہم نے بھی دیکھا ہے۔ اگر میں اخبار کا نام نہیں بھول رہا۔ Tokyo Times کے زیر انتظام منعقد ہونے والے ایک انعامی مقابلے میں ڈاکٹر صاحب نے انگریزی میں مقالہ لکھ کر انعام اول میں Encyclopedia Britanica کی پچیس جلدوں کا سیٹ جیتا۔ مجھے اور عزیزم محمد ظفر اللہ خان کو ایک عرصہ تک اس بحر علمی سے اقتباس علم کا موقع ملتا رہا۔ ظفر کو تو ادب کی چاٹ ڈاکٹر صاحب کی کتب کی الماری تک رسائی سے لگی۔ ڈاکٹر صاحب نے عزیز کو اپنی کتب تک رسائی میں free hand دے رکھا تھا۔

''سورج کے ساتھ ساتھ'' ''سورج کی سرزمین جاپان'' کی اچھوتی تہذیب پر ڈاکٹر صاحب کی طائرانہ معلوماتی تصنیف ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے مشہور جاپانی صنف سخن ''ہائیکو'' کی مشہور تخلیقات کا اردو میں ترجمہ کر کے جاپانی زبان کے اس مخصوص انداز کو پاکستان میں متعارف کرایا۔

جاپانی پلٹ اکثر اپنے ساتھ ''ایک جاپانی گڑیا'' ماں باپ کی خدمت کے بہانے تحفتاً لئے آتے ہیں مگر ہمارے سادہ سے ڈاکٹر صاحب ایک عجیب الخلقت نئی نویلی چمک چمکیلی گہرے رنگ کی sports car لے آئے۔ جس میں ہمیں بھی سوار ہونے کا کئی بار شرف حاصل ہوا۔ اللہ جانے اس خوبصورت کار کا کیا ہوا۔ ڈاکٹر صاحب تعلیم الاسلام کالج کی ہردلعزیز شخصیت تھے۔ کالج کا کوئی سا علمی ادبی انتظامی function ہوتا، ڈاکٹر صاحب اس کے مدارالمہام ہوتے۔ لاہور سے مہمانوں کو لا رہے ہیں۔ پروگرام ترتیب دے رہے ہیں مہمانوں کا تعارف کرایا جا رہا ہے۔ غرض کہ تمام جزئیات پر ڈاکٹر صاحب کی نظر ہوتی۔ ہم نے ڈاکٹر صاحب کی مصروفیات ایک نہیں تین کانفرنسوں کے دوران دیکھیں۔ درجنوں مہمانوں کا لاہور سے لے کر آنا، ٹھہرنے کھانے وغیرہ کا انتظام غرض کہ سب کے کرتا دھرتا ڈاکٹر صاحب ہوتے۔ ہم نے تعلیم الاسلام کالج کے برآمدوں میں پروفیسر سید

وقارعظیم، احسان دانش، پروفیسر حمید احمد خان، پروفیسر علاؤ الدین صدیقی، مرزا ادیب، ڈاکٹر ابولیث صدیقی، صوفی غلام مصطفیٰ تبسّم وغیرہ کو خود اپنی آنکھوں سے ڈاکٹر صاحب کے ساتھ چہل قدمی کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہ رونقیں یہ بہار سب کالج میں ڈاکٹر صاحب کے دم خم سے تھیں۔ برا ہو تعصب کی کالی آنکھ کا، ہنستا بستا تعلیم الاسلام کالج، جس میں ہم سب ایک گھر کے افراد کی طرح رہتے، ایک دوسرے کے لئے اچھا سوچتے اور اچھا کرتے تھے۔ سب سیاست کی نظر ہو گیا۔ روایتیں بنتے بنتے ہیں بنتی ہیں۔ تعلیم الاسلام کالج کی ایک صدی کی روایت تھا۔ محبت اور صلح و رآشتی کی روایت۔ مہینوں نہیں دنوں میں قومیانے کی عفریت کا شکار ہو گیا مگر ذرا اپنی نشست سے اٹھ کر کر دائیں بائیں دیکھئے یہ خوش اطوار سامعین اپنے ایک مکرم استاد کو دیکھنے اور سننے کے لئے کیسے امڈے چلے آئے ہیں۔ یہ سب اُسی مادر علمی کی برکت اور کرامت ہے۔

دوستو! اس شخص کی خوش رنگ باتوں اور ظاہرً free lancer style پر نہ جائیے۔ ''اے تے بلاں جے بلاں'' میں نے خود اسے رات گئے مصلی پر کھڑے ہوئے دیکھا ہے۔ کلام الٰہی کو آنکھوں سے لگائے گھنٹوں پڑھتے اور غور کرتے دیکھا ہے۔ جماعت کی غیرت میں جھنگ میں دور افتادہ گاؤں میں تانگے پر اور پھر پیدل دھان کے کھیتوں کی پل صراط کی سی باریک پگ ڈنڈی یوں پر سے گزرتے دیکھا ہے۔ خلافت کے حق میں کہتے سنا ہے۔ سڑک کنارے صدوقچی اٹھائے مسجد کی تعمیر کے لئے چندہ اکٹھا کرتے شخص کی صندوقچی میں کچھ نہ کچھ ضرور ڈالتے دیکھا ہے۔ ہمارا اعتراض پر'' کیا پتا جس مقصد کے لئے مانگ رہا ہے اُس پر خرچ ہوگا۔؟'' ڈاکٹر صاحب کو سیدھا سادا مسکت جواب تھا۔ ''اس کی نیت اس کے ساتھ میری نیت میرے ساتھ'' یہی نیکی ہم نے آپا جیدہ میں دیکھی۔ ہر دکھی کے لئے بے قراری تو خدا غریق رحمت کرے حضرت مولانا محمد احمد جلیل صاحب کے خانوادے کا طرح امتیاز ہے۔ سچ ہے تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔

نہ میرا مقام، نہ میری استعداد کہ میں ڈاکٹر صاحب کی تصانیف کا محاکمہ پیش کرسکوں۔ میں

صرف آپ کی مایہ ناز کتاب احمدیہ کلچر پر کچھ بات کروں گا۔ چھوٹی تقطیع کے تین صد صفحات کی کتاب دراصل ایک انسائیکلو پیڈیا ہے جو صدی سوا صدی پر محیط تاریخ احمدیت کے چیدہ چیدہ واقعات اور شخصیات کے اوصاف پر ڈاکٹر صاحب کے مخصوص انداز میں لکھے گئے خاکوں پر مشتمل ہے۔ مصنف نے اشاروں ہی اشاروں میں سالوں بھولی بسری یادوں کو کرید نکالا ہے۔ پاک بستی قادیان کے سادہ لوح، فرشتہ سیرت لوگوں کی متبرک شکلوں کو اجال کر ہمیں دعا کی تحریک ہے۔ اگرچہ اکثر خاکے ڈاکٹر صاحب نے ''بوجھو تو جانے'' کے سٹائیل پر شاید اس لئے لکھے ہیں کہ لگے ہاتھوں قاری کا IQ ٹیسٹ بھی ہو جائے؟

آیئے اسی کتاب کے انیس صفحات پر محیط مگر کتاب کی جان دوسرا باب ''میرا مرشد'' پڑھتے ہیں۔ کیا خوش رنگ طرح طرح کے عقیدت کے پھولوں سے سجا سجایا گلدستہ ہے۔ قاری مصنف کے دل و دماغ کی الہامی کی سی کیفیت کا بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے جس میں ڈوب کر یہ صفحات لکھے گئے۔ ہر فقرے اور لفظ سے چھلکتا ہوا خلوص کہ دل کی گہرائیوں سے ڈاکٹر صاحب کی صحت اور عافت کے لئے دعا نکلتی ہے۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

محترم ڈاکٹر صاحب یہ فقیر اپنی ناگہانی مجبوری کے باعث اس محفل میں حاضر نہیں ہو سکا دعا کا خواستگار ہوں۔

اور یہ تو آپ ہی کا شعر ہے

یہ حسرت تھی کہ ان کی گلی میں رہے یہ خاک
ہم خاک ہو گئے، تو ہوا تیز ہو گئی

یہ کہتے ہوئے رخصت ہوتا ہوں ہم خوش قسمت ہیں کہ آج آپ ہمارے درمیان ہیں۔ ایسا معلوم دیتا ہے کہ پھر سے وہ مادر علمی کا سنہرا دور لوٹ آیا ہے۔ انشاء اللہ ضرور لوٹے گا لیکن لیکن ہم نہیں ہوں گے۔ (المنار امریکہ)

تعلیم الاسلام کالج کے چند اساتذہ سے ایک انٹرویو

امریکہ کے جلسہ سالانہ 2006ء کے دوران ایم ٹی اے امریکہ سے استاذی المکرم پروفیسر مبارک احمد صاحب انصاری، پروفیسر چوہدری محمد سلطان اکبر صاحب اور خاکسار (محمد شریف خان) سے انٹرویو نشر ہوا، جس میں شرکاء سے ان کے تعلیمی کیریئر اور تعلیم الاسلام کالج سے تعلق کے بارے میں سوال و جواب ہوئے۔ انٹرویو کا ملخص قارئین کے افادہ علم کے لئے پیش کیا جا رہا ہے۔

خاکسار

پروفیسر محمد شریف خان

فلاڈلفیا، امریکہ

مبارک احمد صاحب انصاری

''میں نے قادیان میں 1945 میں کالج جائن کیا۔ پارٹیشن کے بعد لاہور سے ایف ایس سی، بی ایس سی اور پھر ماسٹر کیا۔ جب 1954 میں کالج ربوہ میں شفٹ ہوا تو میں نے لیکچرار کیمسٹری کے طور پر جائن کیا اور 1988 میں ریٹائر ہوا۔ اس کے بعد میں کینیڈا میں آ گیا، اور اب میں جامعہ احمدیہ کینیڈا میں پڑھا رہا ہوں۔ (اب انصاری صاحب عمر اور بیماری کی وجہ سے جامعہ سے ریٹائر ہو چکے ہیں)۔

تعلیم الاسلام کالج کے اساتذہ محنت اور لگن سے پڑھاتے تھے۔ کالج کے طلباء دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں اور جب بھی ملتے ہیں بڑے خلوص، محبت اور عقیدت سے ملتے ہیں۔ یہ سب انکے استادوں کی محنت اور محبت سے پڑھانے کا نتیجہ ہے۔''

محمد سلطان اکبر صاحب

میں نے قادیان میں 1946 میں مدرسہ احمدیہ میں داخلہ لیا، پھر جامعہ احمدیہ ربوہ سے مولوی فاضل اور بی اے کیا عربی کے مضمون میں اوّل آیا اور گولڈ میڈل حاصل کیا۔ ایم اے کرنے کے بعد میں نے عربی کے لیکچرار کے طور پر تعلیم الاسلام کالج جائن کیا۔ 1975 میں صوفی بشارت الرحمٰن صاحب جو میرے استاد تھے، کی ریٹائرمنٹ کے بعد صدر شعبہ ہوا۔ پنجاب یونیورسٹی کے بورڈ آف سٹڈیز کا ممبر رہا۔ احمدیہ مخالفت کی وجہ سے 1976 میں مجھے اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور ٹرانسفر کر دیا گیا۔ وہاں پر میں عربی کے مضمون میں سب سے سنیئر پروفیسر تھا۔ اسلامیہ یونیورسٹی کے بورڈ آف سٹڈیز کا ممبر رہا۔ پھر واپس ربوہ آیا اور 1996 میں ریٹائرڈ ہو کر امریکہ آ گیا۔

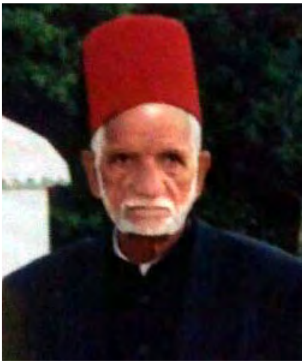
محمد شریف خان صاحب

میں نے 1956 میں تعلیم الاسلام کالج میں ایف ایس سی میں داخلہ لیا۔ اسلامیہ کالج لاہور سے بی ایس سی اور 1963 میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم ایس سی زویالوجی میں اوّل رہا۔ میں نے 1954 میں جب آٹھویں کا طالب علم تھا، اپنی زندگی وقف کی تھی۔ مجھے تعلیم الاسلام کالج میں لیکچرر زوالوجی کے طور پر کام کرنے کی ہدایت ہوئی۔ اس دوران اللہ کے فضل سے جن لیبارٹری کے میزوں پر میں نے 1956 میں ڈائیسکشن کرنا سیکھی تھی، اپنے طلباء کو انہیں پر سکھایا، اور انہی پر بیٹھ کر میں نے 1990 میں تحقیق کر کے 1996 میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ الحمدُ للہ میں نے کالج کے شعبہ بیالوجی میں استاد کے طور پر 1963 سے 1999 تک کام کیا اور ریٹائر ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کالج کے پرسکون ماحول کی برکت سے مجھے اپنے مضمون زوالوجی میں کھل کر تحقیقی کام کرنے کا موقعہ ملا۔ میرے کئی تحقیقی مقالے اور تین کتب چھپ چکی ہیں، چوتھی کتاب ابھی یہاں امریکہ میں چھپی ہے۔ یہ سب کالج میں پرسکون ماحول اور صلح آشتی کے باعث ممکن ہوا۔ 2002ء میں میرے

کام کو سراہتے ہوئے 2002 Zoologist Of the year کا ایوارڈ دیا گیا۔اور 2013 میں life achievement ایوارڈ دیا گیا۔

میرے تعلیم الاسلام کالج کے استاد مکرم مبارک احمد صاحب انصاری بیٹھے ہیں، انہوں نے اور دوسرے اساتذہ نے ہمیں بڑی محبت اور محنت سے پڑھایا۔عجیب استاد تھے دن کے وقت پڑھاتے رات کو نمازوں میں اپنے شاگردوں کے لیے دعا کیا کرتے تھے۔

یہاں میں تحدیثِ نعمت کے طور پر ذکر کردوں ایم ایس سی کے نتیجے کے بعد پنجاب یونیورسٹی والوں نے آفر کی کہ ہمارے پاس رہو، ہم تمہیں باہر پی ایچ ڈی کرنے کے لیے بھیج دیں گے۔ ربوہ جیسے سنگلاخ علاقے میں جا کر کیا کرو گے اپنے کو ضائع کر دو گے۔ میں نے انہیں بتایا میری زندگی خدمتِ اسلام کے لئے وقف ہے میں نے تو وہیں جانا ہے۔تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ربوہ میں مجھے وہ سب کچھ ملا بلکہ اس سے کئی گنا زیادہ ملا جس کی وہ مجھے آفر کرتے تھے۔ میرے ہم جماعت بڑے بڑے شہروں میں وہ کچھ حاصل نہ کر سکے جو میں نے دارالامان ربوہ میں رہ کر حاصل کیا۔ الحمدُ للہ۔



محترم لعل دین صدیقی صاحب
ٹی آئی کالج کے ایک مخلص کارکن

محترم لعل دین صدیقی صاحب یکم مارچ 1930ء کو بمقام دابانوالہ تلونڈی لال سنگھ تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور میں پیدا ہوئے۔ دسمبر 1949 سے 1990 تک (41 سال) تعلیم الاسلام کالج میں خدمت کی توفیق پائی۔ الفضل ربوہ میں ان کے بیٹے مکرم تنویر الدین صابر صاحب کی طرف سے شائع ہونیوالے مضمون کے چنیدہ حصے قارئین کی خدمت میں پیش ہیں:

والد صاحب آٹھ بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ گاؤں میں کوئی اسکول نہ تھا اس لئے آپ تعلیم حاصل نہ کر سکے لیکن تعلیم کا بچپن ہی سے بہت شوق تھا۔ آپ کے والد صاحب کی بہت خواہش تھی کہ میرا یہ بیٹا کچھ نہ کچھ پڑھ جائے۔ کچھ لوگ گاؤں کے پڑھے ہوئے تھے۔ انہوں نے پرائیویٹ طور پر پرائمری تک تعلیم دلائی لیکن پرائمری پاس نہ کر سکے پھر بھی کچھ نہ کچھ شناخت ہو جاتی تھی۔ کچھ دیر قادیان رہے پھر 1947ء میں قادیان سے ہجرت کرنا پڑی۔ قادیان سے ڈیرہ بابا نانک تک سات دن میں پیدل سفر طے کیا۔ راستے میں بڑی تکلیف اٹھا کر پاکستان پہنچے۔ صرف تن کے کپڑے تھے اور کچھ نہ تھا۔ لاہور پہنچے، چند دن کیمپ میں رہے پھر والد صاحب کو روزنامہ الفضل میں مددگار کی نوکری مل گئی۔

یکم دسمبر 1949ء کو والد صاحب تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں منتقل ہو گئے پھر کالج میں ہی مختلف

شعبہ جات میں خدمت کا موقع ملا۔1952ء کو آپ کی شادی ہوئی۔شادی کے تین سال گزرنے کے بعد تک آپ کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی تھی والد صاحب کہتے ہیں کہ ہماری ایک غیر از جماعت محلے دار مجھے بار بار یہ گھر آ کر کہتی کہ ”ہور احمدیوں میں شادی کرواؤ! تم نے رہنا ہی بے اولاد ہے“ والد صاحب کہتے اچھا تم جتنا مرضی زور لگالو میں نے احمدی ہی رہنا ہے اور خدا ضرور اولاد سے نوازے گا۔ والد صاحب کہتے ہیں کہ اگلے دن بہت دعا کی اور پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا یہ سارا واقعہ بتایا کہ پیارے حضور آپ میرے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے نیک اولاد سے نوازے۔حضورؓ نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ فضل فرمائے۔ دعا کے بعد ابھی ایک سال کا عرصہ بھی نہ ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل فرماتے ہوئے ایک بیٹی سے نوازا اور پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مزید نو بچے عطا فرمائے۔مگر جس عورت نے یہ کہا تھا کہ تمہارے ہاں اولاد نہ ہوگی وہ ایک سال بھی زندہ نہ رہی اور بغیر اولاد کے فوت ہوگئی۔ والد صاحب کہتے ہیں کہ جب میں لاہور سے ربوہ آیا تو اس وقت اکیلا ہی کارکن رہ گیا تھا۔ کالج زیر تعمیر تھا حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل اس کی خود نگرانی فرما رہے تھے۔اگست کا مہینہ تھا، سخت گرمی تھی ۔حضور چھت پر سارا سارا دن کھڑے رہتے تھے اور والد صاحب چھتری لیکر ساتھ کھڑے رہتے تھے۔حضرت میاں ناصر احمد صاحب ان دنوں اکیلے ہی ربوہ میں تھے بچے ابھی لاہور میں ہی تھے۔ والد صاحب دن رات حضرت میاں صاحب کے ساتھ رہتے تھے ۔ پھر جب والد صاحب ربوہ آ گئے تو حضرت میاں صاحب نے اپنے گھر میں رکھ لیا اور کھانا پکانے کا کام سکھا دیا یہ خدمت والد صاحب نے 1982ء تک انجام دی۔حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ساتھ پاکستان کے بہت سے شہروں کا سفر کیا۔محترم والد صاحب کو حضور کی ٹانگیں دبانے کا خدا نے بار بار موقع دیا اور حضور کے ساتھ بیٹھ کر بڑی دفعہ کھانا کھایا۔حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے اپنی پگڑی بطور تحفہ عنایت فرمائی۔

والد صاحب کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اکثر کتابیں تین تین بار پڑھنے کی توفیق ملی۔

اس کے علاوہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی تفسیر القرآن، سیرت مسیح موعودؑ اور دیگر سلسلہ کی بہت سی کتب پڑھنے کی توفیق ملی۔ والد صاحب کو حضرت مسیح موعودؑ کے بہت سے صحابہ کرام کو ملنے اور مصافحہ کا شرف حاصل ہوا۔ والد صاحب بتاتے ہیں کہ مجھے میاں ناصر احمد صاحب کی خوب خدمت کرنے کا موقع ملا۔ میاں صاحب کے حکم سے میں خود ہی لنگر خانہ سے کھانا لیکر آتا تھا۔ ہم دونوں یعنی حضرت میاں صاحب اور والد صاحب ایک ساتھ بیٹھ کر ایک ہی پلیٹ میں کھانا کھاتے تھے۔ اس وقت لنگر خانہ کے انچارج حکیم فضل الرحمن صاحب تھے ان کو حضرت میاں صاحب نے لکھ کر بھیجا ہوا تھا کہ دونوں وقت کھانے میں دال بھیجا کریں۔ پھر سارا دن کالج کی تعمیر کی نگرانی کرتے تھے۔ والد صاحب بتاتے ہیں۔ جولائی، اگست کے دن سخت گرمی تھی میں خود چھتری لئے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔ آرٹس بلاک کالج کی چھت پر لینٹر ڈالنا تھا۔ ریت بجری اور سیمنٹ مکس ہو چکا تھا اچانک مغرب کی طرف سے کالے سیاہ بادل اٹھے بہت زور سے آندھی چلی اور ساتھ ہی ٹھنڈی ہوا چل پڑی۔ ٹھیکیدار مکرم عبد العزیز صاحب گھبرائے ہوئے آئے اور کہا میاں صاحب دعا کریں کہ بارش نہ ہو، ورنہ ہمارا سارا میٹیریل ضائع ہو جائے گا۔ حضرت میاں صاحب نے فرمایا میں کیا کر سکتا ہوں جو خدا کی مرضی۔ والد صاحب کہتے ہیں کہ حضرت میاں صاحب نے مغرب کی طرف منہ کر کے خدا کے حضور بلند آواز سے دعا کی کہ اے خدا! یہ غریب جماعت کا سرمایہ لگا ہے میرا ذاتی نہیں، تو اگر چاہے تو یہ بادل پرے پرے لے جا سکتا ہے۔ یہاں آپ کھڑے ہو گئے اور شدید ٹھنڈی ہوا چلی اور تیز بارش شروع ہو گئی، لیکن کالج کی حدود کے باہر باہر۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ کالج کے اندر ایک چھینٹ بھی بارش کی نہ پڑی اور یوں وہ کالج کا لینٹر مکمل ہو گیا۔ والد صاحب نے جماعت کی 65 سال تک خدمت کی۔ جولائی 1990ء کو والد صاحب تعلیم الاسلام کالج سے ریٹائر ہوئے۔ اس کے بعد جماعت کی خدمت کرنے کا خدا نے موقع دیا۔ ایک سال خلافت لائبریری میں خدمت سرانجام دی۔ پھر ایک سال جامعہ احمدیہ لائبریری میں خدمت کرنے کا موقع ملا۔

والد صاحب اپنا ایک سفر کا واقعہ بتاتے ہیں کہ ایک دفعہ اپنی چھوٹی سی دوکان کیلئے فیصل آباد سامان لینے کیلئے گیا ہوا تھا واپسی پر جب سامان لیکر بس سٹاپ پر آئے تو کوئی بھی بس والا نہ بٹھاتا تھا کہتے تھے کہ ربوہ کی کوئی سواری نہ بیٹھے۔ والد صاحب کہتے ہیں کہ میں نے خدا کے حضور دعا کی کہ اللہ میری مدد فرما بڑی مشکل سے بس والے نے سرگودھا کا کرایہ لیکر سوار کیا اور کہنے لگا کہ میں سرگودھا اتاروں گا، ربوہ نہیں اتاروں گا والد صاحب بتاتے تھے خدا کی کرنی ایسی ہوئی کہ اسی بس میں ایک گانے بجانے والی عورت سوار ہوگئی اور سارے راستے میں ڈرائیور نے اس سے گانے وغیرہ سنے۔ والد صاحب بتاتے ہیں جب دریائے چناب کا پل پار کیا تو اس گانے والی عورت نے گانا بجانا بند کر دیا۔ ڈرائیور اس کو کہتا چپ کیوں ہوگئی ہو۔ وہ گانے بجانے والی ڈرائیور کو کہتی ہے کہ پہلے اس بابا جی کو اتارو جہاں وہ کہتے ہیں چنانچہ اتنے میں سٹاپ آ گیا اور والد صاحب کو ربوہ اتار دیا۔ اب ڈرائیور نے کہا بابا اللہ تیرا بھلا کرے والد صاحب نے اللہ کا شکرادا کیا کہ اللہ نے میرے لئے تو یہ فرشتہ بنا کر بھیجا تھا جس نے میری مدد کی۔

1992ء کو نصرت جہاں انٹر کالج کی تینوں لیبارٹریوں میں والد صاحب اکیلے لیب اٹینڈنٹ کے طور پر 11 سال تک خدمت کرتے رہے۔ والد صاحب مارچ 2013ء کو بیمار ہوئے۔ مثانے میں کینسر کی موذی بیماری تھی۔ والد صاحب بتاتے ہیں کہ جب میں فضل عمر ہسپتال میں داخل تھا تو ایک رات مجھے خواب آئی کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ میرے پاس آئے ہیں اور کہتے ہیں لعل دین السلام علیکم والد صاحب نے جواب دیا۔ **وعلیکم السلام**۔ حضور آگے ہوکر والد صاحب کو فرماتے ہیں چلو لعل دین آؤ میں تمہیں لینے آیا ہوں میں نے تمہارے لئے ایک شاندار کوٹھی تیار کی ہے۔ والد صاحب نے حضورؒ کو کہا کہ ابھی میں نہیں جاؤں گا کیونکہ میں نے ابھی جماعت کی خدمت کرنی ہے اور بہت سے کام کرنے ہیں۔ (اسکے بعد والد صاحب قریباً 6 ماہ زندہ رہے) بالآخر خدا تعالیٰ کی تقدیر غالب آئی اور 8 ستمبر 2013ء کو صبح 9 بجے وفات پا گئے۔ والد صاحب خدا کے فضل سے پانچ وقت کے نمازی، تہجد گزار، دعا گو اور ہنس مکھ اور ہر دکھ سکھ میں شامل

ہونے والے تھے۔آپ نے بیوہ کے علاوہ چار بیٹے ناصر الدین خالد،ظہیرالدین بابر،تنویرالدین صابر،نصیرالدین ہمایوں اور تین بیٹیاں یادگار چھوڑی ہیں جن سے آپ کے 50پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں ہیں۔اللہ تعالیٰ والد صاحب کو جنت میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔

(المنار ستمبر 2014ء)

باباشادی



(پروفیسر محمد شریف خان-امریکہ)

الاسلامکالج کے ہرایک طالب علم کی حسین یادوں میں جہاں کالج میں گزارے دن و رات توشئہ زندگی ہیں تو وہاں بابا شادی ایسا کردار ہے جو بھلائے نہیں بھولتا۔جب مجھے کالج میں طالب علمی کے دو سال اور چھتیس سال استادی کے یاد آتے ہیں،کوشش سے بھی شادی سے متعلق یادوں کو یادوں سے الگ نہیں کر پا رہا۔شادی کالج کا اٹوٹ انگ تھا،جب چھٹی پر جاتا کالج میں اداسی سی چھائی رہتی۔گھنٹی آگے پیچھے بجتی، چائے کہ رسیا ٹک شاپ پر جا کر چائے پیتے۔شادی کی غیر حاضری میں لیبارٹری اسسٹنٹ کی ڈیوٹی لگتی ہر کوئی گھبرایا ہوا ڈیوٹی بدلوانے کی کوشش کرتا۔

کالج کے برآمدے میں چلتے لڑکوں کی باتوں اور قدموں کے شور سے بے نیازی شادی اپنی پتلی سی آواز میں ہم کلامی کرتا ہوا گزر جاتا۔سرتاپا سادگی کا مجسمہ،گندم گوں رنگ، منحنی سا جسم،داڑھی سفاچٹ،ہلکی سفید موچھیں،گول مڑھا ہوا سر۔اُبھری پیشانی،دھنسی ہوئی چھوٹی چھوٹی آنکھیں۔چھوٹی بھینی سے چائینی ناک۔جس پر سفید مٹیلک کی بار بار پھسل پھسل جاتی عینک،جسے شادی بار

بار ہاتھ ٹھونکے سے آنکھوں کے سامنے دھکیلتا رہتا، لیکن جب کبھی دونوں ہاتھوں سے چائے کی ٹرے اٹھائے ہوئے ہوتا تو چہرہ اوپر اٹھا کر ڈھلکی ہوئی عینک کے شیشوں سے جھانکتا جو سوکھے پانی کے نشانوں سے گدلائے رہتے لیکن مضبوط بازو چھوٹے چھوٹے گھٹے دار میل سے ہاتھ کھارے پانی میں بار بار دھونے سے مجلگی دیسی طرز کی کھلی قمیض اور تہمد جو لنگوٹی کی طرز پر ہوتی اس طرح پہنتا کہ لمبے لمبے دائیں بائیں جھولتے ''لڑ'' چھوڑتا کہ آدھی پنڈلیاں نظر آتیں۔ پاؤں میں ایڑھی بیٹھی دیسی مونچھ دار بے رنگ جوتی، جب چلتا ایڑی کے ساتھ ٹکرا کر تالی جیسی خاص آواز پیدا کرتی۔

سردیوں میں موٹے کھیس کے بُکل لئے رکھتا اور لمبی جرابیں پہنتا جن سے ننگی پنڈلیاں چُھپ جاتیں۔ خوددار اتنا کہ کسی سے کوئی چیز مانگ کر نہ لیتا۔ دلجوا اتنا کہ ذرہ سی صلح پر چائے کی پیالی خوشی سے پی لیتا۔ دن کے چوبیس گھنٹے اور ہفتہ کے ساتوں دن ڈیوٹی پر رہتا۔ کالج بند ہونے پر سارے کالج کا گشت کرتا۔ کمروں کے تالوں کو کھینچ کھینچ کر تسلی کرتا۔ اگر کسی لیبارٹری کا لا تا کھلا پاتا اپنا تالا لگا دیتا، اگلے دن متعلقہ لیبارٹری اسسٹنٹ کے خوب لتے لیتا۔ شادی کی صاف دلی ایمان داری اور ہمدردی کے باعث کالج کے تمام کارکنان شادی کی عزت کرتے اور کہا مانتے۔

کالج میں چھٹی کے بعد اپنی جھل مل سی چارپائی دفتر کے پاس برآمدوں کے سنگم پر بچھا لیتا۔ دوران کالج حقہ پینے کی مناہی کے باعث اس عیاشی کے لئے بڑے صبر سے چھٹی کا انتظار کرتا۔ چھٹی کی گھنٹی بجانے کے ساتھ ہی باہر دیوار کے ساتھ دو اینٹیں کھڑی کر کے ارد گرد کے درختوں سے گری پڑی سوکھی ٹہنیوں کو توڑ کر آگ جلاتا۔ پانی کی ٹوٹی سے حقہ تازہ کرتا۔ ٹوپی میں آگ بھر کر مزے سے چارپائی پر لیٹ کر حقے کے لمبے لمبے کش لیتا، دوسرے شائق بھی شریک محفل ہوتے۔ کالج کے دوران طلب ہونے پر کسی کونے میں کھدرے میں سگرٹ سے شغل کرتا۔ سگرٹ پینے کا اس کا اپنا ہی سٹائل تھا۔ سگرٹ سلگا کر دائیں ہاتھ کی مٹھی بنا کر چھنگلی کی طرف سلگے سگرٹ کو پکڑتا، اور انگوٹھے کی طرف سے زور سے کش لگاتا۔ اکثر سگریٹ کی ضرورت کوئی اور سگرٹ نوش پوری کر دیتا، وگرنہ اپنے

کمرے میں ٹنگے کرتے کی جیب سے ایک تر وڑی مروڑی سگرٹ کی بوسیدہ سی ڈبیہ سے کچلا ہوا سگرٹ بڑی احتیاط سے نکالتا اور نشہ پورا کرتا۔

کالج کے گیٹ کواڑوں کے بغیر تھے۔ کالج میں چھٹیاں ہوتے ہی ارد گرد کے آوارہ کتے شادی کے مہمان ہوتے اور شادی ہوسٹل کا مہمان، اپنا برتن لے کر کھانا لے آتا کھانے کی خوشبو پر کتے آن شادیکی چارپائی گھیر لیتے تھے۔ شادی خود بھی کھانا انہیں کھلاتا۔ کتوں کو مختلف ناموں سے پکارتا۔ لے ڈبو۔ اگر کوئی اور کتا کھانا اچک لیتا تو اسے خوب جھڑکتا۔ یہ مہمان رات بھر شادی کی چارپائی کے پاس پاؤں پسارے پڑے رہتے۔ جونہی کھڑکا ہوتا بھونکتے اس طرح شادی کے کام کو آسان کر دیتے۔ کالج کھلنے کے ساتھ ہی غائب ہو جاتے جب اس باہمی پیار سے کتوں کی تعدا کچھ زیادہ ہو گئی جس سے اپنے اور بیگانوں کی تمیز اٹھ گئی تو کالج انتظامیہ کو کتوں کا داخلہ بند کرنا پڑا، شادی کچھ عرصہ اداس رہا، لیکن جلد سنبھل گیا۔

اکثر میرے پاس لیبارٹری میں آ جاتا۔ مختلف موضوعات پر باتیں ہوتیں۔ ایک دن میں نے اس کی شادی کے متعلق سوال کیا۔ شادی اداس ہو گیا۔ بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔ ''ہاں کی تھی بچہ پیدا ہوا مر گئی بچے کو بھی ساتھ لے گئی۔'' آنسوؤں سے گیلی عینک اتار کر قمیض کے دامن سے صاف کرنے لگا۔ شادی کے بھانجے بھتیجے پل بارہ کے پاس کسی گاؤں میں کہیں رہتے تھے۔ شادی کالج سے تین چار دن کی چھٹی لے کر صاف ستھرے کپڑے پہن کر، بچے کی سونٹے کے سرے پر لٹکائے شان سے رکھ لیتا اور اسٹیشن کا راستہ لیتا۔ شادی کے جانے کے بعد کالج پر ایک پر اسرار سی خاموشی اور افسردگی چھا جاتی۔

گرمیوں میں کئی طالب علم جو پریکٹیکل کے انتظار میں کالج میں ٹھہرے ہوتے، اکثر شادی کی دعوت شیراز سے لطف اندوز ہوتے۔ ساتھ ہی ساتھ کالج کے معاملات پر باتیں ہوتیں اور شادی کی پڑھائی کے بارے میں تاکیدات سے مستفیض ہوتے۔ ایک دفعہ برادرم پروفیسر شکور اسلم صاحب

کسی کام کے سلسلہ میں شادی کوڈھونڈ رہے تھے۔اور سیڑھیوں کے پاس شادی شادی کی آواز دے رہے تھے کہ ناگہاں صوفی بشارت الرحمٰن صاحب اپنے کمرے سے یہ کہتے ہوئے ہنستے ہوئے باہر آئے ''ہوجائے گی'' ہوجائے گی اور اتفاق دیکھئے صوفی صاحب مرحوم کی کوششوں سے چند دنوں بعد شکور صاحب کی صوفی صاحب کی ایک شاگرد سے شادی ہوگئی۔

بابا شادی کی بود باش کالج کی سیڑھیوں کے نیچے ایک تنگ سے لمبے کمرے میں تھی۔جس کا واحد دروازہ نوٹس بورڈ کے پاس والی دیوار کے ساتھ کھلتا تھا۔اور ایک کھڑکی باہر سٹاف روم کی طرف کھلتی تھی۔ شادی کی کل کائنات انٹیوں پر ٹکا مٹیالے رنگ کا ایک پرانا سا لوہے کا مقفل صندوقچہ (جس کے تالے کی چابی شادی اپنی دھوتی کی لڑ میں رکھتا) صندوق پر طے کی ہوئی رضائی۔ ایک جھلملں سی پرانی چارپائی، تکیہ، جس کا کسی قدر مٹیالہ پھول کڑھا غلاف دوائن پر طے کیا کھیس جسے سردیوں میں شادی اوڑھے رکھتا۔ دیواروں میں ٹھکے کیلوں پر لٹکے کچھ کپڑے، دروازے کے قریب دیوار سے لگا ہوا، پاس ہی چھوٹا سا چمٹا جس سے دھکتے ہوئے کوئلے کوٹوپی پر رکھتا ہے۔ یہ تھی شادی کی کل کائنات۔اب مذکورہ صندوق میں کیا تھا؟ کوئی وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔شاید شادی کی جمع جتھا پونجی تھی۔شادی کو کسی نے کبھی بینک جاتے نہیں دیکھا تھا۔

عید کے دن صاف ستھرے کپڑے پہنتا، سر پر ڈھیلی بغیر کلے کی پگڑی۔ پاؤں میں نت تلے سے مڑی جوتی، براق سفید کرتا، تہبند، آنکھوں میں سرمہ، مسجد میں جا کر دوگانہ ادا کرتا۔ایسے اسے الا ماشاءاللہ نماز پڑھتے نہیں پایا گیا۔شادی ایمان العجائز رکھتا تھا۔اس کی امانت دیانت اور شرافت پر کبھی کسی کو انگلی اٹھانے کی جرائت نہیں ہوئی تھی۔طلباء کی کالج میں بھولی چیزیں اگلے دن شادی سے دستیاب ہوتیں۔ اگر کسی معاملہ میں شادی پر شک کیا جاتا تو اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے جوش میں کانپنے لگتا۔انتہا کا صلح جو تھا اکثر لڑائی سے کتراتا لیکن جھگڑتے وقت غصہ میں آخر گالیوں پر اتر آتا۔

اب سوال یہ کہ شادی کالج میں آیا کہاں سے؟ کیا کالج نے شادی کو ڈھونڈا، یا شادی نے کالج کو ڈھونڈا؟ ایک دقیق اور توجہ طلب سوال ہے۔ اغلباً جب تعلیم الاسلام کالج لاہور میں ڈی اے وی کالج کی عمارت میں منتقل ہوا، شادی کا خاندان مہاجرت کے بعد متروکہ کالج میں پناہ لئے ہوئے تھا۔ عمارت سے بے دخلی کے بعد جب یہ لوگ کہیں اور منتقل ہو گئے اس وقت شادی کی مفلوق الحالی اور سادگی کو دیکھتے ہوئے اسے اور اس کے بھائی کو کالج میں ملازمت میں لے لیا گیا۔ بھائی کچھ عرصہ بعد کالج چھوڑ کر چلا گیا جب کہ کالج شادی کو اور شادی کالج کو راس آ گیا۔ کالج کے لوگ بھلے اور شادی تھے اور شادی بھلا مانس۔ یہ بندھن 1984ء تک قائم رہا۔

شادی ہندوستان کے نابھہ پٹیالہ کے علاقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اپنے علاقہ کی مخصوص زبان میں بات کرتا الفاظ میں صحیح تلفظ سے ادا نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی اپنی طرز کی ادائیگی میں اکثر سٹاف روم میں زوردار قہقہہ پڑتا اور شادی کی کھسیانی ہنسی ہنس کر رہ جاتا۔

شادی طلباء اور اساتذہ میں برابر مقبول تھا۔ شادی کو دیکھتے ہی ہر کسی کا دل مزاحیہ لڑھکانے کے لئے مچلتا۔ ماحول کے مطابق جواب دیتا وگرنہ مسکرا کر کنی کاٹ جاتا۔ اکثر شرارتی طلباء شادی سے لاہور دیکھنے کا مطالبہ کرتے اور ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو جاتے۔ شنید ہے کہ جب لاہور میں کالج کے مجلّے المنار کا اجرا ہوا تو ابتدائی شمارے میں شادی اور اس کی سادگی پر ایک مضمون چھپا تھا جو بہت پسند کیا گیا تھا۔

1966ء میں فرسٹ ائر داخلے سے لے کر 1984ء تک شادی سے آخری ملاقات کے وقت تک میں نے شادی کا ایک ہی رنگ ڈھنگ دیکھا ایسا لگتا شادی کے ساتھ وقت ٹھہر سا گیا تھا۔ البتہ دانتوں کے درمیان بڑھتا ہوا فاصلہ موتئے کی آپریشن کے دوران بائیں آنکھ ضائع ہونے کے باعث شادی ذرہ ٹیڑھا دیکھنے لگا تھا اور منہ ذرہ کھلا رکھتا عینک کا شیشہ تبدیل ہوا تو بھاری مٹیلک فریم کی جگہ پلاسٹک کا کم وزن فریم آ گیا۔ اب شادی نے کالر والی قمیض پہننی شروع کر دی اور داڑھی اور

تلوار نما مونچھیں بڑھا لیں تھیں ۔گرزتا وقت تیزی سے اپنی یادگاریں چھوڑے جا رہا تھا۔شادی صوبر سا ہو گیا تھا۔اکثر مصلی پر پایا جاتا۔

1974ء میں کالج کے قومیائے جانے کی حماقت نے جہاں کالج میں رائج محبت وہم آہنگی کا تانا بانا بکھیر کر رکھ دیا وہاں بے اعتباری شک وشبہ کا عفریت کالج کی پُرانی روایات کو دیمک کی طرح چاٹ گیا۔کالج کی نئی انتظامیہ اور سٹاف میں نفاق کی دراڑیں گہری ہوتی گئیں۔شادی جیسے سادہ دل بندے دلبر داشتہ ہوکر دل سے ہار گئے۔کچھ عرصہ سے بجھا بجھا سا رہنے لگا۔کچھ بیمار بیمار سا۔اس سیاہ دور میں کالج میں ہرکوئی غیر یقینی کا شکار تھا۔سٹاف میں طرح طرح کے چہرے دار آئے تھے۔آئے دن ماحول جان بوجھ کر مکدر کیا جا رہا تھا اعتبار بے اعتباری میں تبدیل ہو گیا تھا ایمانداروں سے بے ایمانداروں جیسا سلوک روا رکھا جا رہا تھا۔ پرانے سٹاف میں بد دلی راہ پا رہی تھی۔ادھر کلاسوں میں اصل مضامین کی جگہ دل آزار باتوں سے طلباء کا قیمتی وقت ضائع کیا جا رہا تھا۔نظام کی ہدایات کے مطابق طلبا صبر اور سکون سے یہ سب کچھ برداشت کر رہے تھے۔یکے بعد دیگر بدلتے پرنسپل اور اساتذہ نت نیا ایجنڈا لئے آرہے تھے۔حقیقت حال کے متعلق شکایت کرنے پر پرنسپل اپنی معذوری کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ’’میں کچھ نہیں کرسکتا اوپر سے ہدایات ہی ایسی ہیں۔‘‘

اس رولے گولے میں شادی ہوا کے جھونکے کی طرح غائب ہو گیا۔کچھ دنوں بعد معلوم ہوا شادی کی وفات ہوگئی ہے۔شادی تعلیم الاسلام کالج کی پیار و محبت کی جوّ میں اٹھلاتا ہوا خوش رنگ پھول تھا جو شک اور شبہ کے جہنم میں جھلس کر رہ گیا۔انا للہ و انا الیہ راجعون۔

حق مغفرت کرے عجب پیار کرنے والا وجود تھا

(المنار امریکہ)

تعلیم الاسلام کالج کے طلباء کی حسین یادیں

تعلیم الاسلام کالج کی روایتوں کا بیان

(ڈاکٹر ناصر احمد پرویز پروازی۔ پی ایچ ڈی)

تعلیم الاسلام کالج محض ایک کالج نہیں تھا اپنی ذات میں ایک روایت تھا جس میں دینی تربیت اور دنیاوی تعلیم کے عناصر آپس میں گندھے ہوئے تھے۔ ان کا خمیر اخلاص و محبت، وضع داری و حمیت، قربانی و غریب پروری، مساوات و مسابقت، علمیت و روحانیت اور انسانیت و شرافت کے خمیر سے اٹھا تھا۔ اس ادارہ کا لائحہ عمل یعنی ماٹو علم و عمل تھا۔ اس ادارہ میں چھوٹے بڑے اونچے نیچے امیر غریب کی کوئی تمیز نہیں تھی۔ ہر طالب علم طالب علم تھا اور ہر استاد استاد۔ ہر وجود کو اپنے مرتبہ اور ذمہ داری کا احساس تھا طلباء کو اس بات کا کہ وہ طالب علم ہیں اور ان کی اولیں ترجیح تعلیم ہے اساتذہ کو اس بات کا کہ وہ استاد ہیں اور ان کی اولین ذمہ داری طلباء کو علم کی روشنی سے منور کرنا ہے اور ان کے تربیتی امور کی نگرانی کرنی ہے۔ غالباً یہ ملک کا پہلا اور آخری ادارہ تھا جہاں کبھی ہڑتال نہیں ہوئی۔ کبھی اساتذہ اور طلبا میں اختلاف نہیں ہوا حالانکہ عقیدہ کے لحاظ سے اس کالج میں اور خاص طور سے فضل عمر ہاسٹل میں اکثریت ایسے طلبا کی ہوتی تھی جو جماعت کے عقائد سے متفق نہیں تھے۔ اس کالج میں کبھی سر پھٹوّل کے واقعات نہیں ہوئے حالانکہ اس کالج میں بھی جذباتی نوجوان پڑھتے تھے اور نوجوانوں میں جھگڑے ہونا نوجوانی میں لابدی ہوتے ہیں۔ کالج میں دھڑے بندی بھی نہیں ہوئی حالانکہ اس کالج میں بھی مختلف سوسائٹیوں اور یونین کے انتخابات ہوتے تھے۔ مگر یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ کالج میں انسان ہی پڑھتے تھے اور انسان ہی پڑھاتے تھے، اور انسان غلطی

کا پُتلا ہے۔(ہمارے ایک استاد اسے پتّلا پڑھا کرتے تھے)۔میں اس مضمون میں ان اسباب کا جائزہ لینا چاہتا ہوں جن کی وجہ سے یہ سب باتیں ممکن ہوئیں۔آپ مجھ سے اختلاف کرنے کا حق رکھتے ہیں اور میں جو کچھ عرض کرنے جا رہا ہوں وہ حرفِ آخر نہیں ہے۔

اس کالج کی بنیاد قادیان جیسے قصبہ میں پڑی جو جماعت احمدیہ کا مرکز تھا۔جس کی فضا میں اخلاص و وفاداری کی خوشبو رچی بسی ہوئی تھی۔وہاں علم کی بڑی قدر تھی۔ہر عالم کو سرآنکھوں پر جگہ دی جاتی تھی۔ہمیں یاد ہے قادیان میں فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا افتتاح ہوُا تو ہندوستان کے اس وقت کے مشہور ترین سائنس دان سر شانتی سروپ بھٹنا گر تشریف لائے۔یہ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کالج کے ایک بلاک میں قائم کی گئی تھی۔سارا قادیان اس بے پناہ سائنس دان کو دیکھنے کے لئے ٹوٹ پڑا یوں لگتا تھا جیسے کسی میلہ کا سماں ہے۔کیوں؟ صرف اس لئے کہ سر شانتی سروپ سائنس کے میدان میں دنیا بھر کے جانے پہچانے سائنس دان تھے۔اگلے روز اسکول میں ہر ساتھی دوسرے ساتھی سے یہی سوال کرتا نظر آیا کہ کیا اس نے سر شانتی سروپ کو دیکھا ہے؟ اس ماحول میں رہنے اور پلنے والے بچے علم کے ساتھ وابستہ ہو جاتے ہیں تو کیا اس ماحول میں پیدا ہونے اور قائم ہونے والا ادارہ اس جذبہ سے متاثر نہ ہوتا؟ اب اس ادارہ سے فارغ التحصیل طلباء میرے سامنے بیٹھے ہیں کیا آپ نے اپنے ادارہ کو عالموں کی قدر کرتے نہیں دیکھا؟ کیا آپ کے ادارہ میں چوٹی کے سائنسدان، اعلیٰ پایہ کے دینی اور دنیاوی علماء، مؤرخین، مصنفین، مانے ہوئے ادیب اور مشہور شاعر اور کھلاڑی نہیں آتے رہے اور آپ ان سے مستفیض نہیں ہوتے رہے؟ اور یہ علما صرف علم کے ناتے سے بلائے جاتے رہے ان کا عقیدہ یا ان کی وطنیت اس کا باعث نہیں تھی۔مجھے یاد ہے سب ذرا ذرا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو کہ روس کے سائنس دان ان دنوں ربوہ بلائے گئے اور آئے جن دنوں روس کا نام لینا بھی گناہ تھا۔مجھے تو اس روسی سائنس دان کی یہ بات بھی یاد ہے کہ ’’مجھے اس ادارہ کے در و دیوار سے علم دوستی کی خوشبو آ رہی ہے‘‘۔تعلیم الاسلام کالج کے تو نام میں اسلام کا لفظ موجود تھا مگر اس ادارہ نے

ایسے ملک کے سائنس دان کی عزت افزائی کی جو خدا کا ہی منکر تھا۔ اور اسی ملک نے خلائی سائنس میں پہلی کامیابی حاصل کی یعنی ہمارا ادارہ علم کے معاملہ میں اتنا فراخ دل تھا اور اسلام کا صحیح پیروکار کہ اسلام کا حکم ہے **اطلبو العلم ولو کان بالسین**! قادیان میں سرشانتی سروپ بھٹنا گر آتے تھے ربوہ میں روس امریکہ برطانیہ کے سائنس دان اٹلی اور یورپ کے مستشرقین۔ عجیب ادارہ تھا اور عجیب لوگ تھے۔ اور ایسے ملک میں قائم تھا جہاں کے لوگ علم کے معاملہ میں اتنے کوتاہ دست اور تنگ نظر ہو گئے ہیں کہ اپنے نوبیل انعام یافتہ شخص کے وجود کو بھی اپنے تعصب میں تسلیم نہیں کرتے۔ میں آپ کو کیا بتا رہا ہوں؟ یہ کہ تعلیم الاسلام کالج جتنا علم کا اور عالموں کا قدردان تھا اتنا ہی علم حاصل کرنے والوں کا بھی قدردان تھا اس قدردانی سے میں بھی متمتع ہوا اور آپ میں سے ہر کوئی متاثر ہوا ہوگا۔ اس ادارہ کی پہلی روایت علم کی قدردانی تھی۔ اب میں سامنے کی مثال دیتا ہوں۔ تعلیم الاسلام کالج ایسا ادارہ تھا جس کے نوے فیصد طالب علم کسی نہ کسی طور سے کالج کے مالی طور پر احسان مند تھے کسی کی آدھی فیس معاف تھی کسی کی پوری فیس معاف تھی کسی کو پانچ روپے وظیفہ ملتا تھا کسی کو دس روپے۔ کسی کا ہاسٹل کا کھانا مفت تھا کسی کو ہاسٹل کی رہائش مفت تھی اور اس رعایت کے لئے کسی کا عقیدہ نہیں پوچھا جاتا تھا۔

پرنسپل صاحب طلبا پر اس درجہ مہربان تھے کہ جرمانہ کرنے والے فراخ دلی سے جرمانے کرتے رہتے تھے اور پرنسپل صاحب اس سے بھی زیادہ فراخ دلی سے جرمانے معاف کر دیتے تھے حتیٰ کہ استاذی المکرم خالد صاحب نے پرنسپل صاحب سے شکوہ کیا کہ ہم جرمانہ کرتے ہیں آپ معاف کر دیتے ہیں اس طرح تو کالج کا انتظام گڑبڑ ہو جائے گا۔ پرنسپل صاحب نے نہایت خوبصورت جواب دیا کہ اگر اللہ میاں نے میرے دل میں طلبا کے لئے رحم ڈالا ہے تو میں ایسا کیوں نہ کروں؟ ہر قسم کی رعایت دینے میں پرنسپل صاحب کی اتنی فراخ دلی دیکھ کر کالج کے ایک مشہور طالب علم نے جو ابھی پچھلے برس رہگزائے بقا ہوئے ہیں۔ ہوسٹل کے سپرنٹنڈنٹ صاحب کو درخواست گذاری کہ ”میں صبح

اٹھنے کا عادی نہیں ہوں اس لئے از راہ کرم مجھے صبح کی نماز میں حاضری معاف کی جائے'' سپرنٹنڈنٹ صاحب نے وہ درخواست پرنسپل صاحب کو بھجوا دی۔ پرنسپل صاحب نے ناراض ہونے کی بجائے اس درخواست پر لکھا کہ ''میں اللہ رسول کے حکم کی معافی دینے والا کون ہوتا ہوں؟ آئندہ سے احتیاط کروں گا کہ آپ کی نماز سے غیر حاضری کے جرمانے معاف نہ کروں۔''

یہ بات تو برسبیل تذکرہ سامنے آ گئی۔ غریب طلبا کی امداد کرنے کے لئے کالج کی ایک پالیسی تھی وہ میں عرض کرتا ہوں۔ پالیسی یہ تھی اگر امتحان میں چھ سو نمبر لینے والے طلبا وظیفہ کے مستحق ٹھہرتے ہیں تو کوئی ایسے بھی ذہین طلبا ہوتے ہیں جو پانچ سو ننانوے یا پانچ سو اسی نمبر لیتے ہیں ان کو وظیفہ نہیں ملتا۔ اکثر ایسے ہوتے ہیں جو کالج کی پڑھائی کا سلسلہ جاری ہی نہیں رکھ سکتے۔ کالج ایسے طلبا کو تلاش کر کے انہیں وظیفہ دیتا تھا کہ ان کی پڑھائی میں روک نہ پڑے اگر ایسے اچھے نمبروں والا طالب علم کالج میں آ جاتا تھا تو کالج اس کا متکفل ہو جاتا تھا۔ کالج میں صرف نمبر پوچھے جاتے تھے عقیدہ نہیں پوچھا جاتا تھا۔ پھر ہم جیسے نکمے اور غریب طلبا بھی آ جاتے تھے جو لاہور یا کسی دوسری جگہ کالج میں داخل ہونے کی مقدرت ہی نہیں رکھتے تھے کالج انہیں بھی سنبھال لیتا تھا وظیفہ دیتا تھا خیال رکھتا تھا ہاں یہ ضرور تھا کہ اگر وظیفہ والے طلبا پڑھائی میں سست گامی دکھاتے تو نقصان اٹھاتے تھے۔ کالج اپنی نوازشات کسی دوسرے ذہین طالب علم کی طرف پھر دیتا تھا اور حق بجانب تھا۔ ایسا ہوتا ضرور تھا مگر الشاذ کالمعدوم کے حکم میں تھا یعنی نہ ہونے کے برابر اور یہ جو ہم آج اکٹھے ہوئے ہیں اس کا مقصد اولیں بھی یہی ہے کہ ایسے طلبا کی امداد کے لئے جو ذہانت سے مالا مال ہیں مگر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے کوئی سبیل کی جائے۔ (صدر صاحب عزیزم ڈاکٹر اعجاز رؤف کی رپورٹ سے معلوم ہوا ہے کہ ایسوسی ایشن نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس مد میں سولہ ہزار ڈالر یعنی تقریباً پندرہ لاکھ روپیہ اکٹھا کر لیا ہے۔ **الحمد للہ اللھم زد فزد۔**

کالج کی دوسری روایت جس کا میں ذکر کرنے جا رہا ہوں یہ تھی کہ اس ادارہ کا ہر استاد استاد تھا

اور ہر طالب علم طالب علم۔آپ کہیں گے یہ کیا بات ہوئی؟ ہر استاد استاد ہوتا ہے طالب علم طالب علم ہوتا ہے مگر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ دوسرے اداروں میں تو آپ کا استاد صرف وہ ہوتا تھا جس کا مضمون آپ نے پڑھا ہے یا جس نے آپ کو کچھ پڑھایا ہے مگر تعلیم الاسلام کالج میں ایسا نہیں تھا ہر وہ استاد جو آپ کی طالب علمی کے زمانے میں استاد تھا وہ استاد تھا اور آپ طالب علم۔ میں مثال دیتا ہوں اور یہ مثال ہمارے شرفاء کے معاشرہ کی مثال ہے۔ 1955 کی بات ہے میں بزم اردو کا سکرٹری تھا۔ ہمارے پرنسپل حضرت مرزا ناصر احمد نے ایک بار خاص طور سے مجھے بلایا اور فرمایا دیکھو میں کچھ دنوں کے لئے کراچی جا رہا ہوں میری غیر حاضری میں میرے گورنمنٹ کالج کے زمانہ کے ایک استاد بزم اردو کی تقریب میں کالج میں آ رہے ہیں ان کا خاص خیال رکھنا۔ میں نے کہا بسر و چشم۔ میں ان کی خدمت میں کوئی کوتاہی نہیں ہونے دوں گا۔ میں نے پرنسپل صاحب کے ایک کلاس فیلو سے پوچھا کیا میاں صاحب کالج میں سائنس پڑھتے تھے؟ کہنے لگے نہیں۔ میں چپ ہو گیا اور سوچنے لگا کہ آپ سائنس تو پڑھتے نہیں تھے یہ کیسی شاگردی ہوئی؟ کسی دوسرے کام کے سلسلہ میں میں پرنسپل کے دفتر میں حاضر تھا۔ پرنسپل کے عزیزوں میں سے ایک طالب علم بھی موجود تھا پرنسپل صاحب اس کو سرزنش فرما رہے تھے ''تمہارا یہ کہنا کہ فلاں استاد تمہارا استاد نہیں کہ تم وہ مضمون نہیں پڑھتے بالکل غلط بات ہے جو بھی کالج کے سٹاف پر ہے وہ تمہارا استاد ہے اور لائق احترام۔تم اس کی حکم عدولی نہیں کر سکتے۔ابھی جاؤ اور اپنے استاد سے معافی مانگ کر آؤ۔'' وہ طالب علم سائنس کا طالب علم تھا اور جس استاد کا ذکر درمیان میں تھا وہ آرٹس کے کسی مضمون کے استاد تھے۔کالج کی اس روایت کا میں اس لئے بھی بیان کر رہا ہوں کہ اب زمانہ بدل گیا ہے ہمارے ہاں کی پرانی روایتیں پرانی سمجھ کر بھلائی جا رہی ہیں کچھ مغربی معاشرہ کا اثر ہے مگر تعلیم الاسلام کالج کے طلبا کو یہ روایت یاد رکھنی چاہیئے۔علی گڑھ مسلم کالج کی روایت بھی ایسی ہی تھی کہ اگر کسی علیگ کو مدتوں بعد کوئی ایسا استاد مل جاتا جو اس کے زمانہ یا کسی زمانے میں علی گڑھ کالج سے وابستہ رہا ہوتا تو وہ لوگ

ان کے سامنے بچھ بچھ جاتے کہ یہ علی گڑھ کا استاد ہے اور ہم علی گڑھ کے طالب علم رہے ہیں۔ ہم تو اب تک کسی ایسے استاد کو جو ہماری طالب علمی کے زمانہ میں استاد تھا استاد ہی کہتے اور سمجھتے ہیں اور اس میں اس استاد کی کوئی عزت افزائی نہیں خود اپنی عزت افزائی ہے۔ استاذی المحترم چوہدری محمد علی صاحب کو استاذی المحترم کہنے سے ان کی عزت نہیں بڑھتی خود ہماری عزت میں اضافہ ہوتا ہے۔ استاذی المکرم مبارک احمد انصاری یہاں تشریف فرما ہیں انہیں استاذی المکرم کہنا ان کے لئے نہیں ہمارے لئے باعث شرف ہے۔

نئے لوگوں کے لئے ایک بات کہہ دوں جب میں اورئینٹل کالج میں پڑھتا تھا تو برصغیر کے نامور عربی عالم علامہ عبد العزیز میمنی لاہور تشریف لائے۔ ہمارے پرنسپل ڈاکٹر سید عبد اللہ نے طلبا سے ان کا تعارف کرواتے ہوئے کہا بچو آج علامہ عبد العزیز میمنی سے مل لو کل اس بات پر فخر کیا کرو گے کہ ہم علامہ عبد العزیز میمنی سے ملے ہیں اور ان کے ارشادات سنے ہیں۔ اب اسی قبیل کی ایک بات کہ استاذی المحترم چوہدری محمد علی صاحب جب پہلی بار سجاد ملک کے بلانے پر کینیڈا تشریف لائے تو وینکوور سے کالج کے ساتھ گہرا تعلق رکھنے والا پاکستان پولیس باسکٹ بال ٹیم کا ایک عیسائی کھلاڑی والیس (جسے عرف عام میں والی کہا جاتا تھا) اپنے بیٹے کو لے کر خاص طور پر ٹورنٹو آیا اور اپنے بیٹے کو چوہدری صاحب سے ملوایا۔ کہنے لگا بیٹے ان سے مل لو اور ان کی باتیں سن لو عمر بھر فخر کرتے رہو گے کہ میں نے چوہدری محمد علی صاحب کو دیکھا ہؤا ہے۔ دور جانے کی ضرورت نہیں یہاں کہیں ٹورنٹو میں ہی باسکٹ بال کا نامور کھلاڑی خالد تاج رہتا ہے جو جماعت احمدیہ سے وابستہ نہیں۔ چوہدری صاحب کے یہاں آنے پر جس بے قراری اور محبت سے وہ ان کے گرد گھومتا رہا کیا کوئی چاہنے والا اپنے محبوب کے گرد گھومے گا۔ اے کاش اسے اس مجلس میں بلایا گیا ہوتا تو وہ سر کے بل آتا (میں دیکھ رہا ہوں کہ عزیزی ڈاکٹر خالد تاج یہاں اس محفل میں موجود ہیں اللہ انہیں خوش رکھے)۔

میں نے کہا نا کالج میں کبھی ہڑتال نہیں ہوئی اور میں اس زمانہ کی بات کر رہا ہوں جب کالج کالج تھا۔ایک بار صبح صبح اطلاع ملی کہ چنیوٹ کالج میں کسی مسئلہ پر ہڑتال ہوگئی ہے اور چنیوٹ کے طلبا ربوہ کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں کہ یہاں کا کالج بھی بند کروا کر دم لیں گے۔ہمیں یاد ہے اس روز استاذی المحترم میاں عطاء الرحمٰن پرنسپل کے طور پر کام کر رہے تھے۔ پرانے طلباء جانتے ہیں کہ ہمارا پہلا پیریڈ ہوتا تھا اور ہال میں ہوتا تھا اس انبوہ کثیر کی وجہ یہ تھی کہ اردو لازمی مضمون تھا اور ہر طالب علم کو با دل ناخواستہ پڑھنا پڑتا تھا۔(جملہ معترضہ ہے ہمارے امیر صاحب اس وقت کالج کے طالب علم تھے اور اس بات پر ہر وقت اللہ کا شکر ادا کیا کرتے ہیں کہ اس وقت اردو لازمی مضمون نہیں تھا ورنہ ہماری شاگردی کی تہمت ان پر بھی لگ جاتی۔ ویسے تو ہم بھی اس حسن اتفاق پر اللہ کا شکر ادا کیا کرتے ہیں مگر اس کی وجہ کوئی اور ہے) ابھی فرسٹ ائیر کا پہلا پیریڈ ختم ہونے میں چند منٹ تھے کہ قبلہ میاں عطاء الرحمٰن صاحب نے ہمیں متوجہ کر کے باہر بلایا اور فرمایا کہ اپنا پیریڈ جاری رکھیں دوسری کلاس بھی ساتھ ہی شامل کر لیں۔اتنے میں سیکنڈ ائیر کے طلباء کا جم غفیر بھی آ گیا اور ہال میں سما گیا ہماری کلاس جاری رہی۔ ہم نے نصاب کی کتاب تہ کر کے رکھ دی اور جدید تر شاعروں کے خوب صورت شعر سنانا شروع کر دیئے اور ہال واہ واہ سبحان اللہ کے نعروں سے گونجتا رہا۔کوئی ڈیڑھ دو گھنٹے کے بعد قبلہ میاں صاحب نے پیغام بھیجوایا کہ اب کلاس چھوڑ دیں۔ہم نے ساڑھے سات سولڑکوں کو ڈیڑھ گھنٹے تک کلاس میں پابند رکھا کوئی ہلہ گلہ ہؤا نہ کسی کو احساس ہوا کہ کوئی غیر معمولی واقعہ ہوگیا ہے۔ چوتھے پیریڈ کے بعد کالج کا کام معمول کے مطابق چلنے لگا۔تب معلوم ہوا کہ اے سی نے چنیوٹ کالج کی ہڑتال کی خبر سن کر کالج والوں کو متنبہ کیا تھا اور کہا تھا کہ اگر ضرورت ہو تو وہ پولیس کا انتظام کرنے کو تیار ہیں مگر کالج انتظامیہ نے کہا کوئی ضرورت نہیں ہمیں اپنے طلبا پر اعتماد ہے۔ہم خود طلباء کو سنبھال لیں گے اور سنبھال لیا۔ یہ بات کہنے کی مجھے ضرورت نہیں کہ اس وقت چنیوٹ کے

بیسیوں طالب علم کالج میں پڑھتے تھے اور کلاسوں میں موجود تھے۔ اور پولیس کالج کے احاطہ میں قدم رکھنے کی جرات نہیں کرتی تھی۔ ہمارے کالج کا ماحول ہی ایسا تھا کہ طلبا کو بھول کر بھی کسی ہڑتال وڑتال کا خیال نہیں آتا تھا۔

یہاں ایک اور واقعہ سنا دوں۔ چنیوٹ کے اے سی میرے عزیز دوست جاوید محمود صاحب تھے جو بعد کو چیف سکرٹری ہو کر ریٹائر ہوئے۔ میں کسی کام سے انہیں ملنے کو گیا۔ اس وقت ان کی عدالت میں کم وبیش دس ایسے وکلا موجود تھے جو تعلیم الاسلام کالج میں میرے شاگرد رہ چکے تھے۔ میں عدالت میں داخل ہؤا تو ایک کھلبلی سی پڑ گئی۔ وکلا تعظیماً ایک طرف ہو گئے اور نہایت احترام سے مجھے آگے آ جانے کا کہنے لگے۔ جاوید محمود چونک کر کھڑے ہو گئے عدالت برخواست کر دی اور مجھے اپنے پرائیویٹ کمرہ میں بلا لیا کہنے لگے چنیوٹ کے وکلاء آپ کے نیاز مند لگتے ہیں۔ میں نے کہا یہ سب میرے شاگرد ہیں اور ربوہ کے پڑھے ہوئے ہیں۔ چنیوٹ کا ہر پڑھا لکھا آدمی ربوہ کا پڑھاہؤا ہے۔ اور ہر ان پڑھ مولویوں کا پڑھایاہؤا ہے۔

پھر آپ سب جانتے ہیں کہ کالج روئنگ میں اور باسکٹ بال میں ملک بھر میں جانا پہچانا تھا۔ روئنگ کے انچارج چوہدری محمد علی صاحب ہوتے تھے پھر برادرم چوہدری حمید احمد ہو گئے۔ ہمارے پروفیسر محمد اسلم صابر بھی روئنگ کے انچارج رہے۔ روئنگ میں بڑے بڑے تنومند کھلاڑی ہوتے تھے صحت مند توانا اور قوی الجثہ۔ یہاں ناصر احمد ظفر کہیں موجود ہوں گے ہاں دیکھئے وہ بیٹھے ہیں۔ روئنگ کے کھلاڑی پرنسپل صاحب کے بڑے قریبی ''رشتہ دار'' کہلاتے تھے وہ انہیں خوب حلوے اور دودھ اور سویا بین کھلا کھلا کر پالتے تھے بعض کھلاڑی تو ڈنڈے بھی کھا کر بے مزا نہیں ہوتے تھے یہ روئنگ والے کسی اور کو خاطر میں نہیں لاتے تھے آخر کئی سالوں کے چیمپئن جو تھے۔ پروفیسر محمد اسلم صابر صاحب کو معمولی آدمی نہ سمجھئے۔ یہ تاریخی آدمی ہیں۔ تاریخ احمدیت میں ان کا ذکر ہے۔ 1954 میں جب تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی عمارت کا افتتاح ہؤا تو حضرت خلیفۃ المسیح

الثانیؓ افتتاح کے لئے تشریف لائے۔اس وقت افتتاحی اجلاس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی موجودگی میں فرسٹ ائیر کے ایک طالب علم نے حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی ایک دعائیہ نظم ترنم سے پڑھی وہ طالب علم محمد اسلم صابر تھے۔

پھر باسکٹ بال کا کھیل اپنے ڈاکٹر نصیر احمد خاں نے شروع کیا اور انتہا تک پہنچایا۔کالج کے کھلاڑی پنجاب کی ٹیم بنکوں کی ٹیموں آرمی کی ٹیموں میں نمایاں گنے جانے لگے ربوہ باسکٹ بال کا مرکز بن گیا۔نصیر خاں صاحب کے بعد چوہدری محمد علی صاحب باسکٹ بال کے نگران بنے ان کے پرنسپل بن جانے کے بعد نوبت بایں جا رسید کہ ہم جیسے باسکٹ بال کے ''آؤٹ سٹینڈنگ کھلاڑی'' بھی باسکٹ بال کھلانے لگے۔اس تلمیح کا بیان یوں ہے کہ دسویں قومی باسکٹ بال چیمپئن شپ کا میزبان سرگودھا ڈویژن کی جانب سے ناصر باسکٹ کلب اور کالج تھا۔ہمارے ڈویژن کے کمشنر سید قاسم رضوی مرحوم بہ حیثیت کمشنر اس ٹورنامنٹ کے نگران تھے اور میں کالج کے ناصر باسکٹ بال کلب کا نگران ہونے کی وجہ سے منتظم۔انتظامات کا معائنہ کرنے آئے تو بر سبیل تذکرہ مجھ سے پوچھنے لگے ڈاکٹر صاحب کیا آپ بھی باسکٹ بال کے کھلاڑی رہے ہیں؟ میں نے کہا''جی سر! آؤٹ سٹینڈنگ کھلاڑی! وہ جو باہر کھڑے ہوتے ہیں۔'' یہ تو کالج کے نام کی برکت تھی کہ ربوہ کا نام باسکٹ بال کے قومی حلقوں میں نمایاں رہا۔کالج کی ایک روایت کھیل اور کھلاڑیوں کی حوصلہ افزائی بھی تھی۔کالج کی ہاکی،فٹ بال کی ٹیمیں بھی نمایاں تھیں اور ان ٹیموں کے کئی گھٹنوں سے معذور طالب یہاں بیٹھے ہوں گے۔زکریا ورک صاحب تو فٹ بال کی ٹیم کی تاریخی تصویریں بھی سنبھالے بیٹھے ہیں اور دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور دوسروں کو عبرت دلاتے رہتے ہیں۔اور ابھی چند ہفتے پہلے ہماری ہاکی ٹیم کا نمایاں ترین کھلاڑی ماجد شاہد یہاں آیا ہے اور بچارا ہاکی سٹک کی بجائے واکنگ سٹک پکڑے پھرتا ہے۔اور ہمارے کرنل راجہ اسلم کا ذکر تو رہا ہی جاتا ہے۔آپ ماشاءاللہ پول والٹ کے کھلاڑی تھے اور کالج کے بلکہ یونیورسٹی کے چیمپین۔

فوج میں توپ خانہ میں رہے وہاں ان کا پول والٹ کا تجربہ بہت کام آیا ہوگا کہ توپ نہ چلی تو گولہ کو پولٹ والٹ والے پول سے باندھ کر سرحد کے پار اچھال دیا۔ یہ سابق صدر پرویز مشرف تو اسکول میں ان کے شاگرد رہے یہاں آئے تو راجہ صاحب سے بہت احترام سے سر کہہ کر ملے اور توپ خانے کی ٹریننگ کا ذکر کرتے رہے۔

روایتوں کا ذکر ہو رہا ہے ہماری ایک روایت یہ تھی کہ کالج میں تعلیمی سرگرمیوں کے علاوہ زائد از نصاب سرگرمیاں سارا سال جاری رہتیں۔ کبھی مباحثے ہو رہے ہیں کبھی مشاعرے کبھی کوئی عالم تقریر کو آ رہا ہے کبھی کوئی۔ کہیں مجلس ارشاد کے اجلاس ہیں کہیں یونین کے جلسے۔ غرض کوئی ہی ایسی شام تھی جو فارغ گذرتی ہو کوئی نہ کوئی ادبی یا علمی ہنگامہ برپا رہتا۔ ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ طلبا کی دلچسپی کا اور کوئی سامان شہر میں میسر نہیں تھا اور دوسری اور بڑی وجہ یہ تھی کہ طلباء کو زائد از نصاب سرگرمیوں میں مصروف رکھنا اساتذہ کے فرائض میں شامل تھا۔ دوسرے شہروں میں لوگ شاگردوں کو ٹیوشنوں میں مصروف رکھتے تھے ہمارے ہاں اس کا رواج نہیں تھا۔ غریب اور کمزور طلباء کو اساتذہ تیاری کروا دیتے تھے بعض ''امراء'' ٹیوشن بھی پڑھتے تھے مگر ان کی نسبت کالج کے طلبا کی تعداد کی نسبت سے بہت کم تھی۔ انگریزی اور سائنس کے مضامین میں البتہ بعض طلبا ٹیوشن ضرور رکھتے تھے مگر وہ عالم نہیں تھا کہ اساتذہ کالج میں تو پڑھاتے نہ ہوں اور گھروں پر ٹیوشن کی فیکٹریاں چلا رکھی ہوں۔ ہم ٹیوشن کے خلاف نہیں کیونکہ اس ٹیوشن ہی کی بہ دولت ہم ایم اے کرنے کے قابل ہوئے مگر کالج کے سٹاف پر آ جانے کے بعد ہم نے کبھی کوئی ٹیوشن نہیں پڑھائی۔ جس کو پڑھایا اور کیئیوں کو پڑھایا بغیر کسی معاوضہ کے پڑھایا۔ ہمارے اساتذہ از بسکہ انجمن سے گذارہ الاؤنس پانے والے لوگ تھے اشد ضرورت کے وقت ٹیوشن پڑھاتے بھی ہوں گے مگر اس ٹیوشن پر انحصار ان کا وطیرہ نہیں تھا۔ وہ علم پھیلاتے تھے بیچتے نہیں تھے۔ ہمارے کالج کے اساتذہ کے پاس وقت نہیں تھا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اکثر اساتذہ

کالج کے علاوہ جماعتی تنظیموں میں کام کرتے تھے۔انصاراورخدام کی مرکزی تنظیموں کا رضا کارانہ کام ہمارے اساتذہ نے سنبھالا ہوا تھا۔ استاذی المحترم محبوب عالم خالدتو انصاراللہ کے معتمدعمومی تھے جو انصاراللہ کا سب سے بڑا تنظیمی عہدہ ہے۔ پروفیسر حبیب اللہ خاں مدتوں انصاراللہ کے قائد مال رہے اپنے چوہدری حمیداللہ صاحب تو سارا سال جلسہ سالانہ کا کام کرتے تھے۔ رشید غنی مرحوم بھی خدام الاحمدیہ اور انصاراللہ میں خوب کام کرتے تھے پھر وہ وقت بھی آیا اور جو بات میں کہنے جارہا ہوں وہ تحدیثِ نعمت کے طور پر کہہ رہا ہوں کہ حضرت پرنسپل صاحب صدرانجمن احمدیہ کے صدر مقرر ہوئے تو خالد صاحب ان کے ہمراہ صدر کے معتمد کے طور پر انجمن میں چلے گئے اور کالج میں اردو کی کلاسیں ایک طالب علم کے سپرد کر گئے وہ طالب علم میں تھا۔ میں سال چہارم کا طالب علم تھا اور اپنی کلاس کے علاوہ تھرڈ ائیر سیکنڈ ائیر کے طلباء کو بھی اردو پڑھاتا تھا۔اس زمانہ کے ایک طالب علم ایک تو ہمارے ماسٹر حبیب صاحب ہیں جو اکثر جمعہ پر ملتے ہیں تو فرماتے ہیں میں اسی برس کا ہو گیا ہوں میں انہیں کہتا ہوں آپ سو برس کے بھی ہو جائیں تو رہیں گے تو میرے شاگرد نا۔فرماتے ہیں ہاں یہ بات تو درست ہے۔(اس بدنصیبی سے تو چھٹکارا نہیں) اسی طرح ایک بار عزیزی نسیم مہدی وینکوور یا کیلگری گیا تو وہاں انہیں ایک نہایت عمر رسیدہ آدمی ملنے آیا۔ کہنے لگا میں پروازی صاحب کا شاگرد ہوں اور میں نے ان سے اس زمانہ میں پڑھا ہے جب وہ خود طالب علم ہوتے تھے۔اس کا نام غلام رسول آشنا ہے۔

کالج میں اساتذہ اور طلبا کے مابین ایک محبت کا رشتہ قائم تھا اس محبت اور بے تکلفی کے اظہار کے لئے ہاسٹل کے سالانہ فنکشن میں ایک رات طلبا کو کھلی چھٹی دی جاتی تھی کہ وہ تہذیب کے دائرہ میں رہتے ہوئے اپنے اساتذہ کے باب میں اپنے اصلی جذبات کا اظہار کر لیں ۔ چنانچہ مختلف اساتذہ طلباء کی تنقید کا نشانہ بنتے۔قبلہ چوہدری محمد علی صاحب تنہا رہنے کی وجہ سے قبلہ صوفی صاحب جرمانوں کی وجہ سے حمید اللہ صاحب اپنی کم آمیزی کی وجہ سے نصیر خاں صاحب کالج

یونین کا انچارج ہونے کے ناتے اور ڈاکٹر سید سلطان محمود شاہد صاحب اپنی سائنس کی درسی کتابوں کی وجہ سے سعید اللہ خاں صاحب اپنی مرغیوں اور انڈوں کی وجہ سے اور حضرت پرنسپل صاحب اپنی کھڑکھڑاتی کار کی وجہ سے۔ کھڑ کھڑ کردی بوئے اگوں ننگدی ساڈے سجناں دی کار اے کالے رنگ دی۔ جب اس کار کا قصیدہ زیادہ ہی پڑھا جانے لگا تو قبلہ چوہدری محمد علی صاحب کو گماں گذرا کہ طلبا پرنسپل کی کار سے کچھ زیادہ ہی بے تکلف ہونے لگے ہیں تو انہوں نے حکم دیا کہ اب کے سالانہ فنکشن میں پرنسپل صاحب کی کار کے بارے میں کوئی آئیٹم نہیں ہوگا۔ از بسکہ یہ تمام کارروائی خفیہ رکھی جاتی تھی مگر پرنسپل صاحب کو کہیں سے بھنک پڑ گئی کہ اب کے ان کی چہیتی کار کی خوبصورتی اور حسن و جمال اور خوش خرامی کا تذکرہ ممنوع کر دیا گیا ہے تو آپ نے چوہدری محمد علی صاحب کو پیغام بھیجا کہ اگر سالانہ فنکشن میں ان کی کار کا تذکرہ نہیں ہوگا تو وہ اس فنکشن میں نہیں آئیں گے۔ چنانچہ حسب معمول اس سال بھی پرنسپل صاحب کی چہیتی کار طلبا کی پھبتیوں کا تختہ مشق بنی۔ اس کے بعد تو پرنسپل صاحب خلافت کے مرتبہ پر سرفراز ہو گئے پھر ان کی کار کو کون کچھ کہتا؟ وہ کار سنا ہے قصر خلافت کے گیراج میں کھڑی کھڑی اسی غم میں گھُل گھُل کر گل گئی کہ اب مجھ پر کوئی پھبتی بھی نہیں کہتا۔

تھی وہ اک شخص کے تصور سے
اب وہ رعنائی ء خیال کہاں؟

اگر آپ نے میری معروضات کو از رہِ مجبوری سنا ہے جیسے اردو لازمی ہونے کی وجہ سے سنا کرتے تھے تو مجھے آپ سے ہمدردی ہے اور اگر دلچسپی سے سماعت فرمایا ہے تو میں آپ کے ذوق کی داد دیتا ہوں اور دعا دیتا ہوں کہ اللہ آپ کو خوش رکھے۔ آمین۔

(تعلیم الاسلام کالج اولڈ اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کینیڈا کے سالانہ ڈنر کے موقع پر پڑھا گیا)

(المنار جنوری فروری 2013ء)



تعلیم الاسلام کالج کی ناقابل فراموش یادیں اور کالجوں میں اس کا امتیازی مقام

(عبدالہادی ناصر۔سابق لیکچرار تعلیم الاسلام کالج ربوہ)

تعلیم الاسلام کالج وہ درس گاہ تھی جس کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیت الدعا میں خصوصی دعائیں کی تھیں آپ چاہتے تھے کہ خود جاکر اس کا افتتاح کریں مگر طبیعت کی خرابی کی وجہ سے خود نہ جاسکے۔آپ نے افتتاح کے موقع کے لئے ایک پیغام لکھ کر حضرت مولوی عبد الکریم صاحب کے ہاتھ بھجوایا جس کو انہوں نے پڑھ کر سنایا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ جب یہ پیغام پڑھا جارہا ہوگا اُس وقت میں بیت الدعا میں دعا کر رہا ہوں گا۔

پھر کالج حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زیر سرپرستی پروان چڑھا اور جلد یہ کالج دوسرے کالجوں کی نسبت امتیازی مقام حاصل کرتا گیا۔اس کالج کی ترقی کا سبب وہ فرشتہ صفت بے نفس ایثار پیشہ اساتذہ تھے جنہوں نے اپنی زندگیوں کا نذرانہ پیش کر کے اس گلستان علم کی آبیاری کی کہ چمن میں بہار آگئی۔اور ایسے ایسے خوش نما پھول کھلے کہ اُن کی خوشبو دور تک پھیل گئی۔اُن اساتذہ نے نہ صرف علم سے شاگردوں کے دامن بھرے بلکہ حُسن کردار کی ایسی چھاپ لگائی کہ جس جس نے اُن کو دیکھا تعریف کئے بغیر نہ رہ سکا۔اُن کے شاگرد احمدی بھی تھے اور غیر احمدی بھی تھے۔ہر ایک کے دل میں اُن کی محبت موجزن تھی۔جس بہار کا ذکر کر رہا ہوں انہیں کے دم بدم سے آئی تھی۔اُن میں سے بہتوں کو ہم سے رخصت ہوئے ایک زمانہ بیت گیا۔مگر اُن کا ذکر اب تک اپنے ساتھ موجودگی کا احساس دلاتا ہے گویا کہ چشم تصور میں اُن کی روحیں ہمیں یہ کہہ رہی ہوں:

ہمارا خون بھی شامل ہے تزئین گلستاں میں
ہمیں بھی یاد کر لینا چمن میں جب بہار آئے

تعلیم الاسلام کالج کے ابتدائی بے نفس اور اپنے اپنے مضمون کے متبحر عالم مندرجہ ذیل اساتذہ تھے۔

(1) حضرت مرزا ناصر احمد، خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ۔ پرنسپل (اپنی خلافت سے قبل)۔ (2) اخوند عبد القادر صاحب انگریزی۔ (3) صوفی بشارت الرحمٰن صاحب عربی۔ (4) عباس بن عبد القادر صاحب تاریخ (5) چوہدری محمد علی صاحب۔ فلسفہ (6) عبد الاحمد صاحب کیمسٹری (7) عطاء الرحمٰن صاحب فزکس (8) حبیب اللہ خان صاحب کیمسٹری (9) ڈاکٹر سید سلطان محمود شاہد صاحب کیمسٹری (10) ڈاکٹر نصیر احمد صاحب فزکس (11) ابراہیم ناصر خان ریاضی (12) چوہدری حمید اللہ صاحب ریاضی۔

میں نے ابتدائی اساتذہ کا ذکر کیا ہے بعد میں آنے والے اساتذہ کا نام طوالت کی وجہ سے نہیں دیا۔ ان سے معذرت خواہ ہوں۔ کالج کے ہوسٹل کا نام فضل عمر ہوسٹل تھا۔ ابتدائی سپرنٹنڈنٹ چودھری محمد علی صاحب اور ٹیوٹر صوفی بشارت الرحمٰن صاحب تھے۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا کہ تعلیم الاسلام کالج کے پروفیسر اپنے اپنے مضمون میں ید طولی رکھتے تھے۔ اگر ان سب کی خوبیوں کا تذکرہ کرنے لگوں تو بہت سے صفحات اسی میں صرف ہو جائیں گے۔ اور باقی اس کالج کی اور خوبیاں بیان کرنی رہ جائیں گی۔ صرف عطاء الرحمٰن صاحب کے ذکر کرنے پر اکتفا کروں گا۔

خدا تعالیٰ کے فضل سے تعلیم الاسلام کالج کا سائنس کا وہ ڈیپارٹمنٹ تھا جس میں ملک کے چوٹی کے اساتذہ پڑھایا کرتے تھے۔ مجھ سے کسی نے بیان کیا کہ گورنمنٹ کالج لاہور کے فزکس ڈیپارٹمنٹ کے کسی طالب علم نے پوچھا کہ پاکستان میں فزکس کا چوٹی کا پروفیسر کون ہے تو اُس نے جواب دیا کہ ڈاکٹر عبد السلام کے بعد پڑھانے کے لحاظ سے عطا الرحمٰن صاحب ہیں جو ربوہ میں تعلیم الاسلام کالج میں پڑھا رہے ہیں اگر وہ نہ ہوتے تو پھر میں ہوتا۔ عطاء الرحمٰن صاحب کے پڑھانے

کے طریق کے علاوہ اُن کی زندگی کا عملی نمونہ تھا جس سے طلباء متاثر ہوتے تھے۔تقویٰ کی باریک راہوں پر چلنے والے بزرگ تھے۔ایک دفعہ اُن کے بیٹے لطف المنان صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے اپنے طالب علمی کے زمانے میں ایک دن والد صاحب کی میز پر رکھی ہوئی پنسل لکھنے کے لئے اٹھائی۔ وہ اس سے کالج کے پیپر مارک کر رہے تھے جب انہوں نے مجھے پنسل اٹھاتے دیکھا تو مجھ سے وہ پنسل لے لی اور کہا کہ بیٹا یہ کالج کی پنسل ہے جو مجھے ان پیپروں کے ساتھ دی گئی ہے۔اس میں تمہارا کوئی حق نہیں بنتا کہ تم استعمال کرو۔ یہ کالج کی امانت ہے۔ مجھ سے پیسے لے کر اور خرید لاؤ۔

قارئین کرام دیکھنے میں یہ نہایت معمولی سا واقعہ معلوم ہوتا ہے مگر بچوں کی ابتدا سے تربیت کے لئے ایسا سبق آموز ہے جسے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ پھر اس واقعہ سے اُن کی نیک فطرت اجاگر ہوتی ہے۔ وہ کتنے خوش نصیب طلباء ہوں گے جنہوں نے فزکس ایسے استاد سے پڑھی ہو گی۔ مجھے یقین ہے کہ اُن طلباء نے اُن کو بھلا یا نہیں ہوگا۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد وہ طلباء اپنے گھروں کو لوٹتے تو اُن کے والدین اُن میں نمایاں تبدیلی دیکھتے یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو یہی تلقین کرتے تھے کہ اگر ان بچوں کی اچھی تربیت کرنی ہے تو ان کو تعلیم الاسلام کالج میں داخل کرائیں جہاں اُن کو دنیاوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم دی جاتی ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعلیم الاسلام کالج کی عمارت کے افتتاح کے موقع پر فرمای تھا کہ یہ کالج مذہب وملت کے لئے کھلا ہے۔ بشرط یہ کہ جو بھی اُن کا مذہب وملت ہو وہ اُس کے مطابق خدا کی عبادت کریں۔غیر از جماعت طلباء کے لئے نماز کا الگ انتظام کیا جاتا۔کلاس میں کوئی ایسا اختلافی مسئلہ زیر بحث نہیں لایا جاتا تھا کہ کے لڑکے اس میں الجھیں۔کالج کے ہاسٹل میں تمام مسالک کے طلباء اکھٹے رہتے مگر کبھی بھی مذہبی منافرت کا واقعہ پیش نہیں آیا۔

تعلیم الاسلام کالج کا وہ عہد جو کہ قومیائے جانے سے قبل تھا وہ کالج کا سنہری دور تھا۔ اس وقت کا عام شہری تھا۔ والدین اپنے بچوں کو اس کالج میں داخل کرانے پر دوسرے کالجوں کی نسبت ترجیح دیتے تھے۔ مجھے ایک واقعہ یاد آیا کہ قاضی محمد اسلم صاحب جن دنوں تعلیم الاسلام کالج کے پرنسپل تھے میری ڈیوٹی کالج کے داخلوں میں اُن کے ساتھ اُن کو اسسٹ کرنے کے لئے لگی تھی۔ کالج کا یہ طریق ہوا کرتا تھا کہ کالج کے اساتذہ کی باری باری ڈیوٹیاں لگا کرتی تھیں۔ ایک دن میری ڈیوٹی تھی۔ اس دن سرگودھا کے ایک بڑے زمیندار اپنے بیٹے کو داخل کروانے کے لئے تشریف لائے۔ انہوں نے پرنسپل صاحب سے کہا کہ میرا بیٹا لاہور کے کسی کالج میں داخل ہونے کا خواہشمند تھا۔ میں نے اُسے کہا کہ تمہارے لئے صرف دو صورتیں ہیں اگر تم پڑھنا چاہتے ہو تو تمہیں تعلیم الاسلام کالج میں پڑھنا ہوگا اگر تم اس کالج میں تعلیم حاصل کرنا نہیں چاہتے تو دوسری صورت یہ ہے کہ زمینداری سنبھال لو۔ تیسری کوئی صورت نہیں ہوسکتی۔ اب یہ پڑھنے پر راضی ہے۔ لہذا اسے آپ کے کالج کے سپرد کرنے آیا ہوں۔

ربوہ سے ملحق ایک گاؤں لالیاں ہے۔ اس علاقہ کے رئیس ڈاکٹر وزیر آغا تھے۔ خدا نے دولت کے علاوہ اُن کو علم سے بھی نوازا تھا۔ ''اوراق'' کے ایڈیٹر تھے۔ نیز رسالہ ادبی دنیا کی ادارت کی۔ پاکستان کے مشہور شاعر تھے۔ اُنہوں نے بھی اپنے بیٹے کو تعلیم الاسلام کالج میں داخل کرایا تھا۔ یہ تو چند مثالیں ہیں۔ ہزاروں غیر از جماعت طلباء نے اس درس گاہ سے تعلیم حاصل کی۔ اُن کو اس میں پڑھنے پر بڑا ناز تھا۔

خدا تعالیٰ کے فضل سے کالج کا ماحول بڑا پاکیزہ تھا۔ طلباء کی ذہنی اور تعلیمی ترقی کے لئے سائنس اور آرٹس کے نامور سکالر کو مدعو کیا جاتا تھا۔ اُن کی ادبی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لئے تقریری وتحریری مقابلے ہوتے تھے۔ اکثر شعرا کو دعوت دی جاتی جو طلباء کو اپنے کلام سے نوازتے جس کی وجہ سے وہ طلباء جن کو خدا تعالیٰ نے شعری وجدان عطا کیا ہوتا اُن کو شعر و سخن کی ان مجالس

میں فائدہ ہوتا۔ اکثر کالج کے رسالہ المنار میں شائع کراتے۔ جن کو مضامین لکھنے کا شوق ہوتا وہ اپنے مضامین بھی اس رسالہ میں لکھتے۔ خدا تعالیٰ نے یہاں کے طلباء کو ادبی ذوق سے بھی ہمکنار کیا تھا۔ سالانہ مشاعرہ کے لئے جو بین الکلیاتی مباحثہ کے ساتھ کے ساتھ منعقد ہوا کرتا تھا۔ ملک کے مشہوشعراء مدعو کئے جاتے تھے۔ بقول اُن شعراء کے ہم نے لاہور کے مختلف کالجوں میں مشاعرے پڑھے ہیں اکثر اُن کالجوں کے طلباء نے شاعروں پر سوائے ہوٹنگ کے اور کچھ نہیں سیکھا۔ اچھے شعروں پر داد نہیں دیتے اور ایسے شعروں پر جو کہ داد دینے کے قابل نہیں ہوتے خوب داد دیتے ہیں۔ لیکن جب بھی تعلیم الاسلام کالج میں مشاعرہ پڑھا یہاں کے طلباء نے اچھے شعروں پر ٹوٹ کر داد دی اور معمولی شعر پر خاموش رہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے مشاعروں میں آنے کو دل چاہتا ہے۔ ایک دفعہ تعلیم الاسلام کالج کے سالانہ مشاعرے میں ایک غیر از جماعت شاعر پہلی مرتبہ تشریف لائے۔ انہوں نے بیان کیا کہ میرے ایک شاعر دوست جو اکثر تعلیم الاسلام کالج میں مشاعرہ پر آیا کرتے ہیں انہوں نے مجھے کہا کہ تم بھی اس دفعہ میرے ساتھ چلو۔ تمہیں معلوم ہوگا کہ یہاں کے طلباء کو شعر کا کتنا فہم ہے۔ اچھے شعروں پر بڑی داد دیتے ہیں۔ لہذا اُن کے کہنے پر میں بھی تیار ہو گیا۔ تعلیم الاسلام کالج نے اپنی وین ہمیں لے جانے کے لئے بھیجی جہاں سے انہوں نے شعراء کو اکٹھا کیا اور وین ربوہ جانے کے لئے چل پڑی۔ جب ہم شیخوپورہ پہنچے تو وہاں کا ماحول لاہور کی نسبت بدل گیا۔ یہاں کے لوگ قدرے دیہاتی معلوم ہوتے تھے اُن کو دیکھ کر کچھ مایوسی ہوئی۔ پھر پنڈی بھٹیاں آیا۔ یہاں کا ماحول اور بدل گیا جو بالکل دیہاتی تھی۔ یہ دیکھ کر دل ملول ہوا اور وہاں کی پنجابی بھی عجیب لگی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ نہ معلوم میرا دوست مجھے کس جگہ لے جا رہا ہے۔ جب ہم چنیوٹ پہنچے تو عورتوں نے کالے رنگ کی دھوتیاں اور کالی قمیضیں پہنی ہوئی تھیں۔ اور عجیب لہجے میں پنجابی بول رہی تھیں۔ یہ سوچ رہا تھا کہ میرے دوست نے مجھے تسلی دی کہ اب ربوہ یہاں سے پانچ چھ میل دور ہے۔ میں نے خیال کیا اگر چنیوٹ کا یہ ماحول ہے تو چھ

میل بعد وہاں کا ماحول کیسا ہوگا۔ جب دریا چناب پار کیا تو میرے دوست نے مجھے بتایا کہ یہاں سے ربوہ کی حد شروع ہوتی ہے۔ جب ہم نے دریا کو عبور کیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ یہاں کا ماحول یک لخت بدل گیا۔ یہاں عورتیں دیدہ زیب کالے برقعے پہنے ہوئے جا رہی ہیں۔ لڑکے پینٹیں پہنے ہوئے سائیکلوں پر جا رہے ہیں۔ یوں لگا کہ ایک بادل تھا جو چھٹ گیا اور پھر روشنی نمودار ہوگئی۔ آخر ہم کالج کی عمارت میں داخل ہوگئے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک وسیع ہال میں طلباء سیاہ رنگ کے گاؤن پہنے ہوئے اور سروں پر ٹوپیاں رکھے ہوئے بڑے وقار سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ مجھے بہت بھلے لگے۔ مجھے پہلی دفعہ کسی کالج کا ڈسپلن نظر آیا۔ اُن کی اس یونیفورم نے مجھے بہت متاثر کیا۔

پہلی مرتبہ میں نے یہاں اپنا کلام سنایا اور میرے ہر اچھے شعر پر داد ملی۔ لڑکوں کی طرف سے میری ہر غزل سنانے کے بعد one more,one more کی صدائیں بلند ہوتیں۔ مجھے اتنی محبت ملی کہ میں نے سوچا نہ تھا۔ لاہور سے ربوہ کے سفر کے دوران جو مایوسی ہوئی تھی جاتی رہی۔ پھر مجھے اپنے دوست پر یقین آیا کہ وہ جو کہتا تھا درست کہتا تھا۔

قارئین کالج کے اس ڈسپلن کا سہرا اُس وقت کے پرنسپل صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ کے سر ہے جن کی محنت شاقہ سے اس کالج کو دوسرے کالجوں پر امتیاز حاصل رہا۔ اُن کی دور اندیش نگاہوں نے جماعت کے اُن غریب ماں باپ کی دلی خواہش کو بھانپ لیا تھا کہ ہمارے بچے بھی تعلیم حاصل کریں۔ لہذا انہوں نے ایک ایسی یونیفورم تجویز کی جو کم قیمت میں میسر آجائے۔ اور وہ ایسی ہو کہ جس طرح بھی کپڑے پہنے ہوئے ہوں خواہ پھٹے ہوئے ہی کیوں نہ ہوں انڈر گریجوئٹ گاؤن ان کپڑوں کو ڈھانپ دے۔ اور یہ گاؤن صرف 15 روپے میں ملتا تھا اور ٹوپی 3 روپے میں ملتی تھی لہذا یہ یونیوفورم 18 روپے میں تیار ہو جایا کرتی تھی۔ بعض لوگ اس یونی فورم کو ستار العیوب بھی کہا کرتے تھے جو بھی معزز مہمان لیکچر دینے کے لئے آئے سب نے اس یونیفارم کو سراہا۔

خدا تعالیٰ کے فضل سے تعلیم الاسلام کالج کھیلوں کے میدان میں بھی کسی کالج سے پیچھے نہیں

تھا۔ کالج کی کشتی رانی کی ٹیم کو تو کوئی کالج ہرا نہیں سکتا تھا۔ ہر سال چیمپئن شپ کا اعزاز اسی کے کے حصے رہا۔

باسکٹ بال ٹیم کا بھی کوئی جواب نہ تھا۔ کوئی باسکٹ بال ٹیم کو مات نہ دے سکا۔ یہ کہنا درست ہوگا کہ پاکستان میں باسکٹ بال گیم تعلیم الاسلام کالج کی ہی گود میں پلی بڑھی۔ اور یہاں کے فارغ التحصیل طلبا پاکستان نیشنل باسکٹ بال ٹیم میں بھی کھیلتے رہے۔

پھر علمی میدان میں بھی اردو اور انگریزی کے بہت اچھے Debaters اس کالج میں تیار کئے۔ بین الکلیاتی مباحثوں میں جہاں جہاں جاتے اکثر ٹرافی جیت کر لاتے۔

پھر تعلیم الاسلام کالج کی امتیازی حیثیت اس طور سے سے بھی تھی کہ اس میں ایم اے عربی کا ڈیپارٹمنٹ قائم ہوا اور پنجاب یونیورسٹی کے مقابل تعلیم الاسلام کے طلبا کی پہلی 9 یا 10 پوزیشنز ہوا کرتی تھی۔ تعلیم الاسلام کالج کا نیو کیمپس ایک خطیر رقم خرچ کر کے تعمیر ہوا۔ اس میں ایم ایس سی فزکس ڈپارٹمنٹ قائم ہوا۔ اور اس میں بھی یونیورسٹی میں پہلی تین چار پوزیشنز تعلیم الاسلام کالج کے طلبا کی آیا کرتی تھیں۔ پھر اردو کی ایم اے کلاسز شروع ہونے جا رہی تھیں اور خیال تھا کہ آہستہ آہستہ دوسرے مضامین بھی شروع کر کے اس کو ایک یونیورسٹی کا درجہ حاصل ہو جائے گا۔ مگر شومئ قسمت سے ایسا نہ ہو پایا۔ اس ادارے کو جماعت سے لے لینے کے بعد جو اس کالج کی حالت ہوئی وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔

ملک کے بلند پایہ شعراء جیسے ثاقب زیروی، کلیم عثمانی، عابد علی عابد، صوفی تبسّم، ضمیر جعفری، عبدالمجید سالک وغیر تعلیم الاسلام کالج کے مشاعروں میں شمولیت کو باعث فخر سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ ہمارے کالج کے عظیم شعرا چوہدری محمد علی، ڈاکٹر نصیر خان، ڈاکٹر پرویز پروازی بھی شامل ہوا کرتے تھے۔ اہل ربوہ ان مشاعروں کا بڑی شدت سے انتظار کرتے تھے۔

ایک مشاعرہ کا ناقابل فراموش واقعہ ابھی تک ذہن پہ نقش ہے۔ اُس کا ذکر کرتا ہوں۔ ایک

دفعہ پہلی دفعہ ایک نوجوان شاعر گلزار ہاشمی ہمارے کالج کے مشاعرے میں آئے۔ ہمارے طلبا کو اُن سے تعارف نہیں تھا۔ اُن کا حُلیہ لکھنؤ کے بانکوں جیسا تھا۔ وہ دُبلے پتلے تھے سفید کرتا کھڑا پاجامہ پہنے ہوئے تھے اُن کے سر کے بال لمبے تھے جو آنکھوں پر گرے ہوئے تھے۔ جب وہ ڈائس پر آئے تو اُن کے بال جو آنکھوں پر گرے ہوئے تھے ہٹانے کے لئے سر کی جُنبش سے پیچھے کئے تو لڑکوں نے شور مچا دیا۔ نخرہ نخرہ گلزار ہاشمی دیر تک خاموش کھڑے سنتے رہے۔ جب شور تھما تو پھر گلزار ہاشمی نے پہلا مصرعہ ترنم سے پڑھا۔ اُن کا ترنم مسحور کُن تھا۔

غم کی تصویر ہیں پا بہ زنجیر ہیں ہم سے کچھ مت کہو کچھ وقت ناساز ہے۔

اُن کی آواز ہال میں ایسے گونج رہی تھی کہ ہال میں سناٹا چھا گیا۔ شاعر نے پھر پہلے کو مکرر پڑھا دوسرے مصرے کو سننے کے لئے لوگ بے تاب ہو گئے۔ پھر دوسرا مصرعہ یوں مکمل کیا۔

چھوڑ کر یہ جہاں جائیں بھی تو وقت کے تاجر وقت ناساز ہے

جب شعر مکمل ہوا تو طلبا نے ٹوٹ کر داد دی

اسی غزل کے چند اور اشعار ذیل ہیں:

ہم کو معلوم ہے ایک مدت ہوئے تم کو رہتے ہوئے ظلم سہتے ہوئے
درد کی چھاؤں میں دکھ بھرے گاؤں میں سُکھ کا مت نام لو وقت ناساز ہے
زندگی درد کا دوسرا نام ہے ہچکیاں سسکیاں اس کا انجام ہے
اب ہے شام الم ہر طرف غم ہی غم جو بھی غم ہو سہو وقت ناساز ہے
کل کا سورج عجب روشنی لائے گا جب یہ انسان انسان کہلائے گا
کل جو تھے ہم نشیں آج ہیں نکتہ چیں سوئے صحرا چلو وقت ناساز ہے

جب وہ پہلی غزل مکمل کر چکے تو ایک اور غزل پڑھنے کی فرمائش ہوئی۔ اس کے بعد تیسری غزل کی فرمائش ہوئی ہر بار داد وصول کرتے رہے۔ اسی طرح انہوں نے مشاعرہ لوٹ لیا۔

لڑکوں نے گلزار ہاشمی کی غزلیں نوٹ کیں اور اُن کی غزلیں ربوہ کی گلیوں میں عام لڑکے پڑھتے ہوئے سنے گئے۔افسوس کے گلزار ہاشمی 1969ء میں پی آئی اے کے حادثہ میں قاہرہ میں انتقال کر گئے۔

خدا تعالی کے فضل نے ربوہ کے ماحول نے ماں باپ کی تربیت نے اور اساتذہ کی محبت نے طلباء کے اذہان کو ایسی جلا بخشی کہ اُن کی ذہانت ابھر کر سامنے آ گئی۔مندرجہ ذیل واقعہ میرے اس بیان کی تصدیق کرے گا۔

ایک دفعہ پاکستان ملٹری کے ایک میجر اور ایک کیپٹن تعلیم الاسلام کالج میں تشریف لائے۔اُنہوں نے کہا کہ ہم پاکستان کے مختلف کالجوں کا دورہ کر رہے ہیں اس میں کالجز کے طلبا کا انٹریو کمیشن کے لئے منتخب کیا جاتا ہے اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے کالج سے انتخاب کیا جائے تو بی اے اور بی ایس سی کی طلبا کی کلاسوں میں اعلان کروا دیں۔ وہ ہال میں جمع ہو جائیں تا کہ ہم اُن کا انٹریو لے سکیں۔وہ اُس وقت سٹاف روم میں بیٹھے ہوئے تھے کسی نے آ کر اطلاع دی کہ طلبا ہال میں جمع ہو گئے ہیں۔ میں نے کہا چائے آ رہی ہے چائے پی کر انٹریو لے لیں۔ کہنے لگے ہمارا تجربہ ہے کہ ہم پندرہ یا بیس منٹ میں فارغ ہو جایا کرتے ہیں۔آپ کی چائے آنے تک ہم آ جائیں گے۔تقریباً اڑھائی گھنٹہ بعد فارغ ہو کر سٹاف روم میں واپس آئے تو کہنے لگے ہم آپ کے طلباء کا انٹریو لے کر حیران رہ گئے ہیں۔ ماشاءاللہ بہت ذہین طلبا ہیں۔ کہنے لگے ہم نے لاہور کے چند کالجوں کے طلبا کا انٹریو لیا ہے پھر شیخوپورہ جھنگ سرگودھا کے کالجوں میں گئے تو مجبوراً ایک یا دو کا انتخاب کیا۔لیکن تعلیم الاسلام کالج کے ساٹھ کے قریب طلبا انٹریو کے لئے آئے۔ایک سے بڑھ کر ایک ذہین سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ کس کو رکھیں اور کس کو ریجیکٹ کریں۔ پھر ہم نے 38 طلبا کو منتخب کر لیا ہے۔

کالج کے نیشنلائز ہونے کے بعد جو اُس کی حالت ہو چکی ہے کون کہہ سکتا ہے کہ اس کالج

کا ملک بھر میں نام تھا۔کبھی اس پر بہار آئی تھی۔تعلیمی اعتبار سے اس کا نام تھا کھیلوں کے میدان میں اس کا کوئی مدمقابل نہ تھا۔مگر اب اس کا یہ حال ہے کہ عمارت کی اینٹیں جگہ جگہ گری ہوئی ہیں۔کمروں کی چھتیں گرئی ہوئی ہیں۔مگر اب اس کی ایک ایک اینٹ اُس پر گزرے حسین لمحات زبان حال سے کہہ رہے ہیں:

اے مؤرخ میری اجڑی صورت پہ نہ جا
شہر ویراں ہوں مگر وقت کا سرمایہ ہوں

اب جب کہ کالج کی یادوں کا تذکرہ ہورہا ہےتو یہ ہونہیں سکتا کہ کالج کے سٹاف روم میں بیٹھنے والے ان پروفیسران صاحبان کا تذکرہ نہ کروں جو سٹاف روم کی رونق ہوا کرتے تھے۔ان میں سے اکثر ہم سے جدا ہوگئے۔مگر وہ ہماری یادوں سے جدا نہیں ہوئے۔مضمون کی طوالت کی وجہ سے ان کا فرداًفرداًذکرنہیں کرسکتا۔البتہ موقع ملاتوان کے متعلق علیحدہ علیحدہ یہ تذکرہ کروں گا۔ہرکوئی ان میں سے اپنی ذات میں انجمن تھا البتہ اس میں ایک کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔وہ مسکراتا ہوا شاداب پروقار چہرہ محترم قاضی محمد اسلم پرنسپل تعلیم الاسلام کالج کا تھا جس کوفراموش نہیں کیا جاسکتا۔

جب آپ اپنے دفتر میں کام کرتے تھک جاتے تو سٹاف روم میں تشریف لے آتے اور فرماتے کہ تھوڑی دیر آپ لوگوں میں بیٹھ کر اپنی تھکن دور کرلوں گا۔اکثر پروفیسر صاحبان میں باہمی علمی ادبی گفتگو ہوا کرتی تھی۔ وہ اس کو سن کر بہت محظوظ ہوتے اور اپنی زندگی کے تجربات سے ہمیں فیضیاب کرتے۔علم وحکمت کے وہ پیکر تھے ان کی علمی قابلیت کی دھاک ملک کی یونیورسٹیوں میں بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے خود مشاہدہ کیا کہ بسا اوقات جب بڑے بڑے ماہرین ہمارے کالج میں تشریف لاتے تو وہ قاضی صاحب کا بے حد احترام کرتے۔آپ کو ایک عظیم استاد کی طرح ملتے۔

آپ گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل رہ چکے تھے۔حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کے

خلیفہ بن جانے کے بعد آپ کے ارشاد پر قاضی صاحب اپنے تمام علمی مشاغل چھوڑ کر تعلیم الاسلام کالج ربوہ تشریف لے آئے۔اس کالج کی خدمت کی۔اس کے علاوہ سلسلے کا بہت کام کیا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض کتب کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔

سٹاف روم کے بہت سے نا قابل فراموش واقعات ہیں۔میں صرف ایک پر اکتفا کروں گا۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ سٹاف روم میں بیٹھنے والے علمی آدمی گفتگو کرتے تھے۔ایک دن میں اپنی کلاس پڑھا کر سٹاف روم میں داخل ہوا تو دیکھا کہ پرنسپل صاحب تشریف رکھتے ہیں اور آٹھ دس پروفیسر صاحبان بھی موجود ہیں۔میں آ کر چودھری عطاءاللہ صاحب کے پاس جو فارسی کے پروفیسر تھے بیٹھ گیا۔چوہدری صاحب نے میرے بیٹھے ہی مجھے مخاطب ہو کر فرمایا۔عربی والو ذرا اس شعر کا دوسرا مصرعہ تو بتاؤ۔جب انہوں نے عربی کا مصرعہ پڑھا تو میں نے عرض کی چوہدری صاحب بعض دفعہ کسی بھی زبان کا ایک مصرعہ ضرب المثل بن جاتا ہے اور دوسرا مصرعہ ذہنوں سے محو ہو جاتا ہے۔جب ہماری گفتگو ہوئی تو میں نے دیکھا کہ پرنسپل صاحب اور دوسرے بھی بڑے غور سے سن رہے تھے۔ سر بزم چوہدری صاحب میرے علم کا امتحان لے رہے تھے۔میرے جواب پر چوہدری صاحب نے کہا کہ یہ کوئی بات نہ ہوئی میرے ذہن میں فورا ایک فارسی کا مصرعہ آ گیا۔میں نے فوراً چوہدری صاحب سے پوچھا فارسی کے اس شعر کا مصرعہ بتائیں۔

کسب کمال کن کے عزیزی جہاں شوی

یہ سن کر چوہدری صاحب سوچ میں پڑھ گئے۔اس کے ساتھ ہی میں نے اردو کا مشہور مصرعہ جو ہر کوئی پڑھتا ہے وہ سنایا یعنی

سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

میں نے کہا چوہدری صاحب اس شعر کا پہلا مصرعہ بتا دیں۔اس پر چوہدری صاحب مان میں گئے کہ تم ٹھیک کہتے ہو کہ دوسرا مصرعہ بہت کم لوگوں کے ذہن میں رہتا ہے۔پرنسپل صاحب اپنے

دفتر کو جانے کے لئے اٹھے۔ہم لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوئے جاتے جاتے پرنسپل صاحب نے مسکراتے ہوئے مجھے گلے لگایا اور فرمایا کہ آج تم نے میدان مار لیا ہے۔

تعلیم الاسلام کالج کا دفتری عملہ اور مددگار کارکن بھی بہت مخلص تھے۔ میں کالج کے ایک مددگار کارکن کا ذکر کرنا چاہوں گا جو احمدی نہ تھے۔ وہ اس وقت سے کالج کی خدمت کر رہا تھا جب کہ تعلیم الاسلام کالج لاہور ہوا کرتا تھا۔ پھر کالج کی حفاظت کرتا رہا۔ رات کالج میں ہی سوتا تھا۔ مذہب کی کوئی سدھ بدھ نہ تھی۔ اس کا نام شادی تھا۔ شادی نے ساری عمر شادی نہیں کی۔ سٹاف روم میں ہر کسی پروفیسر کی ٹک شاپ سے چائے وغیرہ لانا اس کا معمول تھا۔ دن کو کالج کے کاموں میں مشغول ہوتا۔ ہر پیریڈ کے لئے وہی گھنٹی بجاتا۔ اسکے مخلص ہونے کا واقعہ بیان کرتا ہوں۔

ایک دفعہ ایک پنجاب یونیورسٹی کا بی اے بی ایس سی کا رزلٹ نکالا تو کالج نے اپنے طلبا کا رزلٹ نوٹس بورڈ پر لگا دیا۔ لڑکے آ کر اپنا رزلٹ دیکھ کر خوش ہوتے۔ ان کی خوشی میں شادی بھی خوش ہو جاتا۔ اس نے ایک طالب علم کو ایک طرف اداس کھڑے ہوئے دیکھا تو شادی نے اُس نے پوچھا کہ تم اداس کیوں کھڑے ہو۔ اُس نے کہا کہ شادی میرے ایک مضمون میں کمپارٹ آ گئی ہے تو شادی نے کہا کہ تمہاری کمپارٹ کیسے آسکتی ہے جب کہ میں وقت پر گھنٹی بجاتا رہا ہوں۔

آج جب کہ کالج کی بکھری ہوئی یادیں اکٹھا کرنے بیٹھا ہوں تو شادی اور اس کے اخلاص کی یاد کو فراموش نہیں کرسکتا۔

فضل عمر ہاسٹل

تعلیم الاسلام کالج کا ہاسٹل کا ماحول خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت پاکیزہ تھا۔ کالج کے ہاسٹل میں نماز کے لئے دو ہال تھے۔ ایک میں احمدی طلبا نماز پڑھتے تھے اور دوسرے ہال میں غیر از جماعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ پھر عشا کی نماز کے بعد ایک ہال میں سب اکٹھے ہو جاتے جہاں قرآن اور حدیث کا درس سب طلبا سنتے کوئی اختلافی مسئلہ زیر بحث نہیں آتا تھا کہ اُن کے

ذہنوں میں کوئی الجھن پیدا ہوا اگر انفرادی طور پر کسی نے کوئی اختلافی مسئلہ پوچھا ہوتو پروفیسر انہیں سمجھا دیتے۔ خاص طور پر غیر از جماعت طلبا کو احمدیت کے بارے میں سنی سنائی باتیں جب ربوہ آ کر دیکھتے تو حیران رہ جاتے کہ جو کچھ ہم نے سنا ہوا تھا ایسا نہیں ہے تو ان کو جستجو ہوتی کہ الگ سوال کر کے پوچھ لیں بہت سعید الفطرت غیر از جماعت طلبا نے احمدیت کا مطالعہ کر کے احمدیت قبول کر لی۔ یہ بات اُن دنوں کی ہے جب کالج جماعت کے زیر انتظام تھا۔ اُس وقت فضا کچھ اور تھی۔ مجھے بہت سے طلبا کا علم ہے جنہوں نے احمدیت کو قبول کیا۔ یہاں صرف دو طلبا کا ذکر کرتا ہوں۔

لال خان صاحب کو میں ربوہ میں اُن کی طالب علمی کے زمانہ میں دیکھا ہوا ہے۔ جب کہ وہ احمدی نہیں تھے۔ اور تعلیم الاسلام کالج کے طالب علم تھے۔ سنا ہے کہ وہ کالج کے ہاسٹل میں غیر از جماعت طلبا کی امامت کراتے تھے۔ جمعہ کی نماز بھی پڑھایا کرتے تھے۔ پھر ایک دن آیا کہ سوال پوچھتے پوچھتے احمدیت کو قبول کر لیا خدا تعالیٰ نے اُنہیں بہت نواز آج کل وہ کینیڈا میں جماعت کے امیر ہیں۔

دوسرے صاحب جن کا ذکر کرنا مقصود ہے وہ سجاد احمد صاحب تھے۔ تعلیم الاسلام کالج سے بی ایس سی کی۔ طالب علمی کے زمانہ میں وہ احمدی نہیں تھے۔ اُن کو بھی مسائل پوچھنے کی عادت تھی۔ اور جب حق کھل گیا تُو انہوں نے احمدیت قبول کر لی بی ایس سی کے بعد گورنمنٹ کالج سے ایم ایس سی کیمسٹری میں اول پوزیشن حاصل کی گولڈ میڈل حاصل کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بہت محبت کرتے تھے۔ یہاں امریکہ میں بھی آئے اب وفات پا چکے ہیں۔

اسی طرح کئی طلبا نے جن کے سعید فطرت تھی احمدیت کو قبول کیا اس کے حصول کے لئے اُن کی ذاتی کوشش تھی۔ میں جب کالج کے ہاسٹل میں پڑھتا رہا ہوں فضل عمر کالج کا ٹیوٹر بھی رہا ہوں۔ جس کی وجہ سے ہاسٹل کے تمام طلبا سے میرا تعلق رہا تھا۔ بعض طلبا کو اپنی ضرورت خود پوری نہیں کر

سکتے تھے ٹیوٹر صاحبان کو بتا دیا کرتے تھے۔جس کو سپرنٹنڈنٹ صاحب کے علم میں لا کر حل کر دیا کرتے تھے۔بعض طلبا سفید پوشی میں رہتے تھے۔دوسروں کو اپنی کم مائگی کا پتا نہ دیتے تھے۔ہماری پوری کوشش ہوا کرتی تھی کہ ایسے طلبا کا پتا لگا کر اُن کی مدد اس طور پر کی جائے کہ اُن کی عزت نفس مجروح نہ ہو۔ایسے بہت سے واقعات ہیں جن کا اس جگہ ذکر نہیں کیا جا سکتا۔صرف ایک نا قابل فراموش واقعہ ذکر کرتا ہوں۔

فضل عمر ہاسٹل میں ٹیوٹر کا کمرہ گیٹ کے ساتھ ہوا کرتا تھا۔دیوار کے کچھ حصہ میں شیشہ ہوا کرتا تھا اکثر لڑکوں کی نقل وحرکت کا پتا چلتا رہتا تھا۔ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ ایک لڑکا شام کے کھانے کے وقت ہاسٹل کے باہر جاتا اور جب کھانے کا وقت ختم ہوجاتا تو پھر واپس ہاسٹل میں آجاتا۔جب دو دن حسب معمول باہر گیا تو مجھے تجسس ہوا کہ شاید اتفاق ہے۔اُسے کوئی کام پڑ سکتا ہے۔جب میں نے چند دن اور نگرانی کی تو میں نے اس کی وجہ جاننے کی کوشش کی۔لہذا میں نے رجسٹر منگوایا جس میں کھانے کی حاضری لگائی جاتی تھی اگر کسی نے کھانا نہ کھایا ہوتا تو پہلے ہی بتا دیا کرتا تھا کہ میرا کھانا فلاں وقت بند ہوگا۔جب میں نے رجسٹر چیک کیا تو دیکھا کہ پورے ہفتہ شام کا کھانا بند تھا۔چنانچہ میں نے اس لڑکے کو دفتر میں بلایا۔اور اُس سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ تم متواتر شام کا کھانا نہیں کھا رہے اور تم کھانے کے وقت ہاسٹل سے باہر چلے جاتے ہو اور پھر کھانے کے بعد واپس آتے ہو۔اس پر اُس لڑکے نے ٹالنے کی کوشش کی اور کہا کہ مجھے بھوک نہیں ہوتی لہذا میں شام کا کھانا بند کرا دیتا ہوں۔میں نے کہا مانا ایک یا دو دن بھوک نہیں لگتی۔لیکن میں نہیں مان سکتا کہ پورا ہفتہ تمہیں بھوک نہیں لگتی۔اور تمہاری تو ایک ہفتہ سے حاضری بند ہے۔جب میں نے بڑی ہمدردی کے ساتھ اُسے کہا کہ دیکھو تمہارے والدین نے ہاسٹل میں داخل کرا کے ہمارے سپرد کیا ہے اگر تم اپنے گھر میں شام کا کھانا دو دن نہ کھاؤ تو تمہارے والدین متفکر نہیں ہوں گے۔میری ہمدردی کے چند بول کچھ ایسے مؤثر ثابت ہوئے کہ اُس کے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے اور وہ رو پڑا اور

کہنے لگا کہ دو ماہ ہوئے میرے والد کا انتقال ہوا ہے۔ وہی ہمارے گھر کے کفیل تھے۔ اُن کی وفات کے بعد والدہ نے لکھا کہ اب ہم تمہیں اتنا خرچ نہیں بھجوا سکتے جتنا پہلے بھجوایا کرتے تھے۔ جو والدہ نے خرچ بھجوایا تھا اُس میں فیس ادا کرنے کے بعد ایک وقت کا کھانا ہی کھا سکتا ہوں۔ میں کسی کو بھی اپنے حالات بتانا نہیں چاہتا تھا لیکن اب چونکہ آپ نے بہت کرید کر پوچھا ہے مجبوراً بتا رہا ہوں۔ یہی سوچا تھا کہ اگر حالات برداشت سے باہر ہو جائیں تو پھر پڑھائی چھوڑ کر گھر چلا جاؤں گا۔

یہ سن کر مجھے بہت تکلیف ہوئی۔ میں نے کہا فکر مت کرو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ دل برداشتہ ہو کر اپنی پڑھائی کو ترک مت کرنا۔ میں نے محترم پرنسپل قاضی اسلم صاحب کو ساری صورت حال سے مطلع کیا۔ آپ نے فرمایا تم نے ٹھیک کیا۔ طالب علم کو تسلی دی ہے۔ اُس کی فیس معاف کرتا ہوں۔ نیز کالج کے کچھ فنڈ ہیں اُس میں سے اُس کا وظیفہ مقرر کرتا ہوں۔ وہ اتنا ہوگا کہ کالج کی کتابیں خریدے اور ہاسٹل میں اُس کے کھانے کا انتظام بآسانی ہو جایا کرے۔ اُسے یہ صورت نقدی دیا جائے گا تاکہ تمام لڑکوں کے ساتھ اپنے Dues جمع کرائے۔ اس طور اُس کے کسی ساتھی کو علم بھی نہیں ہوگا۔ اس طرح اس کی عزت نفس کو بھی ٹھیس نہ پہنچے گی۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے اُس نے فرسٹ ڈویژن میں بی۔ ایس۔ سی کا امتحان پاس کیا۔

اتفاق سے 1982ء کے جلسہ سالانہ ربوہ میں میری اُس کی ملاقات اس طور سے ہوئی کہ جب وہ مجھے ملا تو میں اُسے پہچان نہ سکا۔ سولہ سال کے عرصہ میں اُس میں نمایاں تبدیلی ہوئی تھی۔ کہاں وہ دُبلا پتلا کمزور صحت کا بچہ قمیض میں رہنے والا۔ اب نہایت عمدہ سوٹ پہنے ہوئے اچھی کار سے نمودار ہو کر اچانک مجھے یہ کہتے ہوئے بغلگیر ہو گیا کہ سر آپ کا کیا حال ہے۔ جب میں نے غور سے پہچاننے کی کوشش کی تو میرے متعجب ہونے پر کہنے لگا سر آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔ فلاں ہوں جس کی آپ نے مدد کی تھی۔ واقعی اگر آپ میرے بھوکے رہنے کا سبب نہ پوچھتے تو پڑھائی چھوڑ چکا ہوتا۔ بی ایس سی کرنے کے بعد مجھے وظیفہ ملا تو میں نے انجنئرنگ کالج میں داخلہ لے لیا۔ اُس کے

بعد میں ترقی کرتے ہوئے ایس ڈی او بن گیا ہوں۔ میری ترقی کرنے میں سب سے زیادہ دخل تعلیم الاسلام کالج کا ہے کہ مجھ جیسے غریب کا سہارا بنا۔ جب بھی اپنے گزرے ہوئے وقت کو یاد کرتا ہوں تو دل کی گہرائیوں سے اپنے محسنوں کے لئے دعا نکلتی ہے۔

قارئین! یہ نا قابل فراموش واقعہ میرے ذہن نے فراموش کیا نہ ہی اس طالب علم نے فراموش کیا۔ سولہ سال بعد جب وہ مجھے ملا تو اُس کے دل سے اس ادارے کے لئے کتنی دعائیں نکلتی ہوں گی۔ یہ صرف ایک واقعہ نہیں۔ ہر سال سینکڑوں واقعات اس کالج میں ہوتے آئے ہیں۔ اس اس کالج نے بڑی خوش اسلوبی سے مادر مہربان کی طرح اپنے آغوش میں جگہ دے کر اُنکی زندگیوں کو کندن بنا دیا۔ تعلیم الاسلام کالج امید گاہ تھی اُس وقت کے غریب ماں باپ کے دلوں کی حسرتوں کی جو وہ اپنے بچوں کی تعلیم کے متعلق رکھتے تھے۔ اُن کی حسرتیں رنگ لائیں۔ اور اُن کے بیٹے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اچھے عہدوں پر کام کر رہے ہیں۔ اب وہ امید گاہ ہم سے چھن چکی ہے۔ اور اب ہمارے بچے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے سرگرداں ہیں جو اپنی کم مائیگی کی وجہ سے اعلیٰ تعلیم سے محروم ہیں۔ لہذا ایسے بے سہارا احمدی طالب علموں کو سہارا دینے کے لئے ہمیں ایسا مضبوط فنڈ اکھٹا کرنا چاہیے جس سے ہم اُن کی امیدوں کو مایوس کرنے والے نہ ہوں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم آگے آئیں اور اس کار خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ دوستو!

زندگی کی یہی قیمت ہے ارزاں ہو جائے
نغمہ درد لئے، موج خوشبو کی طرح

(المنار امریکہ جلد نمبر 1 شمارہ 3 جولائی تا دسمبر 2013ء صفحہ 7 تا 13)

جماعت احمدیہ کا تعلیمی نظام

ایک خدائی تحریک

(مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان سے تعلیم الاسلام کالج اور نیو کیمپس تک)

(پروفیسر محمد شریف خان - امریکہ)

تاریخ احمدیت کے ورق ورق پر جماعت احمدیہ پر قدم بہ قدم خدا تعالیٰ کے نازل ہونے والے احسانوں کا ذکر اس تواتر سے ملتا ہے کہ انسان بے اختیار خدا تعالیٰ کی حمد و توصیف کرتا ہوا جھوم اٹھتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ مسیح موعودؑ کی ہر دعا کی قبولیت کے حیران کن واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ دعاؤں کی قبولیت کے مبارک اثرات دنوں، ہفتوں، مہینوں نہیں بلکہ سالہا سال سے چلے آرہے ہیں عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ حضور ایک ضرورت کے لئے دعا کرتے اور وہ ضرورت نہ صرف پوری ہو جاتی ہے بلکہ اس دعا کے نیک اثرات سے حالات سالہا سال بہتر سے بہتر صورت اختیار کرتے چلے جاتے اور یہ آسمانی مائدہ آئندہ نسلوں کو متمتع کرتا ہوا چلا جاتا ہے۔ اور جماعت کی ہر نسل اپنی آنکھوں سے خدا کے فضلوں کو نازل ہوتا ہوا دیکھ کر اپنے ایمان میں پختہ سے پختہ تر ہوتی چلی جاتی ہے۔

اس طرح کا ایک واقعہ جماعت کا 1898ء میں اپنا پرائمری اسکول شروع کرنا ہے جو بظاہر ایک وقتی ضرورت تھی مگر حضور علیہ السلام کی دعاؤں کے طفیل یہ پرائمری اسکول باوجود بہت سی رکاوٹوں کے چند سالوں میں حضور کی زندگی میں ہی کالج کے درجے تک پہنچ گیا۔ آیئے آج ہم خدائی تحریک

کے تحت قائم ہونے والے اس مبارک نظامِ تعلیم کی تاریخ کا مطالعہ کر کے اپنے ایمانوں کو تازہ کریں۔

اٹھارھویں صدی کے آغاز میں انگریزوں کے قدم ہندوستان میں مضبوطی سے گڑ چکے تھے۔ اور ہندوستان میں اسلامی دفاعی قوتیں شل ہو کر بے فائدہ ہو چکی تھیں جس سے بالخصوص مسلمانوں میں سخت مایوسی اور انگریزوں کے خلاف سخت نفرت پیدا ہو چکی تھی۔ جسے مولویوں نے اپنی کوتاہ فہمی سے مزید بھڑکایا اور انگریزوں کی مفید اصطلاحات سے مسلمانوں کو فائدہ اٹھانے سے کلیتاً روک دیا۔ ستم ظریفی یہ مسلمان بچوں کو حکومت کے قائم شدہ اسکولوں میں داخلہ لینے سے منع کر دیا اور انہیں دباؤ ڈال کر اپنے قائم کردہ اسکولوں میں قید کر لیا۔ جبکہ ہندوؤں نے حکومت کی تجویز کردہ تمام اصطلاحات سے فائدہ اٹھایا، اور کچھ ہی عرصہ میں اکثر حکومتی عہدوں پر ہندو ہی ہندو نظر آنے لگے۔ مسلمان بچے مروّجہ علوم سے نابلد مولویوں کے مدرسوں تک محدود ہو کر رہ گئے۔ جہاں ان کے سر اور آنکھوں پر عصبیت کی پٹی کس کر باندھ دی جاتی جس سے ان کی اپنی سوچ اور سمجھ دب کر دم توڑ جاتی۔

نباضِ وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسلمانوں کو علومِ جدیدہ کے حاصل کرنے کی نہ صرف تاکید فرمائی بلکہ ان علماء کی اس فاش غلطی علوم جدیدہ کو حاصل کرنا خلافِ اسلام اور گمراہی کی جڑ ہے، کے خلاف مسلمانوں کو جھنجوڑا اور توجہ دلائی اس خطرناک خیال نے کس طرح مسلمانوں کو ہندوستان میں بسنے والی دوسری اقوام کے مقابل ترقی کی دوڑ میں پیچھے رکھا ہے۔ حضور نے اس وقت بالخصوص احمدیوں کو علومِ جدیدہ حاصل کرنے کی مندرجہ ذیل پرزور الفاظ میں تاکید فرمائی:۔

> ”میں ان مولویوں کو غلطی پر جانتا ہوں جو علومِ جدیدہ کی تعلیم کے مخالف۔ وہ دراصل اپنی غلطی اور کمزوری کو چھپانے کے لیے ایسا کرتے۔ ان کے ذہن میں یہ بات سمائی ہوئی ہے علومِ جدیدہ کی تحقیقات اسلام سے بدظن اور گمراہ کر دیتی ہے اور وہ یہ قرار دیئے بیٹھے ہیں کہ گویا عقل اور سائنس اسلام سے بالکل متضاد چیزیں۔ کیونکہ

خود فلسفہ کی کمزوریوں کو ظاہر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اس لئے اپنی اس کمزوری کو چھپانے کے لیے یہ بات تراشتے علومِ جدیدہ کا پڑھنا ہی جائز نہیں۔ان کی روح فلسفہ سے کانپتی ہے اورنئ تحقیقات کے سامنے سجدہ کرتی ہے۔‘‘

(ملفوظات جلداول صفحہ 43 جدیدایڈیشن)

چنانچہ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے اس ارشاد کے باعث احمدی گھرانے اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کا خاص اہتمام کرنے لگے تھے۔حضور کے زمانے میں قادیان میں دو پرائمری اسکول تھے۔ اندرونِ شہرآریہ پرائمری اسکول اوربیرونِ شہرریتی چھلہ میں گورنمنٹ پرائمری اسکول ۔دونوں میں اساتذہ اورانتظامیہ آریہ سماجی ہندوؤں پر مشتمل تھی جن کارویہ ہمیشہ مسلمان طلباء کےساتھ معاندانہ تھا۔غیرمسلم اساتذہ مسلمان طلباء کی دلآزاری کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے۔نت نئے ذرائع سے مسیح پاک اوردوسرےاکابرانِ اسلام کے بارے میں زبانِ طعن درازکرتے۔اس طرح مسلمان بچوں کےمعصوم خیالات پر اثر انداز ہوکر دلآزاری کاباعث بنتے۔جب ان واقعات کی اطلاع حضورکوہوئی توحضورکوسخت دکھ ہوا۔آپ نےخداتعالیٰ کےحضوردعا کی ،احباب سےمشورہ بھی فرمایا’’کمیٹی انجمن تعلیم الاسلام قادیان‘‘مقررفرمائی جس کےصدر مولوی نورالدین صاحبؓ،محاسب حضرت ناصرنواب صاحبؓ،سکریٹری خواجہ کمال الدین صاحب اورنائب سیکریٹری حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ تھے۔آخرکار’’اسلامی روشنی ملک میں پھیلانے اورطوفانِ ضلالت میں اسلامی ذرّیت کوغیرمذاہب کےوساوس سےبچانے کے لئے 3 جنوری 1898ءکوقادیان میں’’مدرسہ تعلیم الاسلام‘ کی بنیادرکھی گئی۔اورحضرت یعقوب علی صاحب تراب ؓمدیرالحکم اسکول کےہیڈماسٹرمقررکئے گئے۔

اللہ تعالیٰ کی فضل سےاسکول نےسرعت کےساتھ سےترقی کی منازل طے کیں۔ 5 جولائی 1898ء سےمڈل کی جماعتوں کا اضافہ کیا گیا۔ اور پھرفروری 1900ء میں نویں جماعت

کے اجراء سے ''تعلیم الاسلام ہائی اسکول'' کے درجے پر پہنچا اور مارچ 1901ء میں دسویں جماعت کا اضافہ ہوا۔ 1902ء میں پہلی بار چار طلباء انٹرینس (میٹرک) کے امتحان میں شامل ہوئے۔ یہ تعداد 1903ء اور 1904ء میں سات، سات اور 1905ء میں دس تک پہنچ گئی۔

مدرسہ سے متعلق مسائل

احمدی طلباء کی بہبود کے لئے سکول کا اجراء اور کالج کے قائم کرنے کا فیصلہ تو ہو گیا جس کے ساتھ ہی جماعت کے اخراجات میں اضافہ ہونا ناگزیر تھا۔ جماعت اس وقت اپنے ابتدائی دور میں تھی۔ حضرت مسیح موعودؑ بڑی سرعت کے ساتھ خدائی منشاء کے مطابق اسلام کی اشاعت اور ترویج کی طرف متوجہ تھے اور مخالفین کے جواب اور اسلام کی تبلیغ کے لئے تصانیف تحریر فرما رہے تھے۔ پھر کتب کی چھپائی اور اشاعت کے کٹھن مرحلے آپ کی توجہ کے محتاج تھے۔ لنگرخانے کے متعلق مسائل، خرچ مہمانوں کے قیام وطعام کا انتظام اور دلجوئی آپ کی توجہ لئے ہوئے تھی۔ ریویو آف ریلیجنز اردو اور انگریزی کی باقاعدہ چھپائی، مخالفین کے آئے دن دائر سکرٹری جانے والے مقدمات اور ان کی پیروی میں حضور کے بار بار قادیان سے باہر تشریف لے جانے پر معتد بہ اخراجات اُٹھ رہے تھے۔ جماعتی ضروریات پوری کرنے کے لئے ہو رہی تعمیرات اور ملک کے مختلف علاقوں میں تبلیغ پر ایک بھاری رقم ماہ بماہ خرچ ہو رہی تھی۔ اسی طرح اشتہارات اور اخبارات کی اشاعت بھی ایک مستقل خرچہ تھا۔

جماعت کا ابھی ابتدائی دور تھا۔ چندہ وغیرہ کا باقاعدہ نظام قائم نہیں ہوا تھا۔ ہر ضرورت کے وقت جماعت میں چندہ کی اپیل کر دی جاتی تھی جس کے جواب میں مخلصین منی آرڈروں اور دوسرے ذرائع سے لبیک کہتے ہوئے حسب توفیق جو کچھ ہوتا پیش کر دیتے۔ اس طرح خدائی برکت سے یہ تمام ضرورتیں بخوبی پوری ہو رہی تھیں۔ اسکول کے قیام سے اخراجات میں معتد بہ اضافہ ہوا۔ چنانچہ حضور نے 16 اکتوبر 1903ء کو ایک اشتہار بعنوان ''ایک ضروری امر اپنی جماعت

کی توجہ کے لئے" تحریر فرمایا جس میں مدرسہ کے سلسلے میں پیش آمدہ مشکلات کے بارے میں درجِ ذیل الفاظ میں ذکر فرمایا۔

"ان دنوں میں ہمارا یہ مدرسہ بڑی مشکلات میں پڑا ہوا ہے، اور باوجودیکہ محبی عزیزی اخویم نواب محمد علی خان صاحب رئیس مالیر کوٹلہ اپنے پاس سے اسّی روپیہ ماہوار اس مدرسہ کی مدد کرتے مگر پھر بھی استادوں کی تنخواہیں ماہ بماہ ادا نہیں ہوسکتیں۔ صدہا روپیہ قرضہ سر پر رہتا ہے۔ علاوہ اس کے مدرسہ کے متعلق کئی عمارتیں ضروری جو ابھی تیار نہیں ہوسکیں ...... آخر یہ تدبیر میرے خیال میں آئی میں اس وقت اپنی جماعت کے مخلصوں کو بڑے زور کے ساتھ اس بات کی طرف توجہ دلاؤں وہ اگر اس بات پر قادر ہوں پوری توجہ سے اس مدرسہ کے لئے بھی کوئی ماہانہ چندہ مقرر کریں تو چاہئے ہر ایک ان میں سے ایک مستحکم عہد کے ساتھ کچھ نہ کچھ مقرر کرے جس کے لئے وہ ہرگز حلف نہ کرے...... میری دانست میں اگر یہ مدرسہ قادیان کا قائم رہ جائے تو بڑی برکات کا موجب ہوگا اور اس کے ذریعہ سے ایک فوج نئے تعلیم یافتوں کی ہماری طرف آسکتی ہے"۔

(ریویو آف ریلجنز اردو صفحہ 464۔465 نومبر دسمبر 1903ء)

بے نفس اساتذہ

مدرسہ کے اساتذہ بے نفس اور ایثار پیشہ اور مخلص بزرگ تھے۔ حضورؑ کے ارشاد کی تعمیل میں محض خدمت دین کی خاطر قادیان جیسی چھوٹی سی بستی میں آ بسے تھے۔ اپنی مسلمہ قابلیت اور اعلیٰ صلاحیتوں کے باوجود تھوڑی سی تنخواہ (جسے عرفِ عام میں "گزارہ" کہا جاتا تھا) بخوشی بسر اوقات کرتے۔ کئی دفعہ مالی مشکلات کے باعث تنخواہ بسر کے بغیر مہینوں لنگر خانے کے کھانے پر ہی گزر اوقات ہوتی۔ یہ فدائی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدموں میں رہ کر اس قومی تربیت گاہ کی خدمت کرنے کو ایک فخر و سعادت سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضورؑ نے ایک مکتوب میں فرمایا:

"یہ مدرسہ محض دینی اغراض کی وجہ سے ہے اور صبر سے اس میں کام کرنے والے خدا تعالیٰ کی

رحمت کے قریب ہوتے جاتے۔" (ذکرِ حبیب مؤلفہ مفتی محمد صادق صفحہ 137)

خالص دینی ماحول

مدرسہ تعلیم الاسلام بیسویں صدی میں اپنی نوعیت کا وہ واحد مدرسہ تھا، جس کے اساتذہ اور طلباء کو مسیح زماں، حضرت اقدس موعود کی تاثیراتِ قدسیہ کے طفیل ایک بے مثال روحانی اور مذہبی فضا میسر تھی۔ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ نے اخبار الحکم 7 فروری 1903ء میں تحریر فرمایا:

"ہمارے مدرسہ کے لڑکے خدا کے مسیح کو دیکھتے۔ آپ کی تقریروں کو سنتے۔ آپ کے پاک نمونہ کو مشاہدہ کرتے...... ہر روز باقاعدہ عصر کے بعد لڑکوں کو حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کے درس قرآن مجید میں شامل ہونے کو عزت دیتے۔ یہ بھی ایسی نعمت ہے کوئی ملک اور شہر اس میں ہمارا شریک نہیں۔"

مدرسہ تعلیم الاسلام کی دن دوگنی رات چوگنی ترقی

محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور دعاؤں کے طفیل مدرسہ تعلیم الاسلام نے جس سرعت سے درجہ بدرجہ ترقی کی اس کا کچھ اندازہ درجِ ذیل جدول سے لگایا جاسکتا ہے۔

1973_1898

محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضرت مسیحِ موعود علیہ اسلام کی دعاؤں کے طفیل مدرسہ تعلیم الاسلام نے جس سرعت سے درجہ بدرجہ ترقی کی اس کا کچھ اندازہ درجِ ذیل جدّول سے لگا یا جاسکتا ہے:

سال اور تاریخ	ترقی	ہیڈ ماسٹر۔ پرنسپل
1 جنوری 1898	قادیان: مدرسہ تعلیم الاسلام (پرائمری)	شیخ یعقوب علی ترابؓ
5 مئی 1898	تعلیم الاسلام اسکول (مڈل)	مولٰنا شیر علی صاحبؓ

فروری 1900	تعلیم الاسلام ہائی اسکول (نویں کلاس)	مفتی محمد صادق صاحبؓ
مارچ 1901	تعلیم الاسلام ہائی اسکول (دسویں کلاس)	
28 مئی 1903	تعلیم الاسلام انٹر کالج	مولنا شیر علی صاحبؓ
1905	کالج کی بندش بوجہ یونیورسٹی ایکٹ	
14 جون 1944	دوبارہ اجراء، تعلیم الاسلام انٹر کالج	حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ
1945	تعلیم الاسلام ڈگری کالج	
30 جون 1947	تعطیلاتِ موسمِ سرما۔ ملکی بٹوارا	
10 دسمبر 1947	لاہور۔ تعلیم الاسلام انٹر کالج	حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ
6 دسمبر 1954	ربوہ۔ تعلیم الاسلام انٹر کالج	
1961۔1962	تعلیم الاسلام ڈگری کالج	
1963۔1964	تعلیم الاسلام پوسٹ گریجوئیٹ کالج	
1965		قاضی محمد اسلم صاحب ایم اے کینٹب
1973	سرکاری تحویل میں	چوہدری محمد علی صاحب ایم اے
1975 سے موجودہ	محکمہ تعلیم گورنمنٹ پنجاب۔ پاکستان	محکمہ تعلیم کے مقرر کردہ

تعلیم الاسلام نظام تعلیم کی انفرادیت

اللہ تعالیٰ کے فضل سے قائم ہونے والا یہ نظامِ تعلیم ''مدرسہ تعلیم الاسلام'' دن دوگنی رات چوگنی مثالی ترقی کرتے ہوئے اردگرد کے علاقے کے مدرسوں اور سکولوں کو جلد ہی پیچھے چھوڑتے ہوئے اساتذہ کی لگن اور محنت کے باعث دور و نزدیک شہرت پا گیا۔ اس نظامِ تعلیم میں طلباء کو مروجہ

مضامین کےعلاوہ ان کےمذہب سےروشناس کرایا جاتا،انہیں اپنے مذہبی عقائد کےمطابق عبادت کرنے کی ترغیب دی جاتی ۔اساتذہ اورانتظامیہ بلاامتیاز مذہب پوری محنت اورتندہی کےساتھ طلباء کی تعلیم اورتربیت میں حصہ لیتے۔سکول سے متعلق تعمیرات کاانتظام حضرت نواب محمدعلی خان صاحبؓ کےسپرد تھا۔آپ نےسکول کی ضروریات کےمطابق بڑی تندہی سےعمارات کاانتظام فرمایا۔ابتداء مدرسہ مہمان خانے کےدوکمروں میں قائم تھا۔جلدہی طلباء کی تعداد میں اضافہ کے باعث مزید تین اور کمرے تعمیر کیے گئے ۔ پھرجلدہی عمارت میں مزیدتوسیع کردی گئی۔ڈھاب کا کچھ حصہ پُرکرکےاس میں بورڈنگ ہاؤس تعمیرکیاگیا۔

مالی مشکلات وابتدائی معطی

سکول میں طلباء سےکوئی فیس وصول نہیں کی جاتی (الحکم 17 مئی 1903ء)طلباء کی دن بدن بڑھتی ہوئی تعداد کے نتیجے میں مالی مسائل کا پیداہونا بھی ایک قدرتی عمل تھا۔اساتذہ کی تنخواہوں کی ادائیگی کئی کئی ماہ تک نہ ہوسکتی۔گوحضرت نواب محمدعلی خان صاحبؓ 80 روپے ماہانہ باقاعدہ اسکول فنڈ میں اداکرتے،اسی طرح حضرت مولاناحکیم نورالدین صاحب کئی طلباء کووقتاً فوقتاً ماہواری یکمشت مدددیاکرتے۔نواب فتح نوازجنگ مولوی مہدی حسن صاحب بیرسٹرایٹ لاءلکھنؤ پانچ روپے ماہوارادا کرتے۔نواب محمدعلی خان صاحب کی تجویز پرایک کونسل ٹرسٹیاں کم ازکم ساٹھ روپےسالانہ یامدرسہ کی علمی مددکرسکنےوالےاکیس افراد پرمشتمل کونسل بنائی گئی۔نواب صاحب کونسل کےصدرمقرر ہوئے،آپ نےایک ہزارروپےسالانہ دینے کا وعدہ کیا۔

ان کوششوں کےعلاوہ اخراجات پوراکرنے کے لئے جماعت کوباربار یاددہانی کرائی جاتی تھی ۔حضرت مسیحِ موعود16اکتوبر1903ءکوایک اشتہار بعنوان''ایک ضروری امراپنی جماعت کی توجہ کی لئے'' میں اسکول کےاخراجات کےسلسلے میں اپنی فکر کااظہارفرماتےہوئےاخراجات کے لئے جماعت کوماہانہ چندہ مقررکرنے کی تجویز بیان فرمائی:

’’ہرایک ان میں سے ایک مستحکم عہد کے ساتھ کچھ نہ کچھ مقرر کرے جس کے لئے وہ ہرگز حلف نہ کرے مگر کسی مجبوری سے جو قضاوقدر سے واقع ہو۔اور جو ایسانہ کرسکیں ان کے لئے بالضرورت یہ تجویز سوچی گئی ہے وہ جو کچھ لنگر خانہ کے لئے بھیجتے ہیں اس کا چہارم حصہ براہِ راست نواب صاحب موصوف کو بھیج دیں‘‘۔

پھر حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے 4 فروری 1903ء کو اخبار الحکم میں احبابِ جماعت کو اس سلسلے میں ان کی ذمہ داریوں کی یاددہانی کرائی۔اسی طرح حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے ہر شہر کی جماعت کو تین یا پانچ روپے کے ’’وظائف مساکین‘‘ جاری کرنے کی اپیل کی۔ (البدر 7 اگست 1903ء)

باوجود ان تمام مالی مشکلات کے، اللہ تعالیٰ کا فضل قدم قدم شامل حال رہا اور یہ خدائی منصوبہ آگے ہی آگے بڑھتا گیا۔اور مسیح دوران کی دعاؤں اور راہنمائی کے طفیل مدرسہ پرائمری سے بتدریج ترقی کرتا ہوا مڈل اور پھر انٹرنس (میٹرک) کے درجات طے کرتا ہوا اب انٹر کالج کے قالب میں ڈھلنے کے لئے تیار ہورہا تھا۔تعلیم الاسلام ہائی اسکول سے میٹرک پاس کرنے والے طلباء کے لئے اسکول کمیٹی نے کالج کے اجراء کی تجویز دی۔چنانچہ کالج کمیٹی حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ کی ڈائریکٹرشپ میں مقرر کی گئی۔نواب صاحب موصوف تقریباً اپنا سارا وقت کالج کو دیتے اور اس کی کئی ضروریات کے کفیل تھے۔

تعلیم الاسلام انٹر کالج کا افتتاح

حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے 4 فروری 1903ء کو ایک مفصل مضمون تحریر فرمایا جس میں مجوزہ کالج کے درجِ ذیل خدوخال واضح کیے:

’’سردست تو کالج ایف۔اے تک ہوگا، اور اس میں بھی سارادارومدار توکل پر۔ورنہ حق تو یہ تھا آغاز ہی میں پورا کالج بنایا جاتا۔ممکن ہے بعض لوگ اس کارروائی کو جلد بازی پر محمول کریں اور جوش سے کہہ دیں یا رائے دیں ابھی دِقت قلت سرمایہ کے سبب سے اس امر کا مقتضی

نہیں کالج جاری کیا جائے مگراس رائے زنی میں وہ خود جلد باز اورغور نہ کرنے والے ٹھہریں گے۔اس لئے انٹرنس تک محدود ہوکر رہنے میں مدرسہ کی وہ غرض پوری نہیں ہوتی یا آخر کار اس کے نابود ہونے کا اندیشہ ہے جو ہمیں اس کارِ خیر کی محرک ہوئی۔کالج کھولنے سے ایک سال تک کوئی زائد خرچ نہیں پڑے گا۔‘‘

ابتدائی اساتذہ

درجِ ذیل اساتذہ ایک ایک گھنٹہ مختلف مضامین پڑھانے پر مقرر کیے گئے:

حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ پرنسپل ولیکچرار انگلش (کچھ عرصہ حافظ عبدالعلی صاحبؓ بھی انگریزی پڑھاتے رہے)۔حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ مینیجر ولیکچرار منطق وسپرنٹنڈنٹ۔ حضرت حکیم مولوی عبید اللہ صاحبؓ لیکچرر فارسی۔حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ لیکچرار دینیات حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ لیکچرار عربی۔اور مولوی محمد علی صاحب ایم اے لیکچرار ریاضی۔ جبکہ دوسرے مضامین فلاسفی اور تاریخ ،جب دوسرے احباب دستیاب ہوتے ان کے سپرد کر دیئے جاتے تھے۔

کالج کا افتتاح

کالج کی افتتاحی تقریب کا اہتمام 18 مئی 1903ءکو کیا گیا۔حضرت مسیح موعودعلالت طبع کے باعث رونق افروز نہ ہوسکے۔حضورؑ نے وعدہ فرمایا افتتاحی تقریب کے وقت کے دوران حضور بیت الدعا میں کالج کے لئے دعا کریں گے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ کو افتتاحی تقریب کی صدارت کرنے کا ارشاد فرمایا۔حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ ڈائیریکٹر کالج کمیٹی نے اپنے مختصر خطاب میں فرمایا:

خدا کی ذات سے بڑی امید ہے یہ کالج بہت’’ جلد ایک یونیورسٹی ہوگا اور اس احمدی جماعت

کے لئے ایک مفید دارالعلوم ثابت ہوگا۔ یہ کالج خدا کے فضل سے چلے گا اور خدا کے صادق بندے مسیح موعود کی دعاؤں سے نشوونما پائے گا۔''

حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ نے اپنے نہایت ایمان افروز صدارتی خطاب میں طلباء سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا:

''علوم کی تحصیل آسان ہے مگر خدا کے فضل کے نیچے اسے تحصیل کرنا یہ مشکل ہے.....تم بھی اللہ پر کامل یقین کرو اور دعاؤں کے ذریعے، جو کہ دنیا کی مخالفت میں سپر ہیں، فضل چاہو۔ کتاب اللہ کو دستور العمل بناؤ تا تم کو عزت حاصل ہو۔ باتوں سے نہیں بلکہ کاموں سے اپنے آپ کو اس کتاب کے تابع ثابت کرو۔ ہنسی، تمسخر، ٹھٹھا، ایذا، گالی یہ سب اس کتاب کے برخلاف ہے۔ جھوٹ سے، لعنت سے، تکلیف اور ایذا دینے سے ممانعت اور لغو سے بچنا اس کتاب کا ارشاد ہے۔ صوم اور صلوٰۃ اور ذکر شغل الٰہی کی پابندی اس کا اصول ہے''۔ (الحکم 24 جون 1903ء)

کالج کے شاندار نتائج

دوسال بعد یونیورسٹی کے نتائج نے کالج کی شاندار کارکردگی کو ظاہر کیا۔ چنانچہ 1905ء کے یونیورسٹی کے 38 فیصد نتیجہ کے مقابلے میں کالج کا نتیجہ 75 فیصد رہا تھا۔ اس شاندار نتیجہ نے قادیان میں کالج کے قیام کا جواز نہ صرف ثابت کر دیا بلکہ اس بات کو محکم کر دیا دینی تعلیم کسی صورت بھی عام تعلیم کے حصول میں رکاوٹ نہیں بلکہ طلباء کے ذہن کو جلاء بخشتی ہے۔

یونیورسٹی ایکٹ کا نفاذ اور کالج کی بندش

لارڈ کرزن وائسرائے ہند کے ''یونیورسٹی ایکٹ'' 1904ء نے حکومت کو تعلیمی اداروں میں مداخلت کے وسیع اختیارات تفویض کر دیئے تھے۔ اس قانون کی دفعہ 21 کے مطابق یونیورسٹی سے الحاق کے لئے تین کڑی شرائط تھیں:

(1) کالج کی مستحکم مالی حیثیت ۔(2) ٹرینڈ سٹاف کی دستیابی ۔(3) مستقل عمارت ۔

ظاہر ہے یہ تینوں شرائط فی الحال ایک غریب لیکن پرعزم جماعت کے لئے پوری کرنا مشکل تھیں ۔باوجود جوش وجذبے کے کالج مجبوراً بند کرنا پڑا کیونکہ جماعت احمدیہ کے خمیر میں ملکی قوانین کا احترام اور تعاون شامل ہے جیسا بعد میں ظاہر ہوا اسی میں خیر و برکت تھی ۔

کالج کا از سرِ نو قیام

کالج کی بندش میں اللہ تعالیٰ کی کئی حکمتیں پوشیدہ تھیں ۔اول تو ثابت ہو گیا جماعت کا وضع کردہ طریق تعلیم جس میں طلباء کے مذہب ،رنگ ونسل سے بالا رہ کر یکساں تعلیم دی جاتی تھی ، بہترین ہے۔اور جسے اسکول اور کالج کے ابتدائی قابل فخر نتائج نے ثابت کر دیا تھا۔دوسرے خدائی حکمت تھی کالج قانونی ،مالی اور دنیاوی طور پر باوقار اور محکم بنیادوں پر قائم ہو۔کالج کی بندش کے دوران کے وقفے میں اسکول اور بورڈنگ کی مجوزہ عمارات مکمل ہوئیں ۔جماعت کی مالی حالت مستحکم ہوئی ۔کالج انتظامیہ کو اچھے طور پر حالات کو جانچنے کا موقع ملا۔اساتذہ کو اپنی استعدادوں کو مزید بہتر بنانے کا موقع ملا۔

اس دوران حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے مبارک دورِ خلافت کا آغاز ہوا۔آپ نے جماعت کے پہلے مشاورتی اجلاس میں کالج کے قیام کی خواہش کا اظہار فرمایا۔(منصب خلاف صفحہ 37) لیکن پچیس سال سے زائد کا لمبا عرصہ گزر گیا کالج کے دوبارہ اجراء کا موقع نہ پیدا ہوا۔لیکن اس دوران آہستہ آہستہ کالج کے لئے ایک مستحکم بنیاد فراہم کرنے کی تیاری ہوتی رہی ۔سب سے اہم یہ کہ جماعتی ادارے مستحکم ہوئے اور ادارہ جات کی قسم کا رمقرر ہوئی ۔قواعد کی تدوین ہوئی ۔اُس وقت جماعت کی زیادہ تر توجہ اندرون اور بیرونِ ملک اشاعتِ اسلام اور اشاعتِ لٹریچر پر مرکوز رہی ۔اخبارات اور رسائل کا اجراء ہوا۔بین الجماعتی رابطے استوار ہوئے۔اس طرح جماعت حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خداداد قیادت میں درجِ ذیل کے الہام کے مطابق مستحکم بنیادوں پر استوار ہوئی

۔”بخرام وقب تو نزدیک رسید۔ وپائے محمدیاں برمقام بلند تر محکم افتاد“۔(تذکرہ صفحہ 99)

کالج کے دوبارہ اجراء کی تیاریاں

آخر کار اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے وہ ساعت سعد آ گئی ،اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور اقارب صحابہؓ کی دعاؤں کی قبولیت کا وقت آن پہنچا۔تیئسویں مجلس مشاورت میں بحث کے دوران دوبارہ کالج جاری کرنے کی الٰہی تحریک پیدا ہوئی اور چند افراد نے چشم زدن میں ہزاروں روپے جمع کر دیئے۔اور کئی ہزار روپے کے وعدے ہوئے۔الحمدللہ۔

دیکھئے اب کیسے خدا تعالیٰ کے فضلوں کے دروازے ایک ایک کر کے کھلتے چلے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے قانون کے مطابق مستقل عمارات تیار تھیں،مناسب تعلیم سے آراستہ اساتذہ مہیا تھے اور جماعت مالی لحاظ سے مستحکم تھی ۔حضورؓ نے کالج کے منصوبے کو جلد پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ایک کمیٹی حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی صدارت میں مقرر فرمائی جس کے ممبران حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ ایم اے (آکسن) حضرت مولوی محمد دین صاحبؓ بی اے۔مکرم قاضی محمد اسلم صاحب ایم اے (کینٹب)اور حضرت ملک غلام فرید صاحبؓ ایم اے (سیکرٹری) تھے۔

کمیٹی نے فوری طور پر کام کرنا شروع کر دیا۔چنانچہ جنوری 1944ء کو پنجاب یونیورسٹی کی جائزہ کمیٹی قادیان آئی۔تعلیم الاسلام ہائی اسکول کی عالیشان عمارت اور وسیع گراؤنڈ دیکھ کر 45000 روپے کالج کی مد میں بینک میں داخل کرنے کی ہدایت کے ساتھ کالج کے قائم کرنے کی سفارش کر دی۔چنانچہ 2 جون 1944ء کو جماعت کو تعلیمی سال کے شروع سے کالج کے اجراء کی اجازت مل گئی۔جس کا اعلان الفضل 5 جون 1944ء میں کر دیا گیا۔روپے کا حضورؓ نے ابتدائی اخراجات کے لئے 7000 ہزار روپے کا بجٹ منظور فرمایا۔اور کالج کا نام ”تعلیم الاسلام کالج“ تجویز فرمایا اور فیصلہ فرمایا کالج ،تعلیم الاسلام ہائی اسکول کی عمارت میں کھولا جائے اور فی الحال نویں اور دسویں

کلاسوں کے ساتھ ایف اے کی کلاسیں جاری کی جائیں ۔مڈل کے لئے الگ عمارت تعمیر کی جائے۔کالج کے لئے کچھ عملہ اسکول سے اور کچھ باہر سے لیا جائے۔

کالج کا پہلا سٹاف

کالج کمیٹی کی تجویز پر حضورؓ نے صاجب زادہ مرزا ناصر احمد صاحب کا تقرر پرنسپل کے طور پر منظور فرمایا۔اس وقت آپ جامعہ احمدیہ کے پرنسپل کے طور پر خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ کالج میں آپ کے سپرد اقتصادیات کی تدریس بھی تھی۔آپ کے علاوہ درجِ ذیل اساتذہ کا باقاعدہ تقرر عمل میں آیا۔

اخوند محمد عبدالقادر صاحب ایم اے۔بی ٹی لیکچرار انگریزی۔قاضی محمد نذیر صاحب منشی فاضل مولوی فاضل۔ایف اے۔اوٹی لیکچرار فارسی ودینیات۔صوفی بشارت الرحمٰن صاحب ایم اے،لیکچرار عربی۔رانا عبدالرحمٰن صاحب ناصر،لیکچرار ریاضی ۔عباس بن عبدالقادر صاحب لیکچرار تاریخ۔عبدالعزیز چکوالوی صاحب ایم اے لیکچرار فلاسفی (ملازمت کے دوران فوت ہوگئے)۔ چوہدری محمد علی صاحب ایم اے لیکچرار فلاسفی ۔چوہدری عبدالاحد صاحب لیکچرار کیمسٹری ۔ عطاء الرحمٰن غنی لیکچرار فزکس ۔یحیی بن عیسیٰ صاحب ایم ایس سی لیکچرار کیمسٹری ۔میاں عطاء الرحمن صاحب غنی ایم ایس سی لیکچرار فزکس ۔چوہدری محمد صفدر چوہان صاحب لیکچرار حساب ۔محبوب عالم خالد صاحب ایم اے،بی ٹی لیکچرار اردو۔ملک فیض الرحمن فیضی صاحب ایم اے لیکچرار اکنامکس ۔ حبیب اللہ خان صاحب ایم ایس سی لیکچرار کیمسٹری ۔سید سلطان محمود شاہد صاحب ایم ایس سی لیکچرار کیمسٹری۔نصیر احمد خان صاحب ایم ایس سی لیکچرار فزکس۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے بعد میں کئی فاضل اساتذہ تعلیم الاسلام کالج سے فارغ ہوکر زندگی وقف کر کے اپنی مادرِ علمی میں ساری عمر تدریس سے منسلک رہے۔

(فہرست کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ 2006,NO 1AL-NAHAL U.S.A VOL 17)

اب نہ صرف کالج کی عظیم الشان عمارت دستیاب تھی بلکہ خدمت کے جذبے سے سرشار محنتی اساتذہ کی ایک ٹیم تیار تھی ۔اللہ تعالیٰ نے''تعلیم الاسلام تدریسی نظام'' کے تحت نہ صرف طلباء کے ذہنوں کو جلاء بخشی بلکہ اساتذہ کی راہنمائی فرمائی اور کالج کچھ ہی عرصے میں ملک کی بہترین درسگاہوں میں شمار ہونے لگا۔

غیر نصابی سرگرمیوں میں باقاعدہ کھیلوں کا انتظام تھا۔ پروفیسر عبدالقادر صاحب مرحوم کی نگرانی میں کالج یونین متحرک تھی ۔اسی طرح مختلف مضامین کی سوسائٹیوں کے علاوہ مذہب اور سائنس اور ریسرچ سوسائٹیاں کام کر رہی تھیں۔ 1945ء میں بی اے۔بی ایس سی کی کلاسوں کا اجراء ہوا۔ پرنسپل تعلیم الاسلام کالج کو پنجاب یونیورسٹی اکیڈیمک کونسل کا ممبر چنا گیا۔الغرض کالج ہر لحاظ سے دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرتا چلا گیا۔

فضل عمر ہوسٹل کا اجراء

کالج کے نمایاں شاندار نتائج اور اساتذہ کے ہمدردانہ اور متوازن رویئے کے باعث کالج چندسالوں میں ہی علاقے بھر میں مشہور و معروف ہو گیا تھا۔مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم طلباء بھی بکثرت کالج میں داخل ہوئے۔پہلے مہمان خانے کا ایک حصہ ہوسٹل کے طور پر استعمال ہوتا رہا۔پھر فضل عمر ہوسٹل کی عمارت مکمل ہونے تک دارالانوار گیسٹ ہاؤس مکرم چوہدری محمد علی صاحب کی نگرانی میں ہوسٹل کے طور پر استعمال ہوتا رہا۔1944ء میں فضل عمر ہوسٹل کی عمارت مکمل ہوئی ۔ہوسٹل کے طلباء باجماعت نمازوں کی ادائیگی اوردرسوں میں التزام کے ساتھ حاضر ہوتے۔فضل عمر ہوسٹل یونین کے تحت تقریری مقابلہ جات میں حصہ لیتے۔

موسم گرما 1947 کی تعطیلات اور پاکستان کے لئے مہاجرت

موسم گرما کی تعطیلات کے سلسلے میں کالج یکم جولائی 1947ء سے 27 ستمبر تک بند رہنے کا اعلان

ہو چکا تھا۔اس دوران ملک کے بٹوارے کے اعلان کے ساتھ 14/اگست کے دن پاکستان قائم ہوا۔کئی جانکاہ سانحوں کو سمیٹے ہوئے دونوں نوزائیدہ ملکوں کے درمیان آبادی کا تبادلہ ہوا۔قادیان کا ضلع گورداسپور ہندوستان کے حصے میں آیا۔کالج کے پرنسپل اور کچھ اساتذہ اور طلباء کالج کے اموال واملاک کی حفاظت اورآبادی کے انخلاء کی نگرانی کے سلسلے میں قادیان میں کچھ عرصہ ٹھہرے رہے۔

تعلیم الاسلام کالج کے پہلے شہید طالب علم

جہاں خداتعالیٰ نے اپنے فضل واحسان سے تعلیم الاسلام کالج کو بہترین انتظامیہ،اساتذہ اورطلباء سے نوازا وہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی زندگی کو دین پر نچھاور کرنے والے بھی عطافرمائے۔ جواں سال محمد منیر خان شامی ولد ڈاکٹر حبیب اللہ خان صاحب ابوحنیفی جو تعلیم الاسلام کالج کے بی ایس سی کے طالب علم اورواقف زندگی تھے۔ہدایت کے مطابق اپنے محلّہ میں حفاظتی ڈیوٹی پر متعین تھے۔شر پسند حملہ آوروں کا مقابلہ کرتے رہے۔آخرکار حملہ آوروں نے رات کے اندھیرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پیچھے سے حملہ کیا،جانبر نہ ہوسکے اور تعلیم الاسلام کالج کے پہلے شہید کا درجہ پا گئے۔الحمدللہ۔

کالج کا لاہور میں قیام

قیامِ پاکستان کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کالج کے فوری اجراء کے بارے میں فکر مند تھے۔آپ نے مکرم چوہدری محمد علی صاحب کو کالج کا قائم مقام پرنسپل مقرر فرمایا۔اور کالج کمیٹی حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ کی سرکردگی میں مقرر فرمائی جس کے ممبران مکرم ڈاکٹر عبدالواحد صاحب،مکرم فضل الرحمٰن صاحب فیضی اور چوہدری محمد علی صاحب تھے اورانہیں فنڈ اکٹھے کرنے اور جلد سے جلد کالج کے لئے مناسب جگہ کا انتخاب کرنے کا ارشاد فرمایا۔آپ نے حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب،صوفی بشارت الرحمٰن صاحب اورمیاں عطاء الرحمٰن صاحب کو فوری طور پر قادیان سے لاہور پہنچنے کا ارشاد فرمایا۔

کالج کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق جماعت کے کمزور مالی حالات کے پیشِ نظر فنڈز کی اپیل کرنا جماعت کو مزید مشکلات میں ڈالنا تھا۔ چونکہ سرِ دست کوئی مناسب عمارت بھی دستیاب نہیں تھی اس لئے کمیٹی نے کالج نہ کھولنے کی سفارش کی اور مشورہ دیا کہ طلباء کو لاہور کے کسی ایک کالج میں داخلہ لینے کی ہدایت کی جائے جس سے ان کی نگرانی کی جا سکے گی۔

کمیٹی کی اس درخواست پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بڑے جوش سے فرمایا: ''آپ کو پیسوں کی کیوں فکر پڑی ہوئی ہے۔ کالج چلے گا اور کبھی بند نہیں ہوگا''۔ ساتھ ہی مکرم چوہدری محمد علی صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا: ''آسمان کے نیچے پاکستان کی سرزمین میں جہاں کہیں بھی جگہ ملتی ہے، لے لو اور کالج شروع کرو۔'' اس ارشاد کے تحت کالج کمیٹی کے نمائندگان نے لاہور کے علاوہ ایمن آباد، گوجرانوالہ، کوٹ سہرا، راولپنڈی، لائیلپور، سانگلہ ہل، ملتان اور ڈیرہ غازی خان کا دورہ کیا، مختلف عمارات دیکھیں مگر کسی نہ کسی وجہ سے کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ اس دوران جودھامل بلڈنگ لاہور کے پاس سیمنٹ بلڈنگ میں کالج آفس عبدالرحمٰن جنید ہاشمی صاحب کے سر براہی میں قائم کر دیا گیا۔ جہاں ہاشمی صاحب مرحوم اور ان کے دو ساتھیوں نے فرنیچر مہیا نہ ہونے کے باعث فرش پر بیٹھ کر طلباء کا داخلہ کرنا شروع کر دیا۔ ساٹھ طلباء کا داخلہ ہوا جن میں اکثریت قادیان سے آنے والے طلباء کی تھی۔

اس دوران محکمہ بحالیات پنجاب نے ایک خستہ حال عمارت 37 کینال پارک لاہور، کالج کے لئے الاٹ کر دی۔ یہ عمارت اپنے بیرک نما تنگ کمروں اور نیچی چھتوں کے باعث اغلباً ڈیری فارم یا مرغی خانے کے طور پر استعمال ہوتی رہی ہوگی۔ ساٹھ طلباء کے لئے اس بے سروسامانی کے دور میں مناسب فرنیچر مہیا کرنا مشکل تھا۔ طلباء چٹائیوں پر دورویہ بیٹھ کر لیکچر سنتے۔ وہیں نماز پڑھتے، کھانا کھاتے اور سو جاتے۔ گویا کہ بیرک نما عمارت طلباء کے لئے بیک وقت کالج، مسجد اور ہوسٹل تھی۔

آخر کار محکمے نے ڈی اے وی کالج کی تباہ حال عمارت کالج کے لئے الاٹ کر دی۔ اس سے

قبل یہ عمارت مہاجرین کی فرودگاہ کے طور پر استعمال ہو رہی تھی۔ عمارت کی کھڑکیاں، دروازے آگ جلانے میں استعمال کر لئے گئے تھے۔ شیشے ٹوٹے ہوئے تھے۔ لائبریری کے کتب یا تو لوٹ لی گئیں تھی یا جلا دی گئی تھیں۔ کلاس رومز کی طرز پر بنے ہوئے کمروں کے وسط میں ٹوٹے ہوئے شیشوں، مٹی اور پتھروں کے ڈھیر تھے۔ کالج انتظامیہ نے صفائی وقارِ عمل اور کثیر رقم خرچ سے کمروں کو استعمال کے قابل بنایا۔ ہزاروں روپے خرچ کر کے لائبریری میں کتب فراہم کی گئیں۔ فرنیچر اور لیبارٹری کے سامان کی خرید ہوئی۔ کالج کا ایک حصہ ہوسٹل کے لئے تیار کیا گیا۔

کالج کے نمایاں شاندار نتائج

ابتدا سے ہی تعلیم الاسلام کالج میں طلباء کی ذہنی اور علمی نشونما کے لئے باقاعدہ کلاس ٹیسٹ، مباحثے اور مختلف علمی نشستیں منعقد ہوتیں رہتیں تھیں، جبکہ جسمانی تربیت کے لئے مختلف کھیلوں کا باقائدہ انتظام تھا، چنانچہ کالج کی روئنگ کلب کئی سال یونیورسٹی کی چمپین رہی۔ جب اس طرح ذہن وجسم کی آبیاری ہو رہی ہو تو ظاہر ہے طلباء کی ذہنی اور جسمانی نشونما پر تو ضرور اسکا مثبت اثر مرتب ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر سال کالج کا کوئی نہ کوئی طالب علم بورڈ اور یونیورسٹی میں position لیتا، اکثر مضامین میں نتیجہ سو فیصد رہتا۔ مجموعی طور پر کالج کے نتائج کئی فیصد یونیورسٹی کے نتائج سے بہتر ہوتے۔ اس لحاظ سے یونیورسٹی سے affiliated دوسرے کالجوں میں تعلیم الاسلام کالج منفرد مقام کا حامل تھا، کالج کے اس سنہرے دور کی یادیں طلباء کی زندگی کی بہترین یادوں پر مشتمل ہیں۔ اساتذہ کرام کی محنت اور بزرگوں کی دعاؤں کے طفیل 1905 کے یونیورسٹی کے امتحانات میں یونیورسٹی کے 38 فیصد نتائج کے مقابلے میں تعلیم الاسلام کالج کا نتیجہ 75 فیصد رہا۔ جوارد گرد کے تعلیمی اداروں سے بھی کئی فیصد زائد تھا۔

تقسیم ہند کا کالج پر بہت گہرا اثر ہوا۔ اور اسے انتہائی ناسازگار حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ باوجود ان تمام عملی مشکلات کے چند ماہ میں ہی کالج میں طلباء کی تعداد 60 سے 267 تک پہنچ گئی۔ حضرت

صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل کی سرگردگی میں یونیورسٹی کے امتحانات میں کالج کے نتائج ہر سال قابلِ رشک رہے، یونیورسٹی کے 8.39 فیصد کے مقابل کالج کا نتیجہ 3.83 فیصد رہا۔ اس طرح تعلیم الاسلام کالج کچھ ہی عرصے میں لاہور کے چند اچھے خیال کیے جانے والے کالجوں کے مقابلہ پر آ گیا۔ کالج اپنی غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی شاندار رہا۔ کالج یونین کے علاوہ عربک، اکنامکس، سائنس، فوٹوگرافک اور ریڈیو سوسائٹیاں مصروفِ عمل تھیں۔ جبکہ کھیل کے میدان میں فٹ بال، والی بال، تیراکی کی ٹیمیں کالج کی نیک نامی کا باعث تھیں۔ انتظامیہ کی کارکردگی کی خوش اسلوبی کے باعث کچھ ہی عرصے میں کالج نہ صرف لاہور بھر میں بلکہ اردگرد کے علاقوں میں مشہور ہو گیا۔ اکنامکس سوسائٹی کے زیر انتظام مجلّہ ''ینگ اکنامسٹ'' کا اجراء ہوا جو 1950ء میں ''المنار'' کے نام سے کالج کے مستقل جریدے کے طور پر چھپنا شروع ہوا۔ محترم پرنسپل حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے ''المنار'' کے اجراء پر اپنے ولولہ انگیز پیغام میں فرمایا:

" With trust in God and Faith in the ultimate triumph of your Mission March on!"

یعنی خدا تعالیٰ پر یقینِ محکم اور ایمانِ کامل کے ساتھ اپنے مقصد کے حصول اور آخری فتح کے لئے بڑھے چلو۔ فروری 1950ء میں کالج کی پہلی All Pakistan debates intercollegiate منعقد ہوئیں۔ اور کالج کے debators نے اپنا لوہا خوب منوایا۔ اور دوسرے مقامی کالجوں کے مقابلوں میں حصہ لے کر انعامات حاصل کیے۔

آیئے 1955 سے لیکر 1966 تک تعلیم الاسلام کالج کے یونیورسٹی امتحانات کے نتائج کا تفصیلی ریکارڈ دیکھتے ہیں:

سال	نام طالب علم	کلاس	پوزیشن
1955-56	منور احمد سعید	ایف اے	اول
	اعجاز الرحمٰن	بی ایس سی	تیسری

1957-58	محمد سلطان اکبر	بی اے عربی آنرز	اول
	افتخار احمد شہاب	بی اے انگریزی	اول
1960-61	حمید احمد خان	ایف ایس سی میڈیکل	اول
	قریشی اعجاز الحق	ایف اے	اول
	سید امین احمد	بی ایس سی فزکس	اول
1961-62	قریشی اعجاز الحق	بی اے سال اول	دوم
	عطاء المجیب راشد	ایف اے	دوم
1962-63	اعجاز الحق قریشی	بی اے	اول
1963-64	چوہدری محمد صدیق	ایم اے پریوس	اول
	چوہدری ناصر الدین	ایم اے پریوس	دوم
	بشارت الرحمٰن	ایم اے پریویس	دوم
	عطاء المجیب راشد	بی اے سال دوئم عربی	اول
	اعجاز الحق قریشی	ہسٹری آنرز سال سوم	اول
1964-65	چوہدری محمد صدیق	ایم اے عربی	اول
1965-66	قریشی مقبول احمد،	ایم اے عربی	اول
	عطا المجیب راشد	ایم اے عربی	دوم
	سید عبد الحی	ایم اے عربی	سوم
	عنایت اللہ منگلا	ایم اے اقتصادیات	اول

تعلیم الاسلام کالج کا پہلا جلسہ تقسیمِ اسناد

2/اپریل 1950ء کے دن کالج کی پہلی کانووکیشن حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی زیرِ صدارت کالج حال میں منعقد ہوئی ۔آپ نے فارغ ہونے والے طلباء کو درجِ ذیل زرّیں نصائح سے نوازا: (حضور کی یہ نصائح قبل ازیں کتاب میں درج ہو چکی ہیں ۔)

حاسدین کی کارروائیاں

جہاں اللہ تعالیٰ کے فضل اور اساتذہ کی محنت کے باعث کالج روز افزوں ترقی کر رہا تھا اور اکثر اہالیانِ لاہور جماعت کے شکر گزار تھے کہ جماعت نے ان کے بچوں کے لئے ایک مثالی ادارہ مہیا کیا ہے وہاں جماعت کے معاندین حسد کی آگ میں جلے جا رہے تھے۔ ہر وقت ٹوہ میں لگے رہتے کہ کوئی بہانہ ہاتھ لگے اور کالج انتظامیہ اور طلباء کی پریشانی کے لئے کوئی نہ کوئی مسئلہ پیدا کرتے رہیں۔ پہلے تو کوشش رہی کہ ڈی اے وی کالج کی عمارت کی الاٹمنٹ کو کینسل کرائیں۔ پھر بسوں کے ذریعے آنے جانے والے طلباء کو رستوں میں تنگ کرتے۔ جبکہ احمدی خدا تعالیٰ کی تواتر سے ظاہر ہونے والی تائیدات اور انعامات پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کر رہے تھے۔ کالج کے لئے سماجی، سیاسی اور معاشرتی لحاظ سے حالات دن بدن دگرگوں کیے جا رہے تھے۔ اور انتظامیہ در پردہ تخریب کاروں کے ہاتھوں میں کھیل رہی تھی۔

1953ء کا پُر آشوب زمانہ اور کالج کے حالات

1953ء کا سال پاکستان کی تاریخ کے سیاہ ترین سالوں میں شمار ہوتا ہے۔اس سال سیاسی جماعتوں کی باہمی کشمکش کو سیاسی شاطروں نے مذہبی رنگ دے کر جماعتِ احمدیہ کے خلاف موڑ دیا تھا۔ جماعت کے خلاف اشتعال انگیزی کرنے کے علاوہ مولویوں نے اپنے پروردوں کو توڑ پھوڑ کے علاوہ احمدی املاک کو شدید نقصان پہنچانے پر اکسایا۔ سراسر ظلم کرتے ہوئے ظالموں نے محترم

مستری نذر محمد صاحب محلہ پڑنگاں، بھاٹی گیٹ کے جواں سال خوش مزاج بیٹے جمال احمد (جو تعلیم الاسلام کالج کے ایف ایس سی کے طالب علم تھے) کو بڑی بے دردی سے چھریاں مار مار کر شہید کر دیا۔ (شہید جمال احمد اللہ تعالیٰ کی مشیت سے تعلیم الاسلام کالج کے دوسرے شہید کا مرتبہ پا کر امر ہو گئے)۔ پولیس یہ تمام شیطانی کارروائیاں موقع پر موجود ہوتے ہوئے بھی کھڑی دیکھتی رہتی۔ جب حالات حد سے باہر ہو گئے تو جنرل محمد اعظم خان (جو اس وقت لاہور کے جی او سی تھے) نے لاہور اور اس کے اردگرد کے علاقے میں مارشل لاء کا اعلان کر دیا۔ حکومت نے مولویوں کو خوش کرنے کے لئے حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج کو چھوٹے سے بہانے کی بنا پر کچھ عرصہ کے لئے حراست میں لے لیا۔

الغرض ان حالات میں جماعت کے لئے لاہور میں کالج چلانا مشکل ہو گیا تھا۔ ان تمام خطرات کو پہلے سے بھانپتے ہوئے جماعت لاہور سے باہر مستقل مرکز قائم کرنے کے لئے قیامِ پاکستان کے ساتھ ہی جگہ کے انتخاب کے لئے سرگرداں تھی۔ خلیفۂ وقت اور جماعت خدا تعالیٰ کے حضور دعاؤں میں لگے ہوئے تھے۔

ربوہ میں مرکز کا قیام اور کالج کا افتتاح

آخر کار خدا تعالیٰ کی خاص تائیدات سے 1948ء میں دریائے چناب کے دائیں کنارے پر واقع ایک وسیع قطعہ اراضی جماعت کے مستقل مرکز کے قیام کے لئے خرید لیا گیا۔ حضورؓ نے 1953ء میں کالج اور ہوسٹل کی عمارات کا سنگِ بنیاد رکھا اور عمارات کی ہنگامی طور پر تعمیر شروع ہو گئی۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل کی شب و روز نگرانی میں 1954ء تک تعمیرات مکمل ہو گئیں۔ کالج لاہور سے اپنی نئی شاندار عمارت میں منتقل ہو گیا اور 6/دسمبر 1954ء کے تاریخی دن حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے تعلیم الاسلام ربوہ کا افتتاح فرمایا۔ حضور نے اپنے خطاب میں کالج میں داخلہ لینے والے طلباء کی آگاہی کے لئے کالج انتظامیہ کی پالیسی کی وضاحت فرمائی جس کے

چیدہ چیدہ نقاط درجِ ذیل ہیں:۔

تمہیں جو تعلیم الاسلام کالج میں داخلہ دیا گیا ہے تو اس مقصد کے ماتحت کہ تم دین کے ساتھ دنیوی علوم بھی سیکھو۔ اگر تم اس نیت سے نہیں آئے کہ اسلام کی تعلیم سیکھو، میں تم سے کہتا ہوں کہ تم اب یہ نیت کرلو کہ تم نے اسلام کی تعلیم سیکھنی ہے۔اور جب مَیں یہ کہتا ہوں کہ تم اسلام کی تعلیم سیکھو تو میرا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ تم احمدیت کی تعلیم سیکھو۔ہمارے نزدیک تو اسلام اور احمدیت میں کوئی فرق نہیں۔احمدیت حقیقی اسلام کا نام ہے۔لیکن اگر تمہیں ان دونوں میں کچھ فرق نظر آتا ہے تو تم وہی سیکھو جسے تم اسلام سمجھتے ہو۔اگر انسان کرتا کچھ اور کہتا کچھ اور ہے،تو وہ غلطی کرتا ہے۔تم کسی بھی فر قے سے تعلق رکھو ہمیں اعتراض نہیں۔لیکن سوال یہ ہے جو کچھ تم مانتے ہو اس پر عمل کرو۔کیونکہ نیکی کا پہلا قدم یہی ہے کہ انسان اپنے مذہب پر عمل کرے۔ اپنے عقائد کے مطابق عمل کرو۔اگر کوئی پرو فیسر تمہیں کسی احمدی امام کے پیچھے نماز کے لئے مجبور کرتا ہے تو تم اس کا مقابلہ کرو اور میرے پاس بھی شکایت کرو۔میں اس کے خلاف ایکشن لوں گا۔لیکن اگر وہ تمہیں کہتا ہے کہ تم نماز پڑھو تو یہ تمہارے moral code کے خلاف نہیں اور اسکا نماز پڑھنے کی تلقین کرنا religeous interference نہیں۔مذہب میں دخل اندازی کا کسی کو حق نہیں۔قرآن کہتا ہے کہ مذہب میں مداخلت کرنا انسان کو منافق بناتا ہے،مسلمان نہیں بناتا۔اس کالج میں اگر کوئی ہندو بھی داخل ہونا چاہے تو ہمارے کالج کے دروازے اس کے لئے کھلے ہیں۔لیکن وہ بھی اس بات کا پابند ہوگا کہ اپنے مذہب کے مطابق زندگی بسر کرے۔یہ کالج تعلیم الاحمدیہ کالج نہیں،تعلیم الاسلام کالج ہے،اور اسلام ایک وسیع لفظ ہے۔کوئی code of morality جس کو علماء اسلام نے کسی وقت تسلیم کیا ہو یا اب تسلیم کرلیں وہ اسلام میں شامل ہے۔یہ تعلیم الاسلام کالج ہے۔اس کے معنے یہ ہیں کہ یہ کالج تمہیں عملی مسلمان بنا دے گا اور یہی اس کالج کو قائم کرنے کی غرض ہے۔'' (روزنامہ الفضل 6/دسمبر 1955ء)

تعلیم الاسلام کالج ربوہ کا سٹاف

1944ء میں کالج کے قیام سے پہلے حضرت مصلح موعودؓ نے ارشاد فرمایا تھا کہ کالج کے لیکچرار طلباء کو وقف کی تحریک کریں تاکہ مستقبل میں تعلیم الاسلام کے تربیت یافتہ فارغ التحصیل طلباء ایم اے، ایم ایس سی کرنے کے بعد کالج میں احسن طور پر طلباء کی تعلیم و تربیت کے فرائض ادا کر سکیں۔ چنانچہ تعلیم الاسلام کالج ربوہ کا سٹاف، سوائے چند کے، کالج سے فارغ التحصیل طلباء پر مشتمل تھا۔ (فہرست کے لئے ملاحظہ ہو''النحل'' شمارہ 1، جلد 17۔ 2006ء)۔ کالج کے کئی اساتذہ نے اپنے مضامین میں Ph.D. کیا جن میں مکرم ڈاکٹر سید سلطان محمود صاحب شاہد (کیمسٹری)، مکرم ڈاکٹر نصیر احمد خان صاحب (فزکس)، مکرم ڈاکٹر ناصر احمد صاحب پرویز پروازی (اردو)، او رمکرم ڈاکٹر محمد شریف خان (زوالوجی)۔ کالج کے بعض اساتذہ خاص طور پر مکرم پروفیسر میاں عطاء الرحمان صاحب فزکس جیسے دقیق مضمون کو اپنے مخصوص پڑھانے کے اسلوب کے باعث اردگرد کے کالجوں میں مشہور تھے۔ جہاں سے طلباء آکر ان کی کلاسیں attend کرتے اور فائدہ اٹھاتے۔

خدا تعالیٰ کے فضل سے کالج میں ایف اے، ایف ایس سی اور بی اے کی کلاسیں 1954ء سے ہی شروع تھیں۔ 1962ء میں بی ایس سی فزکس، باٹنی اور زوالوجی کی کلاسوں کا آغاز ہوا۔ تجربات کے لئے فزکس، کیمسٹری اور بیالوجی کی لیبارٹریاں جدید ترین سامان سے آراستہ اور ان میں ہر قسم کی سہولتیں میسر تھیں۔ کالج کا بیالوجی میوزیم بے شمار محفوظ شدہ جانوروں اور پودوں کے باعث اپنے اردگرد کے تمام کالج کے museum میں منفرد تھا۔ کالج کا وسیع حال اور گیلری مضبوط جدید ڈیزائن پر تعمیر کی گئی تھی۔ اس کے علاوہ عام اجلاسات کے لئے chemistry theater کا وسیع ہال میسر تھا۔ کیمسٹری لیبارٹری کے لئے گیس پلانٹ مہیا تھا۔ ہر شعبہ میں لیکچر روم، لیکچر تھیئٹر، سٹور اور لیبارٹری مہیا تھی جن میں بورڈ اور یونیورسٹی کے سلیبس کے مطابق تجربات کے لئے سامان وافر تعداد میں موجود تھا۔ کالج کیمپس میں زیرِ زمین پانی تقریباً مفقود تھا۔ اگر کہیں تھا تو اتنا نمکین کہ استعمال کے قابل

نہیں تھا چہ جائیکہ سائنسی تجربات یا انسانی استعمال کے قابل ہوتا۔ کالج کیمپس سے تقریباً دو تین سو میٹر دور میٹھے پانی کے کنوئیں سے زیرِ زمین پائپ میں پانی force pump کے ذریعے overhead tanks میں ڈالا جاتا تھا۔ جس کی بدولت کالج کیمپس میں تھوڑی بہت ہریاول نظر آتی تھی۔ کالج انتظامیہ کی شجرکاری کی تمام کوششوں کے باوجود صرف پانی کے نلوں کے پاس سفیدے کے درخت نظر آتے تھے۔ کلر شدہ زمین، پانی کی قلت اور موسمِ گرما کی شدت کے آگے کچھ پیش نہ جاتی۔

لائبریری

کالج لائبریری اردو اور انگریزی کی مشہور ادبی اور سائنسی کتب سے بھری پڑی تھی۔ مشہور اردو اور انگریزی مجلّے اور روزنامہ اخبارات باقاعدگی سے مہیا تھے۔ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی قیمتی کتب کا ذخیرہ لائبریری کا اہم حصہ تھا۔ اسی طرح تمام جماعتی کتب اور رسائل مہیّا تھے۔

پوسٹ گریجوئیٹ کلاسز

ایم اے عربی کی کلاسز 1962ء کے تعلیمی سال سے شروع ہوئیں۔ اور اپنے بہترین نتائج کے باعث پنجاب بھر میں مشہور تھیں۔ 1968ء میں ایم ایس سی فزکس کی کلاسوں کا آغاز ہوا۔

کالج کیمپس کی دوسری عمارات

پرنسپل ہاؤس، سپرنٹنڈنٹ ہاؤس، گیسٹ ہاؤس، ٹک شاپ، ہوسٹل کی عمارات کے علاوہ ہوسٹل کارکنان کے کواٹرز شامل تھے۔

فضل عمر ہوسٹل

کالج کے افتتاح کے دن جب حضورؓ فضلِ عمر ہوسٹل کے معائنے کے لئے تشریف لے گئے تو آپ نے ہوسٹل کی visitor book میں درجِ ذیل عبارت اپنے قلم سے رقم فرمائی:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بے سروسامانی میں کالج کے سامانوں کو مہیا کیا اور بے گھروں کو گھر دیا۔اب دعا ہے کہ جس طرح اس دنیا کا علم دیا اگلے جہان کا علم بھی دے۔اور جس طرح اس جہان کا گھر دیا اگلے جہان کا اچھا گھر بھی بخشے اور اس کالج میں پڑھنے والے سب طلباء کو اپنی رضا پر چلنے،اپنا فرض ادا کرنے اور ایثار وقربانی کا اعلیٰ نمونہ دکھانے کی توفیق بخشے۔''

(سالانہ رپورٹ تعلیم الاسلام کالج 1954-55ء)

فضلِ عمر ہوسٹل کی وسیع وعریض عمارت چار wings پر مشتمل تھی۔مسجد،میس حال،باورچی خانہ، کامن روم،ڈسپنسری،دفتر اور سپرنٹنڈنٹ آفس کے علاوہ ڈیڑھ سو سے زائد ڈارمیٹر یاں جن میں چھ سے آٹھ لڑکوں کے ٹھہرنے کی گنجائش تھی اور پندرہ کیوبیکلز تھے۔کامن روم میں مختلف انڈور کھیلیں اور دو تین اردو انگریزی اخبار روزانہ مہیا تھے۔کامن روم نمازِ عصر کے بعد کھلتا اور مغرب کی نماز سے پہلے بند ہو جاتا۔کامن روم کی سالانہ کھیلیں اور ہوسٹل کا سالانہ function یادگاری سالانہ event تھے،جن کا انتظار اور انتظامات عرصہ پہلے شروع ہو جاتے۔اور طلباء بھرپور حصہ لیتے۔ان پروگراموں کی جان مزاحیہ خاکوں کا تذکرہ سارا سال ہوتا رہتا۔

نیو کیمپس

اب اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے نازل ہونے کا وہ سنہری دور آ گیا جس کے دوران حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام کا قائم فرمودہ ''مدرسہ تعلیم الاسلام'' آہستہ آہستہ یونیورسٹی کی شکل دھار رہا تھا (جیسے حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ نے کالج کے افتتاح 28رمئی 1903ء کو اپنی تقریر میں امید ظاہر

کی تھی) عرصہ سے ایم ایس سی فزکس کی کلاسیں شروع کرنے کی تجویز کالج انتظامیہ کے زیرِ غور تھی۔ اسی دوران سن 1961-62 میں محکمانہ طور پر ڈگری اور انٹر کلاسوں کو الگ کرنے کی تجویز ہوئی۔ تعلیم الاسلام کالج کی عمارت پہلے ہی انٹر اور ڈگری کلاسوں کے لئے چھوٹی پڑ رہی تھی۔ چہ جائیکہ پوسٹ گریجویٹ کلاسوں کی متحمل ہوسکتیں۔ کالج سے مغرب کی طرف تقریباً ایک میل دور دریا کے قریب زمین کا ایک وسیع قطعہ پر پوسٹ گریجویٹ کیمپس کی تعمیر شروع ہوئی۔ فزکس wing کی تیاری کے ساتھ ہی عمارت میں ایم ایس سی کی کلاسوں کا آغاز ہو گیا۔ کیمسٹری، باٹنی اور زوالوجی کے wings کی تعمیر شروع ہوا ہی چاہتی تھی کہ قومیائے جانے کے عفریت نے پاکستان کے تعلیمی نظام پر پنجے گاڑ لئے اور سب تعلیمی ترقی کے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ بُرا ہو غلط سوچ اور تعصب کا، اب کالج کے نئے کیمپس کی عظیم عمارت عدم توجہی کے باعث آہستہ آہستہ منہدم ہو رہی ہے۔

کالج کی بعض یادگار غیر نصابی سرگرمیاں

تابناک تعلیمی ریکارڈ کے ساتھ ساتھ تعلیم الاسلام کالج سے وابستہ بعض روایات کالج کی پہچان کے طور پر کالج کے ہر گزشتہ طالبعلم کی زندگی کی حسین ترین یادوں کا حصہ ہیں۔

قرآن کریم کی تعلیم

کالج کے نصاب میں قرآنِ کریم کا ترجمہ اور مختصر تفسیر شامل تھی جس کی تدریس ممتاز علماء کے سپرد رہی جو طلباء کے ذہنوں میں اٹھنے والے سوالات کا جواب دیتے۔

سالانہ بین الکلیاتی مباحثات

تعلیم الاسلام کالج کا تعلق ایک علم دوست جماعت کے ساتھ تھا، جس کے بانی حضرت اقدس مسیحِ موعود علیہ السلام نے فرمایا تھا:

''مَیں ان مسلمانوں کو غلطی پر جانتا ہوں جو علومِ جدیدہ کے مخالف ہیں۔ وہ دراصل اپنی غلطی

اور کمزوری کو چھپانے کے لیےایسا کرتے ہیں۔ان کے ذہن میں یہ بات سمائی ہوئی ہے کہ علومِ جدیدہ کی تحقیقات اسلام سے بدظن کر دیتی ہے اور وہ یہ قرار دیئے بیٹھے ہیں کہ گویا عقل اور سائنس اسلام سے بالکل متضاد چیزیں ہیں کیونکہ خود فلسفہ کی کمزوریوں کو ظاہر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اس لئے اپنی اس کمزوری کو چھپانے کے لئے یہ بات تراشتے ہیں کہ علومِ جدیدہ کا پڑھنا ہی جائز نہیں۔ ان کی روح فلسفہ سے کانپتی ہے اور نئی تحقیقات کے سامنے سجدہ کرتی ہے۔''

(ملفوظات جلد اول صفحہ 43)

چنانچہ حضورؑ کے اس ارشاد کی روشنی میں کالج کا سارا ماحول اپنے اندر ایک خاص علمی رنگ رکھتا تھا۔ ہر سال تین روزہ بین الکلیاتی مباحثات کا اہتمام ہوتا جس میں پاکستان بھر کے مشہور کالجوں کے مقرر حصہ لیتے۔ پہلا دن اردو، دوسرا انگریزی جبکہ تیسرے دن پنجابی مباحثہ ہوتا۔شام مشاعرے کی نظر ہوتی۔شاید پاکستان کا یہ واحد کالج تھا جہاں اوّل آنے والی ٹیم کو طلائی تمغہ عطا کیا جاتا تھا۔ یہ تمام تقریبات بڑے سکون اور اطمینان بھرے ماحول میں منعقد ہوتیں۔

اردو کانفرنسیں

اُردو کو شروع سے ہی جماعت احمدیہ کی سرپرستی حاصل رہی ہے۔حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام کی کم و بیش تمام تصانیف اردو میں ہیں۔ جماعت ہمیشہ اردو کی ترویج میں کوشاں رہی ہے۔تعلیم الاسلام کالج کی سرکاری زبان اردو تھی۔کالج کی انتظامیہ اردو کی ترویج اور اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتی تھی۔آئے دن مشاعروں کے علاوہ دو آل پاکستان اُردو کانفرنسوں کا انعقاد کیا گیا، پہلی 1964ء، اور دوسری 1967ء میں جن میں پاکستان کے طول وعرض سے نمائندگان شامل ہوئے اور اپنے بلند پایہ مقالات پیش کیے۔پہلی کانفرنس میں پیش کیے گئے چیدہ چیدہ مقالات ''ذکرِ اردو'' کے عنوان سے چھپ چکے ہیں۔

کھیلیں

انسانی زندگی میں ورزش کی اہمیت مسلمہ ہے۔طالب علمی کی زمانے میں ہلکی پھلکی ورزش ذہنی اور جسمانی نشوونما کے لیے اہم ہے۔تعلیم الاسلام کالج اپنے قادیان کے زمانے سے ہی کھیل کے میدان میں سرِفہرست رہا ہے۔ہاکی،فٹ بال،روئنگ اور کشتی رانی کی ٹیمیں مشہور تھیں۔کالج کی کشتی رانی کی ٹیم کئی سال مسلسل چیمپین رہی۔

مضامین کی مجالس

ہر قسم کے طالب علم کی دلچسپی کے لئے کالج یونین (جسے قائدِ اعظم سوسائٹی کہا جاتا تھا) کے علاوہ ہر مضمون کی اپنی سوسائٹی تھی۔ہر سال نئے عہدیدار منتخب ہوتے اور سال بھر اجلاسات کا انعقاد ہوتا طلباء تقاریر اور مضامین پڑھتے۔سال میں سوسائٹیوں کے تحت مختلف مقامات کے معلوماتی دورے ہوتے۔نصف خرچہ کالج ادا کرتا،جبکہ باقی طلباء مہیا کرتے۔اکثر باہر سے صاحبانِ علم کو مدعو کیا جاتا جو طلباء کو اپنے فن کے بارے میں خطاب کرتے۔اور طلباء کے سوالات کا جواب دیتے۔

نمایاں بہترین نتائج

جب اس طرح علم کی آبیاری ہو رہی ہو تو ظاہر ہے طلباء کی ذہنی نشوونما پر تو ضرور اس کا مثبت اثر مترتب ہوگا۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر سال کالج کا کوئی نہ کوئی طالب علم بورڈ اور یونیورسٹی میں position لیتا۔بعض مضامین میں نتیجہ سو فیصد رہتا۔مجموعی طور پر کالج کے نتائج کئی فیصد یونیورسٹی کے نتائج سے اوپر ہوتے۔یونیورسٹی سے affiliated کالجوں میں تعلیم الاسلام کالج منفرد مقام کا حامل تھا۔کالج کے سنہرے دور کی یادیں کالج کے طلباء کی یادوں اور پنجاب یونیورسٹی کی فائلوں میں محفوظ ہیں۔

تعلیم الاسلام کالج کے موجودہ متوحّش حالات

تعلیم: 1973ء کی تعلیمی اداروں کوقو میانے کی احمقانہ حرکت نے جہاں ملک کو اقتصادی کساد بازاری میں دھکیل دیا، وہاں تعلیم کو نا قابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔ تعلیمی ادارے جب تک اپنے مالکوں کے زیرِ انتظام تھے پڑھائی کا ماحول بہترین تھا، طلباء اور اساتذہ محنت اور لگن سے کام کرتے اور ملک کی خدمت میں اپنا کردار ادا کرتے۔ جونہی تعلیمی اداروں کے اختیارات گورنمنٹ کے سپرد ہوئے بیگانہ مال سمجھ کر ضمیر فروشوں نے اچھے بھلے کام کرتے ہوئے سسٹم کو تہس نہس کر دیا۔ پروفیسر صاحبان اِلّا ماشا اللہ اپنی مرضی سے کالج میں تشریف لاتے، مرضی سے کلاسیں لیتے ہیں۔ پرنسپل کی جرأت نہیں کہ باز پرس کرے، مبادا پروفیسر صاحب کے اکسانے پر اس کے خلاف جلوس نہ نکل جائے۔ اگر کوئی استاد کلاس لے ہی لیتا ہے تو اِلا ماشاءاللہ غیر نصابی گفتگو دل آزار مذہبی گفتگو پر منتج ہوتی ہے۔ طلباء کی دلآزاری پر جب طلباء پرنسپل سے شکایت کرتے ہیں، تو اس کا گھڑا گھڑایا جواب ہوتا ہے ''مَیں کچھ نہیں کرسکتا، اوپر سے یہی حکم ہے''۔ پڑھائی میں عدم دلچسپی کا نتیجہ قدرتی طور پر کالج کے بدترین نتائج پر منتج ہوا ہے۔ نتائج کا گراف بورڈ اور یونیورسٹی کے نتائج سے کہیں کم ہوتا ہے۔ کئی سالوں سے کوئی طالب علم کسی پروفیشنل کالج میں داخلہ نہیں لے سکا! حد یہ کہ کئی مضامین کا نتیجہ صفر رہتا ہے۔

عمارت کی مخدوش حالت

کالج کی تعمیر کے وقت کلّر زدہ زمین کا خاص طور پر لحاظ رکھتے ہوئے تعمیر میں احمد نگر سے ٹینکر کے ذریعے میٹھا پانی لا کر استعمال کیا گیا تھا۔ اس احتیاط کے باعث کالج کی عمارات پینتیس چالیس سال تک جبکہ کالج انجمن کے زیرِ انتظام تھا، ٹھیک ٹھاک رہی۔ آخر کار کلّر کا اثر برآمدوں اور کمروں کے فرش کی شکست وریخت سے ظاہر ہونے لگا۔ گورنمنٹ نے ٹھکیدار کے ذریعے مرمت کروائی جو

بمشکل ہفتہ چلی۔فرش کی اوپری پتلی سی سیمینٹ کی جھلی کے اترتے ہی نیچے سے سیمنٹ اور ریت کا آمیزہ اچھل کر باہر آ گیا، چلتے پھرتے طلباء کو ایسا احساس ہوتا کہ پتھریلے صحرا میں گزر رہے ہیں۔گورنمٹ کے انجینیئر وں نے معائنہ کیا،مرمت کا تخمینہ لگوایا،ٹینڈر طلب کیے گئے،منظور ہوئے، مرمت ہوئی،مرمت کا معائنہ ہوا، پاس ہوا، ہزاروں روپے کے بلوں کی ادائیگی ہوئی۔کیا جادو ہوا، کہ طلباء کا چلنا پھرنا دوبھر ہوگیا۔اس دوران چھتوں میں دراڑیں پڑگئیں،بارش کا پانی بجائے اس کے پر نالوں سے بہتا،کمروں کے اندرتباہی لانے لگا۔گورنمنٹ پھر حرکت میں آ گئی۔نتیجہ وہی رہا جو بیان کیا جاچکا ہے۔بیالوجی میوزیم کی چھت کی مرمت کے دوران خاکسار ابھی کالج میں تھا۔چھت ادھڑ رہی تھی نیم دلانہ کوششوں سے بیم کے نہ ٹوٹنے کا بہانہ کیا گیا اور انہیں پر چھت ڈال دی گئی،میرے ریٹائر ہونے تک سیمنٹ کے پلاسٹر کے ٹکڑوں کی بارش ہوتی رہتی تھی۔

اگلے دن الفضل انٹرنیشنل (29/دسمبر تا 4/جنوری 2007ء) میں چھپنے والی خبر سے معلوم ہوا کہ کالج کی تمام عمارت خستہ حال ہونے کے باعث کالج کوکسی اورعمارت میں منتقل کیا جارہا ہے جس کو بہانہ بنا کر ملاؤں نے ہنگامہ آرائی کی ہے۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔

درخواستِ دعا

ہمارا ایمان ہے کہ تعلیم الاسلام کالج نے قائم رہنا ہے۔نہ صرف قائم رہنا ہے، بلکہ یونیورسٹی بن کر انسانیت کی خدمت کرنا ہے۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب تعلیم الاسلام کی شاخیں سیرالیون، گھانا، نائیجیریا اور دوسرے مما لک میں قائم ہوچکی ہیں اور دن بدن ترقی پذیر ہیں۔اللہ تعالیٰ کرے ہم یہ پیشگوئیاں جلد سے جلد پوری ہوتی دیکھیں۔آمین

حضرت مسیحِ زماں علیہ السلام کی دعاؤں کے طفیل اورخواہش کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ جماعت احمدیہ کوتعلیمی ادارے قائم کرنے کی توفیق عطا کی ہے، جہاں نونہالانِ جماعت علمی اور ذہنی جلاء پا کر خدمتِ دین کے لئے دنیا بھر میں پھیل کر خدمتِ انسانیت کر رہے ہیں۔اب ربوہ میں تعلیم

الاسلام کالج کی کمی، نصرت جہاں اکیڈمی ''انٹر کالج'' کے طور پر احسن طور پر پوری کر رہی ہے۔ امید ہے یہ ادارہ چند سالوں کے اندر ''ڈگری کالج'' میں ترقی کر کے خدمتِ انسانیت پر کمر بستہ نوجوان پیدا کرے گا۔ انشا اللہ تعالیٰ۔

میری نظر نہیں سوئے کوفہ و بغداد
کریں گے اہلِ نظر نئی بستیاں آباد

(الفضل انٹرنیشنل 16 اپریل 2007 صفحہ 9 تا 11)

اَفکار نرالے.. عاصی صحرائی

اعجازِ مسیحا کے ہیں اَفکار نرالے
اے آنکھ کی ٹھنڈک ترے کردار نرالے
دیدار نرالے کہیں جی دار نرالے
عرفان کی دولت سے ہیں اظہار نرالے
دُشمن کو بھی ہیں حسن و مروّت کے سندیسے
اپنوں کے لئے حرفِ طرحدار نرالے
ہاں! آسماں سے طشت بھی نعماء کے ہیں اُترے
محبت کے، اُخوت کے ہیں گلزار نرالے
سب قوموں کا اجماع ہے تیرے ہاتھ پہ مسرُور
عاصیؔ سے بھی چاکر کے ہیں شاہکار نرالے

تعلیم الاسلام ہائی اسکول قادیان کی چند یادیں

(محترم امام بشیر احمد رفیق خان صاحب مرحوم)

میرے ماموں مجھے تعلیم الاسلام ہائی اسکول کے بورڈ نگ میں داخل کروا کر چلے تو یہ زندگی میں ماں باپ رشتہ داروں سے دوری کا پہلا مرحلہ تھا۔ چند دن تو خوب رویا۔ والدین یاد آتے تھے، گاؤں یاد آتا تھا یہ مشکل بھی آن پڑی کہ میں اردو اور پنجابی سے بالکل نابلد تھا یہ دن بڑی مشکل اور پریشانی میں گزرے۔ بورڈ نگ میں تین چار اور بھی پٹھان طلباء تھے زیادہ تر وقت اُن کے ساتھ گزرتا۔ اور ساتھ ساتھ زبان بھی سیکھتا بالآخر چار پانچ ماہ کی جدوجہد کے بعد اس قابل ہوا کہ اردو میں اپنا مافی ضمیر ادا کر سکوں اور اساتذہ کی بات سمجھ سکوں۔ بورڈ نگ میں نہ صرف ہندوستان بلکہ مشرقی افریقہ اور دیگر مما لک کے طلباء بھی رہائش پذیر تھے۔ ہمیں صبح صبح منہ اندھیرے فجر کی نماز کی لئے جگایا جاتا۔ وضو کرنے کے بعد قطاروں میں مسجد لے جایا جاتا وہاں نماز کے بعد درس قرآن وحدیث باقاعدگی سے ہوتا۔ پھر ناشتہ کے بعد اسکول جاتے اسکول اور بورڈ نگ سے باقی نمازوں کے اوقات میں ہمیں قطاروں میں مسجد لے جایا جاتا۔ اسکول میں نصاب حکومت کا منظور شدہ پڑھایا جاتا لیکن دینیات کی تعلیم لازمی تھی اور یونیورسٹی میں داخلہ بھجوانے کیلئے دینیات میں کامیابی شرط ہوا کرتی تھی۔ اسکول اسکول کے اساتذہ ایک عجیب جذبہ سے ہمیں تعلیم دیتے اسکول کے اوقات کے بعد اساتذہ شام کو کمزور طلباء کو مفت ٹیوشن فراہم کرتے تھے دعاؤں کے ذریعہ کے طلباء کی مدد اس کے علاوہ تھی۔ ہمارے ایک استاد چوہدری عبد الرحمان صاحب ریاضی پڑھایا کرتے تھے آپ کو دعاؤں میں اس قدر شغف تھا کہ جب کلاس تشریف لاتے تو سبق شروع کرنے سے پہلے

ہم اُن کے ساتھ یہ دعا دہراتے قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي۔ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا۔

تعلیم الاسلام اسکول جب چنیوٹ منتقل ہو گیا تو انتہائی کسمپرسی کی حالت تھی۔ حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحب اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ میں دسویں جماعت میں داخل تھا۔ پارٹیشن کے بعد میٹرک کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے دینے والے ہمارے اسکول کے چند طلباء پہلی مرتبہ امتحان میں شریک ہو رہے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ہیڈ ماسٹر کو پیغام بھجوایا کہ آپ کی خواہش ہے کہ اس سال میٹرک کا امتحان دینے والے طلباء فرسٹ ڈویژن میں کامیابی حاصل کریں۔ حضور نے فرمایا میں اس غرض کے لئے دعا کروں گا آپ بھی طلباء کو محنت کرائیں اور ان سے دعائیں کرائیں۔ حضور نے اس ارشاد کی تعمیل میں اساتذہ نے ہمارے ساتھ دن رات ایک کر دیئے۔ اسکول کے بعد شام کو مفت ٹیوشن کا سلسلہ بھی جاری ہوا۔ دعاؤں کی طرف خصوصی توجہ کی گئی۔ ہمیں باقاعدگی سے تہجد کے لئے بیدار کیا جاتا۔ اور خوب دعائیں ہوتی تھیں۔ محترم چوہدری عبدالرحمان صاحب ہمیں محنت تو کراتے ہی تھے لیکن اس سال مجسم دعا بن گئے۔ ہمیں بھی دعاؤں کی طرف خصوصی توجہ دلاتے اور روزانہ سبق شروع کرنے سے قبل اجتماعی دعا کرواتے میں ریاضی میں بہت کمزور تھا اور اُن کو میری بہت فکر تھی جس دن ریاضی کا پرچہ تھا انہوں نے ہمیں علی الصبح بیدار کیا دعاؤں کے ساتھ کلاس روم میں بلیک بورڈ پر چند سوالات لکھے اور فرمایا کہ ان سوالات کو حل کریں تاکہ تمہارے دماغ امتحانات کے لئے تیار ہو جائیں۔ ہم نے سوالات حل کرنے کی۔ کوشش کی سوالات مشکل تھے۔ اس لئے چوہدری عبدالرحمان صاحب نے ہم سب کے سامنے بلیک بورڈ پر سارے سوالات حل کر کے ہمیں دکھائے۔ یہ سوالات انہوں نے یونہی بلا انتخابات ہمیں بتائے تھے۔ پھر ہم کمرہ امتحان میں پہنچے تو حسب معمول پرچہ حل کرنے سے قبل ہم نے اپنے ڈیسک پر خاموش دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ دعا کر چکنے کے بعد میں نے پرچہ امتحان پر نظر ڈالی تو میری

حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ تمام سوالات بعینہ وہی تھے جو صبح چوہدری عبد الرحمان صاحب نے حل کروائے تھے مجھے ان سوالات کے جوابات زبانی یاد ہو گئے۔ میں نے تیزی کے ساتھ پرچہ حل کیا اور سب سے پہلے کمرہ امتحان سے باہر نکل آیا۔ باہر محترم چوہدری صاحب بے چینی سے ٹہل رہے تھے۔ مجھے دیکھا تو قدرے فکر کے ساتھ میری طرف دوڑے۔ اُنہیں خیال گزرا کہ شاید میں نے پرچہ پوری طرح حل نہیں کیا اس لئے اتنی جلدی باہر آ گیا ہوں۔ انہوں نے مجھ سے پرچہ سوالات طلب کیا اور جب دیکھا کہ بعینہ وہی صبح والے سوالات تھے تو وہیں زمیں پر سر بسجود ہو گئے اُن کے سفید کپڑے گرد و غبار سے لت پت ہو گئے لیکن وہ اس کی پرواہ کیے بغیر دیر تک سجدے میں پڑے رہے۔ پھر اُٹھ کر مجھے گلے لگایا اور پوچھا کہ جواب تو ٹھیک دیکر آئے ہونا؟ میں نے جواب دیا کہ اپنے خیال میں تو سب جوابات ٹھیک دئے ہیں۔ انہوں نے یونہی ایک سوال پر انگلی رکھ کر فرمایا کہ اسے میرے سامنے حل کرو۔ میں نے بالکل صحیح حل کیا تو بار بار الحمد للہ کا ورد کرنے لگے۔ خیر جب اس سال یونیورسٹی سے امتحان کا نتیجہ نکلا تو تعلیم الاسلام اسکول سے شریک ہونے والے تمام میٹرک کے طلباء فرسٹ دویژن میں کامیاب تھے۔ اخبار الفضل میں اس کا اعلان ہوا۔ چند دن بعد ہم سب کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ حضورؓ نے ہمیں شاباش دی، بہت ساری دعائیں دیں اور مٹھائی سے ہماری تواضع فرمائی۔

۞



تعلیم الاسلام کالج کا پہلا سال

(محترم مولانا فضل الٰہی انوری صاحب مرحوم)

گورنمنٹ ہائی اسکول بھیرہ سے 1944ء میں میٹرکولیشن کا امتحان پاس کرنے کے بعد خاکسار کا مالی مسائل کے پیش نظر آگے تعلیم حاصل کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا اخبار الفضل میں پڑھنے میں آیا کہ قادیان میں کالج کھل گیا ہے۔ جن احمدی طلباء نے میٹرک پاس کرلیا ہو اور وہ اس میں داخلہ لینا چاہیں، وہ فلاں تاریخ تک قادیان پہنچ جائیں۔ چنانچہ خاکسار اپنے والدین سے مشورہ کرنے کے بعد تعلیم الاسلام کے نام سے کھلنے والے اس کالج میں داخلہ لینے کے لیے تیار ہو گیا۔ اس سے قبل خاکسار 1940ء کے جلسہ سالانہ پر اپنے ابا جان ماسٹر امام علی صاحب حضور پوری کے ساتھ قادیان جا کر دیکھ چکا تھا۔ قادیان احمدیت کا عالمی مرکز اور خلافت کا پائے تخت ہونے کے لحاظ سے ہر احمدی کی توجہات کا مرکز تو تھا ہی، تاہم خاکسار کے لئے اس میں علاوہ اس کے ایک ذاتی دلچسپی یہ بھی تھی کہ یہاں خاکسار کی ایک تائی صاحبہ غلام فاطمہ (بیوہ ماسٹر محمود زمان صاحب مرحوم) رہ رہی تھیں۔ جن کا نام ہم اکثر اپنے گھر میں سنتے رہتے تھے اور جنہیں میں 1940ء کے جلسہ سالانہ پر قادیان میں اپنی پہلی آمد کے موقع پر دیکھ چکا تھا۔

کالج میں داخلہ لینے کی غرض سے خاکسار جون 1944 کی کسی تاریخ کو بھیرہ سے گاڑی پر سوار ہو کر لاہور اور امرتسر سے ہوتا ہوا قادیان پہنچ گیا اور مہمان خانہ میں اترا۔ اسی شام مسجد مبارک میں مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں تشریف فرما تھے تو خاکسار نے بطور بھتیجہ ماسٹر محمد زمان حضور سے اپنا تعارف کرایا اور اپنے قادیان آنے کی

غرض بیان کی۔ اسی روز یا اگلے روز خاکسار اپنی تائی صاحبہ سے بھی ملا وہ بہت خوش ہوئیں گھر کا احوال پوچھا اور ملتے رہنے کے لئے کہا۔

کالج میں داخلے شروع ہو چکے تھے۔ چنانچہ خاکسار نے مجوزہ فارم پر داخلے کی درخواست جمع کرا دی۔ رہائش کے لئے معلوم ہوا کہ محلہ دارالانوار میں ''گیسٹ ہاؤس'' کے نام سے ایک نئی تعمیر شدہ عمارت میں کالج کا عارضی ہوسٹل کھل گیا ہے۔ ہوسٹل کے سپرنٹنڈنٹ مکرم چودھری محمد علی صاحب تھے۔ چند دنوں کے بعد اس وقت تک کالج میں داخلہ کے امیدواروں کو انٹرویو کے لئے بلایا گیا۔ یہ تو معلوم ہو چکا تھا کہ پرنسپل حضرت میاں ناصر احمد صاحب جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے سب سے بڑے صاحبزادے ہیں اور چند سال قبل آکسفورڈ یونیورسٹی سے گریجوایشن کرنے کے بعد واپس لوٹے تھے مگر تا حال آپ سے ملاقات نہ ہوئی تھی۔ جب خاکسار انٹرویو کے لئے بورڈ کے سامنے پیش ہوا تو پہلی بار حضور کی بارعب شخصیت سامنے آئی۔ حضور کے علاوہ بورڈ کے ممبران میں اُس وقت کے پروفیسران کرام بھی شامل تھے، ان میں خاکسار سوائے پروفیسر میاں عطاء الرحمان صاحب کے جو بھیرہ کے رہنے والے تھے اور کسی کو نہیں جانتا تھا تاہم پرنسپل صاحب کے علاوہ جس شخصیت نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ پروفیسر عبد القادر صاحب مرحوم تھے۔ انہوں نے انٹرویو کے دوران انگریزی میں مجھ سے ایک سوال کیا سوال کیا تھا۔ ایک مختصر سی حکایت بیان کی اور بیان کر کے انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ بتائیں ایسا کیوں ہوا۔ مجھے تو حکایت کی ہی سمجھ نہ آئی تھی میں جواب کیا دیتا۔ میرا جواب صرف یہ تھا۔ sir,I beg your pardon

میرے اس جواب پر بورڈ کے ممبران مسکرا دیئے اور خاکسار شرمسار ہو کر رہ گیا۔ بہر حال میرا داخلہ ہو چکا تھا اور جیسا کہ جلد پتا چل گیا مجھے رول نمبر One دیا گیا تھا اس کی وجہ جیسا کہ بعد میں معلوم ہوئی یہ تھی کہ اُس وقت تک داخل ہونے والے تمام طلباء جو تعداد میں 51 تھے انہیں میٹریکولیشن کے امتحان میں حاصل ہونے والے نمبروں کے لحاظ سے ترتیب دیا گیا تھا اور ان میں میرے نمبر سب سے

زیادہ تھے یعنی 623۔ بعد میں اگرچہ ایسے طلباء بھی داخل ہوئے جنہوں نے اس سے زیادہ نمبر حاصل کیے تھے بلکہ ایک نے یونیورسٹی میں وظیفہ بھی حاصل کیا تھا میرا رول نمبر One ہی رہا۔

تعلیم الاسلام کالج کی افتتاحی تقریب

تعلیم الاسلام کالج کی انتظامی سرانجام دہی کے لئے حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی نے ایک کمیٹی تشکیل دی تھی جس کے ممبران مندرجہ ذیل تھے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے (صدر) حضرت صاحبزادہ میاں ناصر احمد صاحب (پرنسپل کالج) حضرت مولوی محمد دین بی اے، قاضی محمد اسلم صاحب ایم اے، ملک غلام فرید صاحب ایم اے (سیکرٹری)

بتاریخ 4 جون 1944ء حضور کی صدارت میں تعلیم الاسلام کالج کی افتتاحی تقریب منعقد ہوئی جس میں کالج کمیٹی کے صدر اور ممبران کے علاوہ صدر انجمن احمدیہ کے ممبران اور صحابہ کرام بھی شامل تھے۔ اس تقریب کی جملہ کارروائی کالج کی عمارت کے سامنے والے کھلے میدان میں سرانجام پائی، جس کے بارے میں خاکسار کو سوائے اس کے کچھ یاد نہیں کہ تلاوت کریم کے بعد نظم پڑھنے کا اعزاز خاکسار کے حصہ میں آیا اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ میں بہت اچھا نظم پڑھنے والا تھا بلکہ ہوا یہ کہ ہوسٹل میں داخل ہونے والے طلباء کے درمیان چودھری محمد علی صاحب سپرنٹنڈنٹ ہوسٹل کی زیر صدارت جو نظم خوانی کا مقابلہ ہوا اس میں قرعہ خاکسار کے نام نکلا۔ مجھے یاد ہے کہ چودھری صاحب موصوف نے حضرت خلیفۃ المسیح کی نظم ''نونہالان جماعت مجھے کچھ کہنا ہے پر ہے یہ شرط کہ ضائع مرا پیغام نہ ہو'' مجھ سے کئی بار پڑھوائی اس کے الفاظ درست کیے، لب لہجہ کے بارے میں ہدایات دیں۔ یہ نظم حضرت خلفیۃ المسیح کی الثانی کی موجودگی میں پڑھی جانی تھی۔ اس لئے ہر طرح سے تسلی کر لی گئی تلفظ میں مجھ سے کوئی غلطی سرزد نہ ہو۔ یہ نظم خاکسار نے پڑھی تو سہی لیکن خود مجھے اس کے پڑھنے میں ذرہ بھر لطف نہ آیا لازماً یہی صورت سامعین کی ہوگی۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، یہ کالج کا سال اول تھا یعنی ایک ہی کلاس۔ فرسٹ ائیر جس

میں اُس وقت تک کل 51 طلبا داخلہ لے چکے تھے۔ ان میں سائنس گروپ کے 24 طلباء اور آرٹ گروپ کے 27 طلباء تھے۔ خاکسار خود سائنس گروپ میں شامل تھا۔ افتتاحی تقریب کے بعد کلاسیں شروع ہو گئیں۔ ہمارے فزکس کے پرفیسر مکرم میاں عطاء الرحمن صاحب تھے۔ جنہیں خاکسار بھیرہ سے ہی جانتا تھا۔ آپ شاہ پور کالج میں پڑھا رہے تھے جہاں اُنہیں مبلغ چھ صد روپے تنخواہ مل رہی تھی مگر صدر انجمن کے حکم پر آپ وہاں سے استعفیٰ دے کر تعلیم الاسلام کالج میں صرف 100 روپے مشاہرہ پر آ گئے۔ کیمسٹری کے پروفیسر مکرم پروفیسر یحیٰ بن عیسی ایک بہاری تھے۔ غالباً وہ بھی اس قسم کی قربانی کر کے بہار سے تشریف لائے تھے۔ انگریزی کے پروفیسر اخوند عبد القادر تھے۔ آپ اس سے قبل تعلیم الاسلام ہائی اسکول قادیان میں انگریزی پڑھا رہے تھے اور کالج بن جانے پر آپ کو کالج میں لے لیا گیا تھا۔ ریاضی کے پروفیسر چودھری عبد الرحمن صاحب تھے۔ دیگر پروفیسران کے بارے میں خاکسار کو سوائے چودھری محمد علی صاحب سپرنٹنڈنٹ ہونے کے علاوہ سائکلوجی کے پروفیسر تھے جب کہ مؤالذکر ہوسٹل کے ٹیوٹر اور دینی امور کے نگران ہونے کے علاوہ عربی کے پروفیسر تھے۔ ہر دو پروفیسر غالباً انہی ایام میں پنجاب یونیورسٹی سے اپنے اپنے مضامین کی ڈگریاں لے کر فارغ ہوئے تھے۔

دو مہینہ کے بعد کالج موسم گرما کی تعطیلات کے باعث بند ہو گیا اور تمام طلباء اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ چھٹیاں شروع ہونے سے ایک دن قبل پروفیسر اخوند محمد عبد القادر صاحب نے سب طلباء کو گھر پہنچ کر خط لکھنے کو کہا اپنا قادیان کا پتا انہوں نے سب طلباء کو لکھوایا۔ ظاہر ہے یہ خط انگریزی میں لکھا جانا تھا۔ چنانچہ خاکسار جب اپنے گھر بھیرہ پہنچا تو گھر والوں سے ملنے ملانے سے فارغ ہونے کے بعد ایک دن خط لکھنے کے ارادہ سے بیٹھ گیا۔ دسویں تو پاس کر لی ہوئی تھی مگر اس سے قبل کسی کو انگریزی میں خط نہیں لکھنے کا موقع ملا تھا۔ چنانچہ یاد ہے کہ میں اردو انگریزی ڈکشنری کھول کر خط لکھنے بیٹھ گیا۔ پہلے تو یہ پتا نہ چلے کے کیا لکھوں۔ قادیان سے واپس آتے ہوئے میں

ایک دن امرتسر میں رکا تھا وہاں سکھوں کا مقدس مقام گولڈن ٹیمپل جو لوگوں میں دربار صاحب کہلاتا ہے دیکھنے گیا تھا۔ چنانچہ اس کے بارے میں لکھنا شروع کیا وہ کیسا تھا وغیرہ دو صفحوں پر مشتمل یہ خط قریباً چھ گھنٹوں میں مکمل کیا اور اگلے دن ڈاک میں ڈال دیا۔ اس کا اخوند صاحب کی طرف سے فوراً ہی انگریزی میں لکھا ہوا جواب ملا۔ بس میں خوش ہو گیا کہ میں نے اپنا فرض پورا کر لیا۔ تعطیلات ختم ہونے پر جب قادیان پہنچا تو اخوند صاحب نے پہلا سوال مجھ سے یہ کیا:

Did you, recieve my letter?

اُس وقت مجھے محسوس ہوا کہ میں نے کس قدر خطا کی ہے کہ آپ کو جواب تک نہیں لکھا۔ کالج کے اُس زمانہ کی یادوں میں سے اس سے زیادہ کوئی قابل ذکر بات نہیں کہ ان ایام میں قادیان میں صحابہ کرام کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ ہوسٹل کے سپرنٹنڈنٹ مکرم چودھری محمد علی صاحب جو نئے نئے احمدی ہوئے تھے، ان صحابہ کے مقام کو خوب سمجھتے تھے۔ چنانچہ اکثر کوئی نہ کوئی تقریب پیدا کر کے موجود صحابہ میں سے کسی کو ہوسٹل میں آنے کی دعوت دیتے اور ان کی تقریر کروایا کرتے تھے۔ اس طرح جن صحابہ کی تقریروں کو ہمیں سننے کا موقع ملا ان میں سے مندرجہ ذیل نام خاکسار کو یاد ہیں۔ حضرت سید سرور شاہ صاحبؓ، حضرت بابا حسن محمد صاحبؓ (موصی نمبر ایک اور مولوی رحمت علی صاحب مبلغ انڈونیشا کے والد محترم) مولوی ظہور حسین صاحب مبلغ بخارا، چودھری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ۔ قادیان میں قیام کے دوران کا ہمارا دوسرا محبوب مشغلہ مسجد مبارک میں شام کی نماز کے بعد مجلس عرفان میں شامل ہونا تھا۔ ان ایام میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ قریباً روزانہ ہی مغرب کی نماز کے بعد مسجد مبارک میں تشریف رکھتے اس کے لئے خاص بنچ تیار کروائے گئے تھے جو نماز کے فوراً بعد محراب کے سامنے نصف دائرہ کی شکل میں رکھ دیئے جاتے تھے اور پھر حضور کے درمیان تشریف رکھنے کے بعد چند مخصوص صحابہ حضور کے دائیں بائیں بیٹھ جاتے۔ ان میں سے اس وقت صرف حضرت سید سرور شاہ صاحب کا نام خاکسار کو یاد ہے۔ آپ

حضور کے استاد بھی تھے۔ یہ مجلس جس میں کوئی خاص موضوع بحث نہیں ہوتا تھا۔اور جو عشاء کی نماز تک جاری رہتی بجا طور پر اسے مجلس عرفان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ہوسٹل کی مخصوص یادوں میں سے ایک ایسی یاد جس کا بابرکت اثر ابھی تک دلوں پر قائم ہے وہ ایک واقعہ ہے جو صرف ایک بار پہلی کلاس کے ہوسٹل میں مقیم طلباء کے حصے میں آیا۔ خاکسار اوپر عرض کر چکا ہے کہ ہمارا ہوٹل دارالانوار سڑک کے اوپر واقع تھا ایک عمارت میں قائم ہوا۔اس سڑک پر منجملہ دیگر عمارات کے جو سڑک کے دائیں بائیں دور تک چلی گئی تھیں، ایک عمارت مکرم پرنسپل صاحب کی کوٹھی بھی جو اس سڑک کے آخر پر واقع تھی۔ ہم نے کئی بار دیکھا کہ حضرت اُمّ المومنین کوحضرت صاحبزادہ میاں ناصر احمد صاحب سے خاص پیار تھا آپ انہیں اپنے وفات یافتہ بیٹے مبارک احمد کا بدل سمجھتی تھیں، بعض خواتین کی معیت میں اُس سڑک پر پاپیادہ چلتے ہوئے کوٹھی حضرت میاں ناصر کی طرف جا رہی ہیں۔ایک دن مکرم چودھری محمد علی صاحب نے ہوسٹل کے طلباء سے فرمایا کہ اب جس دن حضرت اُمّ المومنین کا گذر ہوگا، انہیں بتا دیا جائے گا۔اس وقت ہوسٹل میں موجود تمام طلباء سڑک پر ایک قطار میں کھڑے ہو جائیں اور جب ام المومنین گذرنے لگیں تو سب مل کر انہیں السلام علیکم کہیں۔ یہ تقریب پیدا ہوئی اور جو خوش قسمت طلباء اس وقت ہوسٹل میں موجود تھے انہوں نے اس بابرکت تقریب میں حصہ لیا۔ سال کے بعد ہمارا ہوسٹل وہاں سے منتقل ہو کر دارالعلوم میں واقع کالج کی عمارت کے قریب ایک نئی خام اینٹوں سے تیار کردہ عمارت میں آ گیا اور پھر اس جیسی کوئی تقریب دوبارہ پیدا نہ ہوئی۔

کالج کے پرنسپل حضرت میاں ناصر احمد صاحب (بعدہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ) کے طفیل حضرت اماں جان یعنی ام المومنین رضی اللہ عنہا نے کالج سے اپنے محبت اور دلداری کا اظہار اس طور پر فرمایا کہ آپ نے کالج کے ہوسٹل کے لئے اپنے بہت سے ذاتی برتن از قسم دیگچے، دیگچیاں۔ پراتیں، گلاس وغیرہ مرحمت فرما دیئے۔ چنانچہ اوائل میں انہیں برتنوں میں ہوسٹل کے طلباء

کے لئے کھانا پکتا اور طلباء کو دیا جاتا۔ ان میں سے ہر برتن پر ’’نصرت جہاں بیگم‘‘ کے مبارک الفاظ کندہ تھے۔ اس سلسلہ میں مناسب ہوگا کہ ہوسٹل کے طلباء کے ساتھ حضرت پرنسپل صاحب کی ذاتی شفقت کا بھی ایک واقعہ بیان کر دیا جائے۔ چنانچہ مکرم چودھری محمد علی صاحب بیان فرماتے ہیں:

’’ابھی قادیان میں کالج شروع ہوئے دو چار دن ہی ہوئے تھے کہ ایک رات شدید بارش ہوئی۔ صبح اٹھے تو آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ اور اس کے ساتھ ہلکی ہلکی بونداباندی بھی ہو رہی تھی۔ ہم نے گیسٹ ہاؤس سے حضور کی خدمت میں درخواست بھیجی کہ بارش ہو رہی ہے اور ہوسٹل کالج سے فاصلے پر ہے۔ آج چھٹی کا اعلان کر دیا جائے۔ اس پر جو جواب آپ کی طرف سے آیا وہ کچھ اس طرح تھا ’’اچھا اگر کل بھی بارش ہوئی اور پرسوں بھی تو پھر۔‘‘ اس پر ہم لوگ بہت شرمندہ ہوئے کہ ایسی نامعقول درخواست بھیجی ہی کیوں۔ اور پھر کالج جانے کی تیاری کرنے لگے۔ اس پر ابھی دو چار منٹ ہی گذرے ہونگے کہ حضور بنفس نفیس ہوسٹل میں تشریف لائے۔ ہماری یہ حالت تھی کہ اپنی احمقانہ درخواست پر پہلے ہی شرمندہ ہو رہے تھے۔ ہم نے معذرت کرنی چاہی تو فرمایا کہ چلو کسی بڑے کمرے میں بیٹھیں۔ اب ہر کمرہ ہی چار پائیوں سے پُر تھا۔ وہاں ایک چار پائی پر حضور خود تشریف فرما ہوئے اور دوسری چار پائیوں پر ہمیں بیٹھنے کو کہا۔ جب ہم نے دوبارہ معافی مانگی تو فرمایا: ’’اس جرم کی سزا یہ ہے کہ ایک تو آج چھٹی دوسرے اپنی کوئی نظم سنائیں۔‘‘

مکرم چودھری صاحب موصوف بیان فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی دانست میں اپنے اس عیب کو چھپایا ہوا تھا مگر اب ظاہر کرنا ہی پڑا۔ چنانچہ نظم بھی ہوئی اور پھر کلائی پکڑنے کا دور شروع ہوا۔ اس طرح پر کچھ دیر تک ہوسٹل میں خوب چہل پہل رہی۔ جب حضور خوشیاں بکھیر کر واپس تشریف لے گئے تو ہم میں سے ہر ایک اپنی خوش بختی پر ناز کر رہا تھا۔ خاکسار اپنے ذاتی تجربہ پر کہتا ہے کہ حضرت پرنسپل صاحب نے کالج کے طلباء کے ساتھ اپنے پیار اور محبت کی یہ دولت ہمیشہ بانٹی۔‘‘

(المنار جرمنی اکتوبر 2012ء صفحہ 5 تا 11)

تعلیم الاسلام کالج لاہور کا پہلا اور کالج کا دوسرا سال

(محترم مولانا فضل الٰہی انوری صاحب مرحوم)

1946ء میں ایف ایس سی کا امتحان پاس کر لینے کے بعد خاکسار کے لئے پھر سوال پیدا ہوا کہ اب کیا کیا جائے۔ اخبار الفضل میں حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے نوجوانوں کو زندگیاں وقف کرنے کی تحریک شائع ہوئی۔ چنانچہ والدین کی اجازت سے خاکسار نے اپنے تعلیمی کوائف پر مشتمل اپنی زندگی وقف کرنے کی درخواست حضور کی خدمت میں بھیج دی۔ حضور کی طرف سے جواب میں ملا کہ میں فوراً قادیان پہنچ جاؤں۔ چنانچہ اپریل یا مئی 1947ء میں خاکسار نے قادیان پہنچ کر اپنی حاضری کی رپورٹ کر دی۔ یہ تو یاد نہیں رہا کہ خاکسار کا انٹرویو کس نے لیا تھا مگر فیصلہ یہ ہوا کہ خاکسار کو فضل عمر ریسرچ انسٹی چیوٹ کے لئے لے لیا گیا ہے۔ اس ریسرچ انسٹی چیوٹ کا قیام بھی اولوالعزم خلیفہ نے کالج کے ساتھ ہی فرما دیا تھا۔ اس کے سربراہ مکرم ڈاکٹر عبدالاحد صاحب پی ایچ ڈی تھے۔ وہ خاکسار کو ویسے بھی جانتے تھے کیونکہ ایف ایس کی تعلیم کے دوران وہ ہمیں کچھ عرصہ کیمسٹری پڑھاتے رہے تھے۔ انہی کے مشورہ کے مطابق خاکسار کے بارے میں پہلے کیمسٹری میں ایم ایس کرنے کا فیصلہ ہوا۔ ہمارا تعلیم الاسلام کالج ان دنوں ڈگری کلاسوں کے لئے منظور ہو چکا تھا۔ داخلے جون یا جولائی میں ہونے والے تھے چنانچہ خاکسار قادیان میں رہ کر بی ایس سی کلاس کے شروع ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

یہ وہ سال تھا جس میں برصغیر کی آزادی کا مسئلہ اپنے عروج کو پہنچ چکا تھا اور کہیں کہیں اِکا دُکا ہندو مسلم فسادات شروع ہو گئے تھے تاہم کسی کے وہم و گمان میں وہ صورت نہ تھی جو ان کے نتیجے

میں پیدا ہوائی۔ میرے قادیان کے قیام کے دوران ہی فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے تین افراد پر مشتمل ایک وفد کشمیر میں اس غرض کے لئے بھجوایا گیا تھا کہ وہاں سکے کی بعض کانوں کا جائزہ لیا جائے تا کہ اگر مفید ہوں تو انہیں خرید کران پر ریسرچ کی جائے۔ اس وفد کا ایک ممبر خاکسار بھی تھا۔

14 اگست کو پاکستان کے قیام کا اعلان ہوتے ہی حالات میں یکلخت تیزی آ گئی جن کے نتیجہ میں جماعت کا مرکز اپنے تمام تعلیمی اور انتظامی اداروں کے ساتھ پاکستان منتقل ہونے پر مجبور ہو گیا۔ تعلیمی ادارے سب سے زیادہ متاثر ہوئے۔ جہاں تک ہائی اسکول کے قیام کا تعلق تھا تو اس کے لئے تو کہیں نہ کہیں جگہ تلاش کر لی گئی تھی مگر کالج کے لوازمات کے پیش نظر اس کے لئے کسی موزوں مقام کا ملنا ایک بڑا مسئلہ تھا۔ پھر اس کے پرنسپل حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ جماعتی ضرورت کے ماتحت ابھی قادیان میں ہی تھے۔ آپ کو اندازہ تھا کہ موجودہ مالی حالات کے لحاظ سے کالج کو از سرنو شروع کرنا جماعت کے لئے کس قدر مشکل ہوگا۔ چنانچہ آپ نے قادیان سے چوہدری محمد علی صاحب کو جو لاہور پہنچ چکے تھے پیغام بھیجا کہ سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ کی خدمت میں عرض کیا جائے کہ اگر حضور مناسب خیال فرمائیں تو موجوہ حالت میں کالج کا بوجھ جماعت پر نہ ڈالا جائے۔ مکرم چوہدری صاحب موصوف فرماتے ہیں۔

”خاکسار نے جب مکرم پرنسپل صاحب کا مشورہ حضور کی خدمت میں عرض کیا تو آپ خاموش رہے۔ پھر مولوی عبدالرحیم صاحب درد جو قریب ہی بیٹھے تھے، بھی کہنے لگے حضور میرا بھی یہی خیال ہے۔ حضور اس پر خاموش رہے پھر کسی اور نے بھی مشورہ دیا حتی کہ حضرت میاں بشیر احمد صاحب سے پوچھا گیا تو آپ کا بھی یہی مشورہ تھا اس پر اللہ تعالی کا یہ اولوالعزم خلیفہ بولا:

”آپ کو پیسوں کی کیوں فکر پڑی ہے کالج چلے گا اور کبھی بند نہیں ہوگا۔“

مکرم چودھری صاحب فرماتے ہیں کہ یہ کہتے ہوئے حضور اتنے جوش سے اور بآواز بلند

بولے کہ ہم سب کے دل دہل گئے۔ پھر خاکسار کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ

''آسمان کے نیچے پاکستان کی سرزمین پر جہاں کہیں بھی جگہ ملتی ہے لےلواور کالج شروع کردو۔''

مکرم چوہدری صاحب موصوف مزید فرماتے ہیں کہ حضور کا منشاء مبارک فی الفور کالج کے قیام وتاسیس کا تھا اس لئے لاہور کے علاوہ بعض دیگر مقامات میں بھی جگہ کی تلاش شروع کردی گئی۔ ان مقامات میں ایمن آباد، گوجرانوالہ، سانگلا ہل، راولپنڈی اور لائل پور (موجودہ فیصل آباد) شامل تھے۔ موخرالذکر شہر میں آریہ اسکول کی متروکہ عمارت ہمیں نہایت موزوں نظر آئی مگر وہاں کے ڈپٹی کمشنر کے کہنے پر کہ اسے حکومت پاکستان نے کسی اور مقصد کے لئے ریزرو کرلیا ہے اس کا خیال ترک کرنا پڑا۔

ابھی کالج کے لئے جگہ کی تلاش جاری تھی کہ حضرت صاحبزادہ میاں ناصر احمد صاحب قادیان میں اپنے مفوضہ فرائض سرانجام دینے کے بعد لاہور تشریف لے آئے۔ چنانچہ آپ کے پہنچنے پر کینال پارک لاہور میں ایک بوسیدہ عمارت کو محکمہ بحالیات سے حاصل کر کے اس میں تعلیم الاسلام کالج کی کلاسیں شروع کردی گئیں۔ وہ عمارت کیا تھی اور کس قسم کی سہولت سے مرصع تھی اس بارے میں صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحب رضی اللہ کا ایک اقتباس جس میں آپ نے عمارت کا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا ہے، درج کرنا کافی ہوگا۔ آپ فرماتے ہیں:

''آج مجھے اتفاقاً تعلیم الاسلام کالج آف قادیان حال لاہور کو چند منٹ کے لئے دیکھنے کا موقع ملا۔ ہمارا ڈگری کالج جو موجودہ فسادات سے قبل قادیان کی ایک وسیع اور عالیشان عمارت میں اپنے بھاری سازوسامان کے ساتھ قائم کیا گیا تھا، اب وہ لاہور شہر سے کچھ فاصلے پر نہر کے کنارے ایک نہایت چھوٹی اور حقیر سی عمارت میں چل رہا ہے۔ اس عمارت کا نچلا حصہ قریباً قریباً ایک اصطبل کا سا رنگ رکھتا ہے اور اوپر کی منزل چند چھوٹے چھوٹے کمروں پر جو نہایت بوسیدہ طور پر بنے ہوئے ہیں۔ عمارت کی قلت اور کمی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ایک ہی عمارت سے کالج اور بورڈنگ کا

کام لیا جارہا تھا بلکہ حق تو یہ ہے اس عمارت کا صرف ایک کمرہ کالج کے لئے استعمال میں ہے باقی کمروں میں بورڈر رہائش رکھتے تھے۔ باقی کلاسیں برآمدوں میں یا کھلے میدان میں لگتی ہیں۔ کیوں کہ کوئی ڈیسک اور کوئی میز کرسی وغیرہ نہیں تھا اس لئے پڑھنے والے اور پڑھانے والے ہر دو چٹائیاں بچھا کر بیٹھتے ہیں۔''

آگے فرماتے ہیں: مجھے یہ نظارہ دیکھ کر وہ زمانہ یاد آ گیا جب دینی اور دنیوی ہر قسم کے علم کا منبع مسجدیں ہوا کرتی تھیں جہاں اسلام کے علماء اور اس کے حکماء فرش پر بیٹھ کر اپنے ارد گرد گھیرا ڈالے ہوئے طالب علموں کو درس دیا کرتے تھے اور اس قسم کے درسوں کے نتیجہ میں بعض ایسے شاندار عالم پیدا ہوئے کہ صدیاں گذر جانے کے باوجود آج کی دنیا بھی ان کے علوم سے روشنی حاصل کرنے میں فخر محسوس کرتی ہے۔''

خاکسار عرض کرتا ہے کہ انہی پڑھنے والوں اور صفوں میں بیٹھ کر اپنے اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ کرنے والوں میں ایک خاکسار بھی تھا۔ خاکسار اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق کالج میں داخلہ لے چکا تھا۔ چنانچہ وہیں اسی عمارت میں دیگر طلباء کے ساتھ خاکسار کی رہائش بھی تھی اور جب تک کالج شہر لاہور کے اندر ڈی اے۔ وی۔ کالج کی متروکہ عمارت میں منتقل نہیں ہوا خاکسار قریباً چھ ماہ اس عمارت کا مکین اور اسی کالج کا ایک طالب علم رہا۔ یہاں کالج کی اس پہلی ڈگری کلاس میں بھی خاکسار کو رول نمبر One الاٹ ہوا۔ یہ تو خاکسار کو معلوم نہیں یہ کیسے ہوا یعنی خاکسار کو رول نمبر One کیوں دیا گیا کیونکہ جہاں تک میرے ایف ایس سی میں حاصل کردہ نمبر کا تعلق ہے، وہ ہرگز دوسرے طلباء کے مقابلہ میں زیادہ نہ تھے۔ تاہم یہ بھی عجیب تھا کہ Intermediate کلاس کی طرح ڈگری کلاس میں بھی خاکسار کو کالج کا پہلا طالب علم ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اب جبکہ خاکسار اپنے کالج سے بی ایس سی کرنے اور پھر ربوہ میں جامعہ احمدیہ سے شاہد کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد تین ممالک میں بطور امیر اور مشنری انچارج خدمات سرانجام دے چکا ہے، خاکسار

بجا طور پر کہہ سکتا ہے کہ حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ کے وہ کلمات جو آپ نے کینال پارک میں کالج کے لئے استعمال ہونے والی اُس بوسیدہ اور حقیر عمارت کے بارے میں فرمائے تھے وہ اس ناچیز پر بھی صادق آرہے ہیں۔ ولافخر!۔

بہتر ہوگا کہ ڈی اے وی کالج کی اُس متروکہ عمارت کے بھی کچھ خدوخال بیان کردیئے جائیں جو تعلیم الاسلام کالج کو دی گئی اور جس میں مئی 1948ء میں ہمارا کالج کینال پارک سے منتقل ہوکر آبسا۔ دیکھنے کو تو یہ ایک بہت بڑے کالج کی عمارت تھی مگر اس کی خستہ حالی کا اندازہ کرنے کے لئے خود جناب پرنسپل صاحب کا اپنا بیان پڑھ لینا کافی ہوگا۔ آپ اس بارے میں فرماتے ہیں:

’’خاصی تگ ودو کے نتیجہ میں ڈی اے وی کالج کے کھنڈرات پر ہمیں قبضہ ملا۔ ان عمارتوں کو غیر مسلم پناہ گزین کلی طور پر تباہ برباد کر چکے تھے۔ دروازوں کے تختے اور چوکھٹیں روشندان الماریاں وغیرہ ہر قسم کا فرنیچر غائب تھا۔ عمل گاہوں (لیباریٹریز) میں ٹوٹی شیشیوں کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کے سوا کچھ موجود نہ تھا۔ پانی اور گیس کے نل ٹوٹے پڑے تھے تیس چالیس کتابوں پر مشتمل کتب خانے کی ایک بھی جلد باقی نہ تھی۔‘‘

آگے فرماتے ہیں کہ ہماری فوری توجہ ان ضروری اور ناگزیر مرموتوں کی طرف منعطف ہوئی۔ چنانچہ شروع میں گیس پلانٹ کو درست کروایا گیا اور شعبہ کیمیا کے لئے ضروری سامان خرید کر کیمیا کے عملی تجربے اپنے کالج میں شروع کروادیئے گئے۔ طبیعیات کے تجربات کے لئے ہمیں ایم اے او کالج سے انتظام کرنا پڑا جن کے برادرانہ سلوک کے ہم ہمیشہ ممنون رہیں گے۔ چونکہ ابھی ہوسٹل پر ہمیں قبضہ نہ ملا تھا اس لئے کالج کے ہی ایک حصہ کی مرمت کروا کر عارضی طور پر یہ ہوسٹل بنا دیا گیا جس میں اندازاً پچاس پچپن طلباء کی گنجائش موجود تھی جو وقتی طور پر کافی سمجھی گئی عملاً طلباء اس سے بہت زیادہ آگئے جس کے نتیجہ میں ایک ایک کمرے میں آٹھ آٹھ طلباء کو رہنا پڑا۔‘‘

یہ جملہ مناظر نہ صرف خاکسار کی نظروں سے گذرے بلکہ اس کالج کا طالب علم ہونے کی

حیثیت سے ان میں سے گزرنے کی توفیق بھی پائی۔اس عرصہ میں بعض اور پروفیسران آکر کالج سٹاف کا حصہ بن چکے تھے۔ان میں قابل ذکر پروفیسر حبیب اللہ خان ہیں جو یوپی سے آئے اور جن سے ہم نے کیمسٹری پڑھی۔آپ مکرم مولانا عبدالمالک صاحب مربی سلسلہ کے چھوٹے بھائی تھے۔ پروفیسر سید سلطان محمود شاہد ہیں آپ بھی ان دنوں نئے نئے ایم ایس سی کرنے کے بعد کالج سٹاف میں شامل ہوئے تھے۔ پروفیسر ملک فیض الرحمان فیضی ہیں جو ملک عبدالرحمن صاحب خادم خالد احمدیت کے چھوٹے بھائی تھے۔ پروفیسر میاں عطاء الرحمن صاحب اور پروفیسر اخوند محمد عبدالقادر صاحب تو قادیان کے زمانے سے ہی کالج کے ہردلعزیز پروفیسران کے طور پر چلے آرہے تھے۔ اسی طرح چودھری محمد علی صاحب بدستور ہوسٹل کے سُپرنٹنڈنٹ اور صوفی بشارت الرحمان صاحب ہوسٹل کے دینی امور کے نگران تھے۔

کالج کی تعلیمی اور تربیتی سرگرمیوں اور اخلاقی اور دینی نظم وضبط کے ساتھ ساتھ طلباء کی تفریحی سرگرمیوں کا بھی خاص خیال رکھا جاتا تھا۔مثلاً حضرت پرنسپل صاحب نے کالج کے ڈی اے وی کالج کی عمارت میں منتقل ہوتے ہی دیگر کھیلوں مثلاً کبڈی، بیڈمنٹن، والی بال فٹ بال وغیرہ کے علاوہ دریائے راوی کے قرب سے فائدہ اٹھاتے ہوئے طلباء میں تیراکی کی ترویج کے لئے بھی ایک Swimming Culb ترتیب دیا جس میں طلباء اپنے فارغ اوقات میں حصہ لیتے اور بعض اوقات دیگر کالج کے طلباء کے ساتھ تیراکی کے مقابلہ جات بھی کرتے۔اس میں جناب پرنسپل صاحب کی ذاتی دلچسپی اور بھرپور پشت پناہی کے نتیجے میں طلباء نے اس قدر کمال حاصل کیا کہ ابتدائی ایام میں ہماری تیراکی کی ٹیم پنجاب روئنگ ایسوسی ایشن کے سالانہ مقابلہ جات میں اول آئی اسی طرح موسم گرما میں دریائے راوی پر جا کر پکنک منانا طلباء کا معمول بن چکا تھا۔اس پکنک میں کھانے پینے کے خصوصی انتظام کے علاوہ رنگا رنگ کے لطائف وغرائب بھی ہوا کرتے تھے۔جن کے تمام تر خاکے عموماً چودھری محمد علی صاحب ہی تیار کیا کرتے تھے۔1949ء کی بات ہے چودھری صاحب

موصوف نے اُس سال کی پکنک پر ایک ایسا خاکہ تیار کیا جو طلباء اور پروفیسران سب کے لئے بے حد دلچسپی کا باعث بنا۔ یہ ایک مزاحیہ مباحثہ سے عبارت تھا جس کا عنوان رکھا گیا تھا:

''اس ایوان کی رائے میں بین الاقوامی مسائل کا حل ٹنڈ کرا وانے میں ہے۔''

اس مباحثہ میں صرف سٹاف ممبر نے حصہ لینا تھا۔ مگر شرط یہ رکھی گئی تھی کہ وہ پروفیسران جن کی زبان اردو ہے پنجابی میں بولیں گے اور پنجابی بولنے والے پروفیسران اردو میں بولیں گے۔ پروفیسر حبیب اللہ خان صاحب جو نئے نئے یو پی سے آئے تھے۔ اس شرط پر سٹپٹائے مگر چودھری محمد علی صاحب جو اس پروگرام کے کرتا دھرتا تھے انہوں نے ایک ان کی نہ سنی۔ خیر جب سٹیج تیار ہوا تو صدارت کے لئے شیخ روشن دین تنویر صاحب ایڈیٹر روزنامہ الفضل کو جو اس موقع پر بطور مہمان خصوصی مدعو تھے، کو دعوت دی گئی جو انہوں نے بصد خوشی قبول کی۔ اب جب چودھری صاحب موصوف نے مباحثہ کی دیگر شرائط سناتے ہوئے یہ کہا کہ اگر ایوان نے مباحثہ کے عنوان کے حق میں رائے دی تو صاحب صدر کو ٹنڈ کروانی پڑے گی تو شیخ روشن دین صاحب یہ کہتے ہوئے کرسی صدارت سے اچھل پڑے کہ'' دہائی خدا دی میں صدارت کرنے سے باز آیا۔'' خیر بڑی مشکل سے اور بڑی منت سماجت کے بعد انہیں صدارت کے فرائض ادا کرنے پر راضی کیا گیا۔ اب جو مباحثہ شروع ہوا تو جس طرح کا عنوان تھا مقررین بھی اس طرح عنوان کے حق میں اور دُور دُور کی کوڑیاں لانے لگے جس سے ساری محفل کشتِ زعفران بن گئی۔ سب سے زیادہ رونق اُس وقت پیدا ہوئی جب پروفیسر حبیب اللہ خان صاحب عنوان کے خلاف بولتے ہوئے ٹوٹی پھوٹی پنجابی میں اپنا موقف ادا کرنے لگے۔ تاہم جب وہ اپنے اس جملہ پر پہنچے کہ'' اگر ٹنڈ کرائی گئیں تو اولے پڑیں گے، اور اگر اولے پڑے تو فصلیں خراب ہوں گی۔ اور فصلیں خراب ہوئیں تو بین الاقوامی مسائل بڑھیں گے کم نہیں ہوں گے اس لئے میں عنوان کے خلاف اپنی رائے دیتا ہوں۔'' تو اس قدر مزاح پیدا ہوا کہ راوی کا پانی بھی اچھلنے لگ گیا۔ اُدھر صدر صاحب بھی ٹنڈ کرانے سے بچ گئے۔

اب مزاح سے ہٹ کر تعلیم الاسلام کالج کی اُس عظیم المرتبت ہستی سے تعلق رکھنے والا ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے جس کی عظمت کردار اور رعظمت گفتار نے کالج کو ہمیشہ چار چاند لگائے رکھے۔ میری مراد اس سے حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ پرنسپل تعلیم الاسلام کالج کی ذات بابرکات ہے۔آپ کے اخلاق کریمانہ اورالطاف خسروانہ کا دائرہ صرف اپنے کالج تک محدود نہ تھا بلکہ اس نے غیروں کے اندربھی وہ اثر پیدا کیا کہ اس کی بدولت تعلیم الاسلام کالج ملک بھر میں عزت اور وقار کی علامت بن گیا۔اوپر کالج کی تیراکی کی ٹیم کا دوسرے کالجوں کے طلباء کے ساتھ مقابلہ جات کا ذکر ہوا ہے۔ایک ایسے ہی مقابلے کا حال اوراس میں مکرم پرنسپل صاحب (حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ) کی بیدارمغزی اور ہردلعزیزی کا ایک قصہ بیان کیا جاتا ہے۔

اُس وقت ہماری تیراکی کی ٹیم کا غالباً اسلامیہ کالج لاہور کی ٹیم کے ساتھ بمپنگ بوٹ ریس کا مقابلہ تھا۔دریا پر دونوں کالجوں کے پرنسپل صاحبان اور طلباء موجود تھے اور مقابلہ شروع ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔فضا میں کسی قدر کدورت تھی۔اچانک پرنسل صاحب اسلامیہ کالج نے مائک میں اعلان کیا کہ اگر اسلامیہ کالج کی ٹیم جیت گئی تو اسے سو روپے کا انعام دیں گے۔اس پر پرنسپل صاحب تعلیم الاسلام کالج فوراہی مائیک پر تشریف لائے اور اعلان فرمایا کہ اگر اسلامیہ کالج کی ٹیم جیت گئی تو آپ بھی اسے ایک سو روپے انعام دیں گے۔بس پھر کیا تھا فوراً فضا بدل گئی اور ایک نہایت خوشگوار ماحول پیدا ہو گیا۔اسلامیہ کالج کے طلباء نے زور سے ’’پرنسپل تعلیم الاسلام کالج زندآباد‘‘ کا نعرہ بلند کیا۔حسن اتفاق سے مقابلہ میں تعلیم الاسلام کالج کی ٹیم اول آئی۔

(سہ ماہی المنار جرمنی دسمبر 2012ء صفحہ 7 تا 15)

تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی علمی و ادبی سرگرمیاں

(مکرم محمد داؤد طاہر صاحب)

’’ہمارا قومی ادارہ تعلیم الاسلام کالج ربوہ‘‘ کے نام سے مکرم داؤد احمد طاہر صاحب نے المنار 1964ء میں دو قسطوں پر مشتمل ایک تاریخی اور معلوماتی مضمون شائع کیا ہے۔ جس کا ایک حصہ تعلیم الاسلام کالج کی علمی ادبی سرگمیاں قارئین کے لئے پیش خدمت ہے۔ یاد رہے یہ سرگرمیاں ایک سال یعنی 1964ء کی ہیں۔ لیکن اس کے درج کرنے سے قارئین کو تعلیم الاسلام کالج میں ہونے والی سرگرمیوں کا بطور نمونہ کچھ علم ہو جائے گا۔

’’کالج یونین (یا مجلس عمومی) کالج کی سب سے بڑی مجلس ہے۔ کالج کے جملہ طلباء اسکے ممبر ہیں۔ اس مجلس کا سب سے اہم فرض طلباء کو فنّ تقریر میں نام پیدا کرنے کی مشق کروانا ہے۔ اس مجلس کے زیر اہتمام پہلے بین الکلیاتی مباحثات 1951ء میں ہوئے۔ عناوین زیر بحث یہ تھے۔

اردو: (1) اسلامی ممالک کا اتحاد مسلمانوں کے مستقبل کو روشن بنا سکتا ہے۔

(2) اشتراکیت ایک ناقص ضابطہ حیات ہے۔

انگریزی (1) Pakistan's strength lies in the litray of its masses

(2) U.N has failed to achieve world peace

تقریباً چودہ کالج کی ٹیمیں ان مباحثات میں شامل ہوئیں اردو ٹرافی میڈکل کالج لاہور

نے جیتی اور انگریزی ٹرافی گورنمنٹ کالج لاہور کے حصہ میں آئی۔

مختلف اوقات میں بڑی بڑی شخصیتیں اس مجلس کے زیر اہتمام طلباء سے خطاب کرتی رہتی ہیں۔ چنانچہ 50۔1949ء میں شیخ بشیر احمد صاحب (ایڈوکیٹ فیڈرل کورٹ لاہور) نے تقریر کی۔ 1950-51ء میں دہلی یونیورسٹی کے پروفیسر ایم اے زشتی گلزار ایم اے ایل ایل بی ایچ یو نے ''کیا ادب ملک وقوم کی تعمیر وتنظیم کے لئے ضروری ہے۔؟'' 1951۔52ء میں فلائٹ لیفٹیننٹ MW Banch نے ''ائیرفورس'' چوہدری صاحب وزیر خارجہ پاکستان نے ''مسئلہ کشمیر'' 1954۔55ء میں پرنسپل احمد عابد علی آف سرگودھا نے the life of islam in modren age اور لاہور کے Dr.SHEATS نے SHUTTINGS DROS کے موضوعات پر طلباء کے سامنے اظہار خیال کیا۔ نیز مشہور اطالوی مستشرق پروفیسر اے بھوسانی کا لیکچر بھی کروایا گیا۔ اسی طرح 1956۔57ء کے دوران پروفیسر سٹیبکین سائنٹیفک ایڈوائزر راک فیلر فونڈیشن امریٹس منسوٹا یونیورسٹی امریکہ۔ پروفیسر پرونوف ڈائیریکٹر انسٹی ٹیوٹ آف فزیالوجی اکیڈمی آف سائنس U.S.S.R اور میجر عثمان بیگ آفندی آف ترکی۔ 1958ء میں برطانوی سائنس دان M.G Bennett اور روسی سائنس دان Mr.Leonid Sedav، 1958۔59ء کے دوران قاضی محمد اسلم صاحب، صدر شعبہ فلاسفی کراچی یونیورسٹی۔ مسٹر تھیورڈور، جو اُن دنوں غبارے میں بیٹھ کر دنیا کی سیر کر رہے تھے، چوہدری محمد ظفر اللہ صاحب نائب صدر کراچی عالمی عدالت ہیگ اور 1959۔60ء کے تعلیمی سال میں ڈاکٹر محمد عودہ اخبار الجمھوریہ کے سیاسی ایڈیٹر نے ''عرب کے مسائل'' موضوع پر طلباء سے خطاب کیا۔ اسی سال مرغوب صدیقی صاحب، صدر شعبہ جرنلزم پنجاب یونیورسٹی، سردار دیوان سنگھ مفتون مدیر ''ریاست'' دہلی نے بھی کالج کے طلباء کو اپنے خطابات سے نوازا۔ 1960۔61ء میں خان عبدالعلی صاحب پرنسپل گورنمنٹ کالج سرگودھا نے ''طلباء کی ذمہ داریاں'' کیمبرج یونیورسٹی کے Dr.F.T.I Resenathab نے Jon Exchange کے موضوعات پر اپنے قیمتی خیالات کا اظہار فرمایا۔

1962ء کے آغاز میں حکومت مغربی پاکستان کے سکرٹری تعلیم نے ہمارے کالج میں قدم رنجہ فرمایا اور طلباء سے خطاب بھی فرمایا۔ 1962۔63ء کے تعلمی سال کے دوران ڈاکٹر ولیم کرنے ''امریکی طالب علم کی زندگی'' کے موضوع پر انگریزی زبان میں تقریر کی 1963۔64ء کے دوران Mr.Quigly نائب سکرٹری برٹس کونسل لاہور نے Reading Shakepear پر تقریر کی۔اسی طرح چوہدری ظفر اللہ خان صاحب جج عالمی عدالت ہیگ نے طلباء کے سوالات کے جوابات دیئے۔(یادرہے ناموں کے ساتھ جوعہدہ تحریر کیا گیا ہے یہ اُس وقت کا ہے جب کہ فاضل مقرر کے کالج کے طلباء سے خطاب کرنے کے لئے تشریف لائے۔)

اس مجلس کے نگرانوں میں سے جووقتاً فوقتاً بدلتے رہے ہیں۔مکرم مقبول الٰہی صاحب ایم اے، مکرم نصیر احمد خان صاحب ایم ایس سی اور مکرم مرزا انس احمد صاحب ایم اے کے نام خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔آج کل یونین کے نگران مکرم ڈاکٹر سلطان محمود صاحب شاہد ایم اے پی ایچ ڈی اے آر آئی سی ہیں۔گزشتہ کئی سالوں سے سوائے اس کے کہ آپ بیرون ملک تشریف لے گئے ہوں۔یہ عہدہ آپ ہی کے پاس ہے۔

مختلف سنین میں جوطلباStudent President رہے ہیں ان کے اسماءمندرجہ ذیل ہیں۔

1949۔50ء شیخ حسام الدین صاحب، 1950۔51ء سردار رشید احمد قیصرانی، 1951۔52ء سید نصیر احمد شاہ، 1952۔53ء چوہدری امان اللہ، 1953۔54ء کنور ادریس، 1954۔55ء خالد بشیر، 1955۔56ء عطاء الکریم شاہد، 1957۔58ء مرزا انس احمد، 1958۔59ء مرزا حنیف احمد، 1959۔60ء عبداللہ ابوبکر 1960۔61ء نعیم احمد طاہر۔ 1961۔62ء فضل احمد، 1962۔63 ارشد ترمذی۔1963۔64ء محمد کریم قمر۔

بزم اردو

اس بزم کا مقصد طلباء میں اردو ادب کا مطالعہ اور اردو لکھنے پڑھنے بولنے اور سمجھنے کا شوق پیدا کرنا ہے۔ پہلے اس کے نگران مکرم شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم اے تھے، آج کل یہ بار گراں محترم پرویز پروازی صاحب ایم اے کے کندھوں پر ہے جسے آپ نے بڑی خوبی ہمت اور استقلال کے ساتھ اٹھایا ہوا ہے۔ گزشتہ دو تین برس کے صدر بزم کے تحت مولانا صلاح الدین احمد مرحوم، ڈاکٹر وزیر آغا، ڈاکٹر عبادت بریلوی، ڈاکٹر عبدالبصیر پال، ڈاکٹر وحید قریشی، پروفیسر مرزا ریاض احمد آف گورنمنٹ کالج آف سرگودھا، محمد عارف صاحب ایم اے آف سٹیٹ بینک آف پاکستان (سابق صدر سٹوڈنٹس یونین گورنمنٹ کالج لاہور) پروفیسر جیلانی کامران لاہور۔ سید حماد رضا صاحب کمشنر سرگودھا ڈویژن۔ مسٹر جسٹس سجاد احمد جان اور مسٹر جسٹس انوار الحق ہائی کورٹ مغربی پاکستان لاہور، جناب زید اے ہاشمی وائس چانسلر زرعی یونیورسٹی لائلپور، اور جناب منظور قادر صاحب وزیر خارجہ پاکستان و چیف جسٹس مغربی پاکستان ہائی کورٹ لاہور مختلف موضوعات پر خطاب فرما چکے ہیں۔

یہ بزم ہر سال ایک مشاعرہ بھی منعقد کرتی ہے جس میں ملک کے کئی نامور شعراء شرکت کرتے ہیں۔ امسال بزم اردو مشاعرہ کے زیر انتظام ایک کُل پاکستان اُردو کانفرنس کا انعقاد کیا گیا جس میں ملک کے بہت سے نامور حضرات نے شرکت کی۔ ان میں سے ڈاکٹر وزیر آغا، پروفیسر سید وقار عظیم (شعبہ اُردو دانشگاہ پنجاب) شیخ ممتاز حسین صاحب (صدر شعبہ اردو زرعی یونیورسٹی لائل پور) خضر تمیمی صاحب (ایڈووکیٹ لاہور) سہیل بخاری صاحب سرگودھا، ڈاکٹر وحید قریشی صاحب، سید سجاد باقر رضوی (شعبہ اردو دانشگاہ پنجاب) کے نام خصوصیت کے حامل ہیں، ان کے علاوہ جناب اختر حسین صاحب (صدر انجمن ترقی اردو پاکستان) اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی وائس چانسلر و دانشگاہ کراچی (جو بذات خود یہاں تشریف نہ لاسکے) نے اس موقع پر اپنے گرانقدر

پیغامات سے نوازا۔ یہ کانفرنس بحیثیت مجموعی بڑی کامیاب رہی۔

مجلس ارشاد

اس مجلس کا قیام طلباء میں مذہب سے وابستگی اور روحانی و اخلاقی اقدار کو اپنانے کا شوق پیدا کرنے اور انہیں صحیح اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔ نگران محترم ملک عبداللہ صاحب ہیں۔ کالج میں عربی سائنس سوسائٹی۔ پولیٹیکل سائنس سوسائٹی، اکنامکس سوسائٹی، مجلسِ فلسفہ ونفسیات، مجلس ریاضی بزم فارسی اور مجلس تاریخ غیرہ بھی قائم ہیں جو اپنی حدود میں اچھا کام کر رہی ہیں۔ ان مجالس کے نگران اساتذہ بالترتیب مکرم محمد اسلم صاحب صابر، مکرم پروفیسر حبیب اللہ خان صاحب، مکرم شیخ منور شمیم صاحب خالد، مکرم رشید احمد صاحب جاوید، مکرم مرزا نس احمد صاحب مکرم و محترم چوہدری حمید اللہ صاحب، مکرم چوہدری عطاء اللہ صاحب اور مکرم عبدالرشید صاحب فوزی ہیں۔

بعض مجالس پہلے قائم تھیں مگر اب ان کا وجود باقی نہیں ہے مثلاً ریڈیو اور فوٹو گرافک سوسائٹی۔ اس کے علاوہ ایک کلب ایرو ماڈلنگ بھی ہوا کرتا تھا۔ اس کا قیام 1954۔55ء کے تعلیمی سال میں ہوا۔ اس کا مقصد طلباء میں ہوا بازی اور اس سے متعلقہ مسائل میں دلچسپی پیدا کرنا تھا۔ اسی مقصد کے تحت مختلف قسم کے ماڈلز خریدے گئے اور دس کے قریب طلباء نے خود بنائے۔ نومبر 1954ء میں پریذیڈنٹ ایروکلب لاہور کی موجودگی میں مختلف قسم کی پرواز کی نمائش کی گئی جسے اہالیان ربوہ نے بہت ذوق وشوق سے دیکھا اور سراہا۔ (کالج رپورٹ 1954۔1955ء)

صحت جسمانی

جہاں ہمارا یہ قومی اور جماعتی ادارہ طلباء کی ذہنی اور علمی صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے کی اپنی طرف سے بھر پُور کوشش کرتا ہے۔ وہاں یہ ادارہ ان کی جسمانی صحت کا بھی پورا پُورا خیال رکھتا ہے تا کہ یہاں سے فارغ التحصیل ہونے والے طلباء عملی زندگی میں قدم رکھیں تو اُن کے قدم لڑکھڑائیں نہیں بلکہ

مضبوطی اور توانائی کے ساتھ زندگی کی بے پناہ ذمہ داریوں کو اٹھاتے ہوئے زمانہ کا ساتھ دے سکیں۔
اس مقصد کے حصول کے لئے کالج میں مختلف کلب قائم ہیں جن میں سے کشتی رانی کلب (Rowing club) کا نام سرفہرست ہے۔ تقسیم ملک کے بعد جونہی کالج لاہور منتقل ہوا کشتی رانی کلب قائم کر دیا گیا تھا جو آج تک خدا کے فضل سے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے فرائض ادا کر رہا ہے۔

اس سے قبل پنجاب یونیورسٹی بمپنگ ریسز میں ہمارے کالج کی ٹیم دوسرے نمبر پر تھی مگر بمطابق کالج رپورٹ 1951۔52ء اسی سال باوجود پہلی اور دوسری ٹیم کے درمیان بارہ گز کا فاصلہ ہونے کے ہماری ٹیم نے اسلامیہ کالج لاہور کی ٹیم کو 400 میٹر کے اندر اندر بمپ کر لیا اور یونیورسٹی چیمپین قرار پائی۔ مسلسل بارہ سال تک کشتی رانی کی دوڑ میں اول پوزیشن حاصل کرنے کے بعد تیرھویں سال ہماری ٹیم نے اسلامیہ کالج کے ہاتھوں شکست کھائی۔ اس طرح تیرہ سال قبل جو ٹرافی اسلامیہ کالج لاہور سے ہم نے جیتی تھی وہ واپس اسلامیہ کالج لاہور کو پہنچ گئی۔ (کالج رپورٹ 1961۔62ء) دو سال کے بعد ہم نے پھر سے وہی اعزاز حاصل کر لیا۔ فالحمدللہ علی ذالک۔ ایک لمبا عرصہ مکرم و محترم چوہدری محمد علی صاحب اس گیم کے نگران رہے ہیں مگر اب چونکہ ان کی خدمات باسکٹ بال کلب کی طرف منتقل ہو گئی ہیں اس لئے ان کی جگہ محترم پرنسپل صاحب نے مکرم حمید احمد صاحب کو اس عہدہ پر مدعو کیا ہے۔

باسکٹ بال

تعلیم الاسلام ربوہ میں باسکٹ بال کی گیم کا آغاز 1956ء میں ایک کچی کورٹ پر کیا گیا تھا۔ 1958ء میں اُسے پکا کر دیا گیا۔ دو سال بعد 1960ء میں ایک عدد مزید کورٹ تعمیر کی گئی۔

1958ء میں پہلی دفعہ ہماری ٹیموں نے بورڈ اور یونیورسٹی چیمپین شپ میں حصہ لیا بورڈ نے زونل ٹرافی جیتی جب کہ ڈگری ٹیم یونیورسٹی چیمپین شپ کے لئے Runners up رہی۔ رفتہ رفتہ ہماری گیم کا معیار بلند ہوتا گیا۔ چنانچہ 1960ء میں پہلی مرتبہ ہمارے کالج کے دولڑکے انٹر یونیورسٹی میں حصہ

لینے والی پنجاب یونیورسٹی ٹیم میں چنے گئے۔ 1961ء میں ہمارے کالج کے 4 لڑکے نیشنل باسکٹ بال ٹیم میں پنجاب کی نمائندگی کرنے والی ٹیم میں منتخب ہوئے۔ 1962ء میں پھر تین لڑکے یونیورسٹی ٹیم کے لئے منتخب ہوئے۔ ہمارا کالج گزشتہ 6 سال سے ہر سال ایک آل پاکستان باسکٹ بال ٹورنامنٹ منعقد کرتا رہا ہے جس میں ملک کی نامور ٹیمیں شریک ہو کر نہایت ہی بلند پایہ معیاری کھیل کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ یہ ٹورنامنٹ تین سیکشن اسکول کالج اور کلب سیکشنز میں کھیلا جاتا ہے۔

1959ء میں پہلا آل پاکستان باسکٹ بال ٹورنامنٹ منعقد ہوا جس میں شرکت کرنے والی ٹیموں میں سے وائی ایم سی اے لاہور، برادرز کلب لاہور، پنجاب پولیس، ریلوے، بمبے سپرٹس کلب کراچی، یونائیٹڈ کلب کراچی، یونائیٹڈ کلب لائلپور، ایگریکلچر کلب لائلپور، ایس ایس کالج بہاولپور، گورنمنٹ کالج وی اے ایف وفرینڈ کلب سرگودھا کے نام خصوصی قابل ذکر ہیں۔ اس ٹورنامنٹ میں کلب سیکشن کا فائنل میچ پولیس اور برادرز کلب کے درمیان ہوا۔ اوّل الذکر ٹیم نے صرف ایک پوائنٹ سے آخرالذکر ٹیم کو شکست دی۔ پہلے سے چوتھے ٹورنامنٹ میں شامل ہونے والوں کی تعدا بالترتیب 13۔21۔29 اور 18 رہی۔ نیز کالج کے زیر اہتمام گزشتہ تین سال سے آل ربوہ باسکٹ بال ٹورنامنٹ بھی منعقد کیا جا رہا ہے۔ آخری ٹورنامنٹ 16 سے 18 مئی تک جاری رہے۔ اس میں ربوہ کی 10 کے قریب ٹیموں نے حصہ لیا۔ اکتوبر 1961ء میں کالج کی ٹیم کا انڈین وائی ایم سی اے باسکٹ بال ٹیم سے جو اُن دنوں پاکستان کا دورہ کر رہی تھی میچ ہوا۔ گو کالج کی ٹیم نو آموز طلباء پر مشتمل تھی اور اس کے بالمقابل مہمان ٹیم میں بہت سے نامور اور کہنہ مشق کھلاڑی شامل تھے، مقابلہ دونوں ٹیموں کے لئے جان توڑ ثابت ہوا۔ نتیجہ جیسا کہ کھیل کے آغاز سے ہی نظر آ رہا تھا مہمان ٹیم کے حق میں نکلا اور 43 کے مقابلہ 47 پوائنٹ سے جیت گئے۔ ربوہ میں باسکٹ بال کی اس روز افزوں ترقی کی وجہ سے ہی اس کا شمار ملک میں باسکٹ بال کے تین چار مراکز میں سے ہونے لگا ہے۔ اس سلسلہ میں بعض نامور خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

(1) گزشتہ سال، ان خدمات جلیلہ کی وجہ سے جو کالج اور اس کے قابل قدر پرنسپل نے باسکٹ بال کی ترقی وترویج کے لیے سرانجام دی ہیں محترم مرزا ناصر احمد صاحبؒ کو سینٹرل باسکٹ بال ایسوسی ایشن کی انتظامیہ کمیٹی کی طرف سے ایسوسی ایشن کا صدر بنادیا گیا۔

(2) گزشتہ سال سے سالانہ ٹورنامنٹس کے موقع پر سنٹرل اپچور باسکٹ بال ایسوسی ایشن کی طرف سے ایک مختصر سے ریفریشر کورس کا انعقاد بھی عمل میں لایا جاتا رہا ہے۔

(3) چند سال سے یہاں باسکٹ بال کوچنگ کیمپ بھی منعقد ہوتا رہا ہے جس میں حصہ لینے والے کھلاڑیوں کو بہتر طور پر باسکٹ بال کھیلنا سکھایا جاتا ہے۔ نیز انہیں اس گیم کے قواعد وضوابط سے بھی روشناس کرایا جاتا ہے۔ آخری کوچنگ کیمپ اس سال یکم سے 17 جون تک منعقد ہوا۔

(4) ہمارے کالج کی ٹیمیں بورڈ یونیورسٹی باسکٹ بال چیمپین شپس کے مقابلوں میں شریک ہوتی ہیں اور متعدد دفعہ ٹرافی اور چیمپین ہونے کا اعزاز حاصل کرتی رہی ہیں۔ اسی طرح باہر سے منعقد ہونے والے آل باسکٹ بال ٹورنامنٹس میں ہماری ٹیمیں شرکت کر کے انعامات حاصل کرتی رہی ہیں۔ گزشتہ سال ہمارے کالج کے 6 طلباء پنجاب یونیورسٹی ٹیم میں منتخب ہوئے۔ پہلے محترم نصیر احمد خان صاحب اس گیم کے نگران تھے مگر اب چونکہ وہ ڈاکٹریٹ کے لئے بیرون پاکستان تشریف لے جاچکے ہیں اس لئے یہ عہدہ محترم چوہدری محمد علی صاحب کے سپرد کیا گیا ہے۔ کچھ عرصہ قریشی محمد اسلم صاحب ایم ایس سی سابق لیکچرار کالج ہذا آپ کے نائب رہے ہیں۔ مکرم چوہدری صاحب سنٹرل باسکٹ بال ایسوایشن کی مجلس عاملہ کے رُکن بھی ہیں۔ نیز مشرقی پاکستان میں منعقد ہونے والے اولمپک کھیلوں میں شمولیت کرنے والی سنٹرل زون کی ٹیم کے مینجر اور کوچ بھی رہے ہیں۔

ہا کینگ، ماؤنٹنیر ئینگ ینگ اینڈ یُوتھ ہاسٹنگ کلب

یہ کالج کا قدیم ترین کلب ہے اور ملک کے معدودے چند اور فعال ترین کلبوں میں سے ایک ہے۔اس کے صدر بھی محترم چوہدری محمد علی صاحب ہی ہیں۔ان کے علاوہ کالج کی ہاکی فٹ بال والی بال کبڈی اور بیڈ منٹن کی بھی ٹیمیں ہیں۔ان گیمز کے موجودہ انچارج صاحبان بالترتیب مکرم عبدالرشید غنی صاحب، مکرم رشید فوزی صاحب، مکرم چوہدری عطاء اللہ صاحب، مکرم چوہدری محمد شریف صاحب خالد اور منور شمیم صاحب خالد ہیں۔

Physical Education کا بھی باقاعدہ مستقل شعبہ قائم ہے جس کے ذمہ اور امور کے علاوہ سالانہ کھیلوں کا اہتمام کرنا بھی ہے۔اس کے موجودہ انچارج مکرم محمد احمد صاحب انور حیدرآبادی ایم اے ڈی پی ای ہیں۔ان سے پہلے مکرم ماسٹر محمد فضل داد صاحب مکرم چوہدری محفوظ الرحمٰن صاحب اس ڈیوٹی کو ادا کرتے رہے۔بعض کلبز پہلے تھے۔مگر اب ان کا کوئی وجود نہیں۔ان میں سے عسکری تربیت کا کلب خاص طور سے قابل ذکر ہے۔

(دیکھئے کالج رپورٹس 1949ء-50ء، 1950ء-51ء، 1951ء-52ء وغیرہ)

المنار

المنار ہمارا کالج میگزین ہے۔ 1950ء میں اس کی اشاعت کی اجازت ملی۔چنانچہ اس کا پہلا پرچہ کالج کی پہلی کانووکیشن کے موقع پر 2 اپریل 1950ء کو شائع کیا گیا۔مختلف اوقات میں اس کے حصہ انگریزی کے نگران مکرم چوہدری محمد علی صاحب، مکرم محمد عبد القادر صاحب مرحوم، مکرم سعید احمد صاحب رحمانی اور مکرم مرزا خورشید احمد صاحب رہ چکے ہیں۔موجودہ نگران مکرم چوہدری حمید احمد صاحب (لیکچرار ان انگلش) ہیں۔حصہ اردو کے نگران مکرم فیض الرحمٰن صاحب فیضی، مکرم محبوب عالم صاحب خالد اور مکرم چوہدری محمد شریف صاحب خالد رہ چکے ہیں۔اس حصہ موجودہ کے نگران مکرم شیخ محبوب عالم صاحب خالد ہیں۔رسالہ کے سرپرست مکرم و محترم صاحبزادہ مرزا

ناصر احمد صاحب پرنسپل کالج ہیں۔

کالج کنووکیشنز

تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی سب سے پہلی کانووکیشن 2 اپریل 1950ء کو ہوئی۔ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحبؓ نے خطبہ اسناد ارشاد فرمایا بعد کی کانووکیشنز کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(2) تاریخ انعقاد 4 مارچ 1951ء مہمان خصوصی خان بہادر ڈاکٹر محمد بشیر صاحب۔

(3) تاریخ انعقاد 30 مارچ 1952ء مہمان خصوصی جسٹس ایس اے رحمٰن، جج عدالت عالیہ مغربی پاکستان۔

(4) تاریخ انعقاد 21 جون 1954ء مہمان خصوصی چوہدری محمد ظفر اللہ خان سابق ویز رخارجہ پاکستان جج عالمی عدالتِ انصاف ہیگ۔

(5) تاریخ انعقاد 19 جون 1955ء مہمان خصوصی میاں افضل حسین صاحب سابق v.c پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

(6) تاریخ انعقاد 17 جون 1956ء۔

(7) تاریخ انعقاد 10 مارچ 1957ء مہمان خصوصی سردار عبدالحمید دستی ویزر تعلیم

(8) تاریخ انعقاد 15 جون 1958ء

(9) تاریخ انعقاد 14 جون 1959ء مہمان خصوصی قاضی محمد اسلم سابق شعبہ فلسفہ ونفسیات کراچی یونیورسٹی۔

(10) تاریخ انعقاد 7 مئی 1960ء مہمان خصوصی جسٹس ایک آر کیانی مرحوم، سابق چیف جسٹس مغربی پاکستان ہائی کورٹ لاہور

(11) تاریخ انعقاد 4 جون 1961ء مہمان خصوصی پروفیسر سراج الدین سابق سکریٹری صوبائی محکمہ تعلیم

(12) تاریخ انعقاد 3 جون 1962ء مہمان خصوصی پروفیسر حمید خان وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی لاہور

(13) تاریخ انعقاد 9 جون 1963ء مہمان خصوصی مولانا صلاح الدین احمد مرحوم سابق ایڈیٹر ادبی دنیا لاہور۔

(14) تاریخ انعقاد 1999 اپریل 1964ء اس سال کانووکیشن کے موقع پر حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری کا تحریر کردہ خطبہ صدارت مکرم مولانا جلال الدین صاحب شمس نے پڑھ کر سنایا۔

نوٹ: یاد رہے 1953ء میں بوجہ وفسادات کنووکیشن منعقد نہیں ہوسکی تھی۔

(المنار ربوہ اکتوبر نومبر دسمبر 1964ء صفحہ 11 تا 19)

منظرِ شوق.. عاصی صحرائی

چشمِ ساقی سے اُتر کر آگیا جامِ شفا
اے مرے پیرِ مُغاں اس میکدے کو کیا ہوا
سارے مے خانے کی مستی تری آنکھوں کی ادا
ساقیا تیری نگاہوں سے ٹپکتی ہے وفا
تیرے گیتوں میں بسا ہے دلبرا اک مطربا
سب ستاروں میں ہے دیکھی پھوٹتی تجھ میں غنا
مضطرب مضراب نقشِ پا بھی ہے صحراؤں میں
بے سکت سے آنسوؤں کا آنکھ میں خیمہ لگا
بڑھتے بڑھتے جارہا ہے سمتِ مغرب کو جنوں
اک موہوم سی بے رُخی کی ہے فضا
ہاں جدائی کے یہ صبح و شام بھی گزرے مگر
ہاں مگر عاصیؔ نے دیکھی ہے اُٹھتی گھٹا

تعلیم الاسلام کالج کی کچھ خوشگوار یادیں



(محترم ڈاکٹر سر افتخار احمد ایاز صاحب)

جماعت احمدیہ کی قیام گاہوں کا خاص مقصد تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے 15 ستمبر 1897ء کو جماعت کے نونہال کو عیسائیت الحاد اور مغربی تہذیب سے بچانے اور امین اسلام کا مخلص خادم بنانے کی غرض سے قادیان میں ایک مثالی درس گاہ کے قیام کی بذریعہ اشتہار تحریک فرمائی۔ چنانچہ حضور نے لکھا ''اگر چہ ہم دن رات اس کام میں لگے ہوئے ہیں کہ لوگ اس سچے معبود پر ایمان لاویں جس پر ایمان لانے سے نور ملتا ہے اور نجات حاصل ہوتی ہے لیکن اس مقصد تک پہنچانے کیلئے علاوہ اور طریقوں کے جو استیصال کیے جاتے ہیں ایک اور طریق ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک مدرسہ قائم ہو کر بچوں کی تعلیم میں ایسی کتابیں ضروری طور پر لازمی ٹھہرائی جائیں جن کے پڑھنے سے ان کو پتا لگے کہ اسلام کیا شئے ہے اور کیا کیا خوبیاں اپنے اندر رکھتا ہے اور جن لوگوں نے اسلام پر حملے کیے ہیں کیسے خیانت اور جھوٹ اور بے ایمانی سے بھرے ہوئے ہیں۔۔۔۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر ایسی کتابیں جو خدا تعالیٰ کے فضل سے میں تالف کروں گا بچوں کو پڑھائی گئیں تو اسلام کی خوبی آفتاب کی طرح چمک اُٹھے گی اور دوسرے مذاہب کے بطلان کا نقشہ ایسے طور سے دکھایا جائیگا جس سے ان کا باطل ہونا کھل جائے گا۔ اس لئے میں مناسب دیکھتا ہوں کہ بچوں کی تعلیم کے ذریعہ سے اسلامی روشنی کو ملک میں پھیلاؤں۔۔۔۔ سو میں مناسب دیکھتا ہوں کہ بالفعل قادیان میں ایک مڈل اسکول قائم کیا جائے۔

(تبلیغ رسالت جلد ششم باراول صفحہ 153۔155)

اس اہم تحریک کو عملی جامہ پہنانے، عملہ مہیا کرنے اور مدرسہ کے انتظامی امور پر غور اور قوائد مرتب کرنے کی غرض سے حضرت اقدس کی ہدایت کے مطابق حضرت مولانا نور الدین صاحب بھیروی ؓ کی صدارت میں اس مدرسہ کے لئے ایک انتظامی کمیٹی مقرر ہوئی۔ جس نے سفارش کی کہ مدرسہ یکم جنوری 1898ء کو کھول دیا جائے۔ مگر چونکہ یہ دن جلسہ سالانہ کے تھے جن میں مہمان بکثرت آئے ہوئے تھے اس لئے مدرسہ کا افتتاح 3 جنوری 1898ء کو ہوا۔ (رسالہ تعلیم الاسلام جلد اول صفحہ 233۔236) اس مدرسہ کے اغراض مقاصد کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ''ہماری غرض مدرسہ کے اجراء سے محض یہ ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کیا جاوے۔ مروجہ تعلیم کو اس لئے ساتھ رکھا ہے کہ یہ علوم خادم دین ہوں۔''

(الحکم 10 دسمبر 1905ء صفحہ نمبر 2)

مدرسہ تعلیم الاسلام کی ابتداء پرائمری اسکول میں ہوئی اور تھوڑے عرصہ میں ہی یہ مڈل اسکول بن گیا اور فروری 1900ء میں ہائی اسکول بنا۔ (البدر 5 جون 1903ء صفحہ 155 کالم نمبر 3) اور اس کے تین سال بعد ترقی دے کر کالج بنا دیا گیا۔ جو تعلیم الاسلام کالج کے نام سے موسوم ہوا۔ تعلیم الاسلام کالج کا افتتاح 28 مئی 1903ء کو ہوا۔ یہ دو سال تک کامیابی کے ساتھ چلتا رہا۔ اسکے فوائد بھی عمدہ تھے مگر حکومت کے کالج یونیورسٹی کمشن کی کڑی شرائط کی وجہ سے اسے بند کر دینا پڑا۔ اور پھر چالیس کی دہائی میں یہ دوبارہ جاری ہوا اور انشاء اللہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ اس کالج کے سب سے پہلے ڈائریکٹر حضرت نواب محمد علی خاں صاحب ؓ تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ اسلام اس کالج کے افتتاح کی تقریب میں بوجہ علالت شامل نہیں ہو سکے تھے فرمایا: رات سے مجھ کو دل کے مقام پر درد ہو رہی تھی اس لئے حاضر نہیں ہو سکا لیکن میں نے اس حالت مین بیت الدعا میں نماز میں اس کالج کے لئے بہت دعا کی۔'' (الحکم 24 جون 1903 صفحہ 13 کالم نمبر 2)

تعلیم الاسلام کالج کے بارہ میں حضور نے یہ بھی فریایا کہ ''ہماری غرض ایف اے یا بی اے

پاس کر کے دنیا کی تلاش میں مارے مارے پھریں۔ ہمارے پیش نظر تو یہ امر ہے کہ ایسے لوگ خدمت دین کے لئے زندگی بسر کریں اور اس لئے اس کو ضروری سمجھتا ہوں کہ شاید دینی خدمت کے لئے کام آسکے۔'' (الحکم 10 دسمبر 1905ء صفحہ 5)

چنانچہ تعلیم الاسلام کالج وہ بابرکت درسگاہ ہے جس کی بنیاد حضرت مسیح موعود علیہ الاسلام کے ہاتھوں رکھی گئی اور اسے حضور علیہ اسلام کی خصوصی دعاؤں کا شرف حاصل ہوا۔ اس درس گاہ کے اغراض و مقاصد بھی حضور علیہ الاسلام نے بیان فرمائے اور حضور نے اس درس گاہ سے اپنی وابستہ توقعات کا ذکر فرمایا۔

اس تاریخی پس منظر میں تعلیم الاسلام کالج کا جماعت میں ایک خاص مقام تھا۔ کالج کا تعلیمی معیار بھی آئیڈیل تھا اور تربیتی معیار بھی قابل تحسین تھا۔ میں نے 1953ء میں ٹانگا شہر ٹانگانیکا سے سینئر کیمبرج کا امتحان پاس کیا میرا نتیجہ اچھا تھا۔ انگریزی میں نمبر بہت اچھے تھے اسکالرشپ ملنے کی اُمید تھی۔ اور اس کے لئے درخواست بھی دے دی تھی سینئر کیمبرج کے معیار کے مطابق میرا اردو کا معیار معمولی تھا۔ عربی تو بالکل نہیں آتی تھی میرے والد صاحب کی یہ خواہش تھی کہ تعلیم میں دین کو مقدم رکھا جائے چنانچہ یہ سارے حالات والد صاحب نے حضرت مصلح موعودؓ کو لکھ دیئے۔ اور حضور کا ارشاد آیا کہ نہیں تعلیم الاسلام کالج میں داخلہ لے لوں۔ کالج اُس زمانہ میں لاہور میں ڈی اے وی کالج کی پرانی عمارت میں تھا۔ جون 1953ء میں ربوہ آیا۔ کچی آبادی تھی۔ حضور سے ملاقات ہوئی۔ اور حضور نے مجھے صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم سے ملنے کو کہا۔ اُن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے ایک تعارفی نوٹ پرنسپل صاحب کے نام لکھ دیا۔ اُس وقت پرنسپل صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ تھے۔ اُن سے مجھے بہت محبت ملی۔ کالج میں چھٹیوں کے دن تھے رہائش کے لئے انتظام فرمایا۔ اور پوچھتے رہتے کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔ اردو تعلیم کے لئے مجھے پروفیسر محبوب عالم صاحب خالد کے سپرد کیا اور وہ مجھے روزانہ وقت دیتے۔ عربی تعلیم کے لئے غالباً

ارجمند خان صاحب تھے۔ وہ روزانہ پڑھاتے اور ساتھ قرآن کریم کا ترجمہ اور احادیث بھی سکھاتے۔ پھر کالج شروع ہوا مجھے سیکنڈ ائیر کلاس میں شامل کیا گیا۔ اور اپنی انگریزی کی وجہ سے کالج میں بہت جلد مصروف ہو گیا۔ بلکہ بعض سینئر طلباء مجھ سے نگریزی سیکھنے آنے لگے۔ میں کالج کے ہوسٹل میں رہتا تھا چوہدری محمد علی صاحب ہوسٹل کے سپر نٹنڈنٹ تھے۔ اُن کا میرے ساتھ بہت شفقت کا سلوک تھا۔ اخوند عبد القادر صاحب انگریزی پڑھاتے تھے۔ اردو اور عربی کیلئے میرے ذاتی ٹیوشن کا انتظام تھا۔ کالج کے ماحول سے میں بہت متاثر ہوا۔ نمازوں میں پہلے سے میں باقاعدہ تھا لیکن یہاں آکر تہجد میں بھی باقاعدہ ہو گیا۔ اور ترجمہ کے ساتھ روز قرآن کریم پڑھنا میرا معمول ہو گیا۔ کالج کے سٹاف میں بہت سادگی اور ہمدردی تھی۔ طلباء بھی بہت محنت سے دل لگا کر پڑھتے تھے بلکہ رات دیر تک کلاسیں چل رہی ہوتی تھیں۔ اکثر کتابیں اور لیکچر اردو میں ہوتے تھے اور میرے لئے اُن کو اچھی طرح سمجھنا مشکل تھا لیکن ہر کام کو دل لگا کر خوبصورتی سے کرنا اور کامیابی کیلئے دعا کرنا میں نے وہاں سیکھا۔ ڈسپلن بہت اچھا تھا اور طلباء کا اطاعت کا جذبہ قابل تحسین تھا۔ پرنسپل کا ہر ایک طالب علم کے ساتھ ذاتی تعلق تھا۔ اور وہ ہر ایک کی پڑھائی میں دلچسپی لیتے تھے اور بعض دفعہ کلاسیں بھی لیتے تھے۔ میرے ساتھ بہت شفقت کا سلوک تھا۔ 1953ء میں جب سٹوڈنٹ یونین کے الیکشن ہوئے تو میں یونین کا سکریٹری منتخب ہوا۔ مکرم کنور ادریس صاحب صدر منتخب ہوئے۔ یہ میرے لئے ایک خاص تجربہ تھا۔ مذاکروں اور بحثوں کے لئے مختلف کالجوں میں جانا ہوتا تھا۔ کوئٹہ میں گئے اور ٹرافی لے کر آئے عموماً جہاں جاتے پوزیشن حاصل کرتے۔ پرنسپل صاحب بہت خوش تھے۔ انہوں نے باہر سے آنے والے مہمانوں کی میزبانی کی ذمہ داری بھی مجھے سونپی ہوئی تھی۔ ایک دفعہ انڈونیشیاء کے رئیس التبلیغ مولوی شاہ محمد صاحب تشریف لائے تو اُن کے آرام و طعام کے بارے میں خاص طور پر کہا۔ ہوسٹل کے طلباء کیلئے جو کھانا بنتا تھا وہ مجھے مرغوب نہیں تھا۔ اس کا علم چوہدری محمد علی صاحب کو ہوا۔ ایک دن وہ میرے کمرے میں تشریف لائے اور

بہت معذرت کی اور شکایت بھی کی کہ اُنہیں بتایا نہیں۔ چنانچہ انہوں نے دونوں باورچیوں کو بلایا اور کہا کہ وہ میرے لئے حسب پسند الگ کھانا پکایا کریں اور ایسا ہی ہوا وہ کھانا بنا کر میرے کمرے میں لے آتے۔ طلباء کی آپس میں بہت بے تکلفی تھی۔ چوہدری حمید ہ اللہ صاحب، محترم بشیر احمد رفیق خان اور کئی احباب جنہوں نے دین و دنیا میں عالی مقام حاصل کیا وہ اُس وقت کے طلباء میں شامل تھے۔ کمال کے تھے وہ لوگ۔

ایک دفعہ میرے پیسے آنے میں دیر ہوگئی اور ٹک شاپ کا بل ادا نہ کر سکا۔ ٹک شاپ والوں نے دو تین دفعہ یاد دہانی کروائی اور پھر غالباً دفتر میں رپورٹ کر دی۔ جب میرے پیسے آ گئے اور میں بل ادا کرنے گیا تو وہ کہنے لگے آپ کا بل تو ادا ہو گیا ہے۔ میں نے پوچھا کس نے کیا ہے تو انہوں نے بتانے سے معذرت کی۔ بعد میں مجھے پتا چلا کہ بل پرنسپل صاحب نے خود ادا کر دیا تھا اور مجھ سے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ تعلیم الاسلام اسکول میرے لئے اسکول سے زیادہ ایک تربیتی درس گاہ تھی۔ وہاں میری اردو تعلیم میں یہ بھی شامل تھا کہ الفضل سے حضور کا خطبہ پڑھ کر سناؤں۔ اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب میں سے کوئی نہ کوئی کتب زیر مطالعہ رکھوں۔

لاہور کالج میں قیام کے دوران ربوہ جانے کا موقع اکثر ملتا رہتا تھا۔ وہاں حضور اقدس سے ملاقات ہوتی اور دیگر بزرگان سلسلہ سے ملاقات سے خلافت سے تعلق کو بہت تقویت ملی اور یہ تعلق میری زندگی میں مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔ خلافت کی اطاعت میں ایک راحت محسوس کرتا ہوں اور یقیناً بعد کی زندگی میں جو پھل پائے وہ خلافت کی اطاعت سے پائے۔ دین کو دنیا میں مقدم رکھنے کا سبق میں نے پلّے باندھ لیا اور دنیا کے کناروں میں بھی ہمیشہ دین کا مفاد مدنظر رہتا اور اب تک یہی حال ہے۔ کالج میں تقریباً ایک سال ہی ہوا تھا کہ میری کینیا میں تعلیم کیلئے سکالرشپ منظور ہو گئی اور حضور کی اجازت سے میں واپس آ گیا۔ جب الوداعی ملاقات کے لئے پرنسپل صاحب کو ملنے گیا تو پیار سے گلے لگایا اور فرمایا ”تم سے پیار ڈالا تھا اور تم چھوڑ کر جا رہے ہو۔ فی امان اللہ۔“

تعلیم الاسلام کالج میں ایک سال ہی تھا لیکن میری زندگی کا وہ اہم ترین سال تھا۔ میرے لئے تو ہو تعلیم سے زیادی تربیتی درسگاہ ثابت ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت سے سرشار ہو کر اُس کی عبادت کرنا اور دل و جان سے خلیفہ وقت کی اطاعت کرنا میرے تجربہ میں کامیابی و کامرانی کا سنہرا اصول ہے۔ میں ادنیٰ ترین نہایت ہی حقیر اور نالائق انسان ہوں لیکن ان سنہری اصولوں پر قائم رہنے سے اللہ تعالی نے دین و دنیا میں بھی امارت کے مقام پر پہنچایا اور دنیا میں بے شمار اعزازت کے بعد نائٹ کمانڈر کا اعزاز عطا کیا۔ فبای الاء ربکما تکذبان۔ کچھ عرصہ قبل کسی نے ذاتی کوائف کے لئے کہا تھا۔ وہ ارسال ہے۔ شاید آپ کے کام آ جائیں۔ دعاؤں میں خصوصی طور پر یاد رکھیں۔

عاجز فقط

افتخار احمد ایاز

تعلیم الاسلام کالج کی حسین و خوشگوار یادیں

(مکرم انجینئر محمود مجیب اصغر صاحب)

میری یہ خوش نصیبی ہے کہ مجھے 1960ء سے 1962ء تک ٹی آئی کالج ربوہ میں پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اتنا پاکیزہ ماحول اور ڈسپلن اس سے پہلے میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا حضرت مصلح موعودؓ خلیفۃ المسیح الثانیؓ صاحبِ فراش تھے لیکن آپ کی دعاؤں اور قوت قدسیہ سے زندگی رواں دواں تھی ۔جن بزرگان اور شخصیات نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا اور جو اُمت کے بازو بن کر خلیفۂ وقت کے سلطان نصیر کہلانے کے حق دار ہیں ان میں سے ایک قابل قدر رُوحانی وجود حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا تھا۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مبشر اولاد میں سے تھے آپ کے نہایت قیمتی اور عام فہم علمی اور اخلاقی اور تربیتی مضامین الفضل میں چھپتے تھے۔

ہم جمعہ اس وقت مسجد مبارک ربوہ میں پڑھتے تھے۔ حضرت مصلح موعودؓ کی بیماری کے دوران جمعہ اکثر حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب پڑھاتے تھے اور آپ کی غیر موجودگی میں حضرت مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری ۔ان دونوں بزرگوں کو (حضرت ملک عبد الرحمن خادم صاحب ایڈووکیٹ کے ساتھ) حضرت مصلح موعودؓ نے خالد احمدیت کا خطاب دیا ہوا تھا۔ اس لئے ان کو بڑی عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ حضرت قمر الانبیاء مرزا بشیر احمد صاحبؓ اپنی تمام تر اعلیٰ شخصیت کے باوجود عوام الناس سے گھل مل جایا کرتے تھے۔ نماز کے بعد آپ مسجد میں ہی سنتیں ادا کرتے تھے اور لوگ منتظر ہوتے کہ بس آپ سلام پھیریں اور آپ سے مصافحہ کریں۔ آپ بڑی فراخدلی سے مسکرا مسکرا کر تمام ملنے والوں سے مصافحہ کرتے۔ آپ کے

بائیں بازو پر تہ شدہ جائے نماز ہوتی اور اسی طرح اسی ہاتھ میں عصاء ہوتا اور دائیں ہاتھ سے آپ مصافحہ فرماتے۔ایک دو بار میں نے بھی مصافحہ کیا آپ کا جسم روئی کی طرح نرم تھا جو میں نے مصافحہ کرتے ہوئے محسوس کیا آپ کا چہرہ بڑا نورانی تھا۔حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مبشر اولاد میں سے تھے۔آپ بوجوہ پبلک ۔ میں بہت کم نظر آتے تھے۔ غالباً طبیعت کی خرابی کی وجہ سے لاہور میں زیر علاج ہوتے تھے۔1961ء کے جلسہ سالانہ کے درمیانی دن اُن کا وصال ہوا۔حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے بڑے حوصلے سے اس افسوسناک خبر کا جلسہ سالانہ پر اعلان فرمایا۔اسی روز بعد نماز عصر آپ کی نماز جنازہ ہوئی۔جلسہ سالانہ پر شامل ہونے والے سب احباب نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔جن کی تعداد غالباً چالیس ہزار تھی۔حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ سے مجھے ایک بار دارالضیافت کی طرف جانے والی سڑک پر بھاگ کر مصافحہ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔آپؓ خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کے دادا بزرگوار تھے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ حضرت مصلح موعودؓ خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے موعود فرزند اکبر تھے۔آپ تعلیم الاسلام کالج کے پرنسپل تھے اس کے علاوہ بھی آپ پر بھاری ذمہ داریا ں تھیں۔آپ کی مقناطیسی شخصیت اور مسکراتا ہوا بارُعب چہرہ تھا۔کالج کی اعلیٰ کارکردگی اور معیار آپ کا ہی مرہون منت تھا۔آپ پر اور بعض پروفیسران پر میرا ایک مضمون 2013ء کے المنار میں چھپ چکا ہے۔آپ کا یہ معمول تھا کہ جمعہ کے روز کالج کی کوٹھی سے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ حضرت مصلح موعودؓ کی عیادت اور ملاقات کے لئے تشریف لے جاتے اور اکثر آخری وقت پر جمعہ کی نماز میں شامل ہوتے۔ مجھے یاد ہے ایک مرتبہ مسجد مبارک کے باہر جنوب کی جانب آپ کے خادم اور ساتھیوں نے چادریں بچھائیں اور آپ نماز ادا کر کے اندر قصرِ خلافت تشریف لے گئے۔

اس وقت حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ کی قبولیت دعا کا بہت چرچا تھا۔اکثر

طالب علم گروپ کی شکل میں آپ کے پاس دعا کے لئے حاضر ہوتے ۔ مجھے بھی چند بار اپنے بڑے بھائی محمد عبداللطیف شاہد (جو ایم اے کر کے پہلے گورنمنٹ کالج سرگودھا میں لیکچرار تھے پھر نصرت جہاں میں وقف کر کے 14 سال اپنی اہلیہ کے ہمراہ غانا میں وا اور اسکورے میں خدمت کی توفیق پاتے رہے)اس وقت ہمارا ٹارگٹ دعاؤں کے ذریعہ امتحانوں میں کامیاب ہونا ہی ہوتا تھا۔ حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ بڑی فراخی سے ہاتھ اٹھا کر دُعا کرواتے اور اکثر بتا دیتے کہ روشنی نظر آئی ہے گویا دُعا قبول ہوگئی ہے۔ایک بار ہم نے جا کر آپ سے دُعا کروائی اور دُعا کے بعد پنجابی میں دریافت فرمایا کہ ''لڑکوتم کہاں سے ہو؟ ہم نے عرض کیا بھیرہ کے۔فرمایا اچھا تم میرے مرشد کے گاؤں کے ہو۔آؤ دوبارہ دُعا کرلو'' میں تو سمجھتا ہوں کہ مجھ جیسے ایک ناچیز نالائق طالب علم کا ایف ایس سی میں اعلیٰ نمبروں پر کامیاب ہونا اور انجینئرنگ یونیورسٹی میں داخلہ مل جانا ۔حضرت مصلح موعودؓ کی قوت قدسیہ اور اُن بزرگوں کی دعاؤں کا ہی نتیجہ تھا۔حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب کا خطبہ جمعہ مختصر لیکن دلوں پر اثر کرنے والا ہوتا تھا۔ایک بار فرمایا کہ بچپن میں ان کی نیند کی وجہ سے کوئی نماز Miss ہونے لگی انہیں خواب میں دکھائی دیا کہ کسی ٹرین پر سوار ہونا ہے اور تاخیر ہو رہی ہے۔اسی گھبراہٹ میں اُٹھے اور نماز پڑھی اور اللہ سے عہد کیا کہ خدا کی طرف جانے والی اس سواری (نماز) کو بھی Miss نہیں کرونگا۔فرمایا 9-10 سال کی عمر سے بھی نماز ضائع نہیں کی ۔حضرت مولانا ابو العطاء صاحب کا ایک واقعہ ذہن پر نقش ہے ۔ ہمارے والد صاحب نے دارالرحمت شرقی میں دس مرلے کا ایک مکان بنایا تھا کہ بچے کالج میں پڑھائی کے دوران اس میں رہیں گے اور پوری فیملی والد صاحب (کی گورنمنٹ سروس سے ریٹائرمنٹ) کے بعد ربوہ اس گھر میں شفٹ ہو جائے گی میں اس گھر میں رہتا تھا۔ہم صبح منڈی کی طرف ناشتہ کرنے کے لئے دارالرحمت وسطی سے گزر کر جاتے تھے اور عموماً حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب سے مڈبھیڑ ہو جاتی تھی۔میں نے بہت دفعہ کوشش کی کہ آج پہلے میں سلام کروں گا لیکن حضرت مولانا صاحب ہمیشہ

اسلام وعلیکم پہلے ہی سبقت لے جاتے اور مجھے کبھی موقع نہ دیا۔اس زمانے کی ایک اوراہم شخصیت حضرت میر داؤد احمد صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ ربوہ ہوتے تھے۔جمعہ کے روز بڑی لمبی لمبی سنتیں ادا کرتے تھےاورکئی بارٹی آئی کالج کے پروگراموں میں بھی تشریف لاتے تھے۔

حضرت مصلح موعودؓ کی اولاد میں سے حضرت پرنسپل صاحب کےعلاوہ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب اورڈاکٹر مرزا منوراحمد صاحب بڑے نمایاں تھے۔حضرت مرزا طاہراحمد صاحبؒ تو حضرت مصلح موعودؓ کے چھوٹے بچوں میں شمار ہوتے تھے۔وہ بھی کالج کسی کام سے حضرت مرزا ناصراحمد صاحبؒ (پرنسپل) کے پاس تشریف لاتے۔ چست و چوبند کوٹ پتلون میں ملبوس ٹائی لگائے ہوئے اورسر پر ٹوپی ۔ یہ مشہورتھا کہ آپ کچھ عرصہ ہی پہلے لندن سے تشریف لائے ہیں اورحضرت مرزاناصراحمد صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں اورآپ سے بہت محبت رکھتے ہیں۔

جلسہ سالانہ ربوہ پرکالج کے طلباء کی ڈیوٹیاں لگتی تھیں دونوں سال میری ڈیوٹی نظامت حاضری نگرانی میں لگی تھی پرفیسر صوفی بشارت الرحمن صاحب اس شعبہ کے ناظم ہوتے تھے۔آپ کے ایک شاگردِرشید، چوہدری رشید احمد جاوید صاحب آڈیٹر ماہنامہ المنار نے آپ کے نائب کےطور پرسارا کام سنبھالا ہوا تھا۔اسی دوران سے ہماری دوستی ہوگئی ۔وہ ایک اچھے مضمون نگار تھے۔ مجھے بھی بار بار لکھنے کی تحریک کرتے رہتے تھے۔حضرت مصلح موعودؓ طبّی ہدایت کےمطابق جلسہ پراپنا پیغام تحریراً بھجواتے تھے جوکہ ایک مرتبہ حضرت مرزا بشیراحمد صاحبؓ نے اوردوسری مرتبہ مولانا جلال الدین شمس صاحب نے پڑھ کرسنایا تھا۔حضرت مصلح موعودؓ کی صحت کے لئےتمام احمدی روروکر دعائیں کیا کرتے تھے (لمبی بیماری میں نفلی روزوں کی تحریک بھی ہوتی تھی۔ چنانچہ جب ہم انجینئرنگ یونیورسٹی کے آخری سال میں پہنچےتو حضرت مصلح موعودؓ کی صحت کے لئے ہرسوموار اورجمعرات کونفلی روزہ رکھ کردعائیں کیا کرتے تھے۔

ٹی آئی کالج کی ہی برکت سے مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے اجتماع میں شامل ہونے

کا موقع ملا۔اس سے پہلے جلسہ پر جانا تو یاد ہے لیکن اجتماع پہلی بار 1960ء میں ہی Attend کیا تھا۔ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب نائب صدر مجلس نے اپنے خطاب میں بیماری میں بروقت ڈاکٹر کے پاس جانے اور ڈاکٹری ہدایات پر عمل کرنے اور شفا ہوجانے کے باوجود ڈاکٹر کے مشورہ کے بغیر دوائی نہ چھوڑنے کی نصیحت کی تھی۔اگلے سال میر داؤد احمد صاحب نائب صدر نے بھی جسمانی استعدادوں کے نشوونما پر ہی زور دیا تھا اور فرمایا تھا کہ سب سے اچھی ورزش تیرا کی پھر دوڑنا اور فٹ بال وغیرہ کھیلنا۔دراصل حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ کا بھی یہی فارمولا تھا کہ پہلے جسمانی استعدادوں کو بڑھانے کی ضرورت ہے اور یہ بنیاد ہے۔ذہنی اور پھر اخلاقی اور بالآخر روحانی استعدادوں کی نشوونما کے لئے۔خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع پر ایک نہایت ہی دلچسپ اور ایمان افروز پروگرام کا وہ حصہ تھا جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض صحابہ جو اس وقت زندہ تھے حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ اپنی ملاقاتوں اور گفت وشنید کا نہایت ایمان افروز ذکر کیا کرتے تھے ایک بار حضرت مولوی غلام رسول راجیکی صاحبؓ نے سنایا کہ انہوں نے حضورؑ کی مدح میں ایک پنجابی نظم لکھی اور دستور کے مطابق پہلے حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کو سُنائی اور انہوں نے حضورؑ سے اجازت لے کر حضورؑ کی ایک مجلس میں پنجابی میں ہی فرمایا:

''گج او شیرا گج''

وہ کہتے ہیں میں نے نظم سُنانی شروع کی۔حضورؑ نے فلاں شعر پر فرمایا کہ پھر پڑھیں۔چنانچہ میں نے وہ شعر دوبارہ پڑھا حضورؑ کے چہرہ مبارک پر پسندیدگی کے آثار تھے میں کافی چھوٹا تھا۔ فرمایا چونکہ میں نے یہ شعر وہاں دوبارہ پڑھا تھا اس لئے اب بھی دوبارہ پڑھتا ہوں۔یوں محسوس ہوتا تھا کہ ہم سب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پاک مجلس میں پہنچ گئے ہیں۔ربوہ کی مساجد میں بھی بعض اجلاس ہوتے تھے۔ایک مرتبہ محترم نسیم سیفی صاحب نے افریقہ کے کسی ملک سے واپسی پر ایمان افروز واقعات سنائے تھے۔

ایک بار مسجد ناصر میں انہوں نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تقریر کی جس میں میں بھی شامل ہوا۔ علماء کے علاوہ حضرت پرنسپل صاحب نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تقریر کی۔ آپ کا انداز بیان سادہ اور مضمون بڑا Original لگا۔ آپ نے کچھ اس طرح کا مضمون بیان کیا کہ درود شریف کے نتیجے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے سچے متّبعین کا ہر اگلا لمحہ پچھلے لمحہ سے بہتر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس مجلس میں حضرت مولوی غلام رسول راجیکی صاحب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ فرمایا کہ یہ لوگ اب بوڑھے ہو چکے ہیں اور پہلے کی طرح تبلیغی سفروں اور دیگر دینی مہمات پر نہیں جا سکتے لیکن خدا کی نگاہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کا روحانی مقام بھی ہر لمحہ بلند ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اور یہ نقطہ آپ نے سورۃ الضحیٰ کی آیت نمبر 5 وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى کی تفسیر کے طور پر بیان فرمایا تھا۔ مجھے تو اسی وقت احساس ہو گیا تھا کہ قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو عرفان اللہ تعالیٰ نے آپ کو بخشا ہے وہ آپ کو بڑے بلند مقام پر لے جائے گا۔ چنانچہ حضرت مصلح موعودؓ کے وصال پر اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کا جلوہ آپ کے ہی حق میں ظاہر ہوا اور آپ جو کہ ہمارے نزدیک پرنسپل ٹی آئی کالج ربوہ تھے۔ قدرت ثانیہ کا تیسرا مظہر بن کر ظاہر ہوئے جس کی خوش خبری حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے رسالہ 'الوصیت' میں دی تھی۔

(المنار اکتوبر 2014ء)



عظیم درسگاہ

تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی حسین یادیں

(مکرم خالد مسعود صاحب)

جب بھی کسی پرانے کلاس فیلو سے ملاقات کا اتفاق ہو تو قلبی مسرت اور دلی خوشی ہوتی ہے۔ اپنائیت اور محبت کے جذبات میں ایک تموج ہوتا ہے۔

اے ذوق کسی ہمدم دیرینہ سے ملنا
بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے

میرے ایک نہایت ہی پیارے اور مشفق دیرینہ دوست محترم مبشر احمد کاہلوں صاحب مقیم جرمنی جب بھی وطن مالوف لوٹتے ہیں تو از راہ نوازش اپنی عدیم الفرصتی کے باوجود میرے لئے کچھ وقت ضرور نکالتے ہیں۔ اور یوں کالج کے ساتھیوں کے تذکرہ سے تشنہ کامی کی سیرابی کا سامان بہم ہو جاتا ہے۔ ہمیشہ اس کا انتظار رہتا ہے اور یہ زندگی کے جمود اور یکسانیت میں تحرک کا باعث ہوتی ہے۔ گزشتہ دنوں اچانک آ نکلے حسب عادت پرانی یادیں تازہ ہوئیں۔ باتوں باتوں میں اولڈ بوائز کی ویب سائٹ کا ذکر ہوا۔ اسے دیکھنے کا اشتیاق بڑھا۔ میں کہ جدید ٹیکنالوجی سے اجنبی ٹھہرا۔ مطلوب کے لئے اعانت کی احتیاج لازم ٹھہری اپنے ایک بچے کے ذریعہ اس سائٹ تک رسائی پائی۔ خوب لطف اندوز ہوا۔ لذت و احتظاظ سے سیر کام ہوا۔ کچھ تحریریں تھیں کچھ تصویریں۔

نمودِ جلوۂ بے رنگ سے ہوش اس قدر گم ہیں
کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی

خود کلامی سے بات آگے بڑھی تصویریں بھی بولنے لگیں تو گویا ایک دفتر کھلا ایسی محفل برپا ہوئی کہ کچھ نہ پوچھئے!

باہم دگر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب
نظارہ و خیال کا ساماں کیے ہوئے

لذت و کیف اور لطف و سرور کی کیفیت تادیر دل و دماغ پر مستولی رہی۔ اس آئینہ خانے میں محو حیرت رہا ادنیٰ تغیر کے ساتھ یہ مصرعہ خوب صادق آیا ''تصویروں'' سے باتیں کرنا اچھا لگتا ہے۔

کالج کے زمانہ کی مشغولیات و مصروفیات، ہنگامہ خیزیاں اور خوش خرامیاں، رنگینیاں اور خوش مزاجیاں تبصرے اور مکالمے ایک فلم کی صورت میں آنکھوں کے سامنے آ گئے۔ خوبرو اور دلبرا شخصیات کا ایک سلسلہ جاری رہا۔

میری حالت کا نقشہ غالبؔ کا یہ شعر کھینچتا ہے۔

یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئیں

قدم قدم بدلتے خوشنما مناظر، حسین یادوں کے معطّر و معنبر جھونکے، دلربا آوازوں کی بازگشت، التذاذ و اہتزاز کے عالم میں سرمست ایک وادی سے دوسری میں گھومتا رہا تھا۔ فضل عمر ہوسٹل کے در و دیوار، نقش و نگار، راہداریوں اور دالانوں میں شاداں و فرحاں پھرتے ٹہلتے خوبرو نوجوانوں کو دیکھ رہا تھا۔ ابتسام و انبساط ان کے چہروں سے چھلک رہا تھا، پیشانیوں پر کامیابیوں اور کامرانیوں کی امید کی چمک، تفنن طبع سے آراستہ و پیراستہ، سجے سجائے، بہت لطف اٹھایا اور بڑا مزا پایا اسی لمحہ مجھے خیال آیا کہ ان ظاہری صُوَر کے پیچھے ایک خوب تر اور دلآویز ایک اور دنیا بھی آباد

ہے۔ عجیب تر تھی یہ دنیا کہ ہم ایک قبیلہ کی صورت میں ہنسی خوشی رہتے تھے۔ یارانے بھی تھے دوستانے بھی۔ باہم دل لگی اور چھیڑ چھاڑ بھی سنجیدگی اور متانت کے اطوار بھی۔ مقصد کو اولیت و فوقیت بھی حاصل تھی اور تفریح و مشاغل بھی۔ معصوم شرارتیں اور لطیف مزاح، برجستہ جملوں کا تبادلہ، چھیڑ خانیاں بھی اور علمی موشگافیاں، ایک ہماہمی اور گہما گہمی، امنگ اور ترنگ کا امڈا ہوا سیلاب تھا۔ ہر طرف زندگی رنگ بکھیرتے نظر آتی۔ ان رنگوں کو مزید شوق ہونے کا سامان بھی بہم ہوتے کہ فراق و وصال کے لمحات بھی دخیل ہوتے۔ ناہمواریاں اور ناخوشگواریاں اور گریز اور دوریاں بھی در آتیں۔ اور فاصلے بھی جنم لیتے لیکن یہ محض وقتی اور عین عارضی حالتیں ثابت ہوتیں پھر وہی رابطہ و تعلق، وہی بے تکلفی و اپنائیت، وہی قربتیں وہی چاہتیں، وہی شناسائیاں اور ان میں رعنائیاں، سب عود کر آتیں۔ اس لئے کہ ایک گہرا قلبی رشتہ اور مضبوط دلی لگاؤ مستحکم بنیاد تھی۔ جو عارضی کیفیات رفع ہو کر اپنی اصل حالت پر قائم ہو جاتی۔ ایک حسین اور دلکش امتزاج اور توازن تھا۔ سوال پیدا ہوتا ہے اس ماحول کا قیام و دوام کیسے ممکن ہوا؟

گھر جنت مقام ہوتا ہے۔ جہاں محبت و پیار کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ ہمدردی اور اخلاص کی فضا ہوتی ہے۔ وفا اور ایثار کا جذبہ ہوتا ہے۔ ماتا کی محبت اور پدری شفقت سایہ فگن ہوتی ہے۔ ان کی نیک تمنائیں اور گداز دعائیں لازم حال ہوتی ہیں۔ ایک بطن سے تولد پانے والے بہن بھائی خونی رشتہ سے پیوستہ اور الفت و پیار کے بندھوں میں جڑے ہوتے ہیں۔ ہر رویہ اور برتاؤ دل کی گہرائیوں سے جنم لینے والے جذبات کا عکاس اور نصوح اور خیر خواہی اور اخلاص کا ترجمان ہوتا ہے۔ ایک تقدس ایک پاکیزگی غالب نظر آتی ہے۔ یہ عوامل اور محرکات وحدت اور موافقت کے لئے سازگار ماحول میسر کر دیتے ہیں اور گھر گھر قرار پا جاتا ہے اس صورتحال کو سمجھنے میں تو کوئی دقت در پیش نہیں ہوتی۔

لیکن ایک دوسرا منظر نامہ ہے۔ ماحول اور فضا بعینہ یہی۔ مگر عناصر و عوامل بالکل مختلف۔ جہاں

اجزائے ترکیبی کچھ اور نتیجہ کچھ، اور اس مشہود وظہور کو عقل باور کرنے میں اشکال پاتی ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ تعلیم الاسلام کالج میں جب ہم پڑھتے تھے اس وقت فضل عمر ہوسٹل میں 400 سے زائد طلباء اقامت پذیر تھے۔ یہ طلباء اپنے گھروں سے مانوس، والدین بہن بھائیوں کی محبتوں سے دلآرام، بچپن کے ساتھیوں اور ہم جولیوں کی رفاقتوں کے رسیا، تعلیم کے حصول کے نیک مقصد کے لئے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس درسگاہ میں آ جمع ہوئے۔ محرومیوں سے سرگراں اور نئے ماحول کی اجنبیت سے اندشہ ہائے دور دراز میں مبتلاء۔ کچھ دیہاتی ماحول میں پروردہ اور کچھ شہری زندگی کے دلدادہ۔ غربت اور امارت کے نشیب وفراز تلخیوں اور آسائشوں کے عادی۔ خاندانی روایات و طرز معاشرت کے اختلافات عادت و طبائع میں تفریق تربیت کے مختلف مداراج سے گزرنے والے یہ نوجوان جو عنفوان شباب کے پُرخطر مراحل میں داخل تھے۔ جوش و جولان، سرکشیدگی کے طغیان، اُداسی اور جدائی کے عنوان لے کر یہ بصورت ہجوم ایک چھت کے نیچے یکجا ہو گئے۔ سابقہ وابستگیوں اور دلچسپیوں کو خیراباد کہہ کر محرومیوں اور رنجوریوں کے احساسات سے بوجھل کئی طور کے تفاوت وتضادات کی کشاکشوں میں الجھے ہوئے اکٹھے ہونے والے اس گروہ میں باہم انتشار اور خلفشار کا پیدا ہونا تو قرین قیاس لگتا ہے مگر ایک وحدت میں پرو یا جانا یک جہتی اور یگانگنت کا مظہر بن جانا بادی النظر میں مشکل معلوم ہوتا ہے۔ کثرت کا اختلاف کا طلاطم اور اشتراک کی وجوہ کم۔

لیکن حیرت ہوتی ہے اس زمانہ میں جب ہم ہوسٹل کی زندگی پر نظر کرتے ہیں تو اس کا گھر سے کم نہ تھا اپنی خوبیوں، رعنائیوں، دلچسپیوں اور دلکشیوں کے اعتبار سے بےنظیر تھا اور ان کے نقوش آج تک ذہنوں میں مترسم ہیں۔ اور یادیں زندگی کا عزیز ترین سرمانہ لگتی ہیں۔ یوں تو ہر تعلیمی ادارے کے ہوسٹل ہوتے ہیں۔ رہائش اور آرام اور بہتر معیار زندگی ہوتا ہے مگر ان کے مکینوں میں مواخات، مواسات، محبت ومودت اور الفت و پیار اور ربط اور ارتباط کی جو کیفیات یہاں موجود تھیں وہ غالباً کسی اور جگہ پر نہ پائی جاتی تھی۔ ان متفرق اوراق کی اس سلیقہ اور احتیاط

سے شیرازہ بندی کی گئی تھی کہ یہ بظاہر سرائے ایک مکان ومحبت میں مبدل تھا۔اس اقامت گاہ کو ایک خوبصورت گھر کی شکل دینے میں نجانے کتنی سوچ بچار، منصوبہ بندی اور محنت اور عرق ریزی کی گئی ہو گی۔مگر جو ہم نے دیکھا اور پایا وہ ایک معجزہ سے کم نہ تھا۔ایسی اعلیٰ اقدار اور روایات پر قائم یہ روایات پر یہ ادارہ جو بے مثل تھا۔ ہمارے نہایت ہی بزرگ اور ملک کے معروف Educationist حضرت قاضی محمد اسلم صاحب نے ایک دفعہ بیان فرمایا کہ CSS کے انٹرویوز میں (جس بورڈ کے وہ مستقل ممبر تھے) بعض اوقات کوئی امیدوار ہال میں داخل ہوتا تو ممبران میں سے کوئی بے اختیار کہہ اٹھتا ٹی آئی کالج کا لڑکا ہے دوران انٹرویو اس بات کی توثیق ہو جاتی۔یہ رنگ اور یہ انداز سازی اور اعلی روایت کا کرشمہ تھا۔

مشک آنست کہ خود ببوید نہ عطار بگوید

ایسا کیوں تھا؟ ہمارے اساتذہ کی توجہ اور دلسوزی تھی انہوں نے شفقت پدری کے تقاضے خوب نبھائے۔معلم کے طور پر ذمہ داریوں کو باحسن پورا کیا۔ ہر رنگ میں اور ہر حال میں نگاہ التفات کے آداب سکھائے۔ظاہری صفائی اور باطنی پاکیزگی کے طور طریقے سکھلائے۔جینے کا قرینہ سمجھایا شائستگی، وقار اور متانت کے سلیقے بتائے۔ہماری تربیت کے ہر گوشہ پر توجہ رکھی کوتاہیوں ،فروگزاشتوں اور لغزشوں پر متنبہ کیا اور اچھے اور بُرے کی تمیز سے روشناس کرایا۔سیّئات کی جگہ حسنات اختیار کرنے کے ڈھنگ بتلائے اور مواقع میسر کیے۔اخلاق حسنہ کی تحریص اور ترغیب دلائی تحصیل علم کے جس مقصد کے لئے ہم آئے تھے اس کی تحریص اور تحریک کا عمل جاری رہا۔ راتوں کو جاگ کر سٹڈی آورز کے نگران رہے۔امتحانوں کے پراگرس پر نگاہ رکھی بوقت ضرورت تادیب کی اور حسب ضرورت حوصلہ افزائی فرمائی۔ ہماری مشغولیات ومصروفیات رجحانات و میلانات پر خاموش مگر کڑی نگرانی رکھی۔دینی تربیت پر تو بطور خاص توجہ دی۔اور عدم حاضری کی صورت میں پرسش ہوتی۔اور ہر ماہ ہمارے والدین کو جو رپورٹ بھجوائی جاتی اس میں نماز کی

حاضری کا ذکر ہوتا۔ دعاؤں کے یاد کروانے کا اہتمام، بہشتی مقبرہ حاضر ہو کر دعاؤں کی تحریک، حضور کی خدمت میں دعائیہ خطوط عرض کرنے کی تاکید، صحبت صالحین کے لئے بزرگوں کی خدمت میں حاضری کی تعلیم، دینی معلومات میں اضافہ کے لئے امتحانات کا انعقاد۔ غرض کہ بے شمار پہلو تھے۔ ہمہ جہتی اصلاح اور ترقی پیش نظر تھی جن کو نہایت خوبصوری اور مہارت کے ساتھ پروگراموں کا حصہ بنایا گیا تھا۔

عملی میدان میں مقابلہ اور مسابقت کی روح پیدا کرنے کے لئے کئی پروگرام تھے۔ قائدانہ صلاحیتیں پیدا کرنے کے لئے کئی سوسائٹیز قائم کیں جن کے ہر سال انتخابات ہوتے اور عہدے داران چنے جاتے۔ رائے کی اہمیت اور فضیلت کا بیان کر کے ووٹ دینے کی تاکید کی جاتی عہدیداران بڑی ذمہ داری سے سال بھر محنت کر کے اپنی اپنی تنظیم کو فعال اور متحرک رکھتے۔ اور طلباء بڑے شوق اور ذوق اور دلچسپی سے ان میں شریک ہوتے۔ دنیا کے مسائل اور حالات اور واقعات اور دینی موضوعات پر نامور شخصیات اور معروف علما کی تقاریر اور خطابات کے انتظام کے لئے لٹریری سوسائٹی تھی۔ انڈور گیمز کے لئے کامن روم تھا۔ اس کو چلانے کے لئے کامن روم سوسائٹی تھی جو متعلقہ امور کی نگرانی اور سامان فراہمی اور نظم وضبط اور کھلنے اور بند ہونے کے اوقات کی پابندی کرواتی۔ اسی طرح میس کمیٹی تھی جو میس کے تمام لوازم کا خیال رکھتی وغیرہ وغیرہ کئی اس طرح کے اہتمامات تھے جن کو طلبا خود آرگنائز کرتے۔ پرفیکٹ کا نظام تھا جو ڈسپلن، عمومی حاضری، نمازوں کی حاضری، اوقات مطالعہ کی نگرانی، ہوسٹل سے باہر جانے کا اجازت نامہ جاری کرنا، محترم وارڈن صاحب کی جملہ ہدایات کی تنفیذ ان کے سپرد ہوتا تھا۔ اس امر کا بطور خاص خیال رکھا جاتا تھا کہ پرفیکٹ کی پوری اطاعت کی جائے اور اس طرح امیر کی اطاعت نظم وضبط کی عادت ذہنوں میں نقش کی جاتی۔

بیان کے ہر دو ذرائع تحریر اور تقریر کے ملکہ ابھارنے اور نکھارنے اور سنوارنے کے لئے فورم

تھے تا اظہارِ قدرت حاصل ہو۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو دیگر مخلوقات پر جو شرف اور فضیلت بخشی ہے اس کی نشوونما ہو۔ مسابقت کی روح پیدا کرنے کے لئے زندگی کے مختلف پہلوؤں کو متعارف کروانے اور شوق بیدار کرنے والوں کا انعام کا مستحق قرار دیا جاتا اور سالانہ فنکشن کے موقع پر یہ انعامات تقسیم ہوتے جو ایک بہت بڑا اعزاز ہوتا۔

سالانہ فنکشن بھی ایک بہت بڑی زبردست تقریب ہوتی تھی۔ اس کی دلچسپی اور عظمت کا یہ حال تھا کہ اس میں شرکت کے اجازت نامہ کے حصول کے لئے شہر کے چیدہ چیدہ لوگ سرگرم و کوشاں ہوتے اور سفارشیں کروائی جاتیں۔ اس کی بھرپور تیاری ہوتی جو پروگرام بنتے ان کی بار بار ریہرسل ہوتی مگر کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی جاتی تا کہ ان کی جدت اور Surprise قائم رہے۔ جب فنکشن منعقد ہو جاتا تو اُس رات کو فری نائٹ قرار دیا جاتا۔ اور ہر ایک کو اظہار کی کھلی آزادی ہوتی مگر حدود و قیود کے اندر اور اخلاقیات کے تقاضوں کے عین مطابق۔ طنز و مزاح تعریف و ستائش اور تنقید کے اظہار کے انوکھے اور تیکھے انداز اختیار کیے جاتے۔ ان پروگراموں میں طلباء میں جہاں اختراعی صلاحیت بیدار ہوتی وہاں مافی الضمیر اور مدعا کے ابلاغ کی استعداد بھی پیدا ہوتی۔ غرض کہ قدرت سے ودیعت شدہ استعدادوں اور صلاحیتوں اور قابلیتوں کو اجاگر کرنے کی ایک تدبیر ہوتی۔ ان پروگروموں کی بازگشت سال بھر اور پورے ربوہ میں سنی جاتی اور اس کی تکرار میں لذت یابی کا سامان ہوتا۔ ہر کردار کی تعریف ہوتی اور ہر انداز کو سراہا جاتا۔

مجلس خدام الاحمدیہ کی زعامت اور جماعتی پروگراموں کو بڑے شوق اور انہماک اور توجہ سے جاری رکھتی اور ہماری مجلس ہنگامی ڈیوٹیوں میں قابل تعریف قرار پاتی اور اس کے پروگراموں میں ایک باقاعدگی اور ذوق وشوق تھا جو تسلسل سے جاری ساری رہتا۔ رفاقتوں اور رقابتوں کا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔ یہ آنکھ مچولی بھی جاری رہتی مگر کبھی حد اعتدال سے متجاوز نہ ہوتی۔ کبھی مخاصمت تک نوبت نہ آتی۔ نوک جھونک ہوتی بھول جاتی۔ ایسا کیوں تھا اس لئے کہ ہمارے اساتذہ

کی ہر طرح پر نظر ہوتی اور وہ تراش خراش کا عمل جاری رکھتے اور قد کو بڑھانے اور خوشنمائی کے لئے اسے ضروری سمجھتے تھے اور ہر بڑھتی شاخ کی بریدگی اور سرکشیدگی کو موزوں اور نگرانیاں موجود تھیں اور موثر تھیں تو اس انتظام میں سلیقہ اور سنوار اور حسن اور خوبصورتی کیوں نہ آتی۔ ہر ایک انفرادی توجہ اور دیکھ بھال کا یہ حال تھا کہ بیماری و علالت ایسا وقت ہوتا ہے کہ مریض توجہ چاہتا ہے اور گھر والے یاد آتے ہیں۔کوئی طالب علم بیمار پڑ جاتا تو التزام ہوتا۔ پرہیزی کھانا جاری ہو جاتا۔ اگر تیماردار کی ضرورت ہوتی تو مہیا کر دیا جاتا۔ اساتذہ باقاعدگی سے عیادت کے لئے تشریف لاتے اور ہمدردی کے اس موقع پر کیا کیا دلداری اور دلجوئی کا سامان نہ ہوتا۔ ایک اور حسین زاویہ اس منظر کا یہ تھا کہ ہم کسی علاقہ سے متعلق نہ تھے کہ معاشرت اور تمدن کا کوئی ملتا جلتا انداز رکھتے بلکہ ملک کے طول وعرض سے آئے ہوئے کوئی سندھی کوئی پنجابی پختون اور بلوچی ہر علاقہ کی اپنی ریت اپنے اپنے رسم و رواج، عادت و روایات۔ پسند و ناپسند الگ الگ مگر یہاں آ کر ایک کلچر میں سب مدغم ہو گئے۔

مذہب زندگی پر غالب اور مضبوط اثر رکھتا ہے۔طلباء کئی فرقوں اور مسلکوں کے کاربند تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک سال ایسا بھی آجاتا کہ احمدی غیر از جماعت طلباء کے مقابلہ میں کم تھے۔ہوسٹل کی زندگی اس اعتبار سے مثالی تھی۔تحمّل اور رواداری، مذہبی آزادی۔ ہر طالب علم اپنے مسلک اور عقیدہ کے مطابق مذہبی رسومات اور عبادت بجالاتا، نماز کی پابندی ہر ایک پر لازم تھی۔ الگ الگ نمازیں باجماعت ادا ہوتیں۔کبھی کوئی ناخوشگوار واقعہ تو درکنار کوئی منفی تاثر تک دیکھنے میں نہ آیا۔کوئی کشیدگی یا آویزش پیدا نہ ہوتی۔ باہم شیر و شکر اکٹھے رہتے۔غرض کہ جو ضرورت درپیش آتی اس کو پورا کرنے کا سامان میسر ہوتا۔اور دوسری طرف جو ذمہ داری کا تقاضا قائم ہوتا اس کی کما حقہ پابندی طلباء سے کروائی جاتی۔

یہ حسن انتظام وانصرام باہم ادب واحترام، پابندیوں اور آزادیوں کا خوبصورت توازن۔اس

باگ میں ہر صنبور آزاد تھا بالکل بھی۔ اس جگہ ہر دل آرام پاتا ہر جسم راحت محسوس کرتا اور ہر ذہن سکینت یاب ہوتا۔ ہر ایک دوسرے کا دست و بازو بن جاتا۔ ہر ایک دوسرے کا دوست ہوتا۔ محبتیں جلوہ افروز ہوتیں اور نفرتیں اور کدورتیں غائب ہوتیں چنانچہ یہ منظر نامہ تھا۔

یہ ہمارے اساتذہ کرام کی ذاتی توجہ نہایت درجہ شفقت اور مہربانی کا ثمرہ تھا۔ ایک خاندان تھا جس کے سینکڑوں افراد اور کنبہ تھے۔ اساتذہ کی دن رات کی محنت نے ہوسٹل کو درحقیقت گھر بنا دیا تھا۔ اس کا سہرا ہمارے قابل صد افتخار واجب الاحترام استاذی المکرم چوہدری محمد علی صاحب کے سر تھا۔ یادوں کے دھارے میں بہتا ہوا بہت دور نکل آیا ہوں

حکایت لذیذ بود دراز تر گفتم

ایک تخلیقی کیفیت اور اس کے بیان میں اختصار اور عدم مقدرت اظہار کی وجہ سے منظر کے سب رنگ ہی پھیکے پڑ گئے ہیں۔ اس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ یادوں کے تار کو ایک ضرب اور جنبش کی سعی ناتمام ہی سے شاید اس ارتعاش سے ساز و آواز کا کوئی سلسلہ چل نکلے۔

پرانی تصاویریں دیکھیں تو کئی پیارے وجود نظر آئے جو ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو چکے۔ خدا تعالیٰ غریق رحمت فرمائے۔ اکثر ہیں جن کے احوال کی خبر نہیں۔ ان بچھڑنے والوں کی یادوں کو آزردہ اور غمگین بنا دیتی ہے۔

خاک میں کیا صورتیں ہوگی کہ پنہاں ہو گئیں

غالب نے کیا خوب کہا ہے۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں اے لئیم

تونے وہ گنج ہائے گرا نمایہ کیا کیے

تابناک اعلیٰ روایات کا حال یہ تعلیمی ادارہ ظالموں اور چیرہ دستوں نے ہم سے چھین لیا۔ وہ ادارہ جس کے فارغ التحصیل اس سے نسبت قائم کر کے فخر اور تفوق اور بڑائی محسوس کرتے تھے سر بلند

ہوکر عملی میدان میں مسابقت ومہارت کے جوہر دکھاتے تھے۔اب ادھر کوکوئی رخ کرنے کوہی تیار و آمادہ نہیں۔ربع صدی سے زائد عرصہ کے دوران ہی یہ تنزل کا شکار ہوکر اس حال کو پہنچ گیا ہے کہ تعلیم و تعلم کا سلسلہ گویا کالعدم ہو چکا ہے۔مایہ ناز اور سرمایہ افتخار اساتذہ جو گدڑیوں میں لعل تھے ناپید ہوئے اور ان کی جگہ تنخواہ دار چند ملازمین نظر آتے ہیں۔جن کو نہ تدریس کا شوق اور جنون اور پڑھنے والوں کو حصول علم سے غرض نہیں۔حکومت سے رعنائیوں اور تحکمانہ لاپرواہیوں نے جلتی میں تیل کا کام کر دکھایا ہے۔ بردباری اور تباہی چاروں طرف سے محیط ہو چکی ہے۔ چند سال ہوئے کہ بلڈنگ کے محکمہ نے اسے ناقابل استعمال قرار دے کر خالی کرنے کا حکم صادر کر دیا ہوا ہے۔ یہ سرسبز شاداب باغ ویرانہ میں بدل چکا ہے اور خوش نما اور خوبصورت روئیدگیوں کی جگہ جھاڑیاں اور سرکنڈے نظر آتے ہیں۔حیف صد حیف کہ رونقوں سے معمور، زندگی سے بھرپور زندہ اور زندگی بخش علم وآگہی کا یہ گہوارہ معروف دانشکدہ اس حال میں ہے اتفاق سے ادھر کا گزر ہو تو بے اختیار رخ دوسرے طرف پھر جاتا ہے کہ یہ منظر دیکھا نہ جائے ہے۔سناٹا ہے، خامشی ہے ہر نقش فریادی، ہر صورت کاغذی پیرہن پہنے مجسم سوال نظر آتی ہے۔

لئے پھرتا ہوں سوالوں کی صلیبیں طارق
کر گئے کوچ سبھی لوگ خوابوں جیسے

اس خستہ حالی اور بدحالی کو دیکھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔دل سے ٹیس اٹھتی ہے

کچھ بوئے نفس آتی ہے دیواروں سے
آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

اس زبان کا کوئی چارہ نہیں اور اس غم کے بیان کا یارا نہیں

تھی داستاں دراز بھی اور دلگداز بھی
لیکن کہ ہے دل کہ دیا جائے اس کو طول

مجھے یقین ہے کہ اس تعلیمی ادارے کی بنیاد رکھنے والے اللہ کے بندے اور اس کے محبوب حضرت سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اللہ کو لاج ہے جس نے اس ادارے کو تعلیم الاسلام کا نام دیا اور جو مقاصد اور مطمح نظر مقرر فرمایا وہ اسی نام سے احیائے نو پائے گا جسطرح پہلے ادارے علم و دانش اور معرفت و آگہی کا گہوارہ ثابت ہوئے تھے اور آسمان علم کا روشن ستارہ بن کر ابھرے تھے۔ پھر آب و تاب و چمک دکھائے گا روشنی کا مینار اور علم و عمل جو اس کا ماٹو ہے کا شاندار مظہر ثابت ہوگا۔ انشاء اللہ۔

غالباً 1996ء کی بات ہے حکومت نے قومیائے جانے والے تعلیمی اداروں کو اُن کے ٹرسٹیز کو واپس دیئے جانے کا اعلان کیا تھا اور چند شرائط اور خطیر رقم جمع کروانے سے مشروط کیا۔ جماعت نے فوراً کیس تیار کر کے مقررہ رقم جمع کروا کر تمام شرائط پوری کر دی تھیں۔ تب سے یہ کیس ارباب بست و کشاد کے فیصلہ کا منتظر ہے۔ اس دوران حکومتیں آئیں اور گئیں۔ بے شمار رابطے ہوئے مگر کسی کو ہمت و توفیق نہیں ہوئی۔ ہم تو قادر و مقتدر اور عزیز و قدیر رب کے فضل کے منتظر ہیں۔ تقدیر تدبیر کا تقاضہ بھی کرتی ہے۔ دعا کے ساتھ مقدور بھر کوشش بھی شرط ہے۔ اگر اولڈ بوئز ایسوسی ایشن اس تدبیر اور کوشش میں کسی طور سے شریک کا ہو تو اس کی خوش نصیبی ہوگی۔

(ماہنامہ انصاراللہ ربوہ صفحہ 20 تا 27 اکتوبر 2011ء)



میرا تعلیم الاسلام کالج میں داخلہ

(جسٹس ریٹائرڈ۔ محمد اسلام بھٹی)

میرے چھوٹے ماموں عزیز نے کہا کہ بی بی (میری ماں کو سبھی لوگ اسی نام سے پکارتے تھے۔) ہم اسے تعلیم الاسلام کالج لاہور میں داخل کروائیں گے۔ چنانچہ وہ مجھے لاہور لے گئے۔ تعلیم الاسلام کالج لاہور میں جب فارم وغیرہ دیا تو میرے ماموں میرے ساتھ تھے۔ اس وقت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ کالج کے پرنسپل تھے۔ اگست 1952ء کے ایام تھے حضرت صاحب اپنے دفتر میں تشریف فرما تھے اور باری باری داخلہ کے خواہش مند بچوں کو اندر بلا رہے تھے۔ جب حضور نے مجھے بلایا تو ماموں بھی ساتھ گئے۔ بہت ساری باتیں ہمارے گاؤں کے متعلق بھی دریافت فرمائیں۔ میں نے عرض کیا میں نے میڈکل میں داخلہ لینا ہے۔ فرمایا ہمارے کچھ بچے تعلیم الاسلام ہائی اسکول چنیوٹ سے یہاں آئے ہیں ان میں سے ایک منور احمد چونڈی صاحب تھے جنہوں نے پوری پنجاب یونیورسٹی میں پہلی پوزیشن حاصل کی تھی۔ پھر سید احمد خان رحمانی اور عبدالغفور زاہد صاحب تھے۔ حضور نے ان سب کا حوالہ دے کر مجھے کہا میں نے کچھ بچوں کو مقابلہ کے امتحانوں کے لئے تیار کرنا ہے۔ اس لئے میڈکل میں داخلہ نہ لینے کی نصیحت کرتا ہوں۔ اس کے بعد میرے لئے دوسری آپشن Pre-engineering تھی۔ میں نے نان میڈکل میں داخلہ لے لیا مگر کچھ دنوں کے بعد کیمسٹری بھی چھوڑ دی اور اس کی جگہ عربی بطور اختیاری مضمون لکھ لی۔ سعید احمد رحمانی بھی میرے ساتھ تھے۔ باقی اساتذہ کا تو مجھے اُس وقت یاد نہیں مگر حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ عربی مضمون

لے کر تم نے بہت ٹھیک کیا ہے۔عربی اس زمانے میں اور بعد میں بھی مکرم صوفی بشات الرحمان صاحب مرحوم پڑھایا کرتے تھے۔مکرم صوفی بشارت الرحمن صاحب کا شمار انتہائی بزرگ اساتذہ میں ہوتا تھا۔ان کا عربی پڑھانے کا انداز میرے سابقہ اسکول سے بہت مختلف تھا۔انہیں عربی زبان سے جنون کی حد تک عشق تھا۔

حضرت صاحب کی اس عاجز پر غیر معمولی نوازشات رہی ہیں جن کا سلسلہ کالج میں داخل ہونے کے ساتھ ہی شروع ہوگیا۔داخلہ کے چند دنوں کے بعد ہی ہوسٹل میں داخلہ مل گیا۔کچھ دنوں تک تو میں ڈارمیٹری میں رہا۔وہاں میرے دوست سعید احمد خان رحمانی اور عبد الغفور زاہد تھے۔ہم سب کو الگ الاگ کیوبکلز مل گئے۔ہوسٹل کے سپرنٹنڈنٹ مکرم محترم چودھری محمد علی صاحب تھے۔اگرچہ میں ان سے پڑھتا تو نہیں تھا۔تاہم ان کو اتنا نفیس اور پیار کرنے والی شخصیت پایا کہ میرے پاس بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں ہیں۔

میں مکرم صوفی بشارت الرحمان صاحب مرحوم اور مکرم چودھری محمد علی صاحب کی نوازشوں کا جس قدر اور جس تفصیل سے ذکر کروں وہ کم ہوگا۔ان لوگوں کا پیار شفقت محبت اور راہنمائی مجھے ہمیشہ حاصل رہی اور اس کا زبانی یا تحریری ذکر شاید مجھ سے نہ ہو سکے گا۔ان دو کے علاوہ اخوند عبد القادر صاحب ہمارے انگریزی کے استاد تھے۔میاں عطاء الرحمن صاحب سے میں نے فزکس پڑھی۔خاں ارجمند خان اور مولانا غلام احمد بدوملہی سے دینیات مکرم اخوند عبد القادر صاحب خوب شخصیت کے مالک تھے نہایت سیدھے سادے اور مخلص اور بہت اچھے استاد تھے جو میری ہر معاملہ میں راہنمائی کرتے تھے۔

جب میں فرسٹ ائیر میں تھا تو میں صوفی صاحب کے مشورہ پر اخوند صاحب کے پاس حاضر ہوا۔انہوں نے مجھ سے انگریزی زبان کے ناولوں اور دیگر علمی و ادبی کتب کی فہرست تحریری کروائی۔ان کی ہدایت کے مطابق میں نے گرمیوں کی چھٹیوں میں ان کی بتائی ہوئی جملہ کتب پڑھ

لیں۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ میں نے واقعی ایسا کیا ہے تو وہ بہت خوش ہوئے۔

کالج کے چاروں سال ان کے پیار اور شفقت کا بہت سا حصہ مجھے ملا۔ اخوند صاحب انگریزی بہت تیز بولا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ دوسرے لوگ پنجابی میں سوچتے اور پھر انگریزی میں ڈھالتے ہیں۔ میں انگریزی میں سوچتا اور انگریزی میں بیان کرتا ہوں۔

میں ابھی فرسٹ ائیر میں تھا۔ شاید داخل ہوئے چند ماہ ہوئے تھے۔ ایک دن میں کالج کی گراؤنڈ میں کھڑا تھا اور میں نے سر پر ہاتھ رکھا ہوا تھا حضرت میاں صاحب (پرنسپل) کی کار سامنے آ کر رکی۔ میاں صاحب نے مجھے دیکھا اور بلند آواز میں کہا ''اسلام ادھر آؤ'' میں قریب گیا تو سر پر ہاتھ کیوں رکھا ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا سر درد ہو رہا ہے۔ فرمانے لگے سر درد کیوں؟ ساتھ ہی حکم ہوا۔ ''میرے پیچھے آؤ۔'' دفتر میں جا کر جنید ہاشمی صاحب جو کالج کے آفس سپرنٹنڈنٹ تھے کو فرمایا ڈاکٹر قاضی بشیر احمد صاحب (جو اس زمانے میں مشہور آئی سپیشلسٹ تھے) کے نام چھٹی لکھو کہ اسلام کی آنکھیں چیک کریں۔ انہوں نے چھٹی لکھ کر میرے حوالے کر دی۔ اب میرے جیسا طالب علم سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اپنی آنکھوں کا ٹیسٹ کروانے کے لئے قاضی صاحب جیسے معروف آئی سپیشلسٹ کے پاس جائے گا۔ یہ تو سفیر محبت کی ذرہ نوازی تھی کے میرے جیسے کو اتنے بڑے ڈاکٹر کے پاس بھیج دیا۔ ٹیسٹ کے کچھ دنوں بعد میں تجویز کردہ عینک لگائے حضرت میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا اب تم ٹک شاپ سے اتنا دودھ (جواب مجھے یاد نہیں) ہر روز پیا کرو اور اتنی سویابین اور اتنے بادام کھایا کرو۔ میں تو حیران ہوں کہ مجھے اس زمانے میں سیروں کے حساب سے بادام اور سویابین آپ کی شفقتوں کے طفیل ملنا شروع ہو گئیں۔ اس طرح نہ صرف میرے بلکہ میرے دوستوں کے بھی مزے ہو گئے۔ حضرت میاں صاحب کی شفقت و محبت آہستہ آہستہ میرے لئے بڑھتی ہی گئی۔ حضرت صاحب کو طلباء کو تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ ان کی جسمانی صحت میں بھی ذاتی دلچسپی لیا کرتے تھے۔ ایک باپ سے بھی کہیں زیادہ بڑھ کر پیار کرنے

والی شخصیت تھے۔

لاہور میں کالج کے دوسال انٹرمیڈیٹ کے امتحان کے ساتھ اختتام پذیر ہوئے۔ بہت ساری دوسری باتوں کے علاوہ میں کالج کے دینی موحول اور ڈسپلن کے اعلیٰ معیار کی تعریف کیے بنا نہیں رہ سکتا۔ تمام نمازیں باجماعت ادا کی جاتیں۔ عشاء کی نماز کے بعد مکرم صوفی بشارت الرحمان صاحب کی پند ونصائح لاجواب ہوا کرتی تھیں۔ اگرچہ دوستوں کو شکایت ہوتی کی صوفی صاحب ضرورت سے زیادہ سختی کرتے ہیں مگر میری دیانتدارانہ رائے میں وہ سختی اور ان کی نصائح ٹی آئی کالج جیسے دینی اور علمی ادارہ میں زیر تعلیم نوجوانوں کے لئے آئندہ زندگیوں میں ان کے لئے ایک لائحہ عمل ترتیب دینے کے لئے انتہائی ضروری تھیں۔ اور میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ میری تعلیم وتربیت ٹی آئی جیسے ادارہ میں ہوئی۔

1954ء میں تعلیم الاسلام کالج لاہور سے ربوہ منتقل ہو گیا ابتدا میں کالج کی عمارت کے ساتھ ہوسٹل بھی زیر تعمیر تھا۔ دروازے اور کھڑکیاں ابھی نہیں لگی تھیں مگر کسی قسم کی کوئی چوری چکاری نہیں۔ کوئی شرارت نہیں۔ فوراً ہی تعلیم وتربیت کا لاہور والا سلسلہ رواں دواں ہو گیا۔ اساتذہ اور طلباء اسی طرح کلاسوں میں جت گئے۔ ہوسٹل میں رہائش اور باجماعت نمازوں کا اہتمام لاہور سے بھی بہتر انداز میں شروع ہو گیا کیونکہ اب ہم لاہور میں نہیں ربوہ کے کلی طور سے دینی ماحول میں رہ رہے تھے۔ یہ صرف اللہ کا کرم تھا۔ انسان کی زندگی میں بے شمار واقعات رونما ہوتے ہیں لیکن ہر واقعہ کو تاریخ وار یاد رکھنا اور بیان کرنا بہت مشکل امر ہے۔ میں تعلیم الاسلام کالج کے میگزین المنار کے ہر دو سیکشن اردو اور انگلش کا ایڈیٹر بھی رہا۔ پرویز پروازی صاحب اردو حصہ کے نائب ایڈیٹر تھے۔ میری ادارت میں چھپنے والے ایک شمارہ میں ایک دوست محمد الیاس بشیر کے جو شاہین تخلص کرتے تھے دو شائع شدہ پسندیدہ اشعار مجھے کبھی نہ بھولیں گے۔

تو نے چپکے سے مجھ کو سونپ دیئیے مضمحل چاند ستارے
اے سسکتے ہوئے دل ناشاد انگنت آنسوؤں کے انگارے

مکرم چودھری محمد علی صاحب ہمارے انگلش سیکشن کے انچارج تھے اور صوفی بشارت الرحمان صاحب اردو کے۔ غالبا کچھ عرصہ مکرم پروفیسر نصیر احمد خان بھی اردو سیکشن کے انچارج رہے۔ انہی دنوں نوائے وقت گروپ کے رسالہ قندیل اور بعض اور اردو اور انگریزی اخبارات میں میرے خطوط وغیرہ شائع ہوتے رہے جن کے بعض شمارے ابھی بھی میری ذاتی لائبریری میں موجود ہیں۔ غرض کہ کالج کا زمانہ ایک علمی اور ادبی زمانہ ہوتا ہے لیکن جب میدان عمل میں داخل ہوا تو لکھنے پڑھنے کا شوق زیادہ تر صرف قانون کی کتب پڑھنے اور فیصلے لکھنے کی حد تک محدود ہو گیا۔ تاہم مجھے مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ میری ذاتی لائبریری میں سینکڑوں کتب موجود تھیں جو میں نے مستقلاً امریکہ جانے سے قبل بعض کتب خانوں کو تحفہ پیش کر دیں۔

(عدالت عالیہ تک کا سفر مصنفہ جسٹس ریٹائرڈ محمد اسلام بھٹی بحوالہ المنار جرمنی جولائی 2012ء صفحہ 14۔17)



تعلیم الاسلام کالج کے متعلق میری یادیں

(محترم انیس احمد چوہدری صاحب۔ جرمنی)

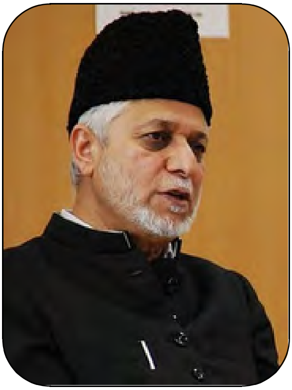
ٹی آئی کالج کی اہمیت کو وہی جانتے ہیں جنہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ جو کالج کے بانی پرنسل تھے، کہ دور میں تعلیم حاصل کی۔ خواہ کچھ ہی عرصہ کالج میں پڑھے ہوں حضرت خلفیۃ المسیح الثالثؒ کے زمانہ میں کالج پاکستان کے نامور کالجوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ احمدی احباب کے علاوہ غیر از جماعت بھی اپنے لڑکوں کو اچھی تعلیم و تربیت کے لئے ٹی آئی کالج ربوہ میں پڑھانے کے لئے بھیجتے تھے جو بعد میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے۔ مجھے یاد ہے جب میں کالج میں داخل ہوا تھا، تقریباً دو سال حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی سرپرستی میں کالج میں پڑھنے کا موقع ملا۔ حضورؒ کا اپنی رہائش گاہ سے کالج کی طرف روانہ ہونا اور برآمدے میں داخل ہوتے ہی طالب علموں کا ایک دوسرے کو بتانا کہ میاں صاحب آرہے ہیں لڑکوں کا کلاسوں کی طرف بھاگنا سر پر ٹوپی الٹی سیدھی پہننا گاؤن کا ایک بازو اندر ایک باہر عجیب قسم کے دلفریب نظارے دیکھنے کو ملتے تھے میری مراد حضورؒ کا رعب اور شخصیت ایسی تھی کہ کوئی طالب علم ان کا سامنا نہیں کر سکتا تھا۔

جب میں کالج داخل ہوا تو کالج یونین کے انتخاب ہو رہے تھے۔ ہم بھی ایک پارٹی کے ساتھ ہو گئے۔ سارا دن کالج شاپ میں گذارتے رہے۔ اسکول سے نکلنے کے بعد اپنے آپ کو آزاد محسوس کرتے ہوئے اپنی ترنگ میں ادھر اُدھر گھومتے رہے اور پیریڈوں سے غیر حاضر ہوتے رہے کچھ عرصہ بعد نوٹس بورڈ پر ایک لسٹ آویزاں دیکھی جس پر ان طالب علموں کا نام تھا جن کو پیریڈوں سے غیر حاضر رہنے پر جرمانے ہوئے تھے لسٹ میں اپنا نام بھی درج تھا کل جرمانہ غالباً 12 روپے تھے جو

میرے لئے ایک انسپیکٹر تحریک جدید کا بیٹا ہونے کے ناتے ادا کرنا بہت مشکل تھا۔ والد صاحب کی تنخواہ ساٹھ روپے تھی۔ خاکسا بھی بہت فکرمند ہوا کالج کے دفتر میں جنید ہاشمی صاحب کے پاس گیا کہ اتنا جرمانہ تو میں ادا نہ کرسکوں گا انہوں نے مشورہ دیا کہ حضرت میاں صاحب کو درخواست لکھ دو کہ غریب طالب علم ہونے کی وجہ سے جرمانہ ادا کرنا مشکل ہے۔آئندہ ایسی غلطی نہیں کروں گا۔ امید ہے آدھا جرمانہ معاف ہوجائے گا۔لہٰذا ان کے مشورہ سے خاکسار اگلے روز چھٹی ہونے کی وجہ سے حضور کی رہائش گاہ پر صبح کے وقت حاضر ہوگیا حضرت میاں صاحب برآمدے میں اخبار پڑھ رہے تھے اندر آنے کی اجازت چاہی حضرت میاں صاحب نے اندر بلا لیا۔ درخواست پڑھ کر ازاراہ شفقت آدھا جرمانہ معاف فرما دیا۔ اب خاکسار کے لئے بقیہ چھ روپے بھی ادا کرنا مشکل تھا۔ لہذا اپنی دانست میں چالاکی اور ہوشیاری کا سہارا لیتے ہوئے ایک نئی درخواست لکھ دی کہ خاکسار کو چھ روپے جرمانہ ہوا ہے اور معافی کا درخواست گزار ہوا۔ دو ہفتہ کا وقفہ ڈال کر پرنسپل صاحب کے دفتر میں حاضری کی اجازت چاہی میاں صاحب جو اپنے کام میں مصروف تھے نظریں نیچے تھیں خاکسار نے May I come in Sir کہا پرنسپ صاحب نے فرمایا Yes۔ میری طرف نہیں دیکھا اپنی درخواست میز کے اوپر رکھ کر الٹے پاؤں باہر نکلنے لگا تو پیچھے سے ایک گرجدار آواز نے چونکا دیا۔'' واپس آؤ مجھے دھوکہ دے رہے ہو۔تم میرے گھر پر آئے تھے آدھا جرمانہ معاف کروا چکے ہو۔'' درخواست میری طرف اچھال دی بس اب کیا تھا دل کرتا تھا کہ زمین پھٹ جائے اور میں اس کے اندر سمو جاؤں اللہ اللہ حضور کی یادداشت اور فراست قربان جاؤں۔

اس واقعہ کے قریباً چار سال بعد حضور کراچی تشریف لائے خاکسار اس وقت نیوی میں ملازم تھا۔ نماز جمعہ کے بعد حضور نے لائن میں لگ کر مصافحہ کیا تو میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا تمہیں یاد ہے کہ تم کو جرمانہ ہوا تھا۔ اگلی بات حضور نے نہیں کی صرف مسکرا دیئے۔ خاکسار بغل گیر ہوگیا۔

(المنار جرمنی اپریل 2012ء صفحہ 6۔7)



تعلیم الاسلام کالج کی چند حسین یادیں

(محترم مولانا عطاء المجیب راشد صاحب
امام مسجد فضل لندن)

اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجھے 1959 سے لیکر 1965 تک تعلیم الاسلام کالج میں پڑھنے کا موقعہ ملا۔ ایف اے، بی اے اور پھر اسی کالج سے ایم اے عربی بھی کیا۔ اس عرصہ کی چند یادیں تحریر کرتا ہوں۔ کالج کے زمانہ کی یادوں کا آغاز تو کالج کے ہر دلعزیز اور بزرگ پرنسپل حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد رحمہ اللہ سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شاہانہ طرز اور وقار عطا فرمایا تھا لیکن آپ کی طبیعت میں سادگی اور بے تکلفی بھی بہت نمایاں طور پر پائی جاتی تھی۔ مجھے اس کا ایک تجربہ اس وقت ہوا جب ایک بار آپؒ کے ساتھ شکار پر جانے کا موقع ملا۔ ان دنوں آپ تعلیم الاسلام کالج کے پرنسپل تھے۔ آپ کے ساتھ جانے والوں میں محترم صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب مرحوم۔ میرے والد محترم مولانا ابوالعطاء صاحب مرحوم اور محترم مولانا احمد خان نسیم صاحب مرحوم کے علاوہ اور بھی چند احباب تھے۔ جاتے ہوئے احمد نگر کے قریب کچی سڑک پر کیچڑ ہونے کی وجہ سے مائیکروبس جس میں سب سوار تھے پھنس گئی۔ سب نیچے اُترے اور بس کو کیچڑ سے نکالنے کی کوشش ہونے لگی۔ میں نے دیکھا کہ باقی ساتھیوں کے ساتھ آپؒ بھی اس کام میں برابر شریک تھے۔ میں اس وقت چھوٹی عمر کا تھا لیکن یہ نظارہ آج بھی گویا میری نظروں کے سامنے ہے کہ آپؒ بھی قریبی کھیتوں سے جھاڑیاں اُکھاڑ کر لا رہے تھے۔ اور اسی طرح مٹی کے بڑے بڑے ڈھیلے لائے جا رہے تھے تا کہ ان کو مائیکروبس کے پہیوں کے آگے رکھا جائے اور وہ

کیچڑ سے باہر آسکیں۔ یہ بظاہر ایک معمولی سا واقعہ تھا لیکن اس کی یاد آج بھی تازہ ہے اور آپؒ کی سادہ اور خاکسارانہ طبیعت کی یاد دلاتی ہے۔آپ کی طبیعت کی سادگی کے بارہ میں ایک اور بات یاد آئی۔پچھلے دنوں ایک بہت ہی پرانی تصویر دیکھنے کا موقع ملا۔ یہ تعلیم الاسلام کالج کی ربوہ میں تعمیر کے دنوں کی ہے۔اس میں حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ تعمیر کا کام کرنے والے چند مزدوروں کے ہمراہ کالج کے ایک برآمدہ کی سیڑھیوں پر بڑی بے تکلفی سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ تصویر آپ کی بے تکلفی، انکساری اور عظمت کو خوب ظاہر کرتی ہے۔کالج کے پرنسپل کی حیثیت سے طلباء کے اخلاق کی نگرانی اور ان کی بہبود کا خیال رکھنا آپ کی شخصیت کا ایک خاص وصف تھا۔1959 کی بات ہےمیں جب میٹرک پاس کر کے کالج میں داخل ہوا تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے وظیفہ کا حقدار پایا تھا۔اس وقت مجھے خیال آیا کہ کالج کے ہوسٹل میں قیام کروں۔میرا یہ خیال تھا کہ اس طرح شاید وقت کی بچت ہو اور کھیلوں اور دوسرے پروگراموں میں بھی شرکت ہو سکے گی اور چونکہ سرکاری وظیفہ کی وجہ سے اخراجات کی بھی فکرمندی نہ تھی۔اس لئے میں نے یہی خیال کیا کہ یہ صورت بہت بہتر رہے گی۔

جب یہ بات آپؒ کے علم میں آئی تو آپؒ نے اس سے اتفاق نہیں فرمایا اور مجھے تاکیداً یہی کہا کہ ہوسٹل میں ہرگز نہیں رہنا بلکہ گھر میں ہی قیام کرتے ہوئے تعلیم حاصل کی جائے۔اس وقت کے جذبات کے لحاظ سے مجھے یہ فیصلہ اور ارشاد کچھ بوجھل محسوس ہوا اور اسکی کوئی حکمت سمجھ نہ آئی کہ جب اخراجات کا بھی کوئی مسئلہ نہیں (کیونکہ وظیفہ کی سہولت موجود ہے) تو پھر کیوں اس صورت کو اختیار نہ کیا جائے۔بہرحال آپؒ کا ارشاد تھا اس کی تعمیل کی گئی اور بعد میں آپؒ کی کسی بات سے اور خود اپنے تجربہ اور مشاہدہ سے یہ بات مجھ پر خوب واضح ہوئی کہ گھر کا ماحول ہوسٹل کے ماحول سے بدرجہا بہتر ہوتا ہے اور اسی حکمت کی وجہ سے آپؒ نے ہوسٹل میں میرے قیام کو پسند نہیں فرمایا تھا۔ہوسٹل تو دراصل ان لوگوں کیلئے ہوتا ہے جنہیں گھر میں رہنے کی سہولت نہ ہو اور جنہیں گھر کی سہولت میسر ہو ان کیلئے بلاوجہ ہوسٹل میں قیام چنداں مفید نہیں ہوتا بلکہ نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔اب اس واقعہ

پر غور کرتا ہوں تو یہ بات سمجھ آتی ہے کہ یہ آپؒ کا عظیم احسان تھا کہ آپؒ نے اس بارہ میں میری بروقت صحیح راہنمائی فرمائی۔ کالج کے دنوں میں ایک اور دلچسپ واقعہ یہ ہوا کہ جلسہ تقسیم اسناد و انعامات کے موقع پر جب حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ خاکسار کو وہ طلائی میڈل لگا رہے تھے جو پنجاب یونیورسٹی سے ملے تھے تو آپؒ سٹیج پر قریب ہی کھڑے تھے۔ جتنی دیر Pin وغیرہ لگانے میں لگتی ہے اس عرصہ میں آپؒ نے یہ پر لطف تبصرہ فرمایا کہ دیکھنا! ان طلائی میڈلوں کو اپنے ابا جان سے بچا کے رکھنا وگرنہ وہ انہیں بھی الفرقان میں لگا دیں گے!۔ اس تبصرہ میں مزاح بھی تھا اور اس مشاہدہ اور حقیقت کا اظہار بھی کہ حضرت ابا جان مرحوم کو ماہنامہ الفرقان کتنا عزیز تھا۔ یہ آپ کا ذاتی رسالہ تھا اور اس کے سب اخراجات آپ اپنی جیب سے ادا فرماتے تھے۔ میں تو خود اس بات کا ذاتی طور پر گواہ ہوں کیونکہ میں بھی کافی عرصہ رسالہ کی انتظامیہ میں شامل رہا۔ شاید اسی وجہ سے آپؒ نے یہ پر لطف تبصرہ فرمایا۔ میں نے بعد میں جب ابا جان سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے بھی اس سے خوب لطف اُٹھایا۔ تعلیم الاسلام کالج کا وسیع و عریض ہال بہت خوبصورت ہال تھا۔ ابتدائی دور میں اسکی حالت مالی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے کافی خستہ ہوتی تھی۔ ربوہ کی زمین میں بہت کلّر ہوتا تھا جس کی وجہ سے ہال کی دیواروں پر سیمنٹ کے پلستر پر عجیب وغریب قسم کے نقوش بن جاتے تھے۔ ان دنوں مکرم پروفیسر مکرم نصیر احمد خان صاحب کالج یونین کے سرپرست ہوتے تھے۔ انہوں نے کئی بار محترم پرنسپل صاحب سے اس بارہ میں درخواست کی کہ اس صورت حال کا کچھ اَزالہ کروادیا جائے مگر مالی مجبوریاں اس کام میں حائل ہوجاتی رہیں۔ انہی دنوں ایک مجلس مشاعرہ منعقد ہوئی۔ ہال سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ مکرم پرنسپل صاحب پہلی قطار میں تشریف فرما تھے۔ مکرم ڈاکٹر نصیر خان صاحب کی باری آئی۔ آپ بہت بلند پایہ شاعر تھے۔ بڑے بذلہ سنج اور موقع کی مناسبت کو خوب سمجھنے والے تھے۔ آپ نے اپنی نظم بڑے وقار سے تحت اللفظ پیش کرنی شروع کی۔ اس دوران ایک موقعہ پر آپ نے پرنسپل صاحب کو بڑے ادب سے مخاطب کرتے

ہوئے فرمایا کہ یہ اگلا شعر ہمارے مہربان محترم پرنسپل صاحب کی خصوصی توجہ کے لئے ہے۔ ہال میں کلّر کے نقش ونگار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شعر پڑھا۔ جس کا دوسرا مصرعہ یوں تھا:

ہمارے ''ہال'' پر نظر کرم یوں بھی ہے

اور یوں بھی یہ مصرعہ سنتے ہی ہر طرف مسکراہٹ پھیل گئی۔ بس ایک مصرعہ سارا کام کر گیا اور جلد ہی ہال کا حال بھی ٹھیک ہوگیا!

نظم وضبط قائم رکھنا اور طلبہ سے شفقت کا سلوک کرنا ادارہ کے سربراہ کا بنیادی فرض ہوتا ہے۔ یہ دونوں باتیں محترم پرنسپل صاحب کے طرز عمل میں بیک وقت کارفرما نظر آتی تھیں۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک بار ہماری کلاس کے ایک طالب علم کو کسی غلطی یا شرارت کی بنا پر دس روپے جرمانہ کی سزا دی گئی۔ بے چارے غریب طالب علم کے لئے یہ ادائیگی ناممکن سی بات تھی۔ طالب علم فوراً ایک لمبی درخواست لکھ کر پرنسپل صاحب کے دفتر میں حاضر ہوگیا۔ آپ نے درخواست پر ایک نظر ڈالی اور قلم ہاتھ میں لے کر موٹے الفاظ میں NO کا لفظ لکھا اور درخواست واپس کر دی۔ طالب علم سخت مایوس ہوکر دفتر سے باہر آ گیا۔ وہ اپنی کلاس میں مغموم اور فکرمند بیٹھا تھا کہ کالج کا ایک کارکن آیا اور اسے ایک لفافہ دے گیا۔ اس میں دس روپے کا نوٹ تھا اور ساتھ پرنسپل صاحب کا نوٹ تھا کہ دفتر جا کر جرمانہ کی ادائیگی کر دیں! ہمارے انگریزی کے استاد محترم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب تھے۔ ہر روز بڑے اہتمام کے ساتھ تیار ہوکر بروقت آتے۔ کوئی غیر ضروری بات نہ کرتے۔ آتے ہی تدریس شروع ہوجاتی اور پورا وقت پڑھاتے تھے۔ انگریزی تلفظ پر خاص زور دیا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ POPULATION کا صحیح تلفظ بتانے کے بعد کافی دیر کلاس میں اجتماعی طور پر اور پھر انفرادی طور پر اس کی مشق کرواتے رہے۔ ایک روز بڑا ہی شاندار واقعہ ہوا۔ ہماری کلاس میں ایک قریبی گاؤں سے آنے والے ایک مقامی نوجوان بھی تھے۔ وہ بہت اچھی طبیعت کے محنتی طالب علم تھے۔ ان کے بولنے کے انداز پر دیہاتی ماحول کا بہت اثر تھا جس کو

بہتر بنانے کے لئے وہ کافی کوشش کرتے رہتے تھے۔ ایک روز محترم صاحبزادہ صاحب نے بلیک بورڈ پر انگریزی کا ایک فقرہ لکھا کہ THE CIGARETTE IS MADE OF PAPER AND TOBACCO یہ لکھ کر آپ نے الفاظ کا صحیح تلفظ بتایا اور خوب اچھی طرح وضاحت کی اور پھر ایک ایک طالب علم کو کہا کہ وہ بلند آواز سے اس فقرہ کو دہرائے۔ چنانچہ ہر طالب علم نے باری باری یہ فقرہ دہرانا شروع کیا۔ اگر کسی جگہ کوئی کمی رہ جاتی تو آپ اصلاح فرما دیتے۔ جب ہمارے مذکورہ بالا دوست کی باری آئی تو وہ کھڑے ہوئے اور بڑے اعتماد اور تیزی سے فقرہ دہرایا۔ انہوں نے کہا دی سِرُ گَٹُ اِزُ میڈُ آف پیپر اینڈُ تَبَاخُو بے تکلفانہ انداز اور دیہاتی تلفظ سن کر ساری کلاس نے زوردار قہقہہ لگایا اور محترم صاحبزادہ صاحب کا تو یہ حال تھا کہ ان کی ہنسی ضبط سے باہر ہو رہی تھی۔ آپ نے اپنا رجسٹر اٹھایا اور نصف سبق کے دوران ہی کلاس روم سے باہر چلے گئے! ایک اور محنتی طالب علم کا واقعہ بھی بہت دلچسپ ہے۔ ان دنوں ہمارے اکنامکس کے استاد مکرم ظفر وینس صاحب ہوا کرتے تھے۔ اکنامکس کی مشہور کتاب ESSENTIALS OF ECONOMICS جو پروفیسر ایس ایم ظفر کی لکھی ہوئی تھی ہمارے نصاب کی کتاب تھی۔ کلاس میں لیکچر انگریزی میں ہوتا تھا۔ امتحان کے وقت پرچہ سوالات انگریزی اور اُردو دونوں زبانوں میں دیا جاتا اور اجازت ہوتی تھی کہ کسی بھی زبان میں جوابات دیں۔ ہماری کلاس میں صرف چار یا پانچ طلبہ ایسے تھے جو انگریزی میں جوابات لکھتے تھے۔ ایک افریقہ کے تھے ایک بحرین کے اور باقی تین طلبہ ایسے تھے جو اپنے شوق سے انگریزی میں جوابات لکھا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک طالب علم ایسے تھے جن کی انگریزی تو کافی کمزور تھی لیکن ان کا اصرار تھا کہ میں نے بہر صورت جوابات انگریزی میں ہی لکھنے ہیں۔ انہوں نے ایک بہت ہی عجیب اور حیران کن طریقہ اختیار کیا ہوا تھا کہ ساری کی ساری کتاب زبانی یاد کر لی تھی۔ امتحان کے وقت جو بھی سوال آتا، وہ اس کا جواب کتاب کے عین مطابق بالکل صحیح درج کر آتے۔ اب بھلا ان کو سو فیصد نمبر کیسے نہ ملتے؟

کتاب کا ایک پورا باب اس بارہ میں تھا کہ ملک کے سٹیٹ بینک کے کام کیا کیا ہوتے ہیں۔ امتحان میں یہ سوال آیا کہ بینکوں کے بینک کے طور پر سٹیٹ بینک کے کام کیا ہیں؟ ہمارے اس محنتی دوست نے آؤ دیکھا نہ تاؤ کتاب کا پورے کا پورا باب (جو سٹیٹ بینک سے متعلق تھا اور کئی صفحات پر محیط تھا) شروع سے لیکر آخر تک من وعن نقل کر دیا۔ نمبر تو ان کو ضرور مل گئے ہوں گے لیکن باقی سوالوں کے جوابات کا وقت ملا یا نہیں، یہ الگ بات ہے۔ خیر یہ تو ہوا لیکن سب سے دلچسپ بات یہ ہوئی کہ انہوں نے اپنے جواب کا آغاز (کتاب کے عین مطابق) اس فقرہ سے کیا کہ

As we have already explained in the last chapter .....

کالج کے سارے کے سارے اساتذہ ہی بہت لائق اور قابل ذکر ہیں۔ اس جگہ اپنے ایک نہایت نیک، محنتی، دعا گو اور مشفق و مہربان استاد محترم صوفی بشارت الرحمٰن صاحب مرحوم ومغفور کا مختصر ذکر کرتا ہوں۔ وہ ہمارے عربی کے استاد تھے۔ بڑا لمبا عرصہ تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ مجھے بھی ان سے کئی سال شرفِ تلمّذ حاصل رہا۔ نصاب کی کتابیں سالہا سال ایک جیسی ہوتی تھیں لیکن وہ ہر بار کلاس میں آنے سے قبل پوری تیاری کے ساتھ آتے اور بہت ہی تفصیل کے ساتھ ایک ایک لفظ سمجھاتے تھے۔ بڑی باقاعدگی اور محنت سے فریضۂ تدریس ادا کرتے تھے۔ بڑے بزرگ اور دعا گو انسان تھے۔ ان کی ایک بات نے مجھے ہمیشہ متاثر کیا اور آج تک ان کا یہ وصف میرے دل پر نقش ہے کہ آپ ہمیشہ قرآن مجید پر غور وفکر اور تدبر کرتے رہتے۔ مختلف آیات قرآنیہ کے مشکل مقامات کو حل کرنا اور امکانی طور پر پیدا ہونے والے سوالات کو عربی زبان کے لحاظ سے سلجھانا آپ کی پسندیدہ مصروفیت تھی۔ کلاس میں بھی ان امور کا اکثر ذکر فرماتے اور طلبہ کو بھی اس تحقیق اور تدبر میں اپنے ساتھ شامل کر لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرماتا رہے۔ آمین۔

خاکسار نے یہ مضمون حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس

میں ارسال کیا تو حضور انور نے ازراہِ شفقت جواباً تحریر فرمایا: ’’آپ کا خط ملا۔ آپ نے تعلیم الاسلام کالج کے حوالہ سے اپنی جو یاداشتیں بھجوائیں ہیں وہ ماشاء اللہ بہت خوب ہیں۔ مرزا خوارشید احمد صاحب کے تلفظ سے مجھے بھی ایک واقعہ یاد آ گیا۔ آپ ہماری کلاس میں ہمیں تلفظ سکھا رہے تھے۔ ایک پنجابی ہمارے دوست تھے۔ بے تکلفی بھی ہوتی تھی۔ کلاس ختم ہوئی تو کھڑے ہو کر کہنے لگے آپ جس طرح پڑھاتے ہیں اس سے ہمیں انگریزی زبان تو پتہ نہیں آتی ہے یا نہیں لیکن اس طرح تلفظ ادا کرنے سے ہماری زبان میں بَل ضرور پڑھ جائے گا۔‘‘

(خط محررہ 26.4.2016)

محبتوں کی آگ بھی لے آئے ہیں گلشن میں گلاب
اُن کو خیرہ کر ہی دے کی ترے رُخ کی آب وتاب
مری اُلفت کو تمنا تھی ترے دیدار کی
طارم آذر سے آیا کیوں نہیں اس کا جواب
حسن کی رعنائیاں محفل میں رہنے دو یہاں
حسن کی رعنائیوں میں کیسا پردہ کیا حجاب
ان کی آنکھوں سے عیاں ہوتی رہی ہے کہکشاں
اُن کی آنکھوں سے پھوٹتا دیکھا یوں ماہتاب
ترے جذبوں کی روانی سے ہوئے سرشار لوگ
فکرِ شاعر فکرِ عاصیؔ ہو گئی ہے لاجواب

(عاصی صحرائی)



تعلیم الاسلام کالج اور افریقن طلباء

(محترم عبدالوہاب آدم صاحب مرحوم
سابق امیر جماعت احمدیہ غانا)

مکرم محترم عبدالوہاب آدم صاحب آف گھانا جماعت احمدیہ کی ایک معروف شخصیت تھے۔ افریقہ میں احمدیہ جماعت اور بنی نوع انسان کی خدمت کے حوالہ سے آپ ایک معروف شخصیت تھے۔آپ نے 16 اپریل 2013ء کو تعلیم الاسلام کالج اولڈ ایسوسی ایشن برطانیہ کے منعقدہ ایک میٹنگ میں اپنے قیام ربوہ (1952ء۔1960ء) کے دلچسپ واقعات سنائے۔ جو المنار اپریل مئی 2013ء میں شائع ہوئے ہیں۔ تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے حوالہ سے بیان کیے گئے واقعات یہاں قارئین کے افادہ کے لئے پیش ہیں۔ مکرم عبدالوہاب صاحب کہتے ہیں کہ ’’ٹی آئی کالج کی بھی کچھ باتیں مجھے یاد ہیں۔ ایک واقعہ بتاتا ہوں کہ وہاں جب Annual Debates ہوا کرتی تھیں تو ہم بھی وہاں جایا کرتے تھے۔ ڈیبیٹ میں حصہ لینے والا سٹوڈنٹ جب کوئی اچھا پوائنٹ بیان کرتا تو سننے والے ’نکتہ‘ ’نکتہ‘ کی آواز بلند کر کے اسے داد دیا کرتے تھے اور پیچھے بیٹھنے والے کچھ شرارتی لڑکے ’نکتی‘ ’نکتی‘ بھی کہہ دیا کرتے تھے۔ تو اس طرح ہم بھی ٹی آئی کالج سے کچھ مانوس ہیں۔

ٹی آئی کالج میں پڑھنے والوں میں صومالی لینڈ کے ابوبکر اور سعید عبداللہ بھی ہوا کرتے تھے۔ دونوں فٹ بال بھی بہت اچھا کھیلتے تھے اور انگلش ڈیبیٹس میں بھی حصہ لیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ پنجاب یونیورسٹی میں ہونے والی ڈیبیٹس میں بھی۔ ابوبکر صاحب کا ایک کمال یہ تھا کہ وہ دوسروں کو Convince کرنے میں بہت مہارت رکھتے تھے۔ ایک دفعہ وہ حجامت بنوانے گئے تو ربوہ کے حجام کو

معلوم نہیں تھا کہ افریقنوں کے بال کس طرح کاٹے جاتے ہیں۔ وہ بال کھینچ کر کاٹتے تھے جس سے بال چھوٹے بڑے ہو جاتے تھے۔ جب ابو بکر صاحب کے ساتھ ایسا ہوا تو انہوں نے سوچا کہ یہ تو عجیب سا لگتا ہے تو انہوں نے سوچا کہ کیوں نہ سر منڈوا لیں چنانچہ انہوں نے ٹنڈ کروالی۔ ٹنڈ کرانے کے بعد انہیں خیال آیا کہ میرے اکیلے کی ٹنڈ ہے یہ تو صحیح نہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک اور طالب علم کو فائدے بیان کر کے ٹنڈ کروانے پر Convince کر لیا۔ اور کہا کہ ٹنڈ کروانے کے پیسے بھی میں دونگا۔ اسطرح کرتے کرتے انہوں نے بہت سے طلباء کی ٹنڈ کروادی۔ اور کالج میں گویا ایک ٹنڈ ایسوسی ایشن بن گئی۔ بعد میں انہیں خیال آیا کہ پرنسپل (حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ) ممکن ہے اتنے سٹوڈنٹس کی ٹنڈ دیکھ کر ناراض ہوں تو انہوں نے لٹھے کی بہت سی ٹوپیاں بنوائیں اور سب کو پہنا دیں۔ پتا چلا تھا کہ ابو بکر صاحب آج کل صومالی لینڈ جسے اب صومالیہ کہتے ہیں کے ایک علاقے کے گورنر ہیں۔ اور سعید عبداللہ بھی ایڈمنسٹریشن میں اچھے عہدے پر ہیں۔ مجھے نہیں پتا کہ تبشیر کے ساتھ ان کا کوئی رابطہ ہے یا نہیں۔ بہر حال ٹی آئی کالج کے حوالے سے یہ قصہ تھا۔ سعید عبداللہ صاحب اور ابو بکر صاحب کا۔ ایک اور بڑی بات یہ بھی ہے کہ ٹی آئی کالج جو اُس وقت وہاں تھا، یعنی 1950 کے عشرے میں اُس وقت بھی ٹی آئی کالج کی بلڈنگ پکی اینٹوں کی تھی۔ مجھے یاد ہے۔

اس وقت حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرمایا کرتے تھے کہ جامعہ کو بھی اسی طرح بنانا ہے۔ گویا جبکہ ابھی مالی وسعت نہیں تھی اور مشکلات تھیں اس وقت بھی خلفاء کی دور اندیشی کا اندازہ آپ کر سکتے ہیں کہ دنیا کی تعلیم اور مذہبی تعلیم دونوں کی اہمیت اُس وقت بھی اُن کے پیشِ نظر تھی۔

اُن دنوں بڑے بڑے لوگ ٹی آئی کالج ربوہ میں آیا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک موقع پر غالباً منسٹر آف ایجوکیشن بھی آئے تھے۔ آج کل تو پاکستان میں سر ظفر اللہ خان صاحب کا نام بھی نکال دیا گیا ہے تاریخ سے، مگر اُس وقت منسٹر آف ایجوکیشن ربوہ میں آنا فخر محسوس کرتے تھے۔ پھر

رشین آسٹرو ناٹس اور بعض سائنسدان بھی ٹی آئی کالج میں آئے۔

اُن دنوں ٹی آئی کالج ربوہ میں سپورٹس کی activities بھی ہوا کرتی تھیں اور جامعہ کے طلباء کو بھی ان میں شامل ہونے کی اجازت تھی۔ بلکہ اور لوگ بھی جایا کرتے تھے۔ ہم والی بال، باسکٹ بال، اور خاص طور پر رِنگ کھیلا کرتے تھے۔ میرے کزن جو میرے ساتھ وہاں گئے ہوئے تھے ، ہم نے مل کر ایک ٹیم بنائی ہوئی تھی اور ہماری یہ ٹیم ہمیشہ ٹاپ پر رہا کرتی تھی۔ ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الربع ؒ جرمنی تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ وہاں خدام کے پروگرام میں والی بال بھی شامل تھا۔ مجھے دیکھ کر فرمایا آپ ربوہ میں تو کھیلا کرتے تھے یہاں کیوں نہیں کھیلتے؟ چنانچہ میں نے حضور کے ارشاد پر اسی طرح سوٹ پہنے ہوئے والی بال کھیلا۔ اب وہ نوجوانی کے دنوں والی بات تو نہیں مگر اب بھی کچھ نہ کچھ تو کھیل ہی لیتے ہیں۔ بہرحال یہ چند واقعات تھے جو میں نے سنا دیئے۔ آپ نے مزید کچھ پوچھنا ہو تو حاضر ہوں۔ چنانچہ کالج کے ایک سابق طالب علم کے پوچھنے پر کہ وہ واقعہ آپ کے ساتھ کیا پیش آیا تھا جب کسی نے سمجھا تھا کہ شاید آپ کو اردو نہیں آتی؟ ہاں واقعہ یوں تھا کہ میں نیو دہلی گیا ہوا تھا۔ وہاں سے ٹرین پر قادیان جا رہا تھا کہ ٹرین میں بیٹھے ہوئے ایک صاحب جو اپنے آپ کو بڑے عالم کے طور پر پیش کر رہے تھے، ساتھ بیٹھے ہوئے مسافروں سے کہنے لگے کہ یہ صاحب جو بیٹھے ہوئے ہیں آپ کو معلوم ہے کہ ان کا رنگ کالا کیوں ہے؟ ان کا رنگ کالا اس لئے ہے کہ یہ لوگ سورج کے بہت قریب ہیں۔ درختوں کے اوپر رہتے اور انکی جڑیں کھاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان میں سے ہر ایک کی دُم بھی ہوتی ہے۔ میں خاموشی سے سنتا رہا اور پھر میں نے ان سے اردو میں بات شروع کی تو وہ بہت حیران ہوئے۔ میں نے انہیں بتایا کہ آپ نے جتنی باتیں بھی یہاں لوگوں کو بتائی ہیں سب غلط ہیں۔ ہم جو یہاں آپ کی ایمبیسی سے ویزہ لیکر آئے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی حکومت نے ہمیں اپنا مہمان سمجھ کر ویزہ دیا ہے۔ حکومت کے مہمان کے بارے میں آپ نے جو غلط باتیں کی ہیں اگر واپس جا کر بتاؤں تو آپ کے خلاف کارروائی ہوسکتی

ہے۔اس پر وہ شرمندہ ہوئے اور معذرت کرنے لگے۔

انڈیا کا ایک اور دلچسپ واقعہ اور بھی ہے۔ جب ہم ربوہ میں تھے تو ہمیں قادیان جانے کا موقع ملا۔مولانا ابوالعطاء صاحب بھی ساتھ تھے، وہ ہمارے پرنسپل رہے ہیں۔ہم پر بہت مہربان تھے ہر لحاظ سے۔ان کے علاوہ مکرم غلام باری سیف صاحب بھی ساتھ تھے۔ہم قادیان کی ایک گلی میں سے گذر رہے تھے تو دیکھا کہ دوسکھ صاحبان میں بہت گرم جوشی سے کوئی بحث ہو رہی ہے۔ بالکل پتا نہیں تھا کہ کیا بحث ہو رہی ہے۔اسی دوران ان میں سے ایک سکھ صاحب جلدی جلدی چلتے ہوئے میری طرف آئے اور میری جلد کے ساتھ اپنا ہاتھ بہت زور سے رگڑا۔اور پھر وہ رگڑا ہوا ہاتھ اپنے دوسرے سکھ ساتھی کو دکھاتے ہوئے کہنے لگے کہ میں تمہیں کہتا نہیں تھا کہ پکا کوٹ ہے۔اس وقت سے مولانا ابوالعطاء صاحب مجھے ''پکا کوٹ'' کہا کرتے تھے تو اس قسم کے دلچسپ واقعات بھی پیش آتے رہے ہیں۔

شروع میں ربوہ والے بلیک افریقنز سے مانوس نہیں تھے۔چھوٹے چھوٹے بچے ہمیں کالا کالا کہتے۔ہم سمجھتے تھے کہ جب ہمارا رنگ ہے ہی کالا تو کوئی کہہ بھی دے تو کیا حرج ہے۔لیکن سیرالیون سے آئے ہوئے ایک صاحب بہت مائنڈ کیا کرتے تھے اور جو بچہ انہیں کالا کہتا تو یہ ان بچوں کے پیچھے بھاگتے تھے۔بچوں کو ایک قسم کی کھیل مل گئی، انہیں مزہ آتا تھا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ یہ ہمارے پیچھے بھاگتے ہیں تو وہ اور زیادہ کالا، کالا کہنے لگے اور کہہ کر جلدی سے بھاگ جایا کرتے تھے۔ہم نے انہیں سمجھایا کہ کیوں ایسا کرتے ہیں مگر ان میں برداشت نہیں تھی کہ کوئی انہیں کالا کہے تو وہ خاموش رہ سکیں۔مختلف ملکوں کے مختلف عادتوں اور طبیعتوں کے لوگ اُن دنوں ہوسٹل میں ہوا کرتے تھے۔مگر یہ بھی معجزہ ہے کہ آگے چل کر یہ سب ٹھیک ہو گئے۔اور کامیاب مبلغ بن گئے۔

تعلیم الاسلام کالج میں گزرے دنوں کی خوبصورت یادیں



(محترم طاہر عارف صاحب۔معروف قلم کار اور شاعر)

(ریٹائرڈ ڈی آئی جی پولیس، پنجاب۔پاکستان)

میں آپ کا تہہ دِل سے مشکور ہوں کہ آج آپ نے مجھے یہاں مدعو کیا تا کہ ٹی آئی کالج کے حوالہ سے ہم کچھ پرانی یادوں کو تازہ کریں اور کچھ نئے جذبے لیکر یہاں سے جائیں۔اسی طرح آج کی اس شعری نشست کے حوالے سے میں ایک شاعر ہونے کی حیثیت سے سامعین مہیا کرنے پر بھی آپ کا مشکور ہوں۔سامعین! ساحر لدھیانوی نے اپنے مجموعہ کلام ''تلخیاں'' کے سرنامے پر ایک خوبصورت شعر لکھا ہے:

دنیا نے تجربات و حوادث کی شکل میں
جو کچھ مجھے دیا ہے، وہ لوٹا رہا ہوں میں

دراصل ادب خواہ نثر ہو یا نظم اسی شعر کا عکاس ہوتا ہے۔یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ:

"Literature is Life as seen by the author"

وہی دنیا ہے، وہی کائنات، وہی رنگ و موسم ہیں ۔لیکن ہر شخص کے محسوسات و مشاہدات مختلف ہیں۔یہیں سے ادب تخلیق ہوتا ہے اور اسی تنوع میں ادب پروان چڑھتا ہے۔اس پر طرہ یہ کہ ہر انسان کے تخیلات اور اظہار و بیان میں بھی ایک تنوع ہے۔کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ہم کہ شعلہ بھی ہیں، شبنم بھی
تو نے کس رنگ میں دیکھا ہے ہمیں

اس موقع پر مجھے پنجابی کا ایک لطیفہ یاد آرہا ہے جو آپ کی اجازت سے پیش کرنا چاہوں گا وہ اس ماحول میں ادب کے معیار پر تو شاید پورا نہ اترے مگر جیسا کہ کالج کے زمانہ میں ہمارے ممتحن ہر سوال کے ساتھ لکھا کرتے تھے کہ مثال دیکر واضح کریں۔ اس لحاظ سے میرا خیال ہے کہ اسے بطور مثال پیش کرنا نہایت ضروری ہے تا کہ واضح ہو سکے کہ ادب کا محسوسات اور اظہار و بیان سے کیا رشتہ ہے۔

کہتے ہیں کسی دیہاتی کا لڑکا پڑھ لکھ گیا اور اردو ادب پڑھانے لگا۔ اس کی شادی اپنے ہی گاؤں کی ایک دیہاتی دوشیزہ سے ہوگئی۔ شادی کی روایتی مصروفیتوں اور رونقوں سے وقت نکال کر اس نے سوچا کہ چاند کی چودھویں رات کا لطف اٹھانا چاہیئے۔ چنانچہ وہ اپنی نو بیاہتا دلہن کو ساتھ لے کر باہر کھیتوں کی طرف نکل گیا اور بڑے رومانوی انداز میں چانداور اس کی چاندنی کا تذکرہ کیا اور اپنی دلہن کا چاند کے ساتھ موازنہ کیا۔ ایک چاند میرے ساتھ ہے ایک چاند آسمان پر ہے اور یہ کہ چاند بھی آج رات کتنا خوش ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ۔ کوئی پون گھنٹے کی تقریر اور ادب بگھارنے کے بعد اسے خیال آیا کہ اب اپنی دلہن کو بھی بولنے کا موقع دینا چاہیئے۔ چنانچہ اس نے دلہن سے کہا آپ بھی کچھ فرمائیے! بیچاری دلہن سادہ اور دیہاتی تھی۔ اسے جب یہ ناگہانی سوال پیش آیا تو یکدم اپنی طبعی سادگی میں یہ کہنے لگی

''اگلے چن ساڈی مج سونی ایں''

تو اس بیچاری کے چاند کے حوالہ سے یہی محسوسات تھے اور یہی مشاہدات۔ اس لمبی تمہید کی ضرورت یوں پیش آئی کہ ٹی آئی کالج کے حوالے سے میں جو کچھ بھی بیان کروں گا وہ میرے تجربات اور مشاہدات کا عکس ہوگا۔ لہٰذا اگر کہیں کوئی کمی بیشی کا احساس ہو تو وہ کالج کی reflection نہیں بلکہ میری ذاتی یا میرے اظہار بیان یا مشاہدے کی کمی اور کمزوری ہوگی۔

میں اپنی بات کا آغاز ایک نہایت خوبصورت احساس سے کر رہا ہوں جو کہ بہار کے ایک تازہ ،معطر اور فرحت بخش جھونکے کی طرح میرے تخیل کو مہکا دیتا ہے۔ احوال اس پر لطف بے خودی کا یہ ہے کہ ایک سال سے کچھ زائد عرصہ ہوا کہ حکومت پاکستان کے ایک سینئر جائنٹ سکرٹری جو غیر از جماعت ہیں، ٹی آئی کالج میں ہمارے ہم جماعت تھے۔ انہوں نے مجھے فون کیا اور پوچھنے لگے کہ بھئی حضرت صاحب سے ملاقات کا کیا طریق ہے؟ میں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا یورپ جا رہا ہوں اور واپسی پر ارادہ ہے کہ تمہارے حضرت صاحب اور ہمارے کلاس فیلو مرزا مسرور احمد صاحب سے ملاقات کر کے آؤں۔ میں نے پوچھا کہ آپ کو یہ خیال کیسے آیا؟ تو کہنے لگے کہ کبھی تم نے سوچا ہے کہ ہم کتنے خوش نصیب ہیں کہ اتنے بڑے مرتبے کے وجود کے ہم جماعت رہے ہیں۔ مذہبی اختلاف برطرف! میں چاہتا ہوں کہ آنے والی نسلوں کیلئے ایک سند چھوڑ جاؤں کہ ہم حضور کے کلاس فیلو رہے ہیں اور ہو سکے تو ایک تصویر بھی بنوا لاؤں۔

بہرحال میں نے انہیں پرائیویٹ سکرٹری صاحب کے ذریعہ رابطہ کرنے کو کہا۔ جس پر حضور کے حکم پر پرائیویٹ سکرٹری صاحب نے مجھ سے استفسار کروایا کہ کیا واقعی وہ ہمارے کلاس فیلو ہیں اور جماعت کے ساتھ کیسا تعلق رکھتے ہیں؟ چنانچہ وہ حضور سے ملے اور واپسی پر بڑے فخر سے اس ملاقات کا احوال سنایا۔ یہ احساس پہلے بھی تھا لیکن ان کے احساس دلانے کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ تعلیم الاسلام کالج کے حوالے سے میری پہلی یا دسب سے حسین اور سب سے قابل فخر یاد یہی ہے کہ مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ہم جماعت ہونے کا فخر حاصل ہے۔ اور یہ فخر ٹی آئی کالج کا بھی ہے کہ وہاں کے ایک سٹوڈنٹ آج جماعت احمدیہ عالمگیر کے امام اور دنیا کے سب سے اہم شخص ہیں:

وہ تو وہ ہے تمہیں ہو جائے گی الفت مجھ سے
اک نظر تم مرا محبوب نظر تو دیکھو

بات کلاس فیلوز سے چلی ہے تو ہمارے اس زمانہ کے ایک دوست جو کہ ابھی ابھی یہاں سیڑھیوں سے گر کر ہسپتال گئے ہیں جناب رفیق اختر روزی صاحب! ان کے حوالے سے ایک واقعہ یاد آ گیا جو کہ اگر غیبی امداد نہ ہوتی تو ہمیں ''لکوں'' ہی لے گیا تھا۔ ہوا یوں کہ موصوف الیکشن لڑ کر ٹی آئی کالج سٹوڈنٹس یونین کے اسسٹنٹ سکرٹری منتخب ہوئے تو انہیں ڈیبیٹس کا شوق چرایا۔ چنانچہ اس عاجز کو فرمایا کہ مجھے ایک تقریر لکھ دو۔ ہم نے بھی حامی بھر لی کہ عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں۔مگر مجھے کسی ضروری کام سے گھر جانا پڑ گیا اور پھر ہماری تعطیلات شروع ہو گئیں اور ان کی تقریر نہ لکھی جا سکی تا وقتیکہ مقابلے کا دن آ پہنچا۔ اس حصے کو سینسر کرتے ہوئے کہ ان کے ساتھ اس دن کیا ہوا، انہوں نے غصے میں پیچ و تاب کھاتے ہوئے مجھ عاجز کو ایک خط لکھ مارا اور خوب رگیدا کہ تمہاری وعدہ خلافی اور بے اعتنائی نے مجھے کہیں کا نہ چھوڑا اور میری خوب جگ ہنسائی ہوئی ہے۔تمہاری بے وفائی اور ظالمانہ روّیہ سے مجھے دنیا کے سامنے شرمندہ ہونا پڑا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔غرض بڑی درد بھری داستان لکھی اور غصے میں نیچے یہ بھی نہ لکھا کہ تمہارا دوست یا مخلص صرف 'روزی' لکھ دیا۔

وہ خط کسی طرح محکمہ ڈاک کی نوازش سے کھلا ہوا ہمارے گھر پہنچا تو ہماری والدہ کے ہاتھ لگ گیا۔ان کے ہاتھوں کے توطے اُڑ گئے اور انہوں نے 'روزی' کا وہی درد بھرا خط ابا جان کو بھی پیش کر دیا۔ان کے بھی اوسان خطا ہو گئے کہ یہ کیا ہو گیا؟ ہماری ڈھنڈیا پڑی اور ہم جب بدیر گھر پہنچے تو گھر والوں کے تیور اچھے نہ تھے۔ ہماری بہن جو ہم سے بڑی ہیں ایک جابر داروغے کی طرح پکڑ کر ہمیں والدین کے کمرے میں پہنچیں اور ان کے روبرو پیش کر دیا۔ ہماری والدہ پھٹ پڑیں کہ کون ہے یہ کمبخت روزی؟ اور یہ کہ تم نے کیا وعدے کیے تھے اس سے۔قصہ مختصر کہ موصوف نے چونکہ یونین کے لیٹر پیڈ پر ہی یہ خط لکھا تھا اور ہماری خوش قسمتی کہ اُس کاغذ پر نظر پڑ گئی جس پر کالج یونین کے عہدیداروں کے نام لکھے ہوئے تھے اور اسسٹنٹ سیکریٹری کے سامنے رفیق اختر روزی

لکھا ہوا تھا۔ہم نے وہ کاغذ دکھایا تو ہماری جان چھوٹی اور والدین کی جان میں جان آئی۔

میں انگلش اسکول سے آیا تھا۔اس لئے میری اردو کی لکھائی بہت خراب تھی۔تعلیم الاسلام کالج میں داخل ہونے کے بعد غالباً دسمبر ٹیسٹ تھا میں نے اردو کا پہلا پیپر دیا تو مجھے یاد ہے کہ میرے 100 میں سے 52 نمبر آئے۔جس کے ساتھ ہمارے اردو کے پروفیسر مکرم پروازی صاحب نے سرخ روشنائی سے لکھا ہوا تھا۔''نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز'' مجھے اس کی بالکل سمجھ نہ آئی۔میں کئی لوگوں کے پاس گیا اور اس کا مطلب پوچھنے کی کوشش کی۔کسی نے شرارت سے کچھ بتایا اور کسی نے کچھ اور آخر پوچھتے پوچھتے پروازی صاحب کے پاس جا پہنچا تو انہوں نے کہا کہ اگر تمہاری اردو کی لکھائی اچھی ہوتی تو تمہیں اس سے کہیں زیادہ نمبر مل سکتے تھے۔اپنی اس لکھائی کا ایک اور واقعہ بھی ہے۔وہ یہ کہ ناصرات کی عمر کی ایک بچی نے کہا کہ میں اسے مقابلے کے لئے تقریر لکھ دوں۔چنانچہ میں نے تقریر لکھ دی اس نے مقابلہ میں حصہ لیا اور اول انعام حاصل کیا۔اس پر ہمارے مربی مکرم ادریس صاحب جو افریقہ میں بھی رہے انہوں نے اس بچی سے کہا کہ بہت اچھی تقریر تھی تمہاری۔یہ تقریر مجھے بھی دینا۔بچی نے تقریر والا کاغذ جب ان کو دیا تو انہوں نے لکھائی سے اندازہ کر کے کہا لگتا ہے یہ تم نے خود لکھی ہے۔اس پر بچی نے کہا نہیں، یہ تو انہوں نے (یعنی طاہر عارف صاحب) نے لکھ کر دی ہے اور یوں مجھے خوب شرمندہ کیا۔ابھی بھی میری لکھائی ویسی ہی ہے کوئی خاص فرق نہیں پڑا۔اردو سے مجھے لگاؤ پیدا ہوا اور وہ تعلیم الاسلام کالج کی بدولت ہی ہے۔دور طالب علمی میں جمیل الرحمن صاحب کی طرح اور میری طرح جو لوگ شاعر بنے اس میں ہمارے کالج کے ادبی ماحول کا بڑا دخل ہے۔جب میں فرسٹ ائیر میں گیا تو میں نے بھی کسی طرح پانچ شعر گھسیٹ ڈالے۔پروازی صاحب نے اس میں سے اڑھائی رہنے دیئے اور ساڑھے تین شعر خود شامل کر دیئے اور ہمت بندھائی کہ پڑھ ڈالو۔چنانچہ میں نے مشاعرے میں پڑھ دیئے۔مرزا فرید احمد صاحب ابا جان کو گولبازار میں ملے تو ان سے کہنے لگے کہ مولوی صاحب مبارک ہو آپ کا بیٹا تو شاعر ہو گیا۔ابا جان

وہاں سے گھر چلے گئے اور جب میں گھر پہنچا تو والدہ نے خوب ڈانٹا کہ ہم نے تمہیں وہاں پڑھنے کے لئے بھیجا ہے یا شاعر بننے کیلئے؟

اب میں ٹی آئی کالج کے حوالہ سے وہاں کی سٹوڈنٹس یونین کا ذکر کروں گا۔ ہماری یونین بڑی فعال یونین ہوا کرتی تھی۔ اس میں سٹوڈنٹس کو بڑی ہی آزادی حاصل ہوا کرتی تھی اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ سٹوڈنٹس لائف ڈیموکریسی کے لئے نرسری کا کام دیتی ہے تو صحیح معنوں میں یہ رنگ وہاں نمایاں تھا۔ اگرچہ نظم وضبط، ڈسپلن اور وقار کا بھی خیال رکھا جاتا تھا اور تربیت کے امور بھی پیش نظر رکھے جاتے تھے مگر ایک آزادی بھی تھی۔ چنانچہ سٹوڈنٹس یونین کے الیکشن بڑے جوش وخروش سے ہوا کرتے تھے۔ عموماً ایک Pro Establishment ایک Anti Establishmetn پارٹی ہوا کرتی تھی۔ الیکشن میں کھڑے ہونے والے طلباء اپنے نام پیش کرتے تھے یا غالباً ان کے Seconder پیش کرتے تھے۔ لیکن ایک چیز دیگر کالجوں سے مختلف یہ تھی کہ اساتذہ کی ایک کمیٹی ان ناموں کی سکروٹنی کیا کرتی تھی۔ جس میں ان کا تعلیمی ریکارڈ اور عمومی کردار بھی دیکھا جاتا تھا۔ پھر جو Approved Candidates ہوتے تھے ان کی لسٹ لگ جایا کرتی تھی۔ پھر تمام کالج کو اکٹھا کر کے جس طرح آج کل امریکہ میں پریذیڈنشل ڈیبیٹس ہوتی ہیں ہمارے کالج میں Candidates کی تقاریر ہوتی تھیں۔ پھر الیکشن کا مرحلہ آتا تھا۔ یہ باتیں آپ کو معلوم ہی ہوں گی مگر میں ریکارڈ کی خاطر عرض کر رہا ہوں۔ Convessing کی اجازت اس رنگ میں نہیں تھی جیسے آج کل ہوتی ہے۔ نہ لڑائیاں تھیں، نہ جھگڑے تھے۔ بڑی سادگی سے اور بڑے پرامن طریق پر الیکشن ہوتا تھا۔ مکرم امام صاحب (عطاء المجیب راشد) بھی تعلیم الاسلام کالج کی یونین کے صدر رہے ہیں۔ ایک کیبنٹ بھی نامزد ہوا کرتی تھی، جو ساری کارروائی Conduct کیا کرتی تھی۔ میں بھی کیبنٹ ممبر رہا۔ تو بڑا ہی اچھا تعلیمی، تربیتی اور ادبی ماحول ہوتا تھا اور ساتھ ساتھ ڈیموکریٹک ٹریننگ بھی۔ سٹوڈنٹس یونین کے زیر انتظام بہت سے فنکشنز، مشاعرے اور مباحثے وغیرہ ہوا کرتے

تھے۔ان دنوں سارے ملک میں ہی بین الکلیاتی مقابلوں کا رواج تھا۔ٹی آئی کالج کے طالب علم ان میں الکلیاتی مقابلوں میں شامل ہونے کے لئے جایا کرتے تھے۔ملک بھر میں ہمارے کالج کا ایک نام تھا۔لیکن وہاں بسا اوقات ایک مخالفت کا رنگ بھی ہوتا تھا۔بعض اوقات ابھی نام ہی پکارا جاتا تھا تو ہال میں ہوٹنگ شروع کر دیتا تھا۔مگر پھر بعد میں جوں جوں ٹی آئی کالج کا مقرر چھاتا چلا جاتا تھا توں توں ہال میں سناٹا طاری ہو جاتا۔ہمارے سٹوڈنٹس نے شورش کاشمیری جیسے معاندین سے بھی اپنا لوہا منوایا اور انعام جیت کر واپس لوٹے۔ٹی آئی کالج میں منعقد ہونے والے بین الکلیاتی مقابلے اور مباحثے بڑے مشہور تھے جن میں طلباء بڑی دور دور سے اور بڑے شوق سے شامل ہونے کے لئے آیا کرتے تھے۔مجھے یاد ہے ایک دفعہ تو 80 کے قریب مقررین تھے اور کراچی سے لیکر خیبر تک کے کالجوں کی ٹیمیں آئی ہوئی تھیں اور باقاعدہ Gold کے بنے ہوئے میڈلز دیئے جاتے تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے دور سے یہ روایت چلی آ رہی تھی کہ باہر کے کالجوں سے آنے والے ڈیبیٹرز بڑے شوق سے آیا کرتے تھے۔انہیں روئنگ کے لئے دریا پر بھی لے جایا جاتا۔ان دنوں ہمارے کالج میں ہونے والے بین الکلیاتی مباحثوں میں جو لوگ شامل ہوئے ان میں بڑے بڑے نام ہیں۔ان میں سے ایک اکرم شیخ ایڈووکیٹ بھی ہیں۔جو وہاں آتے رہے۔تو یہ تعلیم الاسلام کالج کی یونین کی روایات میں سے ایک روایت تھی جس کا میں نے ذکر کر دیا ہے۔مشاعرے اس زمانے میں بڑے ہوئے۔ملک کے بڑے نامور شعراء وہاں آئے جس سے ہمارے طلباء کی بڑی گرومنگ ہوئی۔اسی زمانے میں ایک بہت اہم تقریب اور ایک بہت بڑا فنکشن جو ہوا وہ اردو کانفرنس تھی اور بڑی ہی اعلیٰ اردو کانفرنس تھی۔کراچی یونیورسٹی، پنجاب یونیورسٹی اور پتا نہیں کہاں کہاں سے نامور پروفیسرز آئے۔اس کے تین سیشنز ہوئے اور تین دن وہ کانفرنس چلتی رہی۔اس موقع پر ایک مشاعرہ بھی ہوا۔عابد علی عابد کا نام مجھے یاد ہے۔انہوں نے ربوہ کے متعلق کچھ فی البدیہہ شعر بھی کہے

تھے۔وہ لاہور سے جھومتے جھامتے ربوہ پہنچے تھے۔وہ کوئی احمدی شاعر تو تھے نہیں کہ صرف امام صاحب کی چائے پی کر ہی اپنا کلام سنا دیں۔ دیگر سوسائیٹیاں بھی بہت Active تھیں۔بہت Active زمانہ تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ تدریس کے ساتھ ساتھ سوسائیٹیز کا جو نظام حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے جاری کیا ہوا تھا اس سے سٹوڈنٹس کی بہت ہی گرومنگ ہوتی تھی۔اس کے علاوہ ایک مجلس تنقید ادب سے بھی ہوا کرتی تھی۔ ہمارے ایک دوست لطیف گجراتی صاحب جو بعد میں بریگیڈیر ہوئے انہوں نے اس زمانے میں ایک شعر کہا تھا کہ

''لطیف اس راہ سے شاید وہ گزریں۔کھڑا ہوں منتظر دیوار کے ساتھ''

تو ہم نے اس مجلس تنقید ادب میں اس شعر پر گھنٹوں ہی تنقید کر ڈالی کہ یہ دیوار کے ساتھ کیوں کھڑے تھے اور کس طرح کھڑے تھے اور کیا کر رہے تھے وغیرہ وغیرہ۔ان ساری سرگرمیوں سے طلباء کو ایک ذہنی جلا ہوتی تھی۔تدریس کے مختلف مضامین کی سوسائٹی کا جو نظام حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے جاری کیا تھا اس سے سٹوڈنٹ کو بہت ہی گرومنگ ہوتی تھی۔علم میں اضافہ اور ذہنی جلا حاصل ہوتی تھی۔ ان غیر نصابی سرگرمیوں میں ایک کالج کا رسالہ المنار بھی تھا۔ مجھے اعزاز حاصل ہے کہ میں اس کے انگلش حصہ کا ایڈیٹر رہا۔اسے مکمل طور پر ایڈٹ ہم ہی کیا کرتے تھے۔کبھی کبھار غلطیاں بھی ہو جایا کرتی تھیں۔شائستہ مزاح کے ساتھ کبھی غیر شائستہ مزاح چھپ جاتا تو ڈانٹ بھی پڑا کرتی تھی۔کبھی حضور کی طرف سے بھی ڈانٹ آجایا کرتی تھی۔تو جو لیکچرار رسالے کے انچارج ہوتے تھے ان کی شامت زیادہ آتی تھی اور ہم طلباء کی کم۔لیکن یہ independence تھا تھی تا کہ طلباء کی ذہنی Development ہو۔

سپورٹس کے حوالے سے باسکٹ بال میں تو کالج کا ایک خاص مقام تھا۔ پاکستان ناصر ٹورنامنٹس جو ہوا کرتے تھے وہ کیا ہی ٹورنامنٹس تھے۔ ملک کی بہترین ٹیمیں اس میں آتی تھیں اور عجیب رنگ ہوتا تھا اس کا۔شام کے میچز بھی ہوتے تھے۔مہمان ٹیموں کو ٹھہرانے کے لئے

ہوسٹل کے سٹوڈنٹس اپنی چار پائیاں اپنے بستر، سب کچھ دے دیا کرتے تھے اور خود زمین پر چٹائیوں وغیرہ پر سوتے تھے لیکن ان دنوں گھر کوئی نہیں جاتا تھا کیونکہ یہ ایک ایسا event تھا جسے کوئی miss کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں باسکٹ بال کی نرسری تعلیم الاسلام کالج ربوہ ہی تھا۔ اس کا برملا اظہار میں نے ہر لیول پر سُنا ہے۔ آرمی کے سینئیر کو چز اور سویلین سائیڈ پر بھی۔ چوہدری محمد علی صاحب تو پاکستان باسکٹ بال ایسوسی ایشن کے عہدیدار بھی رہے۔ خدا کرے کہ پھر وہ زمانے آئیں کہ ربوہ میں یہ ٹورنامنٹ دوبارہ شروع ہو سکے۔

کالج میں اور بہت سی گیمز چلتی تھیں روئنگ، بیڈمنٹن، ٹیبل ٹینس، ہاکی کے علاوہ ہائی کنگ کلب بھی ہوا کرتا تھا اور سٹوڈنٹس ہر سمر میں ہائی کنگ کے لئے جایا کرتے تھے۔ اسی طرح مختلف سوسائٹیز کے تحت مطالعاتی دورے بھی ہوا کرتے تھے۔ کالج کے فضل عمر ہوسٹل کا اپنا جدا رنگ تھا ارد گرد کے زمیندار اور ایسے لوگ جو احمدی بھی نہیں تھے اپنے بگڑے ہوئے بچے یہاں چھوڑ جاتے تھے تو سمجھتے تھے کہ ہم انہیں ایک اچھی تربیت گاہ کے سپرد کر آئے ہیں جہاں انکا کردار عمل کے سانچے میں ڈھل جائے گا۔

ہمارے زمانہ میں ہوسٹل کے وارڈن مکرم چوہدری محمد علی صاحب اور سپرنٹنڈنٹ مکرم سعید اللہ خان صاحب ہوا کرتے تھے۔ ہوسٹل میں مکمل طور پر ایک ڈیموکریٹک سیٹ اپ تھا۔ ہوسٹل کے الیکشن ہوتے تھے اور میس اور کامن روم کے علاوہ دیگر ذمہ داریوں کے لئے عہدیدار باقاعدہ elact ہوتے تھے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ہوسٹل میں Majoraty غیر از جماعت سٹوڈنٹس کی تھی سو وہ بھی elect ہوتے تھے اور احمدی لڑکے بھی۔ اس میں کسی قسم کی کوئی discrimination نہیں تھی اسی طرح پرفیکٹ اور چیف پرفیکٹ کا نظام بھی تھا۔ جب بھی میں وہاں گیا تو مجھے اُس وقت کا وہاں ایک لطیفہ یاد آ گیا ہے۔ ہوا یوں کہ جناب لطیف گجراتی صاحب (جو بعد ازاں آرمی میں برگیڈیئر ہو کر ریٹائر ہوئے۔) ہوسٹل کے چیف پرفیکٹ تھے اور بہت ہی Strict اور سخت گیر تھے۔ میں نے کالج کچھ لیٹ جائن کیا تھا اس وقت دسمبر ٹیسٹ ہونے والے تھے اور دینیات کا مضمون کالج میں لازمی تھا جو

دیگر کالجوں میں نہیں تھا ''ہمارا خدا'' نامی کتاب کورس میں تھی۔ جس میں سے ہمارا ٹیسٹ ہونا تھا۔ چنانچہ ہمارے لیکچرار ہادی صاحب نے مجھ سے کہا کہ فلاں صاحب یہ کتاب صبح کے وقت پڑھ لیں گے تو آفٹرنون میں تم ان سے لے کر ٹیسٹ کی تیاری کر لینا۔

میں جب کتاب لینے کے لئے ہاسٹل کے گیٹ میں پہنچا تو وہاں جناب لطیف گجراتی صاحب کرسی ڈالے ہوئے اپنی ڈیوٹی دے رہے تھے اور ساتھ امتحان کی تیاری بھی کر رہے تھے۔ میں نے انہیں کہا کہ مجھے اندر جانا ہے انہوں نے کہا کہ تم اندر نہیں جا سکتے میں نے کہا کہ اگر اندر نہیں جا سکتا تو مجھے روم نمبر 48 سے کتاب ہی لا دیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ بھی نہیں ہوسکتا۔ چونکہ میرا پیپر تھا اس لئے پریشانی میں ادھر اُدھر گھوم رہا تھا کہ چنیوٹ کے غیر از جماعت لڑکے مل گئے۔ انہوں نے کہا کہ ہوسٹل کے پیچھے جہاں تندور بنے ہوئے ہیں اُدھر سے چلتے ہیں۔ میں اُن کے ساتھ ہولیا اور اس راہ سے کتاب تو حاصل کر لی مگر واپسی پر جب وہاں سے نکلے تو چوہدری محمد علی صاحب کو خراماں خراماں آتے ہوئے دیکھا۔ وارڈن صاحب نے چنیوٹ کے ان لڑکوں کو جو ڈانٹا سو ڈانٹا مجھ سے پوچھا تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ میں نے کہا میں تو صرف یہ کتاب لینے آیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ میں اس طرح کہ بہانوں کو خوب جانتا ہوں۔ یہاں پڑھنے آئے ہو یا آوارہ گردی کرنے؟ کیا نام ہے تمہارا اور کس کے بیٹے ہو۔ میں نے بتایا تو کہا اچھا تو تم مولانا عارف صاحب کے بیٹے ہو۔ شرم کرو! چلو بھاگو یہاں سے۔

میں چونکہ انگلش اسکول سے آیا تھا جہاں لیڈی ٹیچرز پڑھاتی تھیں۔ وہاں ایسی ڈانٹ ڈپٹ نہیں ہوا کرتی تھی۔ اس لئے اس ڈانٹ کو کچھ زیادہ ہی محسوس کیا اور کچھ خوف بھی کیا۔ چنانچہ اگلے روز پرنسپل قاضی محمد اسلم صاحب کے آفس میں جا پہنچا اور شکایت کی کہ ہوسٹل کے وارڈن نہ جانے کون صاحب ہیں۔ انہوں نے مجھے اس قسم کے الفاظ کہے ہیں۔ He has no right to say like this مکرم قاضی صاحب اٹھے مجھے تھپتھپایا، گلے لگایا اور فرمایا ہاں ہاں آپ تو بہت اچھے ہیں

میں انہیں ہی سمجھا دوں گا۔ اتفاق سے چند روز بعد یہ دونوں حضرت ابا جان سے کسی جگہ اکٹھے ملے تو مکرم چوہدری محمد علی صاحب نے ابا جان سے کہا کہ ''میں طاہر دے کن کھچے سن۔'' اس پر قاضی صاحب نے فرمایا کہ ''لیکن میں اودے کن چھڑا دِتے سن۔'' بعد میں مکرم چوہدری صاحب کی بہت سی مہربانیوں اور نوازشوں کا زندگی کے ہر موڑ پر شاعری میں بھی اور ذاتی زندگی میں بھی مورد رہا ہوں حتی کہ سی ایس ایس کرنے میں بھی اُن کی گائیڈنس حاصل رہی۔ چنانچہ میں نے مکرم چوہدری صاحب سے متاثر ہو کر کہ انہوں نے خلافت کا اس قدر پیار حاصل کیا ہے، کچھ شعر لکھے۔

ہوسٹل میں ہمارا ایک سالانہ فنکشن نائٹ کے نام سے ہوا تھا۔ جس میں پرنسپل، اساتذہ اور وارڈن وغیرہ کے ساتھ مذاق کی کھلی اجازت ہوتی تھی۔ ہم نے سن رکھا تھا کہ پرنسپل حضرت میاں ناصر صاحب کی گاڑی کا تذکرہ اس میس نائٹ کا ایک مستقل آئٹم ہوا کرتا تھا اور آپ کی گاڑی کے بارے میں بنائی گئی قوالی ''ساڈی سجناں دی داچی کالے رنگ دی، کھڑ کھڑ کردی جدوں وچوں لنگ دی'' میں نائٹ کی جان ہوا کرتی تھی۔ اس تھوڑی سی چھوٹ کے علاوہ اساتذہ کی رسپیکٹ اپنی جگہ تھی۔

اس طرح ہوسٹل کی شرارتوں کے باوجود جہاں تک نمازوں کا تعلق ہے وہ بھی اپنی جگہ تھیں۔ لمبی لمبی اور خشوع اور خضوع والی۔ کبھی کبھی تو ایسا لگتا کہ لمبی نماز پڑھنے کا مقابلہ ہے۔ ہمارے سردار لطیف صاحب ہوا کرتے تھے نماز میں ان کی یہ گریہ وزاری اب بھی یاد ہے۔ یہی کہوں گا کہ ہوسٹل کے لڑکوں کی تمام شرطوں کے باوجود نماز کا جو چسکا ہمیں پڑا وہ اسی ہوسٹل کے زمانے میں پڑا اور یہ چیز ہم نے وہاں سے ہی سیکھی۔ ہوسٹل میں نماز باقاعدگی سے ہوا کرتی تھی بلکہ ایک ایک وقت میں تین تین نمازیں ہوا کرتی تھیں۔ احمدی لڑکے اپنی الگ نماز پڑھا کرتے، سنی الگ، اور شیعہ لڑکے اپنی جماعت الگ کروایا کرتے تھے۔ رواداری کا ایک عجیب منظر تھا۔ میں تو اسے ٹی آئی کالج سپرٹ کے نام سے یاد کرتا ہوں۔ کسی وقت بیٹھ کر اس سپرٹ کو ڈیفائن کرنا اور اسے پھیلانا چاہیے یہ سپرٹ کیا تھی؟ بس یہی کہ باہمی پیار و محبت، بھائی چارہ رواداری اور علم کا ایک خوبصورت مکسچر۔ (المنار جون جولائی اگست 2012ء)



پیغام۔میاں احسان الحق صاحب

(پاکستان کے رکن قومی اسمبلی 1970 تا 1977)

محترم پروفیسر حمید صاحب

السلام وعلیکم

مجھے یہ بات سن کر بہت خوشی ہوئی ہے کہ ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی میں شروع کی گئی ہے اس کے لئے میں آپ کو دلی مبارک باد دیتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ پاکستان سمیت ساری دنیا کے لئے ہے۔ مجھے تعلیم الاسلام کالج سے بہت کچھ ملا ہے اور ناشکری ہوگی اگر میں اُسے بھول جاؤں۔ یہ ادارہ اینٹوں اور سیمنٹ کی ایک عمارت نہیں ہے. یہ ادارہ طلباء کے اخلاق کی تعمیر میں مدد دیتا ہے اور اساتذہ کے محبت اور پیار کی ایک لگن کی نشانی ہے۔

ٹی ٹی آئی کالج میں میرا داخلہ میری زندگی میں ایک اہم موڑ ثابت ہوا جب کہ گورنمنٹ کالج لائل پور میں میری زندگی کے کئی سال ضائع ہونے کے بعد، میں 1956ء میں میں اس عظیم ادارہ میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا۔ کالج کی سربراہی ایک کرشماتی شخصیت کررہی تھی۔ آپ کو یاد ہے کہ میرے ہاتھ میں ایک بڑا زخم تھا اور اسے خصوصی دیکھ بھال اور توجہ کی ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ اُس وقت کے پرنسپل حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ پر اپنا رحم نازل فرمائے جنہوں اپنے ہی بیٹے کی طرح میرا علاج کیا اور ضرورت کی ہر سہولت زیادہ سے زیادہ فراہم کی۔ یہ اکیلے جسمانی توجہ نہ تھی جس نے مجھے متاثر کیا بلکہ یہ ایک پورے خاندان جیسا ماحول تھا جس میں انتہائی اخلاص اور اسلامی محبت تھی۔ ان دنوں میں ربوہ ایک چھوٹی سی بستی تھی قریبی شہر لائل پور کی شہر کی زندگی کی سہولیات سے مبرا تھی۔ کوئی

ہوٹل، کوئی سینما گھر، کوئی موسیقی نہ تھی مگر پھر بھی یہ بور نہ تھی۔ یہاں تعلیمی اور کھیلوں کی، دونوں طرح کی زندگی تھی یہ مذہبی اور سیکولر بستی تھی۔ میں احمدیہ برادری سے تعلق نہیں رکھتا تھا، اور اب بھی ایک احمدی نہیں ہوں، لیکن مجھے کبھی محسوس نہیں ہوا کہ میں اچھے مسلمانوں میں نہیں تھا بلکہ مجھے لگتا ہے کہ میں بہتر مسلمانوں میں تھا اور میں نے کچھ انقلابی سلامی اقدار کو اپنایا جو بعد میں میری زندگی میں میرے کردار کی لازمی حصہ بن گیا۔

جب میں یونیورسٹی لاء کالج میں فائنل LL.B امتحان کے لئے بیٹھ گیا، لاہور کے تمام طلباء کسی چیز پر ایک احتجاج کے طور پر امتحان ہال سے واک آؤٹ کر گئے اور ہڑتال پر چلے گئے. میں اکیلا تھا جس نے ہڑتال میں حصہ نہیں لیا۔ بعد میں حکومت کی طرف سے ایک انکوائری حکم دیا گیا تھا اور مجھے ایک گواہ کے طور پر بلایا گیا تھا لاہور ہائی کورٹ کے جسٹس مشتاق کی انکوائری کمیشن کی صدارت تھی انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ میں ہڑتال میں شامل کیوں نہیں تھا. میں نے صاف صاف اسے بتایا کہ میں نے تعلیم السلام کالج ربوہ سے گریجویشن کیا تھا، اور وہاں میں نے قانون کا احترام کرنا سیکھ لیا تھا اور یہ بھی کہ اتھارٹی کے خلاف بغاوت نہیں کرنی اور میں نے یہ ایک اچھا سبق ہے۔اس سے وہ بہت متاثر ہوئے۔

میں تقریباً چالیس سال سے سیاست میں سرگرم رہا ہوں۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے بانی ارکان میں سے ایک ہوں۔1970 سے 1977 تک قومی اسمبلی کے ایک رکن کے طور پر، میں نے سات سال تک اقتدار کے پارلرد یکھے ہیں۔ میں نے بہت قریب سے نہ صرف ہماری سیاسی نفاق دیکھا ہے، بلکہ ہماری مذہبی قیادت کا نفاق بھی۔ میں نے ایمانداری کے بنیادی ارکان ٹی آئی کالج میں سیکھے ہیں۔

کاش میں اپنے تمام ہم جماعت اور اساتذہ کا ذکر کر پاتا، لیکن اس سے یہ پیغام بہت طویل ہو جائے گا۔ میں ایک استاد اور ایک طالب علم کے نام کے طور پر میاں عطاء الرحمن صاحب جو، طبیعیات کے ہمارے پروفیسر تھے اور شیخوپورہ کے چوہدری بشیر احمد کا نام لوں گا۔ ان کے فضائل

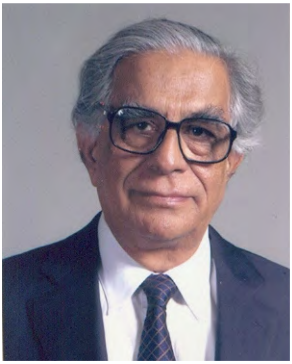
بیان کرنے کے لئے میرے پاس مکمل الفاظ نہیں ہیں۔ چوہدری بشیر احمد نے خود میری طرح، بعد میں پاکستان پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کی اور صوبائی اسمبلی کے ایک رکن منتخب ہوئے۔ وہ ایک حادثے میں وفات پا گئے ان کی وفات تک ہم اچھے دوست رہے۔

میں اپنے تمام دوستوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ میرے خیال میں ٹی آئی کالج کے طلباء خوش قسمت ہیں جو اس عظیم ادارے کی عظیم روایات کو زندہ رکھیں اور میرا مطلب ہے، ایمانداری، اخلاق، نظم وضبط اور خیالات اور رواداری تمام اختلافات سے اوپر ہے۔ ان سبھی چیزوں کو کالج کے ماٹو علم وعمل میں سمجھایا گیا ہے۔

رواداری اور احترام سے سب کا میں تھا۔ یہ سب چیزیں علم وعمل ماٹو تھا جس میں کالج، کا مقصد میں تلخیص کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت مرزا ناصر احمد اور زندگی میں میرے نتیجے کامیابی میں اہم کردار ادا کرنے والے تمام قسم کے اساتذہ پر رحمتیں نازل فرمائے۔ خدا آپ سب کو اور مجھے اور میرے خاندان کو برکت عطا فرمائے۔ آمین۔

میاں احسان الحق

(سابق ایم ایل اے)، فیصل آباد



پیغام

محترم کنور ادریس صاحب

ریٹائرڈ چیف سیکریٹری سندھ

چیئرمین پاکستان آٹو مینوفیکچر ایسوسی ایشن

میں ٹی آئی کالج میں دو سال 1954-52 میں تھا جب کالج لاہور میں تھا لیکن ربوہ میں اپنے پہلے جلسہ تقسیم اسناد میں، میں نے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ بعد میں، 1957 میں، میں نے بھی کالج میں تین یا چار ماہ کے لئے پڑھایا۔

ستمبر میں پاکستان کی سول سروس میں شمولیت کر لی۔ کالج میں گزارے دونوں ادوار نے میرے کردار اور کیریئر پر غیر معمولی اثر ڈلا۔ پرنسپل حضرت مرزا ناصر احمد ایک بہترین منتظم اور ہر کسی کا خیال رکھنے والی شخصیت تھے۔ آپ سے محبت پائی اور مستقبل میں بھی ایک بلند ذمہ داری کے لئے دعائیں دیتے تھے۔ مجھے سیاسیات میں ایک ہی طالب علم ہونے کا منفرد اعزاز تھا اور اس کے بعد طلباء یونین سربراہی بھی کی اور کالج میگزین کے انگریزی سیکشن مدیر بھی رہا۔ میرے اساتذہ میں (جو بعد میں تھوڑی دیر کے لئے ان کا رفیق کار بھی رہا) چودھری محمد علی، صوفی بشارت رحمان، ڈاکٹر نصیر احمد خان، ڈاکٹر سلطان محمود شاہد، ڈاکٹر نصیر بشیر، یم.ی. خالد چودھری کے درمیان. چوہدری عطاء اللہ، مرزا خورشید احمد اور مولانا ابولعطاء جالندھری، اخوند عبدالقادر اور عباس بن عبد القادر (شہید) میرے اساتذہ میں شامل تھے۔ برطانیہ کے افتخار ایاز صاحب جب کالج یونین کے

جنرل سیکرٹری تھے تو میں کالج یونین کا صدر تھا جو مجھ سے کالج میں دو سال جونیئر تھے۔ 2005 برطانیہ جلسہ میں میں بھی افضل تر کی صاحب کو بھی ملا۔

میں نے صرف چار ماہ غیر متوقع طور پر تدریس کی مدت کے باوجود دنیا کے تمام حصوں میں اپنے طالب علموں کے پاس آتا جاتا ہوں۔ میں نے پچھلے سال ٹورنٹو میں قریبا 20 سال بعد اردو کے مشہور عالم ناصر احمد پرویز پروازی صاحب کو دیکھا۔ ملکر بہت خوشی ہوئی۔

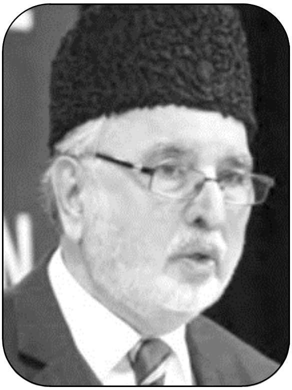
تقریبا 20 سال پہلے یورپ کے ایک دورہ میں ایک شدید تکلیف دانت درد ہوا۔ میرے میزبان اور کزن C.M.Khalid مجھے دانتوں کے ڈاکٹر کے پاس لے گئے۔ دانتوں کا ڈاکٹر ولی اللہ شاہ وہ میرا شاگرد ہوا کرتا تھا اُس نے فیس نہ لی میرے اصرار کے باوجود۔ ایک صرف سہ ماہ کی تعلیم کے بدلہ میں 20 سال بعد اس سے بہتر اجر کی توقع نہیں کر سکتا۔

ایک آخری نوٹ پر اس پیغام کو ختم کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ کالج قومیانے کے بعد کالج دونوں تعلیمی اور جسمانی لحاظ سے کھنڈرات میں گر گیا ہے۔ اس کے سابق طالب علم، یورپ اور شمالی امریکہ میں رہنے والے خاص طور پر اسے واپس حاصل کریں اور اسے عبدالسلام کا ''ٹریسٹ سینٹر'' بنائیں۔

آپ کی بہتری کی نیک خواہشات کے ساتھ۔

مخلص

کنور ادریس



تعلیم الاسلام کالج ربوہ سے وابستہ حسین اور ناقابل فراموش یادیں

(محترم زرتشت منیر احمد خان صاحب
امیر جماعت ہائے احمدیہ ناروے)

خاکسار غالباً 1956 میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ارشاد پر تعلیم الاسلام ہائی اسکول ربوہ میں داخل ہوا۔ 1962ء میں تعلیم الاسلام کالج ربوہ سے بی اے کیا۔ 1969ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے (پولیٹیکل سائنس) کیا۔ 1972-1971 یں پنجاب یونیورسٹی اور کالج سے ایل ایل بی کی ڈگری اور لیبر وانڈسٹریل میں ڈپلومہ کیا۔ 1975ء تا 1985ء وفاقی وزارت محنت اور افرادی قوت حکومتِ پاکستان کے اداروں بیورو آف امیگریشن اوورسینز ایملا ئیمنٹ کارپوریشن میں مختلف حیثیتوں میں وفاقی گریڈ 19 اور گریڈ 21 کی سطح پر کام کیا۔

1966 تا 1975ء پنجاب سوشل سیکورٹی میں بطور سوشل سیکورٹی آفیسر اور ایوارڈنگ آفیسر گریڈ 16 میں خدمت کا موقعہ ملا۔ زرعی ترقیاتی کارپوریشن لاہور کے شعبہ پلاننگ و ایولوشن اور تعلیم الاسلام کالج گھٹیالیاں ضلع سیالکوٹ میں بطور لیکچرار اور اُس سے قبل چند مہینے تعلیم الاسلام ہائی اسکول ربوہ میں بھی خدمت بجالانے کی توفیق عطا ہوئی۔ کراچی میں ایک لمبا عرصہ مختلف جماعتی عہدوں کے علاوہ قائد مجلس خدام الاحمدیہ ضلع کراچی معاون صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کی حیثیت میں اللہ تعالیٰ نے خدمت کی توفیق عطا فرمائی۔ 1984ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی ہجرت کے

موقعہ پر مفوضہ اُمور کامیابی سے سرانجام دینے کی توفیق سے اللہ تعالیٰ نے نوازا۔ الحمد للہ علی ذالک 1986ء میں جنرل ضیاء الحق کے مظالم سے مجبور ہو کر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے ارشاد پر ہجرت کر کے ناروے آ گیا۔ یہاں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے ازراہِ شفقت پہلے نائب امیر نامزد فرمایا۔ بعد ازاں 1989 تا1993 بطور ایڈیشنل نیشنل امیر کام کی توفیق ملی۔ 1994 تا2000ء اوسلو کی ایک جماعت ہولمیا میں بطور صدر جماعت کام کرنے کا موقع ملا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ کی محبت اور شفقت کے زیر سایہ 2003 سے 2016 تک اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بطور نیشنل امیر خدمت کی توفیق سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ تمام کوتاہیوں اور غلطیوں کو معاف کرتے ہوئے حقیر اور ناچیز خدمت کو اپنی جناب میں قبول فرمائے اور انجام بخیر ہو۔ آمین۔ تعلیم الاسلام ہائی اسکول اور تعلیم الاسلام کالج ربوہ نے نہ صرف ہمیں دینی ودنیاوی علوم سے مالا مال کیا بلکہ دونوں ادارے ہماری اصل تربیت گاہ تھے۔ اُٹھنے بیٹھنے کے طریق، بات کرنے کے آداب، الغرض زندگی کے تمام اسلوب اور اعلیٰ اخلاق ہم نے انہی درسگاہوں سے سیکھے جو ساری زندگی ہمارے لئے مشعل راہ رہیں۔ ہر دو اداروں کے اساتذہ ماہر صرف اساتذہ ہی نہ تھے بلکہ پدرانہ شفقت، محبت اور پیار کرنے والے دعا گو بزرگ تھے۔ ہماری زندگیاں بنانے میں اُن کی راہنمائی، ہم سب پر بہت بڑا احسان ہے۔ آج ہم ایسے اساتذہ کا تصور بھی نہیں کر سکتے جو اپنے طالب علموں کی معمولی سی تکلیف پر بے چین ہو جایا کرتے تھے۔ نہ صرف عملی راہنمائی بلکہ دعاؤں کے ساتھ بھی مدد کرتے تھے۔ اللہ اُن سب کو جزائے خیر دے۔ اب میں کالج کی کچھ یادوں کو ذہن میں مستحضر کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

فرسٹ ایئر فول

1958ء میں موسم گرما شروع ہو چکا تھا۔ ربوہ میں تعلیم السلام کالج تک ریلوے لائن کی پٹڑی پر چلتے ہوئے اور تپتے ہوئے سورج کی تمازت سے نبرد آزما ہو کر چل کر آنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ بہر

ہال ہم پسینہ سے شرابور کالج تک پہنچے۔ داخلہ فارم جمع کروایا۔ داخلہ مل گیا۔ اُس زمانے میں یہ رواج تھا کہ سینئر طالب علم فرسٹ ائیر کے طالب علموں کا مذاق اُڑایا کرتے تھے۔ اسے وہ فرسٹ اپریل فول کہتے تھے گو اکثریت تو اس نامناسب مذاق میں شامل نہیں ہوتی تھی۔ لیکن کچھ سینئر طلبہ بہرحال فرسٹ ائیر کے نئے طلبہ کو چھیڑتے، مذاق کرتے اور بیوقوف بناتے تھے ہم بھی پہلے ہی دن اس کا شکار ہو گئے۔

سٹوڈنٹس یونین کے انتخابات

چند ہی دنوں کے بعد طلبہ کی دیگر مصروفیات شروع ہو گئیں جسے دیکھ کر ہم حیران و پریشان ہو تے تھے۔ وہ تھا سٹوڈنٹس یونین کا الیکشن۔ اس کے لئے کنویسنگ ہو رہی تھی۔ جس کا تصوّر بھی کبھی ہمارے وہم و گمان میں نہ تھا۔ محلہ جات میں اطفال الاحمدیہ اور خدام الاحمدیہ کے عہدیداروں کے انتخاب ہوتے تھے تو وہاں تو ہمیں یہ ذہن نشین کرایا جاتا تھا کہ عہدہ کی خواہش کرنا گناہ ہے اور پروپیگنڈہ اور کنویسنگ تو بہت مکروہ حرکت ہے۔ صدارت کے لئے دو اُمیدواروں کے نام لئے جا رہے تھے اور دونوں ہی حضرت پرنسپل (حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحبؒ) کی پولیٹکل سائنس کے طلبہ تھے۔ کنویسنگ کی گرما گرمی کو ابھی چند دن ہی ہوئے تھے کہ ایک دن جب کہ ہم کلاس میں بیٹھے ہوئے تھے شادی خان (مددگار کارکن) آیا اور اُس نے کہا ''میاں نے کہا ہے کہ سب لڑکے ہال میں اکٹھے ہو جائیں۔''

شادی کالج کا پرانا مددگار کارکن تھا۔ اساتذہ طلبا اور پرنسپل صاحب کا ہردلعزیز۔ اس وجہ سے حضرت پرنسپل صاحب کا نام بے تکلفی سے لیا کرتا تھا۔ ہم بہت حیران ہوئے کہ فوری طور سب طلبہ کو ہال میں کیوں اکٹھا کیا گیا ہے۔ اللہ خیر کرے دعا کرتے ہوئے ہال میں پہنچے تو دیکھا کہ سارے طلبہ اکٹھے ہو چکے تھے۔ اتنے میں کیا دیکھا کہ حضرت پرنسپل صاحب نے دونوں جوانوں کو بازو سے پکڑے ہوئے ہیں اور اپنے کلاس روم سے ہال کی طرف لے کر آ رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ سینئر طلبہ کو

معاملہ کی نزاکت کا احساس ہو۔لیکن ہم جو فرسٹ ایئر کے نو وارد کالجیٹ تھے اس مسئلہ کو سمجھ نہ پائے۔بہر حال ہمیں اُس وقت سمجھ نہ آئی ہو جب حضرت پرنسپل صاحب نے ان دونوں طلبہ کو اسٹیج پر کھڑا کر دیا۔اُس وقت ہمیں کسی نے بتایا کہ کنویسنگ کی گرما گرمی کی وجہ سے ہنگامی طور پر کالج سٹوڈنٹ یونین کا الیکشن ہونے جا رہا ہے۔حضرت پرنسپل صاحب نے اسٹیج پر متوقع اُمیدواروں میں سے ایک کو کہا SOME THING اور دوسرے کو کہا کہ NOTHING ہم فرسٹ ائیر کے جاہل یہ سمجھے کہ جس کو SOMETHING کہا گیا ہے وہ معیار پر پورا اُترا ہے اور جسے NOTHING کہا گیا ہے وہ اس عہدہ کے لئے مناسب اُمیدوار نہیں۔اس معمہ کی سمجھ اُس وقت آئی جب دونوں حضرات نے ان موضوعات پر فی البدیہہ تقاریر شروع کر دیں۔یہ دونوں اُمیدوار تھے صاحبزادہ مرزا حنیف احمد صاحب اور ان کے مقابل پر تھے مکرم سلیم ناصر صاحب۔مرزا حنیف احمد صاحب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے صاحبزادے تھے۔بہت عالم اور مرنجاں مرنج طبیعت کے انسان تھے۔سلیم ناصر صاحب مولوی ظہور حسین صاحب مبلغ روس کے صاحبزادہ تھے۔لاء کرنے کے بعد کچھ عرصہ پریکٹس کی پھر امریکہ چلے گئے۔ان کے برادران نعیم احمد صاحب اور کریم ظفر صاحب بھی امریکہ میں ہوتے ہیں۔مرزا حنیف احمد صاحب اور سلیم ناصر صاحب دونوں وفات پا چکے ہیں۔اللہ اُن کے درجات بلند کرے۔

اُن کی تقاریر کے ساتھ ہی اعلان ہوا کہ یونین کے سیکرٹری جائنٹ سیکرٹری اور اسسٹنٹ سیکرٹری کے لئے اُمیدوار خود اپنا نام پیش کریں۔یہ صوررت حال بھی ہمارے لئے نئی تھی۔بچپن سے ہی ذہن میں ڈالا گیا تھا کہ کسی عہدہ کے لئے خواہش نہیں کرنی۔بہر حال سیکرٹری کے لئے عبدالسمیع صاحب بلا مقابلہ منتخب ہو گئے۔آپ مولانا عبدالغفور صاحب کے صاحبزادہ تھے۔بہت بہترین مقرر تھے۔آج کل امریکہ میں ہوتے ہیں۔جائنٹ سیکرٹری کے لئے ایک صاحب محمود احمد بلا مقابلہ منتخب ہوئے۔یہ احمدی نہیں تھے۔جب اسسٹنٹ سیکرٹری کے انتخاب کی باری آئی تو میرے

ایک کلاس فیلو ناصر مرزا نے اپنا نام پیش کیا۔ میرے ارد گرد بیٹھے دوستوں نے مجھے مجبور کیا کہ میں بھی اپنا نام پیش کر دوں۔ میں نے اُن سے درخواست کی کہ مجھے مجبور نہ کریں اول تو ناصر میرا دوست ہے۔ اُس کے مقابلہ پر میں نے انتخاب نہیں لڑنا۔ دوسرے میری ہرگز یہ خواہش بھی نہیں لیکن ہوا یہ کہ فوراً ایک سینئر لڑکے نے ایک طرف سے میری بغل میں ہاتھ ڈالا اور دوسرے نے دوسری طرف سے اور مجھے زبردستی کھڑا کر دیا۔ یہ دونوں دوست مکرم حبیب الرحمان صاحب درد اور صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب تھے، حبیب الرحمان درد صاحب حضرت مولانا عبد الرحیم درد صاحب کے صاحبزادے تھے آج کل کینڈا میں ہوتے ہیں۔ جب کہ صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب حضرت مرزا عزیز احمد صاحب کے صاحبزادہ تھے۔ آج کل صدر انجمن احمدیہ پاکستان میں ناظر دیوان ہیں۔ پروفیسر بشارت الرحمان صاحب نام لکھ رہے تھے۔ وہ مجھے ذاتی طور پر جانتے تھے۔ میں بولا بھی نہیں اور انہوں نے نام درج کر لیا۔

اب مجھے اور ناصر مرزا کو پرنسپل صاحب نے اسٹیج پر بلا لیا۔ ناصر سے کہا ''ظلم'' اور مجھے کہا '' عصائے موسیٰ'' اور فرمایا ابھی تقریر کرو۔ تیاری کا بھی کوئی وقت نہ دیا گیا۔ ناصر نے تقریر شروع کی تھی کہ طلبہ کی طرف سے ہوٹنگ شروع ہو گئی اُس کی تقریر شور شرابے کا شکار ہو گئی۔ اب میری باری تھی اور میں ناصر کا حشر دیکھ چکا تھا۔ اور سمجھتا تھا کہ فرسٹ ائیر والوں کو تو یہ لوگ ویسے ہی بیوقوف سمجھتے ہیں۔ لہذا مجھے بھی ہوٹنگ کا سامنا کرنا ہوگا۔ وقت نہ ملنے کی وجہ سے یہ بھی سمجھ نہ آ رہا تھا کہ کیا کہوں۔ بہر حال ہوٹنگ سے بچنے کے لئے میں نے أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنا شروع کر دیا اس اثنا میں طلبہ بھی خاموشی اختیار کر گئے۔ تلاوت کے دوران میں نے پوائنٹس سوچے پھر جو ذہن میں آیا جو بیان کر دیا میری تقریر انتہائی خاموشی کے ساتھ سنی گئی اور جب رائے شماری ہوئی تو میرے حق میں آنے والے ووٹ بہت زیادہ تھے۔ اس طرح مجھے فرسٹ ائیر میں ہی کالج سٹوڈنٹس کا ''اسسٹنٹ سیکرٹری'' چن لیا گیا۔

آل پاکستان بین الکلیاتی مباحثہ

کچھ عرصہ کے بعد سٹوڈنٹس یونین کے زیر اہتمام ”آل پاکستان بین الکلیاتی مباحثہ“ منعقد ہوا۔ اُن دنوں ربوہ میں اس قسم کی تقریبات بہت کم ہوتی تھیں۔ لہذا جب بھی ایسا موقعہ ہوتا تو اہالیان ربوہ بڑے شوق سے بڑی تعداد میں ایسی تقریبات میں شامل ہوتے۔ اس فنکشن میں داخلہ کی اجازت بذریعہ کارڈ تھی اور کارڈ خاکسار کی تحویل میں دیئے گئے تھے اور تقسیم کا اختیار بھی دے دیا گیا۔ میرے پاس جو بھی آتا جتنے اجازت نامے کسی کو درکار تھے۔ وہ دیتا چلا گیا۔ جب حساب مانگا گیا تو میں نے کہا کہ میں نے تو سارے کارڈ تقسیم کر دیئے ہیں اس پر پرفیسر نصیر احمد خان جو یونین کے انچارج تھے سر پکڑ کر بیٹھ گئے کہ ہال میں گنجائش سے زیادہ لوگ آ گئے تو ہم انہیں کیسے بٹھائیں گے۔ صدر یونین صاحبزادہ مرزا حنیف احمد صاحب نے پروفیسر صاحب کو یقین دلایا کہ وہ اس کا انتظام کرلیں گے۔ چنانچہ اس یقین دہانی پر خان صاحب کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔ تعلیم الاسلام کالج کا بین الکلیاتی مباحثہ ملک بھر میں مقبول تھا۔ چنانچہ ملک بھر کے اچھے مقررین ان مباحثوں میں شرکت کے لئے خصوصی اہتمام کرتے تھے۔ مباحثوں کے فنکشن کے بعد سٹوڈنٹس یونین کی طرف سے ایک شاندار ڈنر ترتیب دیا جاتا تھا۔ یہ ڈنر موم بتیوں کی روشنی میں سرو کیا جاتا تھا۔ آنے والے مہمان اس کینڈل نائٹ ڈنر کا سارا سال انتظار کرتے تھے۔ اور بہت تعریف کیا کرتے تھے۔ سالانہ مباحثوں کے فنکش میں یونین کے عہدیداران اسٹیج پر بیٹھا کرتے تھے۔ ان کے لئے لازمی ہوتا تھا کہ وہ اَچکن زیب کریں ہم میں اتنی استطاعت تو نہ تھی کہ اَچکن سلواتے جب سالانہ مباحثہ کے دن قریب آئے تو ہم ربوہ میں ہر جاننے والے بزرگ کے پاس گئے لیکن کسی کی اَچکن ہمیں فٹ ہی نہ آتی تھی۔ الغرض مکرم عبدالسلام اختر صاحب سے اَچکن مستعار لی۔ گو وہ کھلی تھی۔ پہنے ہوئے یوں لگتا تھا کہ ہوا بھری ہوئی ہے ایک اور مسئلہ سامنے آیا وہ یہ کہ میں سالانہ فنکشن سے ایک روز قبل کالج کے برآمدے سے گر گیا تھا اور میری ٹھوڑی پر گہرا زخم آ گیا تھا۔ اَچکن کے کالر پر بٹنوں سے

اوپرلو ہے کے ہک لگے ہوئے تھے جس کی وجہ سے ذرہ سی گردن نیچے ہوتی تو ہُک لگنے کی وجہ سے شدید درد اُٹھتی اور بہت سخت تکلیف ہوتی۔جن دوستوں کو اس زخم کا علم نہیں تھا وہ بعد میں کہتے تھے کہ بھئی بڑے گردن اکڑا اکرا سٹیج میں بیٹھے ہوئے تھے۔

پاکستان بھر کے شہروں میں ہونے والے بین الکلیاتی مباحثوں میں تعلیم الاسلام کالج کے مقررین حصہ لیتے تھے اور اکثر انعامات اور ٹرافی لے کر آتے۔تعلیم الاسلام کالج کے مقررین کو دوسرے کالج کے طلبہ احترام کی نظر سے دیکھتے اور عزت کرتے تھے کہیں کبھی بھی نفرت کی نگاہ کا ہم نے سامنا نہیں کیا۔

انگریزی کی ٹیم میں سید مشہود احمد، محی الدین اکبر اور سیف قیصرانی وغیرہ ہوتے تھے۔جب کہ اُردو کی ٹیم مکرم عطا المجیب راشد صاحب، ارشد ترمذی سمیع اور خاکسار پر مشتمل ہوتی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ منٹگمری (ساہیوال) کے میڈیل کالج میں آل پاکستان بین الکلیاتی مباحثہ تھا۔ خاکسار اور محترم عطاء المجیب راشد صاحب نے شامل ہونا تھا۔صرف ایک دن باقی تھا اور میری تقریر تیار نہ تھی۔ چنانچہ پروفیسر پروازی صاحب کے پاس جامعہ احمدیہ کے کوارٹر میں گیا۔اُن سے پوائنٹس لئے اور بس میں بیٹھ کر تقریر تیار کی سفر بھی شاید تکلیف دہ تھا۔مٹی بھری ہوا کے جھونکوں کے ساتھ چھینکیں مار مار کر برا حال ہوگیا۔وہاں پہنچا تو بولا نہ جائے۔آنکھوں سے پانی جاری، بُرا حال تھا خیال تھا کہ تقریر نہ ہو سکے گی۔لیکن اسی حال میں مقابلہ میں حصہ لیا اور غالباً ٹرافی ہماری ٹیم نے حاصل کی۔اگلے دن ضلع منٹگمری کے امیر صاحب نے ہماری پُرتکلف دعوت کی۔

کوئٹہ میں بولان یونیورسٹی کا مباحثہ تھا۔انگریزی ٹیم میں سید شہود احمد اور سیف قیصرانی تھے جب کہ اُردو ٹیم میں محترم عطاء المجیب راشد صاحب اور خاکسار تھا۔روہڑی اسٹیشن سے ٹرین بدلی۔ وہاں جانے کے لئے بیٹھے تھے میری گرم چادر ساتھ ہی پڑی ہوئی تھی آنکھ جھپکتے ہی کوئی اُٹھا کر لے گیا بعد میں معلوم ہوا کہ روہڑی کا اسٹیشن چوروں کی کاروائی کے لئے مشہور ہے۔ یہاں سے ہم کوئٹہ

کی ٹرین میں سوار ہوئے۔انٹر کلاس کے ڈبہ میں ہم چاروں کے سوا کوئی نہ تھا۔سبّی سے آگے چڑھائی شروع ہوجاتی ہے۔لہٰذا وہاں سے ٹرین کو دوانجن لگائے جاتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک اسٹیشن ''آبِ گُم'' سے ہم نے پانی پیا جو برف کی مانند انتہائی ٹھنڈا تھا۔اُن دنوں سردی تھی اور نہایت ٹھنڈی ہوا زوروں پر تھی۔ جہاں ہمیں ٹھہرایا گیا وہاں ہم فجر کی نماز کے لئے وضو کرنے کی غرض سے باہر نکلے تو نل میں پانی ندارد۔معلوم ہوا کہ پانی سردی کی وجہ سے نل میں جم گیا ہے۔ چنانچہ ہمارے میزبان جلدی سے پرانے کپڑے اکٹھے کر کے لائے انہیں نل کے ارد گرد باندھ کر آگ لگائی۔تب پانی آنا شروع ہوا اور ہم وضو کرنے کے قابل ہوئے۔

کوئٹہ میں احمدیہ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کے صدر مکرم اسلم جاوید صاحب ہوا کرتے تھے۔ جو آج کل لندن میں ہیں۔ ایسوسی ایشن کی طرف سے ایک مشہور ہوٹل ''کیفے بلدیہ'' میں نہایت پُر تکلف عصرانہ دیا گیا۔ یہاں کے امیر جماعت شیخ محمد حنیف صاحب مرحوم تھے۔انہوں نے بھی ہماری دعوت کی اور ہمارا بہت خیال رکھا۔کوئٹہ کا ایک مخصوص نان ہوتا ہے جو بہت لذیذ اور مزیدار تھا اُس کا نام یاد نہیں البتہ ذائقہ آج بھی یاد ہے۔کوئٹہ کے طلبہ بہت مہمان نواز تھے ہمارا بہت خیال رکھا۔واپسی پر طلباء کی بہت بڑی تعداد اسٹیشن پر ہمیں الوادع کہنے کے لئے آئی تھی۔ٹرین کی روانگی کے بعد کافی دُور تک ہمیں اُن کے لہراتے رومال نظر آتے رہے۔ یہاں کے مباحثہ میں بھی دوسرے کالجز کی طرح لڑکے مقررین کی ہوٹنگ کرتے اور شور کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ جب میری باری آئی تو صاحبِ صدر میرا نام صحیح نہ پڑھ سکے تو انہوں نے کہا کہ ''اب زبردست خان تقریر کریں گے۔''اس پر طلبہ نے ساتھیوں سے کہا کہ ''بھئی اب خاموش ہو جاؤ۔زبردست خان آ گیا ہے۔''

مضمون کی تبدیلی

ہم نے فرسٹ ایئر میں دوسرے مضامین کے ساتھ ''اکنامکس'' بھی رکھا تھا۔اکنامکس کے لیکچرار پروفیسر ظفر احمد وینس بہت قابل استاد تھے۔سٹوڈنٹس یونین کی مصروفیات کی وجہ سے ان کی

چند ابتدائی کلاسوں میں حاضر نہ ہوسکا۔ایک دن جب کلاس میں گیا تو انہوں نے سارے طلبہ کے سامنے صرف مجھے کھڑا کرلیا اور اپنے مخصوص لہجہ میں کہا Mr.Zartasht tell me what is the defination of wealth

میں چونکہ پچھلی کلاسوں میں حاضر نہ تھا گھر میں پڑھائی نہ کی تھی لہٰذا علم نہ تھا۔میں نے کہہ دیا Sir,I don't know اس پر وہ بہت غصہ ہوئے۔ اور ناراضگی میں مجھے کہا کہ تم ادھر اُدھر برآمدوں میں یونین کے کاموں میں مصروف گھومتے رہتے ہو۔ پڑھائی کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ ساری کلاس کے سامنے اس ڈانٹ سے مجھے بہت شرمندگی ہوئی۔ پیریڈ کے فوراً بعد میں سید ھاجنید ہاشمی صاحب کے پاس پہنچا۔وہ دفتر کے سپرنٹنڈینٹ ہوا کرتے تھے۔انہیں کہا کہ میں نے اکنامکس کا مضمون نہیں پڑھنا۔اسے تبدیل کردیں۔انہوں نے سمجھایا کہ اکنامکس اچھا مضمون ہے۔اسے نہ چھوڑو میں نے کہا میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ اکنامکس نہیں پڑھنی ۔کیونکہ استاد بہت سخت ہے۔ بہر حال انہوں نے میرے مسلسل اصرار پر فارم منگوا کر میرا مضمون تبدیل کردیا۔ پھر میں نے فلاسفی کا مضمون لیا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ پروفیسر چوہدری محمد علی مضطرؔ بہت ہی نرم مزاج اور پیار کرنے والے اُستاد تھے۔ میں اُن کی کلاس میں بھی غیر حاضریاں کیا کرتا تھا۔انہوں نے سال کے آخر میں بڑی شفقت اور محبت سے مجھے اپنے گھر وقت دے کر نفسیات اور منطق کا سارا کورس بلا معاوضہ مکمل کرا دیا۔اس طرح میں اُس مضمون میں الحمدللہ اچھے نمبروں سے پاس ہوگیا۔

حضرت پرنسپل صاحبؒ

تعلیم الاسلام کالج ربوہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ کے نام کے ساتھ پہچانا جاتا تھا۔ یونیورسٹی کے اربابِ حل وعقد بڑے عزت و احترام کے ساتھ اور محبت سے آپ کا ذکر کیا کرتے تھے۔خاکسار کے نانا کے ایک بھائی فلائٹ لیفٹیننٹ تاج احمد خان پنجاب یونیورسٹی میں ڈائریکٹر آف سپورٹس تھے۔جب لاہور میں جاتا تو اُن کے ہاں قیام کرتا۔وہ احمدی نہیں تھے۔

میں انہیں تبلیغ کرنے کی کوشش کرتا تو وہ کہتے کہ مجھے غیر احمدی نہ کہا کرو۔تمہارے مرزا ناصر احمد میرے دوست ہیں۔ وہ بہت عالم بزرگ انسان ہیں ۔آئندہ انہیں خلیفہ ہونا چاہیے اُن دنوں حضرت خلیفہ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت بیمار تھے۔خاکسار نے بہت ناراضگی کا اظہار کیا کہ ایک خلیفہ کی زندگی میں اُس کے جانشین کا تصور بھی گناہ ہے۔اُن کا کہنا تھا کہ یونیورسٹی اکیڈمک کونسل کے سارے ممبران حضرت میاں صاحب کا بے حد احترام کرتے ہیں۔

طلبہ کے ڈسپلن کا خیال

حضرت پرنسپل صاحب طلبہ کے ڈسپلن اور وقار کا بہت خیال رکھتے تھے ۔کالج کے انڈر گریجوایٹ کی یونیفارم گاؤن اور ٹوپی ہوا کرتی تھی ۔اگر کسی طالب علم کو گاؤن کے بغیر یا ٹوپی کے بجائے ننگے سر دیکھا جاتا تو اُسے جرمانہ کر دیا جاتا۔خود میرا گاؤن ایک دفعہ گُم گیا تو مجھے 25 روپے جُرمانہ ہو گیا۔ بعد ازاں محترم پرنسپل صاحب نے ازراہِ شفقت اسے معاف بھی کر دیا۔طلبہ کے وقار کا اتنا خیال تھا کہ آپ پسند نہیں کرتے تھے کہ لباس میں بھی کوئی لا پرواہی ہو۔ ہمارا ایک کلاس فیلو ایک دن دھاری دار پاجامہ اور بوشرٹ پہن کر کالج آ گیا۔اُس زمانہ میں اسے سلیپنگ سوٹ خیال کیا جاتا تھا۔ پرنسپل صاحب نے دیکھ لیا اور ہدایت کی کہ فوراً گھر واپس جاؤ اور لباس تبدیل کر کے آؤ۔ چنانچہ وہ گھر جا کر اپنا لباس تبدیل کر کے کالج واپس آیا

طلبہ سے شفقت

سردیوں کے دن تھے۔ایک طالب علم نے گرم کوٹ نہیں پہن رکھا تھا۔آپ نے اُسے دیکھ لیا اور اُس کے پاس خود گئے اور فرمایا ”دیکھو بہت سردی ہے کوٹ پہننا بہت ضروری ہے ورنہ بیمار ہو جاؤ گے۔ اگر تمہارے پاس کوٹ خریدنے کی استطاعت نہیں ہے تو ڈاکٹر مرزا منور احمد کے پاس چلے جاؤ۔اُن کے پاس کوٹ آئے ہوئے ہیں اپنے۔ناپ کا کوٹ اُن سے لے لو۔“

طلباء کی صحت کا خیال

پڑھائی کرنے والے اور کھیلنے والے طلبہ کے لئے آپ سویا بین بھجواتے اور کنٹین سے اُن کے لئے دودھ لگوایا ہوا تھا۔

خاکسار کا گلا اکثر خراب رہتا تھا۔ ٹانسلز پھول جاتے تھے اور اکثر بخار بھی ہو جاتا تھا۔ ایک دفعہ کالج سے دو دن غیر حاضر رہا۔ آپ نے بلایا اور میرا عذر سننے کے بعد فرمایا کہ ''نیم گرم پانی میں اسپرو ڈال کر غرارے کر لیا کرو اور پھر پی بھی لیا کرو۔'' چنانچہ خاکسار نے اس نسخہ پر ایک عرصہ عمل کیا اور اپنی طبیعت میں بہتری محسوس کی۔

قرآن کریم سے محبت

ہم سب تعلیم الاسلام ہائی اسکول میں غالباً نویں جماعت میں تھے۔ تو آپ ایک دفعہ اسکول تشریف لائے اور سارے طلبہ کو ایک ایک رکوع اس طرح حفظ کرنے کا ارشاد فرمایا کہ سارے طالب علموں میں پورا قرآن پاک حفظ ہو جائے۔ چنانچہ مجھے یاد ہے کہ میرے حصہ میں سورۃ الملک کا رکوع آیا تھا جو میں نے حفظ کیا۔

طلباء سے شفقت

حضرت پرنسپل صاحب کا رُعب بہت تھا۔ وہ جب کالج کی طرف آ رہے ہوتے تو جو گپ شپ میں مصروف طلبہ کے گروہ ہوتے تو فوراً تتر بتر ہو جاتے۔ رُعب دبدبہ کے باوجود طلبہ کی طرف سے کوئی مطالبہ ہوتا تو ناراضگی کا اظہار نہیں فرماتے تھے بلکہ اکثر اُسے منظور کر لیا کرتے تھے۔ آل پاکستان باسکٹ بال ٹورنامنٹ کے اختتام پر طلبہ چُھٹی چُھٹی کا شور مچا رہے ہوتے تھے۔ تو آپ کالج میں ایک دن کی چُھٹی کا اعلان کر دیتے اور کبھی بُرا نہیں منایا۔ ایک دفعہ ہم نے کسی مباحثہ میں روانگی کے لئے روانہ ہونا تھا۔ پروفیسر ڈاکٹر سلطان محمود شاہد صاحب یونین کے انچارج تھے۔ اُن سے ہم

نے درخواست کی کہ گورنمنٹ کالج کے مقررین تو درجہ دوئم میں سفر کرتے ہیں جب کہ ہم تھرڈ کلاس میں۔کم ازکم انٹر کلاس کا ٹکٹ تو ہمیں لے کر دیں۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے کہا اچھا تمہارا مطالبہ ہے تو میں میاں صاحب سے بات کرتا ہوں۔'' وہ ہمارا مطالبہ لے کر گئے اور کچھ دیر میں واپس آئے کہ آپ کا مطالبہ مان لیا گیا ہے۔آئندہ سے آپ کو انٹر کلاس کا ٹکٹ دیا جائے گا۔ چنانچہ اُس کے بعد غالباً کوئٹہ کے مباحثہ میں شرکت کے لئے ہم نے انٹر کلاس میں ہی سفر کیا۔

غلطیوں سے چشم پوشی

آپ اپنے طلبہ کی غلطیوں کو صرف نظر کرتے ہوئے اُن سے اغماض برتتے تھے۔اور محسوس ہی نہیں ہونے دیتے تھے کہ آپ نے اسے نوٹ کیا ہے۔جب کبھی ڈسپلن کے پیش نظر تعزیر مدنظر ہوتی تو جرمانہ کر دیتے اور بعد ازاں طالب علم کی طرف سے اصلاح کے وعدہ پر عموماً جرمانہ معاف کر دیا کرتے تھے۔سال ہا سال تعلیم الاسلام کالج کشتی رانی کے مقابلوں میں یونیورسٹی بھر میں چمپئین رہا تھا۔اس شوق کو طلبہ میں بیدار رکھنے کی غرض سے دریائے چناب پر کالج کی کشتیاں ہوتی تھیں۔ ہر طالب علم کو اجازت ہوتی کہ اپنا شناختی کارڈ دکھا کر کشتی حاصل کر لے اور روئنگ کرے۔ ایک دفعہ مَیں اور میرے کلاس فیلو دوست عصر کے بعد دریا پر گئے ۔عموماً اکیلے نوجوان کو کشتی نہیں دی جاتی تھی کم ازکم دو یا تین لڑکے ایک کشتی لے کر جاتے تھے۔ہم نے کشتیوں کے انچارج ملاح سردار سے اصرار کر کے علیحدہ علیحدہ کشتی حاصل کر لیں۔ ایک کشتی میں میرا دوست اور دوسری میں یہ خاکسار۔ہم کشتیاں چلا کر دریا کے دوسرے کنارے چلے گئے واپسی کی تو اندھیرا ہو چکا تھا تاریک رات تھی۔ دریا کی لہریں رات کے وقت زیادہ بلند اور گہری ہو جاتی ہیں۔ہمیں کالی سیاہ اور بلند لہروں سے بھی خوف آ رہا تھا۔ بہت کوشش کی کہ کشتیوں کو کنارے لے جائیں لیکن طوفانی لہروں کے سامنے کچھ پیش نہ گئی۔ چپو چلاتے چلاتے اور لہروں سے مقابلہ کرتے کرتے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے اور خون بہنا شروع ہو گیا۔چپو ٹوٹ گئے۔اب ہم دریا کی طوفانی سیاہ اور تاریک لہروں کے رحم و

کرم پر تھے جہاں وہ لہر جاتی ہماری کشتی کو اُٹھا لے جاتی، خیال آیا کہ شاید اب زندگی کے دن پورے ہو چکے ہیں۔ دریا میں ڈوب گئے تو کسی آبی جانور کی خوراک بن جائیں گے۔ موت ہمیں صاف دکھائی دے رہی تھی۔ میرے دوست نے بہت جدوجہد کر کے اپنی کشتی میری کشتی کے قریب کی اور رسی سے باندھ کر کہا کہ'' آؤ ہم دونوں اپنی نماز جنازہ ادا کرلیں پتہ نہیں ہماری لاشیں ہمارے پیاروں کو ملیں گی یا نہیں۔ چنانچہ ہم دونوں نے اپنی اپنی نماز جنازہ پڑھی کشتیوں کو لہروں کے بہاؤ پر چھوڑ دیا۔ تقریباً تین میل آگے جا کر کشتیاں کنارے لگیں۔ تو ہم نے چھلانگ لگائی اور کشتیوں کو کنارے کھینچ لائے اور وہاں سے رات کے اندھیرے میں ملاح کے گھر گئے اور اُسے ساری صورت حال سے مطلع کیا اور اُسے کہا کہ وہ صبح کشتیاں وہاں سے لے آئے۔

اُس نے کہا لیکن چپوؤں کی قیمت ہمیں ادا کرنی ہوگی۔ رات اڑھائی بجے گھر پہنچے تو دروازہ نہ کھٹکھٹایا کہ والدہ پریشان ہوں گی۔ دیوار پھلانگ کر گھر میں داخل ہوئے اور پاؤں کمرے کی طرف بڑھائے تو دیکھا کہ میری والدہ سجدے میں گری ہوئی ہیں اور تضرع کے ساتھ دعا کر رہی ہیں۔ انہوں نے میری آہٹ پا کر میری طرف دیکھا اور کہا کہ شکر ہے تم آگئے ہو کہاں تھے؟ میں ابھی کوئی بہانہ گھڑنے کی سوچ رہا تھا کہ انہوں نے کہا دریا پر گئے تھے نا؟ ہماری والدہ بہت نیک اور دعا گو بزرگ تھیں۔ ہمارے لئے بہت دعا کرتی تھیں۔ مجھ سے بہت محبت تھی۔ اُس رات تاخیر کی وجہ سے کتنا تڑپی ہوگی۔ اُن کی دعاؤں نے ہمیں بھی بچا لیا اور نئی زندگی سے نوازا۔ اگلے دن کالج گئے تو مجھے اور میرے دوست کو چپو توڑنے کے جرم میں 25 روپے فی کس کا جرمانہ نوٹس بورڈ پر آویزاں تھا۔ میں خود حضرت پرنسپل صاحب کے پاس گیا اور پورا اصل واقعہ تو نہیں بتایا البتہ جرمانے کی معافی کی درخواست کی آپ نے ازراہِ شفقت اُسی وقت جرمانہ معاف فرما دیا۔ حضرت پرنسپل صاحب پولیٹیکل سائنس کا مضمون پڑھایا کرتے تھے اور نوٹس بھی لکھواتے تھے۔ جو طلبہ اپنی نوٹ بکس میں درج کرتے تھے نوٹس لکھواتے ہوئے ٹہلتے ٹہلتے پچھلی نشستوں کی طرف بھی آتے

اور طلبہ کو دیکھتے رہتے۔ ہم ایک نکمّے اور لا پرواہ طالب علم تھے۔ حضرت پرنسپل صاحب نوٹس لکھوا رہے تھے اور ہم اپنی نوٹ بُک پر پرنسپل صاحب کے دستخطوں کی مشق کر رہے تھے۔ آپ نے دیکھ لیا اور ہرگز ڈانٹا نہیں۔ اور مسکرائے اور کہا ''اچھا تو میرے چیک والے دستخطوں کی مشق ہو رہی ہے، کیا ارادے ہیں۔؟ اور میں شرمسار ہو گیا۔

آپ اپنے طلبہ کو نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ مختلف کتب کا مطالعہ کر کے ریسرچ کی عادت ڈالو۔ بتایا کرتے تھے آکسفورڈ میں نکمے سے نکما طالب علم بھی کم از کم اٹھارہ گھنٹہ روزانہ مطالعہ کرتا ہے اور وہاں لائبریری دن رات کھلی رہتی تھی۔ اس لئے طلبہ لائبریری میں بیٹھ کر اہم کتب سے استفادہ کیا کرتے تھے۔ لہٰذا تم بھی مختلف کتب سے استفادہ کر کے مضمون لکھا کرو۔ ایک دفعہ کلاس میں طلبہ سے کہا کہ دونوں موضوع پر مضمون لکھ کر لاؤ لیکن اس کیلئے کم از کم چار کتب کا مطالعہ کرو اور پھر ان کتابوں کا ریفرنس کے طور پر نام لکھو۔ مجھے کسی انڈین مصنف کی کتاب مل گئی۔ جس میں ریفرنس بھی تحریر تھے۔ میں نے لفظاً لفظاً اُس کتاب سے نقل کر کے پیپر لکھ دیا۔ اور وہی ریفرنس بھی لکھے جو اُس کتاب میں درج تھے۔ آپ نے میری نوٹ بک ملاحظہ فرمائی اور فرمایا جن کتابوں کے تم نے ریفرنس دیئے ہیں یہ ہماری لائبریری میں تو ہیں نہیں بلکہ لاہور کی پنجاب پبلک لائبریریوں میں بھی نہیں تم نے کہاں سے لیں؟ میری حالت یہ کہ کاٹو تو خون نہیں سکتہ طاری ہو گیا۔ کچھ بول نہ سکا۔ میری یہ حالت دیکھ کر اغماض سے کام لیتے ہوئے فرمایا: چلو کوئی بات نہیں کچھ کام تو کیا۔''

کچھ عرصہ بعد وہی کتاب کہیں آپ کی نظر سے گزری تو ناراض نہیں ہوئے بلکہ مسکرا کر مجھے فرمایا ''تمہاری چالاکی کا مجھے اب پتہ لگ گیا ہے۔'' فرسٹ ائیر میں داخل ہوا تو کالج کے میگزین ''المنار'' میں لکھنے کے لئے مکرم لطف الرحمان محمود صاحب مرحوم نے مجھے تحریک کی کہ کچھ لکھوں ۔ چنانچہ میں نے ایک مزاحیہ اور طنزیہ مضمون لکھا اور عنوان تھا ''ان سے ملئے'' لطف الرحمان محمود نے

مجھ سے مشورہ کئے بغیر اُس پر اُن صاحب کے نام کا اضافہ کر دیا۔ رسالہ چھپ کر شائع ہو گیا۔ شام کو میں باسکٹ بال کی گراؤنڈ میں گیا۔ تو وہاں پروفیسر صوفی بشارت الرحمٰن صاحب نے بتایا کہ مضمون میں جس صاحب کا نام لکھا تھا وہ سخت ناراض ہیں اور انہوں نے حضرت پرنسپل صاحب کو تمہاری شکایت کی ہے۔ میں نے صوفی صاحب کو وضاحت کی کہ میرا قصور نہیں بلکہ ایڈیٹر صاحب نے یہ اضافہ ازخود کیا ہے۔ بہر حال صوفی صاحب کی تسلی ہو گئی اتنے میں حضرت پرنسپل صاحب تشریف لائے بالکل ناراض نہیں تھے بلکہ مسکرا کر فرمایا ’’چلو کوئی بات نہیں۔‘‘

منصبِ خلافت پر فائز ہونے کے بعد

منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد ایک ہی دن میں آپ بالکل بدل گئے۔ کہاں وہ رُعب و دبدبہ اور کہاں اب حلم، رحم، بردباری، محبت اور شفقت اور پیار۔ لوگ کہتے کہ اب وہ کالج والے مرزا ناصر احمد ہی نہیں رہے۔ خدا تعالیٰ نے انہیں یکسر تبدیل کر کے کچھ اور ہی بنا دیا ہے۔ خلافت کے بعد اُن کی قبولیت دعا کے نظارے ہم نے خود مشاہدہ کئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قبولیت دعا کے اعجاز سے نوازا تھا بیش تر واقعات میں سے ایک ذاتی واقعہ عرض کر دیتا ہوں۔ خاکسار لاہور میں ’’سوشل سیکورٹی آفیسر صوبہ پنجاب ملازم تھا۔ اس اثنا میں وفاقی حکومت کے محکمہ محنت و افرادی قوت میں دو عہدے داروں کے لئے تجربہ والے افراد کی درخواستیں طلب کی گئی۔ ایک پوسٹ اسسٹنٹ ڈائریکٹر گریڈ 17 کی تھی اور دوسری ڈپٹی ڈائریکٹر گریڈ 18 کی تھی۔ حکومت پاکستان میں گریڈ 17 یا 18 کو اعلیٰ عہدوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ خاکسار نے دونوں پوسٹوں کے لئے درخواستیں ارسال کر دیں۔ خیال تھا کہ سفارش وغیرہ تو کوئی ہے نہیں۔ لہٰذا ممکن ہے کہ شاید گریڈ 17 میں انٹرویو کے لئے بلا لیں لیکن ہر دو عہدوں میں سے کسی کیلئے بھی خاکسار پُر امید نہیں تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کو دعا کے لئے خط لکھا۔ جواب آیا اللہ تعالیٰ آپ کو ڈپٹی گریڈ سے کامیاب کرے۔ خاکسار تو یہ خیال کر رہا تھا کہ شاید اسسٹنٹ گریڈ 17 کے لئے انٹرویو پر بھی نہ بلایا

جاؤں لیکن حضور کی دعا تھی کہ اس کے نتیجہ میں سینئر پوسٹ ڈپٹی گریڈ 18 میں کامیابی نصیب ہوئی۔ کافی وقت گزر گیا۔ میں اس درخواست کو اپنے ذہن سے یہ سمجھ کر فراموش کر بیٹھا کہ مجھے انٹرویو کے لئے نااہل سمجھا ہوگا اور کسی سفارشی کی نامزدگی ہوگئی ہوگی۔ ایک دن میں اپنے سرکاری کام سے شاہدرہ میں تھا کہ میرے ہیڈ آفس سے فون آیا کہ فوری طور پر ہیڈ آفس آؤں۔ وہاں گیا تو انہوں نے میرے سامنے ایک ٹیلیگرام رکھ دی۔ جس میں میرے متعلق تحریر تھا کہ اگلے دن انٹرویو کے لئے اسلام آباد سیکرٹری ایٹ میں حاضر ہوں۔ ہیڈ آفس نے مجھے ہدایت دی کہ فوری طور پر روانہ ہو جاؤ۔ چنانچہ خاکسار اسلام آباد پہنچا۔ انٹرویو میں پیش ہوا بہت لمبا انٹرویو تھا۔ 45 منٹ تک سوالات کی بوچھاڑ ہوتی رہی۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کیا جواب دیئے۔ دوسرے صوبوں کے سینئر حضرات بھی اس عہدے کیلئے آئے ہوئے تھے۔ بظاہر لگتا تھا کہ خاکسار کی سلیکشن کا امکان نہیں۔ اسسٹنٹ ڈائریکٹر والی درخواست کا پتہ کیا، تو معلوم ہوا کہ اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ ان کے خیال میں میرا تجربہ اس پوسٹ کے لئے کم تھا اس لئے انٹرویو میں نہیں بلایا گیا۔ عجیب بات تھی کہ جونیئر پوسٹ پر تو مجھے نااہل سمجھا گیا اور سینئر پوسٹ پر انٹرویو کیلئے بلایا گیا۔ بہر حال انٹرویو کے بعد واپس لاہور آ گیا چند دن گزرے تو ہیڈ آفس نے اطلاع دی کہ تمہارا انتخاب بحیثیت ڈپٹی ڈائریکٹر گریڈ 18 ہو گیا ہے۔ تم فوراً اپنی جاب جائن کر لو۔ اندازہ کیجئے کس طرح خدا تعالیٰ نے اپنے خلیفہ کے منہ سے نکلی ہوئی بات کو پورا کر دکھایا اور ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔ الحمدللہ علی ذالک۔

کراچی میں خاکسار کو جن دنوں قائد خدام الاحمدیہ ضلع کراچی خدمت کی توفیق مل رہی تھی تو حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کراچی تشریف لائے۔ خاکسار کو اپنی اہلیہ کے ہمراہ ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ ان دنوں خاکسار اسی وزارت کے ایک ذیلی ادارہ اوورسیز ایمپلائمنٹ کارپوریشن ایمپلائمنٹ میں جنرل مینجر تھا۔ شدید مخالفت ہو رہی تھی میرے خلاف اخبارات میں خبریں اور اداریئے شائع ہو رہے تھے۔ دفتر کا سٹاف بھی مخالفت پر تُلا ہوا تھا۔ اسلام آباد سے انکوائری کا آرڈر

آ چکا تھا۔ ملاقات سے قبل خیال تھا کہ خاکسار اپنی پریشانیاں بتا کر دعا کے لئے عرض کرے گا۔ لیکن حسب معمول حضور سے ملاقات کے دوران ذاتی باتیں پیش کرنے کا تو ہوش ہی نہیں رہا۔ حضور جماعتی اُمور دریافت کرتے رہے اور خاکسار جواب دیتا رہا۔ ملاقات کے بعد اُٹھنے لگے تو خاکسار کی اہلیہ کو خیال آیا کہ اپنے لئے دعا کی درخواست تو کی ہی نہیں۔ چنانچہ انہوں نے حضور سے درخواست کی کہ حضور ان (خاکسار) کے لئے دعا کریں۔ آج کل احمدیت کی وجہ سے شدید مخالفت ہے۔ پتہ نہیں اب ملازمت رہتی ہے یا نہیں۔ حضور نے نہایت جلال کے ساتھ فرمایا کہ ''تم ان کی فکر نہ کرو۔ یہ بہت بہادر ہے۔ عنقریب اس کی ترقی ہو جائے گی'' ملاقات کے بعد جب ہم واپس جا رہے تھے تو کراچی گیسٹ ہاؤس کے گیٹ پر حضور کے صاحبزادے مرزا فرید احمد صاحب نے دریافت کیا کہ ملاقات کیسی رہی۔ خاکسار نے بتایا کہ ہمیں تو موجودہ ملازمت کے لالے پڑے ہوئے ہیں اور حضور فرماتے ہیں کہ تمہاری ترقی ہو جائے گی آپ یقین کریں کہ حضور کے ارشاد کے چند دنوں بعد ہی غیر معمولی حالات میں شدید مخالفت کے باوجود خاکسار کی جنرل مینجر کے عہدے سے ڈائریکٹر کے عہدے پر ترقی ہوگئی۔ اس طرح حضور کے منہ سے نکلی ہوئی بات مِن وعَن پوری ہوگئی۔

مکرم صوفی بشارت الرحمٰن صاحب مرحوم

ہمارے عربی کے استاد تھے بہت عالم نیک اور دعا گو بزرگ تھے کالج کے چیف پراکٹر تھے۔ اس لئے ڈسپلن کے معاملہ میں بہت سخت تھے۔ طلبہ عموماً ان کا سامنا کرنے سے گھبراتے تھے۔ فرسٹ ائیر کے دنوں میں میری رہائش دارالرحمت شرقی میں دفتر الفضل والی گلی میں تھی۔ محترم صوفی بشارت الرحمان صاحب کا مکان دفتر الفضل کے ساتھ ہی تھا۔ مسجد جاتے ہوئے وہ ہمارے گھر کے سامنے سے گزرتے بلکہ ایک دفعہ میں بیمار ہوگیا فجر کی نماز میں مسجد نہ جا سکا تو نماز کے بعد سیدھے میرے گھر تشریف لائے اور روز آتے رہے۔ جب تک مجھے صحت نہ ہوگئی اور ہومیوپیتھی کی ایک دوائی دیتے رہے۔ کلاس میں پڑھاتے ہوئے اکثر قرآنی تفاسیر کے حوالے دیتے اور طلبہ کو تحریک

کیا کرتے تھے کہ یہ دعا کرتے رہا کرو۔ ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاخرۃ حسنہ وقنا عذاب النار تا کہ آپ کو نیک اور صالح بیوی عطا ہو۔ چنانچہ اس دعا کی نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کو بھی نیک اور صالح بیوی سے نوازا۔

مکرم چوہدری محمد علی مضطر صاحب

محترم چوہدری صاحب ہر دلعزیز استاد تھے۔ فلاسفی کا مضمون پڑھاتے تھے۔ طلبہ سے بہت پیار محبت اور شفقت کا تعلق رکھتے تھے۔ اُن کی ایک نظم ''تنہائی'' بہت مشہور تھی۔ جب بھی طلبہ ہال میں کسی فنکشن کیلئے جمع ہوتے اور چوہدری صاحب نظر آ جاتے تو طلبہ کی طرف سے مطالبہ شروع ہو جاتا کہ ''تنہائی۔ تنہائی'' جب تک چوہدری صاحب نظم نہ سنا دیتے طلبہ خاموش نہ ہوتے۔

پروفیسر صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب

آپ ہمیں انگریزی پڑھاتے تھے۔ صدر ایوب کے زمانہ میں بی اے کے تین سالہ نصاب کا اجراء ہوا تھا۔ کئی نئی چیزیں آ گئی تھیں۔ آپ درست تلفظ میں بہت زور دیتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ انگریزی کے ایک لفظ کا درست تلفظ کروانے کے لئے مجھے کلاس میں تین منٹ تک مشق کرواتے رہے۔ وقت کے بہت پابند تھے اُن کی کلاس میں اگر کوئی طالب علم تاخیر سے حاضر ہوتا تو سخت ناپسند فرماتے۔ اسلئے تاخیر سے آنے والے طالب علم کلاس میں آنے کی جرات ہی نہ کرتے۔ بہت خوش لباس تھے موسم کے لحاظ سے ہر دن نیا سوٹ تبدیل کرتے۔ آج کل صدر انجمن احمدیہ پاکستان ناظر اعلیٰ اور ربوہ کے امیر مقامی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔

پروفیسر چوہدری حمید احمد صاحب

تاریخ کے ہمارے ایک استاد چوہدری حمید احمد صاحب تھے۔ خاموش، کم گو اور بہت ہی

شریف انسان تھے۔ دار الصدر غربی میں ہمارے گھر کے قریب ہی اُن کی رہائش تھی۔ حلقہ کے زعیم خدام الاحمدیہ نے مجلس عاملہ کی تجویز پر ایک پروگرام ترتیب دیا کہ نماز فجر میں جو خادم غیر حاضر ہوگا خدام الاحمدیہ کی مجلس عاملہ اُس کے گھر جا کر معلوم کرے گی کہ کیا عذر تھا کہ وہ نماز میں مسجد میں نہیں آسکا؟ اگر عذر نا قابل قبول ہوا تو وہ خادم پابند ہوگا کہ وہ سارے وفد کو چائے پلائے۔ چنانچہ ایک دن محترم چوہدری صاحب نماز فجر کیلئے مسجد نہ جا سکے۔ وفد اُن کے گھر آ پہنچا دروازہ کھٹکھٹایا۔ محترم چوہدری صاحب باہر تشریف لائے اور وفد نے نماز فجر میں غیر حاضری کی وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے آہستہ سے جواب دیا کہ ''شرعی عذر تھا۔'' خدام نے مزید کوئی بات نہ کی اور خاموشی سے چلے گئے۔ مجھے اُن دنوں علم نہیں تھا کہ کوئی شرعی عذر بھی ہوتا ہے کہ انسان مسجد جا کر بوقت نماز ادا نہ کر سکے۔ چند دن گزرے کہ مجھے نیند نے غلبہ پا لیا اور فجر کی نماز میں مسجد میں نہ جا سکا۔ نماز کے بعد خدام کا وفد میرے گھر آیا۔ مجھ سے دریافت کیا کہ آج نماز میں مسجد کیوں نہیں آسکے؟ میں نے سوچا کہ کیا عذر تراشوں کہ خاموشی سے وفد چلا جائے ذہن میں خیال آیا کہ چند دن قبل ہمارے ایک اُستاد نے شرعی عذر کا بیان کیا تھا تو کسی نے دوسری بات ہی نہیں کی اور ان کے عذر کو قبول کرتے ہوئے سارا وفد خاموشی سے چلا گیا تھا۔ چنانچہ میں نے بھی کہہ دیا کہ ''شرعی عذر'' تھا۔ اس پر زور دار قہقہے ہوئے اور سب ہنسنے لگ گئے۔ اور کہا کہ '' تمہاری تو ابھی شادی بھی نہیں ہوئی شرعی عذر کہاں سے آ گیا؟'' بہر حال مجھے اُنہوں نے معاف نہ کیا اور سب کو چائے بنا کر پلانا پڑی۔

پروفیسر مولوی محمد دین صاحب مرحوم

ہمیں اسلامیات پڑھاتے تھے۔ قرآن کریم کی کچھ سورتیں ہم نے اُن سے سیکھیں۔ بہت نیک اور عالم انسان تھے۔ ہم نے اُن سے کئی سورتوں کا ترجمہ بھی سیکھا۔

پروفیسر ڈاکٹر نصیر احمد خان صاحب مرحوم

آپ فزکس کا مضمون پڑھاتے تھے۔ بہت قابل اُستاد تھے اور نہایت عمدہ شعر کہتے تھے۔ کچھ عرصہ ہماری سٹوڈنٹس یونین کے انچارج تھے۔ باسکٹ بال کے بھی انچارج تھے۔ ہماری ٹیم کو یونیورسٹی کے مقابلوں کے لئے لاہور لے گئے تھے تو کھلاڑیوں کا بہت خیال رکھا۔ بٹیر کہیں سے منگوا کر کھلاتے رہے تا کہ کھلاڑی خوب لڑسکیں لیکن یہ بٹیر کام نہ آئے اور دو طلبہ بیمار ہو گئے تو پھر آپ کو اُن کا فکر پڑ گیا۔

پروفیسر ڈاکٹر سلطان محمود شاہد صاحب

آپ کیمسٹری کے اُستاد تھے۔ اُن کی ایک کتاب یونیورسٹی لیول میں تمام کالجز میں بطور نصاب پڑھائی جاتی تھی۔ پنجاب یونیورسٹی اکیڈمک کونسل میں آپ کی بہت عزت کی جاتی تھی۔ بہت نرم کلام کرتے، طلبہ کے ساتھ بہت پیار کا تعلق تھا۔ سٹوڈنٹس یونین کے انچارج بھی تھے۔

پروفیسر محمد ابراہیم ناصر مرحوم

آپ ریاضی کے اُستاد تھے۔ بہت نیک اور علم دوست بزرگ تھے۔ خاکسار کے ساتھ بہت شفقت فرماتے۔ ہمارے ٹیوٹیریل گروپ ''شجاعت'' کے انچارج تھے۔ جس کا خاکسار سیکرٹری تھا۔

پروفیسر چوہدری محمد شریف خالد صاحب مرحوم

ہمارے انگریزی کے اُستاد تھے۔ بہت سادہ مزاج اور بے تکلف انسان تھے۔ شاعری بھی کرتے تھے۔ انگریزی پنجابی کے لہجہ میں پڑھاتے تھے۔

پروفیسر چوہدری محفوظ الرحمٰن صاحب مرحوم

بہت نیک اور شریف انسان تھے۔ ہمارے کالج کے شعبہ فزیکل ایجوکیشن کے انچارج

تھے۔مجلس انصاراللہ یوکے کے سابق صدر چوہدری وسیم احمد صاحب کے والد تھے۔

حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری

تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں ایک نیا مضمون دینیات کا ہوتا تھا۔ جو عموماً جماعت کے بزرگ علماء میں سے کوئی اُستاد پڑھایا کرتے تھے۔حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری اُن تین بزرگ علماء میں سے ایک تھے۔جنہیں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ''خالد احمدیت'' کے خطاب سے نوازا تھا۔آپ مکرم مولانا عطاء المجیب راشد صاحب امام مسجد فضل لندن کے والد محترم تھے۔اُن کے علاوہ کچھ عرصہ ہمیں دینیات محترم ارجمند خان صاحب نے بھی پڑھائی۔

قاضی محمد اسلم صاحب

ہمارے زمانہ میں قاضی صاحب گورنمنٹ کالج لاہور میں پڑھاتے تھے۔ایک دفعہ مجھے کہا گیا کہ محترم قاضی صاحب کو تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں لیکچر کیلئے دعوت کے لئے جاؤں۔ چنانچہ میں گیا۔قاضی صاحب نے مجھ سے میرا نام دریافت کیا اور فرمایا کہ زرتشت کو فارسی میں ایسے کہتے ہیں اور انگریزی میں ایسے کہا جاتا ہے۔فرنچ میں اس کا تلفظ یوں ہے الغرض کتنی زبانوں میں اس کا تلفظ بتایا۔ میں بہت حیران ہوا کہ اتنی زبانوں پر اُن کو عبور تھا۔ بہت عالم انسان تھے سال باسال جلسہ سالانہ پر اُن کی تقریر ہوا کرتی تھی۔

مکرم جنید ہاشمی صاحب

کالج کے دفتر میں سپرنٹنڈنٹ کی حیثیت سے ایک دوست جو مسلسل پان چباتے اور چائے کی گھونٹ بھرتے رہتے تھے۔ چہرے پر ہمہ وقت مسکراہٹ رہتی تھی ۔مرنجاں مرنج طبیعت کے انسان تھے۔ یہ تھے مکرم جنید ہاشمی صاحب، آپ حضرت قاضی ظہور الدین اکمل صاحب کے صاحبزادے تھے۔دفتر میں ایک محمد اسلم نامی کیشئر بھی ہوا کرتے تھے۔ہم اُن کے پاس اپنی فیس

جمع کروایا کرتے تھے۔

شادی خان مرحوم

تعلیم الاسلام کالج کا ذکر مکمل نہیں ہوسکتا جب تک شادی خان کا ذکر نہ کیا جائے۔شادی خان اور تعلیم الاسلام کالج لازم وملزوم تھے۔شادی کو صبح ہو یا شام ہو۔آندھی ہو یا طوفان ہو ہم نے ہمیشہ کالج میں دیکھا۔وہ کالج میں اپنا بستر بچھا کر سو جاتا۔ہمیں علم نہیں تھا کہ کون تھا کب آیا؟ کہاں سے آیا؟ بس اتنا علم تھا کہ حضرت پرنسپل صاحب کا چہیتا تھا اور اُسے بھی حضرت پرنسپل صاحب سے عشق کی حد تک محبت تھی۔مستعد مددگار کارکن تھا۔تقریباً ہر طالب علم سے اُس کا رابطہ تھا۔

سنہری دور

تعلیم الاسلام کالج کا زمانہ ہماری زندگی کا ایک سنہری دور تھا اور جسے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اس ادارے نے ہماری ایسی خدمت کی کہ اس سے ساری زندگی فیضیاب ہوتے رہے اور آج بھی استفادہ کررہے ہیں۔دنیا بھر میں تعلیم الاسلام کالج اپنی اعلیٰ اخلاق اور تربیت کے لئے مشہور تھا۔ ایک دفعہ سردار دیوان سنگھ مفتون ایڈیٹر اخبار ریاست تشریف لائے کالج میں تقریر کی اور جماعت احمدیہ کی تعریف کی اور بتایا کہ ان کے پاس ایک شخص کام کرتا تھا بہت محنتی اور فرض شناس اور انتہائی دیانت دار معلوم ہوا کہ عمدہ اخلاق کا مالک ایک احمدی ہی ہوسکتا ہے۔انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ میں تو خواہش کرتا ہوں کہ آپ کی جماعت ایک معصوم بچے کی طرح رہے کیونکہ بچہ جب چھوٹا ہوتا ہے تو معصوم ہوتا ہے اور پیارا بھی لگتا ہے اور جب بڑھا ہو جاتا ہے تو بشری کمزوری جنم لے لیتی ہیں۔

مکرم جواد رشید خاں صاحب شہید

خاکسار کے ایک چھوٹے بھائی مکرم جواد رشید خان تھے۔تعلیم الاسلام اسکول ربوہ اور پھر تعلیم الاسلام کالج ربوہ سے گریجوایشن کے بعد ایل ایل بی کا امتحان لاہور سے پاس کیا۔کچھ عرصہ رستم

سائیکل فیکٹری کے لیگل ایڈوائزر رہے، بعدازاں اپنی پریکٹس شروع کر دی۔ بہت نیک تہجد گزار اور دعا گو نوجوان تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کراچی سے لاہور گئے۔ تو ایئر پورٹ میں جواد نے حضور کو ریسو کیا۔ جب کہ کراچی سے خاکسار نے حضور کو جہاز تک الوداع کیا۔ قافلے کے ساتھ سیکورٹی ڈیوٹی میں دیگر خدام کے ساتھ جا رہے تھے کہ کار کا حادثہ ہو گیا۔ تین خدام قائد ضلع، نائب قائد ضلع مکرم جواد رشید خان اور ناظم اطفال ضلع نے موقع پر ہی دم توڑ دیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ 4 جون 1999ء میں ان کی شہادت کا ذکر فرمایا۔ حضور فرماتے ہیں۔ ''اب ظاہر احمد صاحب جواد رشید خان ایڈووکیٹ نائب قائد ضلع لاہور اور خواجہ اعجاز احمد صاحب ناظم اطفال ضلع لاہور کی شہادت کا واقعہ بیان کرتا ہوں۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث لاہور سے ربوہ تشریف لا رہے تھے۔ لاہور کے خدام کا ایک گروپ جو پانچ افراد پر مشتمل تھا حفاظتی نقطہ نظر سے حضور انور کے قافلہ کے پیچھے آ رہا تھا۔ پنڈی بھٹیاں سے چھ کلومیٹر دور ایک ٹرک کو اوورٹیک کیا تو سامنے ایک سائیکل سوار کو دیکھ کر اسے بچانے کے لئے کار روکنے کی کوشش کی اور اسی کوشش میں کار ایک درخت سے جا ٹکرائی جس سے مکرم ظاہر احمد صاحب، مکرم خواجہ اعجاز احمد اور مکرم جوّاد رشید خان صاحب نے موقع پر ہی دم توڑ دیا اور ان کے ساتھی بہت زخمی ہوئے۔ مکرم جواد رشید احمد خان صاحب ابن مکرم ملک بشیر احمد صاحب بوقت شہادت نائب قائد ضلع لاہور تھے۔ آپ کی عمر 27 برس تھی۔ آپ مکرم زرتشت منیر احمد خان سابق قائد ضلع کراچی کے چھوٹے بھائی تھے۔ (بحوالہ خطبہ جمعہ 4 جون 1999ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے خود ان شہداء کی نماز جنازہ پڑھائی جنازوں کو کندھا دیا تدفین مکمل ہونے تک موجود رہے اور بعد از تدفین دعا کروائی۔ آپ کا ذکر مکرم محمد داؤد طاہر صاحب نے اپنی کتاب قریۂ جاویداں صفحہ 527 میں کیا ہے۔



تعلیم الاسلام کالج کی حسین یادیں

(پروفیسر ڈاکٹر آصف علی پرویز صاحب)

1965ء کی گرمیوں کا موسم تھا۔ غالباً جولائی کا مہینہ تھا جب تعلیم الاسلام کالج میں داخلے شروع ہو گئے تھے۔ اس وقت حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ (جو بعد میں خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہوئے) تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے پرنسپل تھے۔ جب میں تعلیم الاسلام ہائی اسکول ربوہ میں زیر تعلیم تھا تو میرے والد صاحب محترم چوہدری اکبر علی صاحب (مرحوم) کی خواہش تھی کہ میں میٹرک کے بعد لاہور میں ریلوے کالج میں داخلہ لے کر ریلوے میں انجینئر بنوں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میرے والد صاحب نے تقریباً 35 سال پاکستان ریلوے میں ملازمت کی تھی۔ ان کا ایک فقرہ ہوتا تھا کہ ''ریلوے میں کام کرنے والوں کے بچے ریلوے میں ہی ملازمت کرتے ہیں۔'' خیر جب میرا میٹرک کا نتیجہ نکلا تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں نے سائنس میں بہت اعلیٰ نمبر حاصل کیے اور ہائی فرسٹ ڈویژن میں میٹرک پاس کیا۔ میں نے اس وقت اپنے ابا جان سے مؤدبانہ درخواست کی میں لاہور نہیں جانا چاہتا بلکہ تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں مزید تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اسی طرح ان کے بعض دوستوں نے بھی مشورہ دیا کہ آصف کو تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں پڑھائیں کیونکہ ربوہ کا ماحول خالصتاً تعلیمی ہے اور آپ کا بیٹا تعلیم الاسلام کالج میں اچھی تعلیم حاصل کر سکے گا۔ چنانچہ محترم ابا جان کی اجازت سے میں نے داخلہ کا فارم مکمل کیا۔ ابا جان نے مجھے کہا کہ ایک سال کی فیس میں ایڈوانس دے دوں گا تاکہ مجھے تمہاری فیس کے بارے میں کوئی فکر نہ رہے۔ چنانچہ انہوں نے متعلقہ فیس کے نوٹ گن کر علیحدہ اپنی جیب میں رکھ

لئے اور مجھے ساتھ لے کر پیدل ہی کالج روانہ ہو گئے جو ہمارے گھر واقع محلہ دارالرحمت وسطی سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر تھا۔

کچھ دیر بعد ہم محترم پرنسپل صاحب کی اجازت سے آپ کے کمرہ میں داخل ہوئے۔ حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ نے اپنی کرسی سے کھڑے ہو کر پہلے ابا جان سے مصافحہ کیا اس کے بعد مجھے مصافحہ کا شرف بخشا۔ میں دل ہی دل میں بڑا حیران تھا کہ محترم پرنسپل صاحبؒ نے کھڑے ہو کر ہم سے مصافحہ کیا جو آپ کے عظیم اخلاق کا حسین منظر تھا۔ فارم آپ پہلے ہی دیکھ چکے تھے۔ میرے اعلیٰ نمبروں پر بڑی تحسین کا اظہار فرمایا۔ اور داخلہ کے بارہ میں کچھ رسمی سوالات کیے۔ میں نے ڈرتے ڈرتے بڑے ادب سے ان کے مناسب جواب دیئے۔ اس کے بعد آپ نے فارم پر داخلہ کی منظوری کے دستخط کیے اور ساتھ ہی کچھ تحریر فرما کر وہ فارم ہمارے حوالے کیا۔ پھر آپؒ کھڑے ہو گئے اور دوبارہ ہم سے مصافحہ کیا۔ حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ (خلیفۃ المسیح الثالث) کے ساتھ یہ میری پہلی ملاقات تھی۔ تاہم میں آپؒ سے اس سے پہلے بھی ایک انعام حاصل کر چکا تھا۔ اس لئے میرا اندازہ تھا کہ محترم پرنسپل صاحبؒ مجھے جانتے ہیں۔ وہ واقعہ کچھ یوں ہے کہ جب میں اسکول میں 1964ء میں نویں جماعت کا طالبعلم تھا تو محترم پرنسپل صاحب حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ کی طرف سے یہ اعلان ہوا کہ ایک انعامی مقابلہ ہوگا جس میں ہر کسی کو شمولیت کی دعوت ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص فضل ہے کہ چودہ برس کی عمر میں میں اس میں اوّل آیا۔ چنانچہ محترم پرنسپل صاحب (حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ) کی طرف سے عاجز کو پچاس روپے بطور انعام عطا ہوئے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اس زمانے میں میرے جیسے طالبعلم کو پچاس روپے کا انعام ملنا گویا ''قارون کا خزانہ'' ملنے والی بات تھی۔ یہ محترم پرنسپل صاحبؒ کے احسانوں میں سے ایک خصوصی احسان تھا۔ فالحمد للہ علی ذالک۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں بعد میں بھی آپ کے بہت سے احسانوں کا مورد ہوا۔

خیر! بات تو تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں داخلے کی ہو رہی تھی۔ جب ہم دفتر سے باہر نکلے تو

''شادی خان'' نے ہمیں کہا کہ اب ہم جا کر محترم قریشی محمد عبداللہ صاحب اکاؤنٹنٹ کو جا کر داخلہ فارم دیں اور ساتھ ہی داخلہ کی فیس بھی دیں۔ یہ حسنِ اتفاق تھا کہ محترم قریشی صاحب ہمارے ہی محلہ میں رہتے تھے اور محترم ابا جان کے دوستوں میں سے تھے۔ ابا جان نے فارم دیتے ہوئے ساتھ ہی پورے سال کی فیس (جو غالباً 200 روپے کے لگ بھگ تھی) بھی انہیں پیش کردی۔ قریشی صاحب نے فارم دیکھا اور فرمایا '' چوہدری صاحب! پیسے اپنے پاس ہی رکھیں۔ محترم پرنسپل صاحبؒ نے ازراہ شفقت آپ کے بیٹے کے اعلیٰ نمبروں کی وجہ سے ساری فیس معاف کردی ہے۔ آپ صرف واجبی داخلہ کی فیس ادا کریں جو غالباً 25 روپے تھے۔ ابا جان بہت حیران ہوئے اور عرض کی محترم پرنسپل صاحبؒ نے اس بات کا ملاقات میں ذکر نہیں کیا۔ محترم قریشی صاحب نے کہا کہ یہ اُن کا طریق ہے۔ بس اب خوش خوش گھر جائیں۔ ہم سارے راستہ میں محترم پرنسپلؒ صاحب کے اعلیٰ خلق کا ذکر کرتے رہے کہ فیس کی معافی کا احسان بھی کیا لیکن ہم سے ذکر تک نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسے اعلیٰ اخلاق سے نوازے۔ آمین۔

داخلہ بھی ہوگیا اور ہم پہلے دن گاؤن پہن کر کالج پہنچ گئے۔ فرسٹ ایئر میں سائنس اور آرٹس کے طالب علموں کو ملا کر تعداد سو سے بھی زائد تھی۔ اس میں میرے مرحوم دوست محترم حبیب الرحمن صاحب (جو بعد میں تعلیم الاسلام کالج میں میرے ساتھ لیکچرر مقرر ہوئے) اس کے علاوہ محترم پرنسپل صاحبؒ کے صاحبزادے محترم مرزا فرید احمد صاحب بھی تھے۔ محترم عطاء المجیب صاحب راشد (امام مسجد لندن و سابق صدر تعلیم الاسلام کالج ایسوسی ایشن) یونین کے صدر تھے۔ اس وقت پروفیسر نصیر احمد خان صاحب نئے نئے Ph.D کرکے تشریف لائے تھے۔ آپ صدر شعبہ فزکس تھے۔ پروفیسر میاں عطاء الرحمن صاحب بھی فزکس کے سینئر پروفیسر تھے۔ آپ سے مجھے چھ سال فزکس پڑھنے کا اعزاز ملا۔ کیمسٹری کے صدر شعبہ پروفیسر سلطان محمود صاحب شاہد تھے۔ نہایت ہی قابل پروفیسر تھے لیکن سادگی میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ حساب کے صدر شعبہ پروفیسر چوہدری

حمید اللہ صاحب (موجودہ وکیل اعلیٰ پاکستان) تھے۔ مجھے چار سال ان سے حساب پڑھنے کا موقع ملا۔ انگریزی کے صدر شعبہ میاں خورشید احمد صاحب (موجودہ ناظر اعلیٰ پاکستان) تھے۔ آپ سے میں نے چار سال انگریزی پڑھی۔ اردو کے صدر شعبہ پروفیسر ناصر احمد صاحب پرویز پروازی تھے۔ آپ سے مجھے دو سال اردو پڑھنے کا اعزاز ملا۔

جب حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ خلافت ثالثہ کے منصب پر فائز ہوئے تو عارضی طور پر محترم میاں عطاء الرحمن صاحب قائمقام پرنسپل مقرر ہوئے۔ آپ کی سادگی اور عظمت کا یہ حال تھا کہ بجائے پرنسپل کے کمرہ میں بیٹھنے کے آپ اپنے فزکس کے کمرہ میں ہی بیٹھتے۔ دراصل فزکس ہی آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ آپ عملاً ساتوں دن ہی شعبہ فزکس میں گزارتے۔ جمعہ پڑھنے کے بعد آپ پھر کالج میں جا کر تجربات میں مشغول رہتے۔ پروفیسر نصیر خان صاحب ہمیں انگلستان میں پڑھائی کے طریقوں کے بارے میں بتاتے۔ میں F.Sc میں اگرچہ پروفیسر میاں عطا الرحمن صاحب کی کلاس میں تھا لیکن میں موقع نکال کر پروفیسر نصیر احمد خان صاحب کی کلاس میں بھی شامل ہوتا۔

(المنار جون 2015ء)

تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں M.sc کلاس کا اجراء

تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی تاریخ میں 1969ء کا سال ایک خصوصی اہمیت کا سال ہے۔ اس سال تعلیم الاسلام کالج کے نیو کیمپس میں فزکس میں M.sc کی کلاسوں کا اجراء ہوا۔ نیو کیمپس کی بلڈنگ پرانے کالج سے تقریباً ایک کلومیٹر دور ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ پروفیسر نصیر احمد خان صاحب مرحوم نے مجھے ارشاد فرمایا کہ لائلپور (فیصل آباد) جا کر پرنسپل گورنمنٹ کالج لاہور سے فون پر پوچھو کہ کیا حکومت نے تعلیم الاسلام کالج میں M.sc کی اجازت دی ہے یا نہیں۔ مطلوبہ اطلاع لے کر خاکسار پروفیسر نصیر احمد خان صاحب کے گھر گیا اور یہ خوشخبری دی کہ M.sc کی

کلاسوں کے اجراء کی منظوری مل گئی ہے۔فالحمدللہ علی ذالک۔ پروفیسر نصیر احمد خان کے چہرہ پر ایسی خوشی تھی کہ جو اپنی مثال آپ تھی۔

1969ء میں، مَیں نے B.SC کا امتحان پاس کرلیا۔ میرے اللہ تعالیٰ کے فضل سے فزکس اور حساب دونوں میں بہت اعلیٰ نمبر تھے۔ میرا ارادہ تھا کہ میں گورنمنٹ کالج لاہور میں حساب میں M.sc کروں گا۔ مجھے امید تھی کہ اعلیٰ نمبروں کی وجہ سے مجھے وظیفہ مل جائے گا اور یوں میری تعلیم کے اخراجات میرے والدین پر بوجھ نہیں بنیں گے۔ خاکسار میاں پروفیسر عطاء الرحمٰن صاحب سے ملنے کے لئے گیا اور ان سے عرض کی کہ عاجز حساب میں M.SC کرنا چاہتا ہے اور اس کے لئے لاہور گورنمنٹ کالج میں داخلہ لینے کی خواہش ہے۔ آپ نے میری بات سننے کے بعد فرمایا۔ ”عزیزم! تمہارے جیسے لائق طالب علموں کے لئے ہی ہم نے کالج میں M.SC فزکس شروع کی ہے۔ اس لئے تم فزکس میں ہی M.sc کرو۔“ چنانچہ آپ کے ارشاد پر میں نے لاہور جانے کا ارادہ بدل دیا اور یوں مجھے پہلی M.SC کی کلاس میں شامل ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ الحمدللہ۔

محترم پروفیسر نصیر احمد خان صاحب نے یہ طریق جاری کیا تھا کہ پانچ دن تو پڑھائی ہوتی اور جمعرات کے دن تین گھنٹے کا امتحان ہوتا۔ جب پہلا امتحان ہوا تو اللہ کے فضل سے میں اس میں اوّل آیا۔ سوموار والے دن میں نصیر احمد خان صاحب کے کمرہ میں گیا۔ محترم عطاء الرحمٰن صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ اس وقت طلباء میں کچھ ناراضگی تھی کہ یہ کیا طریق ہے کہ ہر ہفتہ میں تین گھنٹہ امتحان دیا جائے یہ بہت مشکل کام ہے۔ جب میں کمرہ میں گیا تو آپ نے مجھ سے پوچھا کہ امتحان کے بارے میں کوئی بات تو کرنے نہیں آئے۔ تمام طلباء کو ہر ہفتہ امتحان دینا ہوگا۔ میں نے عرض کی کہ بات تو میں امتحان کے بارے میں کرنے کے لئے آیا ہوں۔ آپ میری بات سُن لیں مناسب ہو تو میری تجویز قبول کرلیں وگرنہ ردّ کردیں۔ محترم میاں صاحب نے فرمایا کہ اس کی بات سُن لیں یہ تو امتحان میں فرسٹ آیا ہے۔ اجازت ملنے پر میں نے عرض کی کہ میں امتحان کہ ہر گز خلاف نہیں

ہوں بلکہ اوّل آنے کی وجہ سے میرا تو حوصلہ بڑھا ہے۔ محترم نصیر خاں صاحب نے استفسار کیا تو پھر تمہارا کیا سوال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جب جمعہ والے دن میں نے پڑھائی دہرانی شروع کی تو مجھے تو سب کچھ آتا تھا اس لئے میری درخواست ہے کہ امتحان جمعرات کی بجائے ہفتہ کو لیا جائے تاکہ جمعہ کے دن ہم پڑھائی کو خود اچھی طرح دہرا کر کہ امتحان کی تیاری کریں۔ محترم نصیر صاحب نے میری موجودگی میں محترم میاں صاحب سے پوچھا کہ آپ کی کیا رائے ہے۔ محترم میاں صاحب نے کمال شفقت سے میری بات کی تائید کی۔ چنانچہ اس دن سے امتحان ہفتہ کو ہونے لگا۔ یہ تھی محترم میاں عطاء الرحمٰن صاحب کی ذرّہ نوازی کی اعلیٰ مثال۔

جب ہماری M.sc کی کلاسیں شروع ہوگئیں تو ایک دن محترم نصیر خان صاحب نے کلاس میں اعلان کیا کہ پروفیسر عبد السلام صاحب نے ایک وظیفہ پچاس روپے ماہوار کا اعلان فرمایا ہے۔ آپ میں سے جو بھی تین ماہ ہفتہ واری امتحان میں اوّل آئے گا۔ اسے یہ وظیفہ دیا جائے گا۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں! اب ہم طلباء میں اس وظیفہ کے مقابلہ ہونے لگا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے میں تقریباً ہر امتحان میں اوّل آتا رہا۔ چنانچہ مجھے قوی اُمید تھی کہ یہ وظیفہ مجھے ملے گا۔ جس وقت وظیفہ کا اعلان ہوا تو وہ ایک دوسرے طالب علم جو سرگودھا سے تھے اور جماعت احمدیہ سے تعلق نہیں رکھتے تھے انہیں دیا گیا۔ مجھے طبعاً بہت افسوس ہوا۔ چنانچہ میں نے محترم میاں صاحب کی خدمت میں مؤدبانہ درخواست لکھی کہ میرے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔

محترم میاں صاحب نے مجھے اپنے کمرہ میں بلا لیا۔ اور بڑی محبت سے مجھے اپنے پاس بٹھایا اور فرمانے لگے کہ تمہاری بات میں وزن ہے تاہم جب میں نے وظیفہ کے لئے طلباء کا انتخاب کرنا چاہا تو ہم نے B.sc کے نمبروں کو بھی پیش نظر رکھا۔ دوسرے طالب علم کے B.sc میں نمبر تمہارے سے زیادہ تھے۔ اس لئے ہم نے فیصلہ کیا کہ دوسرے طالب علم کو وظیفہ دیا جائے لیکن تم دل چھوٹا نہ کرو۔ انشاء اللہ تمہارے لئے بھی کوئی بہتر فیصلہ ہوگا۔ اس وقت مجھے اس بات کا علم نہیں تھا کہ محترم قاضی محمد اسلم

صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج اور محترم نصیر خاں صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ ایک وظیفہ تو پروفیسر عبد السلام صاحب نے دیا ہے لیکن ایک اور طالب علم یعنی عاجز بھی اس معیار کا ہے کہ اس ے بھی وظیفہ ملنا چاہیے۔ چنانچہ حضور نے اپنے قلم کے ساتھ درخواست پر تحریر فرمایا ”ایک سکالرشپ ساٹھ روپے ماہوار ”لقمان سکالرشپ“ دوں گا انشاء اللہ آصف علی کے لئے فوراً بل بھیج دیں۔“ چنانچہ عاجز سے لقمان سکالرشپ کا آغاز ہوا۔اور اس کی رقم بھی پروفیسر عبد السلام صاحب کے وظیفہ سے زیادہ تھی یعنی ساٹھ روپے ماہوار۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

جلد ہی تعلیم الاسلام کالج کی سالانہ کھیلوں کا انعقاد ہوا۔ خاکسار ایک اچھا کھلاڑی بھی تھا اور تھا بھی سینئر طالب علم۔ چنانچہ سلامی کا جھنڈا مجھے دیا گیا۔ محترم ومکرم قاضی محمد اسلم صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج سلامی کے چبوترہ پر کھڑے تھے۔ سلامی کی تقریب کے بعد آہستہ آہستہ چلتے ہوئے میرے پاس تشریف لائے اور اپنی چھڑی بڑی محبت سے میرے سینہ میں چبھوئی اور اور فرمایا ”اسے کہتے ہیں نہلے پر دہلا“ مطلب یہ تھا کہ تم تو اس بات پر ناخوش تھے کہ تمہیں پروفیسر عبد السلام صاحب کا عطا کردہ وظیفہ نہیں ملا اب تمہیں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی طرف سے لقمان سکالرشپ عطا ہوا ہے اور اس کی رقم بھی پروفیسر عبد السلام صاحب کے وظیفہ سے زیادہ تھی۔ فالحمد اللہ علی ذالک۔

1971ء میں جب میں آخری پرچہ دے کر فارغ ہوا تو باہر ہمارے لیبارٹری کے اسسٹنٹ کھڑے تھے انہوں نے پیغام دیا کہ محترم پروفیسر نصیر احمد خاں صاحب نے ارشاد فرمایا ہے کہ گھر جانے سے پہلے نیو کیمپس میں آپ سے مل کر جاؤں۔ چنانچہ میں وہاں حاضر ہو گیا۔

محترم نصیر احمد خان صاحب نے ایک درخواست حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی خدمت میں میں پیش کرنے کے لئے لکھ رکھی تھی جس کا لبِّ لباب یہ تھا کہ خاکسار اور میاں حبیب الرحمٰن صاحب (مرحوم) کو تعلیم السلام کالج میں بطور لیکچرار تعینات کر دیا جائے۔ چنانچہ نومبر 1971ء سے عاجز کا

تقرر بطور لیکچرار فزکس ہو گیا۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔ محترم نصیر خان صاحب نے مجھے فرمایا کہ تم محترم میاں عطاء الرحمٰن صاحب سے M.sc کی لیبارٹری کا چارج لے لو اور مجھے آ کر رپورٹ کرو۔ میں محترم میاں نصیر خاں صاحب کے ارشاد پر محترم میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور بصد ادب عرض کی کہ محترم نصیر خان صاحب نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں آپ سے M.sc لیبارٹری کا چارج لے لوں۔ محترم میاں صاحب نے بڑے تحمل سے سنا اور فرمایا۔ نہیں M.sc لیبارٹری کا چارج میں اپنے پاس ہی رکھوں گا۔'' محترم نصیر خان صاحب کو جب یہ اطلاع ملی تو آپ نے خود میاں صاحب سے بات کی کہ M.sc کی لیبارٹری کو ترقی دینے کے لئے میں آپ پر اور بوجھ ڈالنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ اس کے لئے شدید محنت کی ضرورت ہے جو آپ کی صحت پر برا اثر ڈال سکتی ہے۔ اس لئے یہ ذمہ داری ایک نوجوان کے کندھوں یعنی اس عاجز پر ڈالنی چاہیے۔ محترم میاں صاحب کی فزکس سے محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ بڑی مشکل سے اس پر راضی ہوئے۔ بعد میں مجھے اس لیبارٹری کو بنانے میں سخت محنت کرنی پڑی اور بعض اوقات تو میں سوچا کرتا تھا کہ کاش محترم میاں صاحب یہ گرانقدر ذمہ داری مجھے نہ ہی دیتے تو اچھا ہوتا۔ کم از کم مجھے اتنی محنت اور شب بیداری تو نہ کرنی پڑتی۔ تاہم اس محنت کا فائدہ یہ ہوا کہ ہماری لیبارٹری ملک کی بہترین لیبارٹریوں میں شمار ہونے لگی۔ فالحمدللہ۔ جب M.sc کا نتیجہ نکلا تو خاکسار اور ہمارے ایک اور طالب علم نے یونیورسٹی میں نمایاں پوزیشن حاصل کی اور ہم دونوں کو پنجاب یونیورسٹی نے MERIT CERTIFICATE نوازا اور پوری کی پوری کلاس نے فرسٹ ڈویژن حاصل کی۔ فالحمداللہ علی ذالک۔ اعلیٰ نتیجہ کی یہ ایک بہترین مثال تھی۔ یقیناً یہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی دعائیں ہی تھیں وگرنہ ہم کیا ہماری قابلیت کیا۔ کیا پدّی اور کیا پدّی کا شوربا نتیجہ کے بعد تعلیم الاسلام کے نیو کیمپس میں شکرانہ کے طور پر ایک تقریب منعقد ہوئی۔ جس میں ربوہ کے اہل علم کے علاوہ پنجاب یونیورسٹی کے کئی پروفیسر صاحبان شامل ہوئے۔ تقریب میں پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ فزکس کے صدر نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ

پنجاب یونیورسٹی اور گورنمنٹ کالج لاہور کے مدّمقابل ایک اور تعلیمی ادارہ بھی آ گیا ہے اب وہ دن گئے جب ان دواداروں کے طلباء ہی نمایاں حیثیت میں کامیاب ہوتے تھے۔اب ان کا مقابلہ تعلیم الاسلام کالج کے طلباء سے بھی ہے۔ میں تحدیث نعمت کے طور پرعرض کرتا ہوں کہ اگلے ہی سال میرے ایک نہایت ہی عزیز شاگرد برادرم نعیم احمد صاحب طاہر نے پنجاب یونیورسٹی میں اول پوزیشن حاصل کی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالك۔

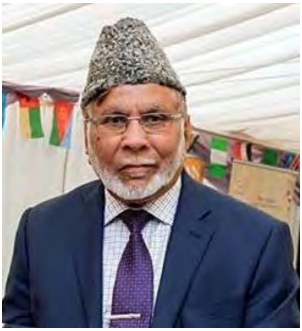
ہمارے اساتذہ کرام کوعلم بڑھانے کی بے پناہ لگن رہتی تھی۔ایک واقعہ تحدیث نعمت کے طور پرعرض کرتا ہوں۔ایک دفعہ میرے محترم استاد پروفیسر عطاء الرحمٰن صاحب مجھے فرمانے لگے کہ آصف صاحب! مجھے فلاں نہایت ہی پیچیدہ مسئلے کا حل معلوم نہیں۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میں نے انہیں دنوں اس پیچیدہ مسئلہ پر تحقیق کر کے اس کا حل ڈھونڈ لیا تھا۔اس میں بہت گہرا حساب شامل تھا۔ میں نے عرض کی کہ میں نے مسئلہ کوحل کرلیا ہے۔ چنانچہ مجھے اپنے پاس کرسی پر بٹھایا اورتقریباً ایک گھنٹہ سے زائد میں نے اس مسئلہ کو بتانے میں گزارا۔آپ نہایت ہی محبت اورصبروتحمل کے ساتھ میرے حل کودیکھتے اورسمجھتے رہے۔اس دوران ایک دفعہ بھی مجھے نہیں ٹوکا کہ تم نے ایسا کیوں کیا ہے یا اس کو اس طرح بھی کیا جا سکتا ہے۔ جب میں سارا مسئلہ کئی صفحات پر آپ کے سامنے لکھ چکا تو آپ کے چہرے پر ایسی بشاشت تھی کہ گویا آپ کو ہفت اقلیم مل گئی ہواورکئی بار میرا شکریہ ادا کیا کہ تم نے میرے علم میں بہت اضافہ کیا۔ میں تھا کہ شرم سے پانی پانی ہوتا جا رہا تھا کہ چھ سال میں نے آپ سے پڑھا ہےاورصرف ایک مسئلہ بتانے پرآپ یوں شکرگزار ہورہے ہیں جیسے ایک طالب علم اپنے استاد سے ہوتا ہے۔ یہ تھی آپ کی کسرنفسی یہ تھی آپ کی علم سے محبت۔

جب میں M.sc کو پڑھا رہا تھا تو میرا پیریڈ عطاء الرحمٰن صاحب کے پیریڈ کے بعد ہوتا تھا۔ آپ بعض اوقات پڑھانے میں اتنا مگن ہوجاتے کہ خیال بھی نہ آتا کہ آپ کا پیریڈ کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ میں دروازے کے باہر کھڑا رہتا اوراس انتظار میں کے آپ خود ہی اپنا پیریڈ ختم کریں تو

میں کلاس لوں۔ بعض اوقات طلباء آپ کو متوجہ کراتے کہ آصف صاحب باہر کھڑے اپنے پیریڈ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ بہت معذرت کر کے مجھے پڑھانے کا موقع دیتے۔ ایک دن مجھے فرمانے لگے کہ میں بہت زیادتی کرتا ہوں کہ آپ کے پیریڈ میں سے بھی وقت لے لیتا ہوں۔ اس لئے اب آئندہ سے آپ باہر کھڑے ہو کر انتظار نہ کیا کریں بلکہ دروازے کو آہستہ سے کھٹکھٹا دیا کریں تا کہ میں اپنا لیکچر ختم کر دوں۔ میں نے عرض کی کہ میں تو اسے سوئے ادب خیال کرتا ہوں۔ فرمایا ''نہیں تمہارا حق ہے کہ تم پورا پورا وقت لے کر اپنا پیریڈ پڑھاؤ۔'' چنانچہ میں نے چند دفعہ آپ کی اس نصیحت پر عمل کیا۔

یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ تعلیم الاسلام کالج ربوہ کا شعبہ فزکس پورے ملک میں ایک نمایاں حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ دور دور سے قابل طالب علم ہمارے یہاں پڑھنے کے لئے آتے۔ داخلے کا معیار صرف ایک تھا'' قابلیت''۔ 1975ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے ارشاد پر خاکسار وقف کر کے افریقہ کے ملک سیرالیون چلا گیا۔ بدقسمتی سے کالج کے قومیائے جانے کے بعد داخلے کا معیار بجائے قابلیت کے سفارش بن گیا اور وہ معیار جو بڑی محنت سے حاصل کیا گیا تھا قائم نہ رہ سکا اگر کالج قومیایا نہ جاتا تو یقیناً آج ایک بڑی یونیورسٹی بن چکا ہوتا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ خاکسار جب انگلستان سے کمپیوٹر کے میدان میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد پروفیسر نصیر احمد خاں صاحب کو ملنے کے لئے کالج گیا تو آپ نے بڑی حسرت سے فرمایا'' آصف اب وہ باتیں کہاں اب تو ہمیں ہر طرف سے سفارشیں آتی ہیں کہ فلاں لڑکے کو داخل کرو خواہ اس نے تھرڈ ڈویژن میں B.sc کی ہو۔ اگر سفارش نہ مانیں تو پھر دھمکیاں ملتی ہیں اس حالت میں تعلیم کا معیار کیوں کر رہ سکتا ہے جو آپ کے زمانے میں تھا۔'' اللہ کرے کہ ہمارا یہ ادارہ واپس جماعت احمدیہ کو مل جائے تا کہ وہ علمی معیار دوبارہ قائم ہو سکے۔ آمین ثم آمین۔

تعلیم الاسلام کالج کی میری کچھ یادیں



(محترم بشیر احمد اختر صاحب۔یوکے)

ٹی آئی ہائی اسکول ربوہ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد 1958ء میں ٹی آئی کالج میں داخلہ لینے کو بڑا اعزاز سمجھتا ہوں۔حضرت مرزا ناصر صاحب (پرنسپل) نے میرا انٹرویو لیا اور مجھے میری میٹرک میں بہت اچھی کارکردگی کی بنا پر اسکالرشپ سے نوازا۔میں نے کالج کے ماحول اور اعلیٰ تعلیمی معیار سے خوب فائدہ اٹھایا اور مجھے بہت ہی محبت کرنے والے اور محنتی اساتذہ سے پڑھنے کا موقع ملا۔ان میں مولانا ابوالعطاء صاحب، پروفیسر عطاء الرحمان صاحب۔پروفیسر ڈاکٹر سلطان محمود شاہد صاحب،مکرم مبارک انصاری صاحب۔مکرم سیدی حمید اللہ صاحب شامل ہیں۔مکرم ناصر ابراہیم صاحب خوبصورت طرز تحریر میں اب بھی مجھے یاد ہیں۔

حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ ایک دور اندیش اور خاصی خوبیوں کے مالک انسان تھے۔آپ کی بدولت اسکول کا ڈسپلن اور پڑھائی کا معیار اتنا اچھا تھا کہ سارے ملک سے طلباء یہاں پڑھنے کے لئے آتے تھے۔آپ طلباء کی ضروریات کا خیال رکھتے اور اُن کی صحت و عافیت میں کافی دلچسپی لیتے۔طلباء و اساتذہ آپ کی بہت عزت و احترام کرتے تھے۔بی ایس سی (آنرز) کے دوسرے سال میں ہم کیمسٹری ونگ کے چار طلباء کھڑے تھے۔اتنے میں اچانک حضور تشریف لائے۔اور جس لڑکے نے عینک پہنی ہوئی تھی اُس سے باتیں شروع کر دیں اور فرمایا کہ تم چینی سونف اور کالی مرچ کو اکٹھا ملا کر پاؤڈر بنا لو اور دو تین دفعہ دن میں استعمال کیا کرو۔نظر

ٹھیک ہو جائے گی۔آپ کو طلباء کی صحت کا کتنا خیال تھا۔آنرز کے آخری سال میں کالج کی سائنس سوسائٹی کا الیکشن ہوا تو خاکسار کو ایک سال کے لئے صدر کے طور پر خدمت کا موقع ملا۔اس عرصہ میں کئی اجلاس ہوئے۔جس میں اساتذہ اور طلباء نے مقالے پڑھے اور کالج کی بہتری کے لیے کئی ایک تجاویز بھی پیش کیں۔کالج خدا تعالیٰ کے فضل سے کھیلوں میں خوب مشہور تھا۔باسکٹ بال اور کشتی رانی میں کالج نے خوب نام کمایا۔خاکسار کو والی بال کا شوق تھا اس لیے ٹیم میں شامل ہو کر کئی مقابلوں میں نمائندگی کی۔بی ایس سی آنرز ربوہ سے 1963ء میں مکمل کرنے کے بعد ایم ایس سی آنرز کے لئے لاہور میں پنجاب یونیورسٹی کے کیمسٹری ڈیپارٹمنٹ میں داخلہ لے لیا۔یہ ڈگری مجھے 1964ء میں پوری کرنے کی توفیق ملی۔ایم ایس سی کے نتیجہ کا انتظار ہو رہا تھا کہ ایک دن مولانا نذیر احمد صاحب مبشر نائب وکیل التبشیر (ہم ان کے پڑوس میں رہتے تھے) نے مجھ سے استفسار کیا کہ کیا میں افریقہ میں بطور ٹیچر کام کرنا پسند کروں گا۔میں نے ہاں میں جواب دیا تو انہوں نے اگلے دن دفتر میں ملنے کے لئے کہا مختصر انٹرویو کے بعد خاکسار کو سیرالون میں احمدیہ اسکول فریٹاؤن کے لئے بطور سائنس ٹیچر منتخب کر لیا گیا خاکسار نے تین سال کا وقف عارضی کیا اور 1965ء کے شروع میں سیرالیون روانہ ہو گیا الحمدللہ۔1967-65ء خاکسار نے احمدیہ اسکول فریٹاؤن میں بطور سائنس ٹیچر کام کیا اس دوران میں نے فرنچ بو کالج میں داخلہ لے لیا جو کہ انگلینڈ کی ڈرہم یونیورسٹی کے ساتھ جڑا تھا اور ایم ایس سی ڈگری حاصل کرنے کی توفیق ملی۔خدا کے فضل سے جنرل آف کیمیکل سوسائٹی میں میرے دو پیپر شائع ہوئے۔جنوری 1968ء میں مرکز نے مجھے احمدیہ سیکنڈری اسکول بے جی بان کا ہیڈ ماسٹر مقرر کر دیا۔اس اسکول میں مجھے ساڑھے چھ سال کام کرنے کا موقع ملا۔سائنس زون مکمل کرنے کی توفیق ملی علاوہ تین ٹیچر کوارٹر بنانے کی توفیق ملی۔جولائی 1975ء میں مرکز نے مجھے احمدیہ اسکول بو کا پرنسپل مقرر کر دیا احمدیہ جماعت کا یہ پہلا سیکنڈری اسکول 1960ء میں شروع ہوا تھا اور جماعت کا سب سے بڑا اسکول ہے۔میرے

گیارہ سال کے دور میں اسکول نے خوب ترقی کی اور تعلیمی معیار کے لحاظ سے اور ڈسپلین کے اچھا ہونے کی وجہ سے اسکول کا نام پورے ملک میں اچھے الفاظ میں یاد کیا جاتا رہا۔ پڑوسی ممالک گیمبیا لائبیریا اور گنی سے بھی طلباء تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتے تھے فٹ بال میں صوبائی لیول پر کئی بار ٹرافی جیتی جس کے نتیجہ میں اسکول کا نام بڑی عزت سے لیا جاتا رہا۔ اسکولوں کی ترقی کے لئے گورنمنٹ نے ایسویشن بنائی اور خاکسار صوبائی تنظیم کا جنرل سکرٹری مقرر ہوا۔ حضرت خلیفہ المسیح الثالث مئی 1970ء میں بو تشریف لائے اور اسکول بھی دیکھا اُن کے اسکول کی تشریف آوری کی یاد میں ہر سال گیارہ مئی کو ’’ ناصر ڈے ‘‘ منایا جاتا ہے۔ 1950ء میں اسکول کی سلور جوبلی بڑے دھوم دھام سے منائی گئی۔ خاکسار کو اس موقع پر اسکول انتھم لکھنے کی توفیق ملی۔ اور امیر صاحب کو احمدیہ مشن کے سارے اسکولوں میں صبح اسمبلی کی ہدایت فرمائی اس وقت 180 اسکولوں میں یہ ترانہ گایا جارہا ہے۔

1986ء میں سانس کی بیماری نے جب زور پکڑ لیا تو خاکسار نے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے استعفیٰ دے دیا اور پاکستان رہائش اختیار کر لی۔ 1991ء کے وسط میں لندن آیا اور ویمبلڈن جماعت کے صدر کے طور پر خدمت کی توفیق پائی اور بعد میں مجھے قائد تبلیغ انصار اللہ یو کے مقرر کیا گیا اور حضور انور ایدہ اللہ کے ساتھ انگریزی میں سوال و جواب کی بہت ساری مجالس سجانے کا اعزاز پایا۔ مکرم رفیق حیات صاحب کی صدارت میں دو سال نائب صدر انصار اللہ یو کے کام کیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے 2001ء میں مجھے جنرل سکرٹری یو کے مقرر فرمایا۔ الحمد للہ۔ مجھے بارہ سال جماعت کی خدمت کی توفیق ملی۔ حضور انور نے مجھے ہسٹری ڈیپارٹمنٹ میں کام کرنے کی ہدایت فرمائی ہوئی ہے یہ کام کافی مشکل بھی ہے اور محنت طلب بھی۔ 2001ء کے وسط میں حضور انور نے سیرالیون کے صدر مملکت کو بیت الفتوح میں عشائیہ دیا گفتگو کے دوران پتا چلا کہ صدر صاحب کے ساتھ آنے والے احباب میں تین چار احباب میرے شاگرد بھی تھے حضور نے امیر صاحب کو فرمایا

کہ بشیر احمد کو بلایا جائے میں چونکہ ساتھ والے کمرے میں انتظامات کروار ہا تھا اس لئے فوراً حاضر ہو گیا اور حضور کے ساتھ صدر صاحب سے مصافحہ کیا اور خوش آمدید کہا۔ 2012ء مارچ میں جب حضور نے مجھے سیرالیون بھجوایا تو امیر صاحب سیرالیون نے صدر صاحب کے گھر لے جا کر ملاقات کروائی۔ باتوں باتوں میں پتا چلا کہ ان کی اہلیہ میری بیٹی نورین کی کلاس فیلو تھیں اور احمدیہ سیکنڈری اسکول بو کی طالبہ۔ صدر صاحب نے فرمایا'' دیکھو احمدیت تو میرے گھر میں داخل ہو گئی ہے وہ بڑے خوش مزاج اور دور اندیش انسان تھے جنہوں نے اچھی طبیعت کی وجہ سے سیرالیون میں امن قائم کرنے کے لئے اچھا کردار ادا کیا۔ لوگ ان کی بصیرت کی تعریف کرتے ہیں احمدیہ مشن کے ساتھ اُن کے بہت اچھے تعلقات تھے نیز جماعت احمدیہ کے مداح تھے۔ سیرالیون جماعت نے اپنا جلسہ سالانہ مارچ 2010ء میں کرنے کا فیصلہ کیا اور احمدیہ اسکول بو نے مارچ کے وسط میں اسی اسکول کی گولڈن جوبلی منانے کا فیصلہ کیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس نے دونوں پروگراموں کے لئے مجھے مرکزی نمائندہ کے طور پر مقرر فرمایا۔ قریباً 24 سالوں کے بعد مجھے اللہ تعالیٰ نے دوستوں اور طلباء سے ملنے کا موقع فراہم کیا۔ حضور نے از راہ شفقت میری اہلیہ صفیہ اختر کو بھی ساتھ لے جانے کو کہا۔ میری زندگی کا یہ ایک بہت ہی اہم اور فضلوں سے بھر پور سفر تھا یہ محض خدمت کی برکت تھی۔ احمدیہ اسکینڈری اسکول بو اور پر مسیحا نے طلباء اور طالبات نے ایک شام استقبالیہ کا اہتمام کیا۔ سو کے قریب حاضری تھی مجھے یہ جان کر بہت خوش ہوئی کہ ہمارے طلباء گورنمنٹ، آرمی ، پولیس کے علاوہ پرائیویٹ سیکٹر میں بہت اہم عہدوں پر کام کر رہے تھے۔ ان میں ڈاکٹر انجنیئر بھی موجود تھے ان کی تقاریر محبت عزت اور پیار سے بھر پور تھیں۔ اس دن مجھے سمجھ آیا کہ'' شاگرد نے جو پایا اُستاد کی دولت ہے'' کا کیا مطلب ہے۔ تقاریر نے میرا سر فخر سے بلند کر دیا۔ الحمدللہ۔ ان کے محبت بھرے الفاظ میری زندگی کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ بو کے شہری پولیس آرمی اور اسکول بینڈ کی سرکردگی میں ہونے والا مارچ پاسٹ ہمیشہ یاد رہے گا۔ میرے اس دورہ کا اخباروں میں بھی خوب چرچا ہوا اور میرے

چند اہم کاموں کی تعریف کی گئی تھی۔ گولڈن جوبلی کے موقع پر کی گئی تقریر کے اکثر جملے اکثر اخباروں میں شائع ہوئے۔ جلسہ سالانہ کے افتتاحی اجلاس میں خاکسار نے حضورانور کا پیغام پڑھا اور آخری دن تقریر بھی کی۔ افتتاحی اجلاس میں میرے تعارف میں حاضرین کو بتایا گیا کہ میں نے گیارہ سال اسکول کی کس محنت سے خدمت کی۔ چند ایک کاموں کو سن کو سامعین بڑے خوش ہوئے۔ اسٹیج پر بیٹھے ایک اہم سیاست دان نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہمارے مہمان خصوصی کو قومی ایوارڈ ملنا چاہیے۔ لجنہ کے اجلاس میں میری اہلیہ کو بھی تقریر کا موقع ملا۔ میں خدا تعالیٰ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ ساری عمر اس نے جماعتی خدمت کی توفیق دی۔ اور اب بھی دے رہا ہے۔ خلافت ہی ہے جس سے ہر فیض کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ میں اس چشموں میں سے پانی پینے والوں میں شامل ہو گیا۔ مشکل وقت بھی آئے اور حرص دنیا کی چمکار بھی مگر چاروں خلفاء کی دعاؤں نے ہمیشہ میری مدد کی اور راہ راست پر قائم رکھا۔ الحمدللہ۔



ایامِ دانشکدہ

(رانا عبدالرزاق خاں ۔مصنف کتاب ہذا)

جب ماضی کے جھروکوں میں جھانکتا ہوں تو بہت سی اَنمٹ یادوں کو پا کر شاندار بچپن میرے دل کو بے چین کر دیتا ہے۔میں نے آٹھویں جماعت سے میٹرک تک تعلیم ،تعلیم الاسلام ہائی اسکول میں حاصل کی۔جب 1968ء میں میٹرک پاس کیا تو پھر تعلیم الاسلام کالج میں داخلہ مل گیا۔میرے آرٹس مضامین تھے۔

اسکول سے جو ساتھ طالب علم میرے کلاس فیلوز میں لئیق عابد،عبدالکریم خالد،بشیر طارق،مرزا خلیل احمد قمر،مشہود الحق،عبدالقدیر کوکب،محمد شریف نیازی،عبدالجلیل عباد بھی اسی کالج میں داخل ہوئے ۔مگر یہاں ہمارے گروپ مختلف تھے ۔آرٹس گروپ میں راؤ عبدالجبار، خالد اشرف،عبدالحفیظ انور تھے۔ بہت سے نام جو اَب یاد نہیں۔کالج میں آئے تو یہاں ماحول ہی کچھ الگ سا تھا۔ڈسپلن بہت ہی اچھا تھا۔وردی میں گاؤن اور ٹوپی لازم تھی۔

محترم صوفی بشارت الرحمن صاحب ہمارے ایکٹنگ پرنسپل تھے جنہیں دیکھتے ہی سر پر ٹوپی رکھنی یاد آجاتی تھی ۔محترم حمید احمد صاحب ہمیں انگلش پڑھاتے تھے۔انگلش پیریڈ میں اُردو بولنے کی اجازت نہیں تھی تو ایک دو ماہ سارا لیکچر ہمارے سروں پر سے گزرتا رہا۔پھر انگریزی ہمیں بھی کچھ سمجھ آنے لگی ۔محترم پرویز پروازی صاحب ہمیں اُردو پڑھاتے تھے ۔ان کا پیریڈ بہت ہی دلچسپ ہوتا تھا۔جب کسی رومانی شعر کی تشریح کرتے تو سب لڑکے مچل جاتے اور کئی تو عجیب سے سوال بھی کرتے ۔مگر پروازی صاحب بڑی حکمت سے سوال کا جواب دے کر ماحول کو مزید خوشگوار

کردیتے۔

تھیالوجی کے پیریڈ محترم مولانا غلام احمد مدو ملہی صاحب لیا کرتے تھے۔ بہت ہی باعلم اور عاشق رسول بزرگ تھے۔ اکنامکس چوہدری محمد سرور صاحب پڑھایا کرتے تھے۔ تاریخ محترم سعود احمد دہلوی اور اسلامیات محترم محمد احمد انور ڈی پی ای پڑھایا کرتے تھے۔

میں نے فارسی دوسو نمبر کا مضمون رکھا ہوا تھا جو کہ چوہدری عطاء اللہ صاحب پڑھایا کرتے تھے۔ محترم بہت ہی لائق، کم گو پروفیسر تھے۔ سب ہی پروفیسران سب طلباء کو بہت ہی پیار اور توجہ سے پڑھاتے تھے بلکہ شفقتِ پدرانہ سے ہمارا خیال رکھتے تھے۔ ہمیں ان کی مہربانیاں اور پیار و شفقت اب بھی یاد ہے خدا ان سب کو غریق رحمت کرے اور جو زندہ ہیں ان کو صحت والی زندگی سے نوازے۔ آمین۔

کالج میں سٹوڈنس یونین کا الیکشن بھی ہوا کرتا تھا مگر بہت ہی اچھے ماحول میں ہوتا تھا۔ مشاعرے اور ڈیبیٹس بھی ہوتی تھیں جن میں لئیق عابد اور بشیر طارق صاحب بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ بین الکلیاتی مقابلوں میں بھی ہمارے طلباء ہی صفِ اول میں شمار ہوتے تھے۔ پروفیسران کا سب طلباء بے حد احترام کرتے تھے۔

ہمارے کالج کی بلڈنگ اُس زمانے میں سارے صوبے میں موجود کالجز سے بہت بڑی اور خوبصورت تھی۔ اسی طرح اس کے نتائج بھی صوبے بھر میں نمایاں ہوتے تھے۔ جب بھی کوئی تقسیم اسناد کے پروگرام میں مہمانان کرام آتے تو کالج اور اس کے طلباء اور انتظامیہ کے لئے بہت اچھے تاثرات لے کر جاتے اور اپنے کمنٹس دیکر جاتے جو کہ ریکارڈ کا حصہ ہیں۔ اصل میں اس ادارے کے بانی حضرت مصلح موعودؓ تھے اور اس ادارے کو آرگنائز کرنے والے حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ تھے جنہوں نے اس ادارے کی تعمیر میں اپنے عشق اور محبت کو سمودیا تھا۔ انہوں نے جان و دل سے اس ادارے کو بنایا، پالا پوسا اور سنوارا ہے۔ یہ کالج ان کے حسنِ کردار، محبت و ایثار کی

تصویر تھا۔یہی وجہ تھی کہ ایک نوزائیدہ کالج بڑے بڑے کالجز کے معیاروں کو ہمیشہ مات کر جایا کرتا تھا۔کھیلوں کا میدان ہو، یا امتحانات میں نتائج کا ،سائنس لیبارٹریز ہوں یا کہ اُردو کانفرنسز کا ، یا باسکٹ بال ہو یا روئنگ کلب، یہ کالج اکثر ہر میدان میں نمایاں رہا ہے۔بڑے بڑے قدآور اس کا نام سنتے ہی اپنا سر احترام سے جھکا لیتے تھے۔پھر کیا ہوا اسے کسی دشمن کی نظر لگ گئی ۔پنجاب حکومت نے اسے سیاست کی نظر کر دیا جو کہ اب تک سیاسی ہتھکنڈوں سے اسے برباد کیا جا رہا ہے۔میرا خدا دیکھ رہا ہے ۔انشاء اللہ ایک دن یہی کالج پھر ان نام نہاد پابندیوں سے آزاد ہو کر ایک یونیورسٹی بنے گا اور یہ سب کوتاہ قد اس کے تابع ہو نگے ۔انشاءاللہ۔



تعلیم الاسلام کالج ربوہ اور میری دلکش یادیں

(ڈاکٹر عبدالباری ملک۔ایم بی ای)

خاکسار کی یہ انتہائی خوش قسمتی ہے کہ خاکسار کو اپنی زندگی کے چار یادگار سال تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں تعلیم کے حصول کیلئے گذارنے کا شرف حاصل ہوا۔خاکسار کی پیدائش کینیا کے خوبصورت شہر کسومو میں ہوئی، دس سال کی عمر میں کینیا سے ہجرت کر کے پاکستان پہنچے اور ربوہ کو اپنا گھر بنایا۔ربوہ میں تعلیم الاسلام پرائمری اسکول اور پھر ہائی اسکول میں تعلیم حاصل کی۔دوران تعلیم جب کبھی کالج کی عمارت یا طلباء کو دیکھتے تو دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی کہ اللہ کرے ہمیں بھی اس کالج میں داخلہ ملے اور ہم بھی یہاں تعلیم حاصل کرسکیں۔اللہ تعالیٰ نے ہماری دعائیں سنیں اور میٹرک کے امتحان میں کامیابی کے بعد ہمیں تعلیم الاسلام کالج میں داخلہ مل گیا۔

یہ زندگی کے نئے اور یادگار سفر کا آغاز تھا۔بڑے شوق سے گولبازار سے گاؤن خریدا،نئی ٹوپی خریدی اور نیا سوٹ سلوایا۔کالج میں جب کلاسوں کا آغاز ہوا تو تمام اساتذہ سے تعارف ہوا،تب پتا چلا کہ یہ کس بلند پایہ کے اساتذہ تھے،ان کے دلوں میں طلباء کیلئے شفقت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ان کے دفاتر اور گھروں کے دروازے طلباء کے لئے ہر وقت کھلے رہتے۔یہ پوری محنت سے اپنے لیکچر تیار کرتے اور طلباء کو ہر مضمون کی تیاری پوری طرح سے کرواتے۔یہ اساتذہ اپنے طلباء کے لئے دعائیں بھی کرتے تھے۔ان کی وہ دعائیں ان کے طلباء کے آج تک کام آرہی ہیں۔تعلیم

الاسلام کالج کا ڈسپلن مثالی تھا، ہر طالبعلم گاؤن اور ٹوپی کے بغیر کالج آنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔نماز کے وقت ہر طالب علم مسجد میں نماز کے لئے جاتا، جہاں اساتذہ کی شفقت بے مثال تھی وہاں طلباء کا اطاعت کا معیار بھی بہت بلند تھا۔ہمارے ساتھی طلباء میں غیر احمدی بھی ایک بڑی تعداد میں ہوتے لیکن کبھی بھی ان کو اس بات احساس تک نہیں ہوا کہ وہ احمدی نہیں ہیں۔کالج کا وہ ڈسپلن اور اساتذہ کی وہ محنت ساری عمر اور ہر موڑ پر ہمارے کام آئی اور آرہی ہے۔

خاکسار کو بیالوجی سوسائٹی کے سکرٹری کی حیثیت سے خدمات کا موقع ملا۔خاکسار کو اس بات کا فخر ہے کہ تنویر ملک مرحوم، محمود مرزا مرحوم، فلائیٹ لیفٹینٹ ابرار سوری شہید، منور انیس اور ظہیر خان جیسے ہونہار اور قابل طلباء کے ساتھ کام کرنے کا شرف حاصل ہوا۔دو سال تک خاکسار کو المنار کے اردو سیکشن کے اسسٹنٹ ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کرنے کا موقع ملا۔یہاں بھی محترمی پروفیسر چوہدری محمد علی صاحب مرحوم، محترمی پروفیسر سعود احمد خان صاحب، ڈاکٹر عبدالکریم خالد، لئیق احمد عابد، ناصر جاوید خان، کیپٹن بصیر حیؑ، راجہ ناصر احمد اور بشیر جنجوعہ جیسے سینئر طلباء کی رہنمائی حاصل رہی۔خاکسار نے اپنی زندگی کا پہلا اردو اور انگریزی کا مضمون المنار کیلئے تحریر کیا۔کالج میں پڑھائی کے ساتھ ساتھ تفریح کا بھی بہترین انتظام تھا۔کالج کی طلباء کی یونین اور مختلف سوسائیٹیاں نہ صرف تفریح کا سامان مہیا کرتیں بلکہ طلباء کے علم میں اضافہ اور عملی کام کا بھی موقع فراہم کرتیں۔طلباء کی صحت جسمانی کا خیال رکھنے کیلئے مختلف کھیلوں کا اہتمام ہوتا جس میں اساتذہ خوب محنت سے طلباء کے معیار کو بلند فرماتے۔تعلیم الاسلام کالج نے باسکٹ بال، کبڈی ،کشتی رانی اور دوسری کھیلوں میں بین الاقوامی معیار کے نامور کھلاڑی پیدا کیے جنہوں نے کالج کا ،ربوہ کا اور ملک کا نام روشن کیا۔

1973ء کے شدید سیلاب کے دوران ہمیں محترمی چوہدری حمید اللہ صاحب کی طرف سے آدھی رات کو حکم ملا کہ دریائے چناب پر سردار ملاح سے کشتیاں لے کر محلہ دارالیمن میں سیلاب میں

گھرے افراد کو نکالنے کیلئے فوراً پہنچیں۔حکم کی تعمیل میں ہم چند ساتھیوں کے ہمراہ دریا کے کنارے سے کشتیاں لے کر دارالیمن پہنچے اور گھروں میں پھنسے افراد کو نکالنا شروع کیا۔صبح تک ہمیں دارالضیافت سے روٹیاں اور اچار بھی دے دیا گیا جو ہم گھروں میں محصور افراد تک پہنچاتے رہے۔صبح ہمیں حکم ہوا کہ دو ٹیمیں کشتیاں لے کر قریبی دیہات میں پھنسے ہوئے سیلاب زدگان کو کھانا اور ہومیوپیتھی کی ادویات پہنچائیں۔چنانچہ ہم دور دور کے دیہات تک جا کر ان کو دوائیں اور خوراک پہنچاتے رہے۔روزانہ واپسی نماز مغرب کے بعد اندھیرا ہونے پر ہوتی تھی۔کالج کے اکثر طلباء اپنے اپنے حلقوں میں جماعتی خدمات بھی سرانجام دیتے تھے۔خاکسار کو بھی محلہ دارالرحمت غربی اور رحمت بازار میں بحیثیت منتظم اطفال اور پھر زعیم مجلس خدام الاحمدیہ خدمات کی توفیق ملی۔ انگلستان آنے کے بعد خاکسار کو بحیثیت قائد خدام الاحمدیہ بریڈفورڈ اور پھر بحیثیت ریجنل قائد مجلس خدام الاحمدیہ نارتھ وسکاٹ لینڈ خدمات کی توفیق ملی۔اسی طرح خاکسار کو صدر جماعت بریڈفورڈ اور سکرٹری امور خارجہ کی حیثیت سے بیس سال سے زائد عرصہ تک خدمات کی توفیق ملی۔تعلیم الاسلام کالج ربوہ سے حاصل کی ہوئی تعلیم اور تربیت زندگی کے ہر موڑ پر کام آئی ہے، بعد کی زندگی میں ملنے والی ہر کامیابی کا سہرہ تعلیم الاسلام کالج اور اس کے مایہ ناز اساتذہ کے سر جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ ان سب کو اجر عظیم عطا فرمائے۔آمین ثم آمین۔

۞



تعلیم الاسلام کالج اور میری خوشگوار یادیں

(محترم خالد منیر احمد صاحب۔ربوہ)

سردیوں کے تقریباً صبح کے دس بجے ہونگے اور ہم اپنے تعلیم الاسلامسکول کے باہر گھاس کے قطعوں میں اُردو کی جماعت میں بیٹھے پڑھ رہے تھے کہ اچانک ساتھ والی سڑک پر کچھ لڑکوں کی آوازیں آئیں۔ یہ کالے گاؤن اوڑھے تعلیم الاسلام کالج کی طرف جانے والے طالبِ علموں کی گفتگو کی آوازیں تھیں۔ اُنکی آزادی اور اپنی قید کے تصور کا ایک عجیب رنگ تھا اور میں اسی خیال میں ڈوب گیا کہ کب ہم لوگ بھی اسی طرح گاؤن پہنے کالج جایا کریں گے یعنی کہ بڑوں اور آزاد لوگوں میں شمار ہونے لگیں گے۔ خدا کے فضل سے میٹرک پہلی بار ہی اچھے نمبروں میں پاس کر کے جب فرسٹ ایئر میں داخلے کا وقت آیا تو والد صاحب مرحوم کے ہمراہ انٹرویو کے لیے کالج چلے گئے۔ مکرم چوہدری محمد علی صاحب مرحوم پرنسپل تھے۔ مجھ سے کالج، کرکٹ اور ایڈمیشن کے انگریزی میں ہجے پوچھے گئے اور مجھے پری میڈیکل میں داخلہ مل گیا۔ کالج کا زمانہ بھی انسان کی زندگی کے سہانے دنوں کا دور ہوتا ہے۔ جس میں انسان بگڑتا بھی ہے اور بنتا بھی ہے۔

کالج کی زندگی انسان کی شخصیت بنانے میں کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ یہی چیز میرے کالج تعلیم الاسلام کالج ربوہ نے مجھے دی۔ ہم کو نصابی تعلیم کے ساتھ ساتھ دوسری ادبی اور جسمانی کھیلوں کے مواقع بھی بھرپور مہیا کیئے گئے۔ ان دنوں میں کالج کا دن ختم ہوتے ہی۔ کالج کے کھیل

کے میدان بھر جایا کرتے تھے۔ڈگری کالج میں ہاکی ،کالج کے سامنے ہی باسکٹ بال اور دریا پر کشتی رانی جیسی کھیلیں باقاعدگی سے ہوتی تھیں۔اور اگر میں غلطی پر نہیں تو شاید پنجاب میں صرف ہمارا کالج ہی اپنے طلباء کو کوہ پیمائی کے لئے پاکستان کے شمالی علاقوں میں لے کر جایا کرتا تھا۔اس بات کا ذاتی مشاہدہ میں نے تب کیا جب 1975ء میں مکرم چوہدری محمد علی صاحب نے ہم ایف ایس سی کے طلباء کو مکرم سلطان محمود اکبر اور مکرم مبارک احمد انصاری صاحب کے ہمراہ وادیِ کاغان کے اُوپر ملکہ پربت کے برف پوش پہاڑوں کو سر کرنے کے لیے بھجوایا تھا تو رستے میں یونیورسٹی کے طلباء تو نظر آئے اور وہ بھی صرف مری ایبٹ آباد تک (پھر اس کے بعد اُنکے چراغوں میں روشنی نہ رہی) مگر کوئی کالج کے طلباء نظر نہ آئے۔اور معیار ہمارے اساتذہ کا یہ ہوا کرتا تھا کہ اسی ٹرپ پر واپسی پر آتے ہوئے ہم ایک دن اور رات مری بھی رُک گئے کیونکہ مری کی مال روڈ کی کچھ اپنی ہی دلکشیاں تھیں۔جب آکر ہم نے پرنسپل صاحب کو یہ بتایا تو ان کا جواب تھا کہ آپ کی مثال تو اس شخص کی طرح کی ہے جو کہ کسی عالی شان کوٹھی کو دیکھنے گیا اور اس کوٹھی کے دیوان خانوں کو دیکھنے کے بعد اس کوٹھی کا بیت الخلاء (اس وقت کے بیت الخلاء) دیکھنے چلا گیا ہو۔ہمارا کالج باسکٹ بال اور کشتی رانی میں ہمیشہ ہی جیتا کرتا تھا۔

بی ایس سی کے دور میں ہم لوگ انٹر کالجیٹ یونیورسٹی جیت کر آئے اور کچھ ہی دنوں کے بعد ہماری کشتی رانی کی ٹیم جس میں خاکسار،سعید قریشی،مرزا مجید نصر اللہ،مامون الرشید وغیرہ شامل تھے نے،دریائے راوی پر پنجاب یونیورسٹی اور اسلامیہ کالج لاہور کو شکست دے کر یونیورسٹی چیمپیئن شِپ جیتی۔اس ٹیم میں سعید قریشی ہمارے سینئر تھے اور خاکسار کپتان تھا۔مجھے کالج کی وہ راتیں کبھی نہیں بھولیں گی جب ملکی سطح پر ادبی مقابلے منعقد کروائے جاتے تھے۔جن میں اگر آپ نہ بھی حصہ لے رہے ہوں تو صرف سننے سے ہی آپ کو ان باتوں کا ملکہ حاصل ہو جاتا تھا۔کیا شاعری ہُوا کرتی تھی مُقرروں کی شعلہ بیانیاں اور قرآن مجید کی قرائت کی خوش الحانیاں ابھی بھی میرے کانوں

میں گونجتی ہیں۔رات گئے دو یا تین بجے ہم گھر لوٹا کرتے تھے اور اگلے روز وہی تازہ با تازہ کالج وقت پر پہنچ جایا کرتے تھے۔ایف ایس سی میں اُردو اور انگریزی کے بعد کیمسٹری کی کلاس سب سے بڑی ہُوا کرتی تھی اور اگر آپ کیمسٹری تھیئٹر میں ذرا دیر سے پہنچے تو پیچھے سب سے اُونچی سیڑھی پر جگہ ملتی تھی جہاں اُستاد صاحب کی آواز آتے آتے غائب ہو جایا کرتی تھی مگر پھر بھی وہیں سے لوگ اُونچی اُڑانیں اُڑا کرتے تھے اور آج دُنیا کے ہر کونے میں آپ کو تعلیم الاسلام کا پڑھا ہوا جوان (کیونکہ وہاں کا پڑھا ہوا کبھی بُوڑھا نہیں ہوتا) ملے گا۔ربوہ تو ایک یونیورسٹی ٹاؤن ہے جہاں سے کالج کے بعد آپنے دنیا میں پھیل جانا ہے بالکل آک کے پودے کے بیجوں کی طرح جو ہوا کے دوش پر ہر طرف اُڑ جاتے ہیں اور پھر جہاں بھی انکے قدم لگتے ہیں وہ ایک پودے کی شکل اِختیار کر لیتے ہیں۔اس کالج کا احسان میں کبھی نہیں بھولوں گا یہاں سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد میں نے زرعی یونیورسٹی فیصل آباد سے بائیو کیمسٹری میں ایم ایس ای کی اور وہیں پر نیاب (Nuclear Institute For Agriculture And Biology) میں ملازمت کے لیے پہلا انٹرویو ہوا خدا کے فضل سے سلیکشن ہو گئی جب سارے سیکورٹی کے فارم بھرنے کا وقت آیا تو جس سائنسدان کی لیباٹری میں مجھے کام کرنا تھا اس نے کہا کہ اپنے آپ کو ربوہ کا ظاہر نہ کرنا سیکورٹی کا چیف اعتراض کرے گا۔میں نے عرض کی کہ جناب یہ نہیں ہوسکتا کیونکہ اگر ایک دفعہ سر جُھک گیا تو پھر اُٹھے گا نہیں وہ ہنس پڑے اور کہنے لگے ٹھیک ہے اور پھر وہی ہوا۔سیکورٹی کا چیف جو کہ پٹھان تھا اس کا اعتراض تھا کہ اپنے آپ کو مسلمان کیوں لکھتے ہو میں نے کہا ہُوں تو لکھوں گا (اس وقت ابھی ضیاء نے احمدیوں کے خلاف کالا قانون جاری نہیں کیا تھا) میرے آگے تو کچھ نہ بولا میں چلا آیا تو لیبارٹری کے انچارج کو فون کر کے کہہ دیا کہ احمدی ہے سیکورٹی کی کلیئرینس نہیں دی جا سکتی۔اسی انچارج نے مجھے بلا کر کہا کہ وہی ہُوا ہے جس کا مجھے ڈر تھا مگر تُم فکر نہ کرو ہم عنقریب پنجاب یونیورسٹی میں ایک ریسرچ انسٹیٹیوٹ قائم کر رہے ہیں جب تک وہ مکمل ہو تم کام یہیں کرو مگر مُلازمت تمہاری پنجاب

یونیورسٹی کے تحت ہوگی اس طرح میری جاب پنجاب یونیورسٹی میں ہوگئی اور میں نے اس پٹھان بابا جی کے سامنے ہی وہاں آنا جانا شُروع کر دیا پھر جلد ہی وہاں سے میں چلا گیا اور پھر پنجاب یونیورسٹی میں میں 1991ء تک بحیثیت لیکچرار مالیکیولر بیالوجی کے کام کیا۔ اسی دوران مجھے اپنے شعبے کی طرف سے امریکہ کی نارتھ کیرولینا کی ریاست میں انسانی ٹشو کلچر کی تربیت کے لیے بھیجا گیا وہاں سے واپسی پر میں نے اپنے ڈیپارٹمنٹ میں انسانی جین کی میپنگ کے لئے لیبارٹری کی تشکیل دی اور وہاں پر تھیلاسیمیا کے مریضوں کے خون میں سے DNA نکال کر ان کی میپنگ شروع کی گئی۔ آجکل یہی لیباٹری فورنزک لیباٹری کے طور پر کام کر رہی ہے۔ اسی کام پر میری PhD وہاں پر شروع ہو چکی تھی مگر پھر میں وہاں سے لندن آ گیا اور یہاں پر University college London سے مالیکیولر پتھالوجی میں ایم ایس سی کی اور پھر شعبہ تدریس میں کورس کرنے کے بعد سے آج تک اسی شعبہ میں تدریس کا کام سرانجام دے رہا ہوں۔ مگر کالج کی روایتیں ابھی بھی برقرار رکھے ہُوئے ہیں ابھی پچھلے دِنوں جرمنی میں مکرم چوہدری محمد علی صاحب کی یاد میں کالج کے باسکٹ بال کے کھلاڑیوں کے درمیان ٹورنامنٹ ہوا ہم یہاں لندن سے 9 جوان کھلاڑی جن میں خاکسار خالد منیر احمد۔ مرزا عبدالباسط صاحب۔ حافظ مسعود احمد صاحب۔ بشیر شریف صاحب۔ فرید احمد ڈوگر صاحب۔ انعام الحق قریشی صاحب۔ مرزا حفیظ احمد صاحب۔ مرزا منیر احمد صاحب۔ مرزا عبدالرشید صاحب (سیکرٹری صحتِ جسمانی) اور ضیاء الحق قریشی صاحب شامل تھے اس میں شرکت کے لئے گئے اور جرمنی کی ربوہ کے زمانے کے مشہور منجھے ہُوئے کھلاڑیوں پر مشتمل ٹیموں کو ہرا کر (بقول حافظ مسعود صاحب کوٹ کوٹ کے) ٹرافی جیت کر آئے۔

ٹی آئی کالج میں دورِ طالب علمی

(محترم فضل احمد طاہر صاحب)

خاکسار کو المنار کی طرف سے پہلے بھی ارشاد ہوا تھا کہ ٹی آئی کالج میں اپنے طالب علمی کے حوالے سے لکھوں۔ چونکہ خاکسار ریاضی کا طالب علم ہے اسلئے نمبرز کے علاوہ کچھ لکھنا آسان معلوم نہیں ہوتا اور اس طرح سُستی ہوتی گئی۔ کچھ عرصہ قبل جب ٹی آئی کالج کی ایک تقریب میں مکرم باری ملک صاحب کو یہ کہا گیا کہ وہ اپنے کالج کے زمانے کے بارے میں کچھ بتائیں۔ تو انہوں نے اپنے خطاب میں علاوہ دوسری یادوں کے اپنے ہم جماعتوں کے نام بھی گنوائے۔ وہ جوں جوں نام گن رہے تھے خاکسار سوچ رہا تھا کہ شاید خاکسار کا نام بھی آئے۔ مگر ایسا نہیں ہوا تو خیال آیا کہ تاریخ کی دُرستگی کے لئے ضروری ہے کہ خاکسار بھی المنار میں کچھ لکھے تا کہ اسکا نام بھی تعلیم الاسلام کالج کے طلبا کی لسٹ میں رہے۔

ویسے مکرم باری ملک صاحب سے ہمیں شکوہ قطعاً نہیں ہوسکتا کیونکہ خاکسار نے کالج میں اکثر وقت کچھ ایسا گزارا کہ اسکا اندازہ آپ اس بات سے کر سکتے ہیں کہ جب بی ایس سی کرنے کے بعد کلیئرنس کی خاطر مختلف دستخط کروا رہا تھا، اس وقت جب میں ایک صاحب کے پاس دفتر میں حاضر ہوا تو انہوں نے پہلا سوال یہ کیا کہ کیا تم اس سال داخل ہوئے ہو تو بتانا پڑا کہ جی نہیں مجھے چار سال سے اوپر وقت گزر گیا ہے۔ مگر ایک بات ضرور ہے کہ خاکسار کے اساتذہ میں سے کوئی بھی خاکسار کو نہیں بھولا۔ ان اساتذہ کا ذکر ضرور کرنا چاہوں گا۔

ٹی آئی اسکول میں خاکسار نے 1969 میں 15 سال کی عمر میں میٹرک کرنے کے بعد داخلہ لیا۔

پری انجینئر نگ کے مضامین رکھے۔اگرچہ سبھی اساتذہ بہت مہربان تھے لیکن شاید خاکسار کومحنت کی زیادہ عادت نہ تھی اوراوپر سے سیکنڈ ایئر میں خاکسار کچھ ماہ بیمار رہا۔امتحان تو اچھے نہ ہوئے تھے مگر خاکسار نے دعا کی اللہ تعالیٰ کرے کہ کسی طرح سیکنڈ ڈویژن آ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے میری دعا حرف بہ حرف قبول فرمائی اور میری سیکنڈ ڈویژن آ گئی۔

انجینئر نگ کے مضمون میں بہت سے کالجز میں داخلے کے لئے درخواستیں دیں حتیٰ کہ کراچی تک گیا کہ شاید وہاں عزیز واقارب کی مدد سے کسی انجینئر نگ کالج میں داخلہ مل جائے، لیکن نہ ملنا تھا نہ ملا۔ اب خاکسار سوچتا ہے کہ انجینئر بننے کا شوق آخر کیوں تھا جبکہ خاکسار ابھی تک بہت سی ایجادات سے ناواقف ہے اور ٹیکنیکل کام کے لئے ہمیشہ اپنے آپ کو قابل نہ پایا تو اب سمجھ آئی کی خاکسار کے لئے یہی بہتر تھا کہ خاکسار انجینئر نہ بنتا۔ کچھ تو انجینئر نگ کالج کے شوق میں کافی وقت نکل گیا اور کچھ والد صاحب کی خواہش تھی کہ خاکسار کی صحت کچھ بہتر ہو جائے اس لئے ان کے ارشاد پر کہ اس سال آرام کرلو اور صحت بہتر ہو جائے تو اگلے سال داخلہ لے لینا، خاکسار نے فیصلہ کیا کہ اگلے سال ہی داخلہ لے۔ چنانچہ اس فارغ وقت میں خاکسار نے ٹی آئی کالج کی ایک ورکشاپ میں سیٹر نر اور ویلڈر کا ڈپلومہ کرلیا۔ اس ڈپلومہ سے کوئی کمائی تو نہ ہوئی مگر خاکسار اس حقیقت سے آشکار ہوا کہ اس دنیا میں باعزت زندگی گزارنے کے لئے ڈگری کافی ضروری ہے۔ چنانچہ اگلے سال بی ایس سی میں داخلہ لے لیا۔

1974 سے 1976 تک اللہ تعالیٰ کے فضل سے بی ایس سی مکمل ہو گئی۔ایک دفعہ پھر مہربان اساتذہ کی ہی محنت کام آئی۔1974 میں جب امتحان کی تاریخوں کا پتا چلا تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کتابیں کدھر ہیں۔ کیونکہ اس سے دو ماہ پہلے سے ہم دن رات مسجد اقصیٰ میں ڈیوٹیوں پر تھے۔ بہر حال امتحان دینا اس لئے مناسب سمجھا کہ فیس ضائع ہو جائے گی۔ یہ محض اللہ کا فضل تھا کہ خاکسار جو کچھ بھی تھوڑا بہت پڑھ کر جاتا زیادہ تر امتحان اسی میں سے آ جاتا۔آخری امتحان کے بعد خاکسار نے اپنے

ایک ماموں چوہدری عبد المجید صاحب مرحوم سے اس آرزو کا اظہار کیا کہ دعا کریں کہ خاکسار کی فرسٹ ڈویژن آجائے چاہے ایک نمبر سے ہی آئے۔ خدا نے یہ دعا بھی اسی طرح قبول فرمائی اور خاکسار کی فرسٹ ڈویژن آ گئی۔ بی ایس سی میں ایک پرچہ انگریزی کا بھی ہوتا تھا جس میں اگر 33 نمبر آتے تو کہا جاتا کہ رعایتی پاس ہوا ہے تو دعا کی کہ کم از کم 34 نمبر آجائیں تا کہ یہ طعنہ نہ سننا پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا بھی سن لی اور خاکسار کے 34 نمبر آ گئے اور اس طرح عزت رہ گئی۔

خاکسار نے اگر چہ ٹی آئی کالج میں کچھ گمنامی رکھی لیکن فزکس کے شعبہ میں عبد السلام فزکس سوسائیٹی کے سکرٹری کے لئے انتخاب میں نہ صرف حصہ لیا بلکہ جیتا بھی۔ اس سوسائیٹی کے صدر مکرم آصف علی صاحب اور کچھ دوسرے احباب کے ساتھ ایک یادگار تصویر تھی جو خاکسار سے گم ہوگئی اور بہت عرصہ کے بعد خاکسار کے والد صاحب نے خاکسار کو وہ تصویر بھیجی۔ خاکسار نے وہ تصویر مکرم آصف علی صاحب کو دی تا کہ وہ اس کی کاپی کروالیں مگر وہ تصویر ان سے بھی کہیں ادھر ادھر ہوگئی۔ یوں ہمارے سکرٹری ہونے کے واحد گواہ مکرم آصف علی صاحب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو سلامت رکھے۔

اساتذہ کرام سب کے سب بزرگ بہت محنت اور شفقت سے ہمیں پڑھاتے۔ کالج میں داخلہ کے وقت مکرم قاضی محمد اسلم صاحب مرحوم پرنسپل تھے۔ نہایت شفیق شخصیت کے مالک تھے۔ کچھ اُن کا ہمیں ایسے بھی تعارف تھا کہ ہمارے نانا مکرم سردار عبد الحمید صاحب صحابی کے دوست تھے اور یہ بھی کہ انہوں نے ہمارے والدین کا نکاح پڑھا تھا۔ کالج میں قیام کے دوران اُن سے جب بھی گفتگو کا موقع ملتا تو بہت شفیق پایا۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ خاکسار نے کچھ بیان کرنا چاہا کچھ کہنے کے بعد جب 'لیکن' کا لفظ آیا تو فرمانے لگے اصل بات تو لیکن کے بعد ہی شروع ہوتی ہے۔ پوری بات تو یاد نہیں کہ کیا تھی لیکن غالباً 'لیکن' کے بعد کوئی عذر بیان کرنا مقصد تھا۔

انگلش کیلئے مکرم چوہدری محمد علی صاحب، جن کی شفقت صرف تدریس تک محدود نہ تھی بلکہ انہی کی توجہ اور حوصلہ افزائی کی بدولت خاکسار باسکٹ بال ٹیم میں شامل ہوا۔ اسی طرح خاکسار کو کچھ

عرصہ تک دودھ کا گلاس اور ایک گولی خاص ٹانک عنایت کرتے رہے۔ان کی شفقت اور محبت کے تذکرہ پر ایک پورا باب درکار ہے۔

انگلش کے دوسرے اساتذہ مکرم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب، چوہدری حمید صاحب اور مکرم پروفیسر عبدالجلیل صاحب سے بھی کچھ عرصہ پڑھنے کی توفیق ملی۔ایک خوبصورت نوجوان جن کا نام غالباً فہیم صاحب تھا، نے بھی انگریزی پڑھانے کی کوشش کی لیکن وہ ہمارے بعض زندہ دل کلاس فیلوز جیسے مکرم مرزا مظفر صاحب اور ظہیر احمد خان صاحب وغیرہ کے سامنے زیادہ دیر نہ ٹھہر سکے۔ریاضی میں مکرم چوہدری حمید اللہ صاحب نے بہت محبت اور محنت سے پڑھایا بلکہ بہت کچھ پڑھایا۔اسی طرح مکرم عبدالرشید غنی صاحب سے بھی ریاضی پڑھتے رہے۔فزکس کے لئے مکرم عطاء الرحمٰن صاحب پھر انکے صاحبزادے مکرم لطف المنان صاحب سے، ان کے علاوہ اس زمانہ میں نئے ایم ایس سی کرنیوالوں میں مکرم آصف علی پرویز صاحب تھے۔

کیمسٹری میں مکرم سلطان محمود شاہد صاحب اور مکرم حبیب الرحمٰن اور رفیق احمد ثاقب صاحب سے پڑھنے اور ان کی شفقت سے فائدہ اٹھانے کی توفیق ملی۔اردو کی کلاس بھی سپیشل تھی اور اساتذہ بھی۔کلاس 350 افراد پر مشتمل ہال میں منعقد ہوتی۔لاؤڈ سپیکر پر مکرم ناصر صاحب کلاس لیتے۔باوجودیکہ بہت سے طلبا کو شرارت کا کافی شوق ہوتا تھا۔لیکن ان کی اس بڑے مجمع کی کلاس میں کسی ایک کو بھی جرات نہ ہوتی کہ وہ ذرہ بھر زور سے سانس بھی لے سکے۔لیکن اسکا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ انکی شفقت میں کوئی کمی تھی۔انکی کوشش تھی کہ زیادہ سے زیادہ اردو زبان کا شوق رکھنے والے پیدا ہوں۔تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ اس طرح پیدا ہوا کہ ان کے بہت سے شاگرد ماشاء اللہ بہت اچھے شعراء میں شمار کیے جاتے ہیں۔اردو کے لئے کچھ عرصہ کے لئے ایک اور بزرگ استاد مکرم رحمت علی صاحب سے بھی پڑھنے کا موقع ملا۔اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان تمام اساتذہ کرام کو بہترین جزاء عطا فرمائے۔آمین۔ایک پیریڈ ٹیوٹر کا بھی ہوتا تھا۔اس میں ہم نے مکرم سعود احمد دہلوی صاحب سے محبت پائی۔ہفتہ میں ایک بار کچھ عرصہ دینیات کے سبق کے لئے ایک بزرگ مبلغ

بدو ملہی صاحب سے بھی ہوتا۔جیسا کہ خاکسار ذکر کر چکا ہے کہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اساتذہ کرام کی محنت سے خاکسار نے بی ایس میں فرسٹ ڈویژن حاصل کر لی۔

خاکسار کے والد صاحب کی خواہش تھی کہ خاکسار ربوہ ہی میں رہ کر فزکس میں ایم ایس سی کرے مگر خاکسار کو فزکس سے بھی ڈر لگتا تھا اور شاید ہیڈ آف فزکس سے بھی۔ یہ وہ استاد تھے جنہوں نے ٹی آئی کالج کا نام فزکس ایم ایس سی کے لحاظ سے پورے پاکستان میں پیدا کیا۔لیکن معلوم نہیں کیوں خاکسار ان سے ہمیشہ مرعوب ہی رہتا تھا۔اسکا ذکر خاکسار نے اپنے والد محترم سے بھی کر دیا۔اس پر والد صاحب نے ان بزرگ سے بات کی تو انہوں نے کہا میں تو ایک شاعر آدمی ہوں۔والد صاحب نے جب اسکا ذکر خاکسار سے کیا تو خاکسار نے پھر عرض کی کہ میرے لئے تو وہ شیر ہیں۔ اس طرح خاکسار کو والد صاحب حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے پاس لے گئے۔ جب آپ مغرب کی نماز پڑھنے قصرِ خلافت سے مسجد مبارک جا رہے تھے۔حضور سے عرض کیا کہ بی ایس سی کے بعد خاکسار مستقبل کے لئے رہنمائی چاہتا ہے۔جس پر حضورؒ نے فرمایا کہ اپنا رزلٹ کارڈ لے کر کل آنا۔ چنانچہ اگلے روز خاکسار پھر اُسی جگہ اپنا رزلٹ کارڈ لے کر کھڑا ہو گیا۔حضورؒ نے پیور میتھ کے ایک پیپر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تم نے اِس میں ایم ایس سی کرنی ہے۔ان الفاظ میں ایسی برکت ہوئی کہ والد صاحب نے بخوشی خاکسار کو قائد اعظم یونیورسٹی اسلام آباد میں داخلہ کی اجازت دے دی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نہ صرف راہ میں حائل رکاوٹیں دور کر دیں بلکہ پیور میتھ میں اپنے Batch میں اے گریڈ بھی عطا کیا اور سب سے زیادہ نمبر بھی خاکسار کے آئے۔الحمد اللہ۔ایم ایس سی مکمل کرنے کے بعد میرے استاد پروفیسر رشید غنی صاحب نے بی ایس سی کی ایک ٹوپالوجی کی ایک کلاس پڑھانے کے لئے دی۔اس طرح ستمبر 1974 سے لیکر نومبر تک تقریباً تین ماہ ٹی آئی کالج میں پڑھانے کا بھی موقع مل گیا۔

اسکے بعد خاکسار نے 9 سال (پوری احتیاط سے جب عرصہ معلوم کیا تو وہ 8 سال 8 ماہ اور 8 دن بنتا تھا) تک وقف کر کے سیرالیون اور نائیجیریا میں ریاضی کی تدریس کا کام کرنے کے

بعد 1987 میں انگلینڈ آ گیا۔ بعد میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی اجازت اور مدد سے لیڈز یونیورسٹی سے ایم ایڈ مکمل کیا۔ ایم ایڈ کرنے میں خاکسار کی اہلیہ کا بھرپور تعاون رہا کہ ماشاء اللہ اس دوران انہوں نے دو بچوں کو خدا تعالیٰ کے فضل سے اکیلے ہی سنبھالا اور پھر اسکے بعد برطانیہ میں تقریباً 62 سال سے ریاضی کی تدریس میں مشغول ہوں۔

مضمون ختم کرنے سے پہلے خیال آیا کہ کچھ اپنے میٹرک کے امتحان اور ٹی آئی اسکول کے اساتذہ کا ذکر ہو جائے۔ اپنی تعلیم اور رزلٹس کے سلسلے میں ایک معجزہ کا ذکر بھی کر دوں۔ میٹرک میں خاکسار کے ساتھ بہت قابل طلبا تھے جن میں مکرم محمد ایوب صاحب، مکرم نسیم مہدی صاحب، محمد اقبال صاحب اور مکرم اکرام صاحب سر فہرست تھے۔ خاکسار نے کوئی خاطر خواہ محنت تو نہ کی تھی مگر پھر بھی خواہش تھی کہ اچھے نمبر آئیں۔ میٹرک کا نتیجہ آیا، سب دوستوں کے بہت اچھے نمبر آئے لیکن خاکسار کا رزلٹ لیٹ آن تھا۔ رزلٹ کے انتظار کے دوران اپنے بڑے بھائی ظفر احمد صاحب کا جامعہ کا نتیجہ آیا تو ان کے نمبر 589 آئے۔ خاکسار نے یوں خواہش کی کہ خاکسار کے بھی اتنے ہی اچھے نمبر ہوں۔ خدا کی قدرت کہ کچھ دنوں بعد جب خاکسار کا رزلٹ آیا تو خاکسار کے 900 میں سے 589 نمبر آئے۔ اس طرح سے خدا تعالیٰ کے فضل سے میٹرک میں اچھے نمبروں سے فرسٹ ڈویژن آ گئی۔ خدا تعالیٰ کے بے شمار احسانوں میں سے ایک خلفاء سلسلہ کی شفقت اور راہنمائی کا فیض ہمیشہ سے شاملِ حال رہا۔ پھر میرے بہت دعا گو والدین مکرم چوہدری شبیر احمد صاحب اور مکرمہ سلمٰی بیگم صاحبہ تھے جن کی محبت بھری دعاوں کا اثر آج بھی میرے ساتھ ہے۔ اسکول میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بہت ہی شفیق اور مہربان اساتذہ سے نوازا، ان میں مکرم ابراہیم جمونی صاحب، مکرم ابراہیم بھانبڑی صاحب، مکرم عطاء اللہ صاحب، مکرم اسار چوری صاحب، مکرم صدیق صاحب، مکرم بشارت صاحب وغیرہ شامل ہیں جن کی محنت اور شفقت سے تعلیم الاسلام اسکول کا پانچ سالہ وقت بہت اچھا گزرا۔ الحمداللہ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کہ خاکسار کو خلافت سے فیضیاب ہونے اور خدمتِ دین کی توفیق ملتی رہے۔ آمین۔

یادوں کے دریچے

ریزولیوشن درست نہیں

1953ء کے فسادات کے بعد کی بات ہے۔ ابھی مارشل لاء ذرا نرم شکل میں نافذ تھا۔ وائی۔ ایم۔ سی۔ اے میں روئنگ ایسوسی ایشن کی انتظامیہ کا اجلاس ہوا۔ مکرم پروفیسر اشفاق علی خان صدر تھے۔ آرمی کی طرف سے خود جنرل محمد اعظم صاحب شامل ہوئے۔ عاجز بھی رکن تھا۔ زیر بحث معاملہ یہ تھا کہ ریلوے کی خواتین کی کشتی رانی کی ایک کلب کی طرف سے جو ایسوسی ایشن سے ملحق تھی یہ شکایت کی گئی کہ کالجوں کے طلباء انہیں تنگ کرتے ہیں سب سے زیادہ تعداد میں ہمارے ہی کالج کے طلباء وہاں جاتے تھے کیونکہ ہمارے پاس کھیل کا کوئی اور میدان نہیں تھا۔ جب کوائف سامنے آئے تو پتا چلا کہ طلباء بہت بیہودگیاں کرتے ہیں۔ اس پر جنرل صاحب بہت خفا ہوئے اور کہا کہ اگر ایسی غنڈہ گردی جاری رہی تو ہم اپنا الحاق واپس لے لیں گے۔ اس پر ایک بہت سخت قسم کا ریزولیوشن پاس ہوا اور تمام کالجوں کے پرنسپلوں کو تنبیہہ کی گئی کہ اب کوئی ایسا واقعہ ہوا تو وہ ذاتی طور پر ذمہ دار سمجھے جائیں گے اور سخت کارروائی کی جائے گی جب ریزولیوشن پاس ہو گیا تو خواتین کلب کی نمائندہ نے کھڑے ہو کر کہا کہ ریزولیوشن درست نہیں۔ سب نے یہی سمجھا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کافی نہیں لیکن انہوں نے کہا کہ اس میں ترمیم ضروری ہے اور وہ یہ کہ اس ریزولیوشن میں سے پرنسپل تعلیم الاسلام کالج کا نام نکال دیا جائے۔ کیونکہ ہمیں اس کالج کے طلباء سے کوئی شکایت نہیں۔ چنانچہ اس کے مطابق ترمیم کی گئی اور اس ترمیم کے متعلق بعض اراکین نے حضورؒ کی تعریف میں بھی کلمات کہے کہ وہ خود دریا پر تشریف لائے ہیں (اور اپنے کالج کے طلباء کو ڈسپلن اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کا درس دیتے ہیں)

(ماہنامہ مصباح جون، جولائی 2008ء)



میری کالج کی یادیں

(سید حسن خان ۔لندن)

انسان کے بچپن کی کچھ یادیں بے شک ایسی بھی ہوا کرتی ہیں جن کو انسان اپنی آئندہ زندگی میں یاد کرنے اوران یادوں کی جگالی کرتے رہنے میں ایک عجیب سی خوشی اورلذت محسوس کرتا ہے جس کو بیان کرنا ایک مشکل امر ہے۔جب کبھی اپنا کوئی یار بیلی اس بچپن کی بات کا ذکر چھیڑتا ہے تو فوراً اُن کا دل بجلی کی کرنٹ کی طرح ایک عجیب سی خوشی اورلذت محسوس کرتا ہے اور پھر اسی یاد میں گم ہو جا تا ہے نیز مزید سننے کی خواہش کرتا ہے۔خاکسار ربوہ میں ہی پلا بڑھا اور یہاں کے اسکول اور کالج میں تعلیم حاصل کی اور ربوہ میں ہی ابتدائی تعلیم حاصل کی ۔وہ زمانہ جب کہ ربوہ خود ایک ابتدائی مراحل میں تھا۔جہاں پر زندگی کی وہ آسائش نہیں تھی جو آج کل ربوہ میں حاصل ہیں۔اُس وقت اسکول میں بچوں کے لئے کرسیاں اور ڈیسک تو دور کی بات بیٹھنے کے لئے ٹاٹ تک مہیا نہیں تھے۔مجھے اچھی طرح یاد ہے جب مجھے میرے کزن بھائی سید صادق نور حال لندن نے نرسری اسکول میں داخل کروایا تھا تو اُس وقت ہم زمین میں بیٹھے تھے جب کہ گردہی گرد ہوا کرتی تھی۔بہر حال جو بھی اور جیسا بھی تھا اس پر ہم بے حد خوش اور مطمئن تھے اور اس وقت کے ہمارے استاد اور پیارے دوستوں کی مہربانیاں اور شفقتیں ابھی بھی ہمیں پیاری ہیں۔خدا تعالیٰ میرے تمام استادوں کو خواہ اسکول میں انہوں نے مجھے پڑھایا یا کالج میں ان سب کا یہ ناچیز تہہ دل سے ممنون اور شکر گزار ہے اوران کی سلامتی اور لمبی عمر کی دعا کرتا ہے۔خاکسار نے 1965ء میں تعلیم الاسلام کالج میں داخلہ لیا تو اس وقت حضرت مرزا ناصر

احمد صاحبؒ خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کالج کے پرنسپل تھے۔ خاکسار نے کالج میں داخلہ لینے کی درخواست دی حالانکہ بعض مجبوریوں کی وجہ سے کالج میں داخلہ کا وقت بے شک گزر چکا تھا پھر بھی حضور نے ازراہ شفقت مجھے کالج میں داخلہ دے دیا۔ میرے کالج کے زمانہ میں پرنسپل حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ ایم اے آکسن، نائب محترم صوفی بشارت الرحمٰن صاحب مرحوم۔ جہاں تک اس وقت کے پروفیسر صاحبان کا تعلق ہے۔ ڈاکٹر نصیر احمد خان صاحب مرحوم، چوہدری محمد علی صاحب ایم اے، محمد دین صاحب ایم اے، ناصر احمد خان صاحب پرویز پروازی ایم اے، عبد الرشید غنی صاحب ایم اے مرحوم، چوہدری حمید اللہ صاحب ایم اے، پروفیسر چوہدری محمد شریف صاحب خالد ایم اے ایڈوکیٹ، قریشی عبد الجلیل صادق صاحب ایم اے، محمد احمد انور صاحب ایم اے، صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب ایم اے اور محترمی محبوب خالد صاحب ایم اے تھے۔ میرے زمانہ میں ٹی آئی کالج نہ صرف تعلیمی لحاظ سے بلکہ کھیلوں میں جس میں ہاکی، باسکٹ بال، کرکٹ اور روئینگ کی ٹیمیں اعلیٰ قسم کی تھیں ضلع بھر میں نمایاں مقام رکھتی تھیں۔ اس وقت محترم چوہدری محمد علی مرحوم مغفور کی زیر نگرانی باسکٹ بال کی ٹیم تھی اور ہماری ہاکی ٹیم کے انچارج محترم عبد الرشید غنی صاحب مرحوم و مغفور تھے مگر افسوس ہے کہ وہ زمانہ نہیں رہا جو ہمارے زمانہ میں ہوتا تھا۔



وہ معیار کسی دوسرے تعلیمی ادارے میں نظر نہیں آتا

(پروفیسر عزیز احمد طاہر صاحب)

ستمبر 1962ء کو خاکسار کی تعیناتی بطور لیکچرار اکنامکس تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں ہوئی۔ مجھے انٹرمیڈیٹ اور ڈگری کی چار کلاسز دی گئیں۔ بی اے آنرز کے دو پیریڈ میرے سینئر پروفیسر مکرم ظفر وینس صاحب کے سپرد تھے۔ آپ زمانہ طالب علمی میں میرے استاد بھی رہ چکے تھے۔ غالباً 1963ء میں آپ پی ایچ ڈی کرنے کے لئے انگلستان جانے کی تیاریوں میں مصروف تھے اس لئے بعض اوقات ان کے دو پیریڈ بھی خاکسار لے لیتا ہے۔ مکرم ظفر احمد وینس ایک قابل اور لائق استاد تھے اور تدریس کا وسیع تجربہ رکھتے تھے۔ انہی کی حوصلہ افزائی کی بدولت مجھے معاشیات کے مضمون میں دلچسپی پیدا ہوئی اور میں نے تدریس کا پیشہ اختیار کیا۔ بے اے آنرز میں صرف دو طالب علم تھے ایک مکرم عنایت اللہ منگلا صاحب اور دوسرے مکرم رشید احمد جاوید دونوں ہی طالب علم بے حد محنتی تھے۔ مکرم رشید احمد جاوید نے بی اے کرنے کے بعد سٹیٹ بنک آف پاکستان میں ملازمت اختیار کر لی۔ طلباء بہت محنتی اور فرمانبردار ہوتے تھے۔ تعلیم الاسلام کالج میں جہاں تدریس کا معیار بہت بلند تھا وہاں ڈسپلن کا معیار بھی بہت اعلیٰ تھا۔ لوگ اپنے بچوں کو تعلیم کے لئے دور دراز سے اس ادارے میں بھجواتے۔ مشاعروں اور بین الکلیاتی تقریر مقابلوں کا جو معیار اس وقت تھا آج وہ معیار کسی دوسرے تعلیمی ادارے میں نظر نہیں آتا۔

(الفضل 28 جنوری 2011ء)



تعلیم الاسلام کالج ربوہ سے وابستہ چند یادیں

(محترم عطاء القادر طاہر صاحب ۔لندن)

یہ ستمبر 1968 کے دنوں کی بات ہے اس وقت پاکستان ایک سنگین سیاسی بحران سے گزر رہا تھا۔ یہ زمانہ پاکستان میں ایوب خان کی حکومت کے آخری دنوں کا تھا۔ میں ان دنوں گورنمنٹ کالج لاہور میں زیر تعلیم تھا۔ ایف ایس سی کا رزلٹ نکلے زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا۔ اور ہم بے چینی سے B.SC تھرڈ ایئر میں جانے کیلئے بیقرار تھے۔ لیکن تمام کالج اور تعلیمی ادارے بند کر دیئے گئے تھے۔ ہم اس انتظار میں رہتے تھے کہ کب کالج کھلیں گے اور تعلیم کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوگا۔ چونکہ میرا تعلق اوکاڑہ سے تھا اور لاہور کالج کے ہوسٹل میں رہائش تھی۔ حالات کے پیش نظر والدین کے پاس اوکاڑہ واپس آ گیا۔ میرے والد محترم حاجی عبدالقادر صاحب مرحوم ومغفور مجھے بیکار بیٹھے دیکھا کرتے اور فکر مند ہو جاتے۔ ایک دن انہوں نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ ربوہ چلے جاؤ اور تعلیم الاسلام کالج میں داخلہ لے لو کیونکہ یہ واحد کالج ہے جو ان حالات کے باوجود کھلا ہوا ہے اور تمہاری تعلیم کا حرج بھی نہیں ہوگا۔ والد صاحب کے اس نیک مشورہ پر غور کرتے ہوئے میں نے ربوہ جانے اور تعلیم الاسلام کالج میں داخلہ لینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ والد صاحب کا مشورہ اور میرا فیصلہ میری زندگی کا ایک بہترین سنگِ میل ثابت ہوا۔ تعلیم الاسلام کالج کا ماحول نہایت تعلیمی، اچھا اور دوستانہ تھا۔ یہاں کے اساتذہ اپنے طلباء کے ساتھ نہایت ہمدردی اور توجہ کے ساتھ پیش آتے تھے یعنی تعلیمی وفلاحی امور میں ذاتی دلچسپی لیتے تھے تا کہ طلباء تعلیمی لحاظ سے بھی اور اخلاقی لحاظ سے بھی ترقی کر سکیں

جبکہ گورنمنٹ کالج لاہور کی زندگی اس کے برعکس تھی یعنی ٹھاٹھ بھاٹھ والی۔ اساتذہ کا سلوک بہت بے پرواہی کا تھا۔ وہ کلاس میں آ کر لیکچر دیتے اور خدا حافظ کہہ کر کلاس سے باہر چلے جاتے تھے۔ قطع نظر اس کے کہ کسی طالب علم کو ان کے سبق کی سمجھ آئی بھی ہے یا نہیں۔

جب میں کالج میں داخلہ کیلئے وہاں پہنچا تو مجھے پرنسپل صاحب کے دفتر کے باہر تھوڑی دیر کیلئے بیٹھنا پڑا کیونکہ وہ اساتذہ کے ساتھ ایک مختصر میٹنگ میں مصروف تھے۔ ان دنوں کالج کے پرنسپل محترم پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب تھے۔ جب میں ان کے دفتر میں داخل ہوا تو انہوں نے خندہ پیشانی سے مجھے بیٹھنے کو فرمایا۔ ان کے ہاتھ میں میرا داخلہ فارم تھا۔ مجھے کہنے لگے اچھا تو تم گورنمنٹ کالج سے آئے ہو۔ چونکہ بذاتِ خود ان کی وابستگی گورنمنٹ کالج لاہور اور پھر پنجاب یونیورسٹی کے ساتھ رہ چکی تھی اس لئے انہوں نے دلچسپی کے ساتھ کالج کے احوال پر گفتگو فرمائی۔ پھر مجھے تعلیم الاسلام کالج میں آنے پر خوش آمدید کہا اور ہدایت فرمائی کہ کامیابی کا راز صرف محنت اور استقلال سے کام کرنے میں ہی پنہاں ہے۔

اللہ کے فضل سے جن اساتذہ سے میرا واسطہ پڑا ان میں سے چوہدری حمید اللہ صاحب جو ہمیں ریاضی پڑھاتے تھے، ڈاکٹر نصیر خان صاحب (فزکس)، سلطان محمود شاہد صاحب (کیمسٹری)، حمید اللہ صاحب (انگریزی) اور پروفیسر پرویز پروازی صاحب اردو پڑھاتے تھے۔ انکے علاوہ بعض دوسرے اساتذہ بھی دوسرے مضامین پڑھاتے تھے جن میں قابل ذکر محترم عبد الرشید غنی صاحب اور صوفی بشارت الرحمٰن صاحب اور چوہدری محمد علی صاحب ہیں۔ اساتذہ کی کاوشوں نے میرے اندر موجود علمی کمی کو دور فرمایا اور ان کا ہی یہ احسان تھا کہ جلد ہی مجھے ایک اچھا طالب علم بنا دیا اور ریاضی سوسائٹی کا صدر بننے کا بھی شرف حاصل ہوا۔ تعلیم الاسلام کالج کے یونیورسٹی کا درجہ حاصل کرنے کا یہ پہلا سال تھا اور میں اُس Batch کا حصہ تھا جس نے وہاں سے 1970ء میں B.Sc. کی ڈگری حاصل کی۔

آپ اپنے ایک دلچسپ واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں خاکسار 1968۔1970 تک زیر تعلیم رہا ہے۔ جہاں میں نے Bsc کی ڈگری حاصل کی۔ چونکہ اس سے پہلے میں گورنمنٹ کالج لاہور میں زیر تعلیم رہا تھا اس لئے دونوں کالجوں کے درمیان ہر قسم کا فرق میں محسوس کر سکتا تھا۔ گورنمنٹ کالج کی نسبت تعلیم الاسلام کالج کے اساتذہ نہایت محنتی اور طلباء کے ہمدرد تھے اپنے طلباء کے ساتھ ان کی شفقت محنت اور ہمدردی عیاں تھی تعلیم کے علاوہ زندگی میں ایک اچھا کردار رقم کرنے اور ایک اچھی شخصیت بننے کا درس بھی ملتا تھا یعنی اخلاقی و روحانی تربیت اور خوداعتمادی اور زندگی میں منظم ہونے کا سبق بھی سکھایا جاتا تھا۔ میری رہائش کالج ہوسٹل میں تھی۔ وہاں نمازوں کا باجماعت انتظام تھا۔ عشاء کی نماز کے بعد Study Hour ہوا کرتا تھا۔ ان دنوں امتحانات قریب تھے اور ہر لمحہ بغیر وقت ضائع کیے پڑھائی کا فکر لاحق رہتا تھا۔ ایک شام عشاء کیلئے سب طلباء انتظار کر رہے تھے۔ چوہدری محمد علی صاحب جو کہ ہوسٹل کے سرنٹنڈنٹ تھے۔ وہ باقاعدگی سے عشاء کی نماز باجماعت ادا کیا کرتے تھے۔ اس دن ہم سب بے چینی سے منتظر تھے کہ امام صاحب آئیں اور جلدی سے نماز پڑھائیں تاکہ ہم فارغ ہو کر امتحان کی تیاری کر سکیں اس دن خدا جانے کے کیا ہوا کہ بصد انتظار امام صاحب تشریف نہ لا سکے میں اتفاق سے بالکل اگلی صف میں بیٹھا تھا جب لڑکے مزید انتظار نہ کر سکے تو سب نے مجھے زبردستی آگے دھکیل دیا کہ امامت کرا دو۔ میں نے جلدی سے نماز پڑھانا شروع کر دی چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھ کر نماز جلد ختم کروا دی۔ کچھ دیر کے بعد معمول کے مطابق جب چوہدری محمد علی صاحب نماز کے لئے تشریف لائے تو نماز پہلے ہی ختم ہو چکی تھی انہوں نے کسی سے پوچھا کہ آج نماز کس نے پڑھائی تو کسی نے میرا نام لیا انہوں نے اپنے طور پر عشاء کی نماز ادا کی اور جاتے ہوئے کسی سے کہہ گئے کہ عطاء القادر کو میرے پاس بھیج دو جب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو بڑی شفقت سے مجھے بلا کر تلقین فرمائی کہ اگر امامت کروانے کا اتنا ہی شوق ہے تو سورتیں ذرا لمبی لمبی پڑھا کرو تا کہ دیر سے آنے والے نمازی بھی باجماعت نماز میں شامل ہو سکیں سبحان اللہ یہ اساتذہ شفقت و محبت کا مجسمہ تھے۔

تعلیم الاسلام کالج میری درسگاہ

(مکرم عبدالحئی بشارت صاحب۔کینیڈا)



تعلیم الاسلام کالج میری تربیت گاہ ہی نہیں تھا میرا دوسرا گھر بھی تھا۔طالب علمی کے دور سے [جو 1965 سے 1969 تک محیط تھا] سے جو تدریسی عمل [1973۔1974] تک میرا بہت سا وقت تعلیم الاسلام کالج کی خوبصورت عمارت کی پناہوں میں گزرا۔ میرے خاندان نے کالج میں میرے داخلے کے موقعہ پر لاہور سے ربوہ نقل مکانی کی تھی۔ میرے والد صاحب لاہور ہی میں فوج سے ریٹائر ہوئے تھے۔ میں فرسٹ ایر میں 1965 میں داخل ہوا اور بی اے کی ڈگری 1969 میں حاصل کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں ایم اے نفسیات میں داخل ہوا تعلیم الاسلام کالج میں پڑھائی کے دوران ایک سال کالج کے میگزین المنار کی ادارت کی ذمہ داری بھی ادا کی۔ لاھور سے ایم اے کرنے کے بعد تعلیم الاسلام کالج میں ہی ڈیڑھ سال تک۔انگلش اور فلاسفی کے مضامین کی تدریس کا موقعہ ملا۔ مجھے ہمیشہ فخر رہا ہے کہ میں نے تعلیم الاسلام کالج سے تعلیم حاصل کی۔اس دور میں پاکستان کے بہترین کالجوں میں سے ایک ایسا کالج تھا جہاں ادبی سرگرمیاں ہی نہیں مختلف کھیلوں کے قومی ٹورنامنٹ بھی ہوتے تھے۔اور سارے ملک سے بڑی بڑی ٹیمیں یہاں کھیلنے آتی تھیں۔خصوصی طور پر باسکٹ بال، کبڈی اور کشتی رانی کے ٹورنامنٹس میں سارے پاکستان سے پروفیشنل ٹیمیں آتی تھیں۔ ادبی سرگرمیوں کے بانی محترم پروفیسر ڈاکٹر ناصر احمد پرویز پروازی تھے۔اس دور کے بہت بڑے بڑے ادیب اور شاعر کالج میں کانفرنسوں اور مشاعروں میں آیا کرتے تھے۔وہ ایک بہترین دور تھا۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ مجھے کتابیں پڑھنے کی عادت میں کن کن ہستیوں کا دخل ہے۔تو ان میں ہمارے

کالج کے لائبریرین چوہدری محفوظ الرحمٰن کا نام سرِ فہرست آ جاتا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ محفوظ الرحمٰن صاحب سرِ راہے مل جاتے تو پوچھتے کہ میں نے تمہیں لائبیری میں کئی دنوں سے نہیں دیکھا کیا بات ہے آج کل کوئی کتاب نہیں پڑھ رہے۔ اور پھر میں اگلے دن ہی لائبریری جا پہنچتا۔ ایک کتاب انگریزی کی اور ایک اردو کی ملتی تھی اور اس طرح ان کو واپس کرتا اور لے آتا۔ یہ سلسلہ چوہدری صاحب ٹوٹنے نہ دیتے تھے۔ بس وہ چسکا ہمیشہ ہی رہا۔ کتابیں پڑھنا خواہ وہ لائبریری سے آئیں یا خریدی ہوئی ہوں۔ میری ذاتی لائبریری اس بات کی گواہی ہے۔ شعر و شاعری اور نثری شغف میں اگر کسی کا ہاتھ ہے تو میرے بہت ہی پیارے استاد مکرم پروفیسر پروازی صاحب کا ہے۔ دو دو تین تین سو کی کلاس کو شعرو ادب ہی نہیں پڑھایا بلکہ نظم و ضبط بھی سکھایا۔ مجال ہے کہ اتنی بڑی کلاس میں کوئی طالب علم حرکت کر سکے۔ بڑے ہال میں اتنی کثیر تعداد میں ہر طالب علم کا سر سے ڈائرکٹ رابطہ ہوتا تھا۔ اور پھر میر تقی میر، میر درد، غالب، سودا، آتش، مومن، اقبال کیا پڑھایا کہ آج بھی وہ سبق نہیں بھولے۔ ہر استاد کا اپنا اسٹائل، اپنا لہجہ، اپنا انداز۔ ہم نے پنجابی میں انگریزی پڑھی مرحوم پروفیسر شریف خالد صاحب سے اور شیکسپیئرین انگریزی پڑھی محترم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب سے اور انگریزی شاعری پڑھی مرحوم پروفیسر چوہدری محمد علی صاحب سے۔ اسی طرح تمام اساتذہ ہی اپنی شخصیت میں منفرد تھے۔

ہمارا کالج ہمارے پیارے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ کا تحفہ تھا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رضی اللہ تعالیٰ نے ایک لمبا سفر اس کی بنیاد سے لے کر پر رونق بننے تک طے کیا اور اس کی شہرت ملک گیر ہی نہیں عالمگیر ہوگئی۔ تدریسی اداروں کو قومیا لینے کے بعد کالج کا معیار وہ نہ رہا۔ تعلیم الاسلام کالج کی یاد دلوں میں ہمیشہ تازہ ہے۔ بیشتر ممالک میں سابق طلبائے تعلیم الاسلام کالج کی تنظیمیں اس شمع کو جلائے ہوئے ہیں۔ اس شمع کو جلانے کے عمل کا سہرہ ہمارے پیارے استاد چوہدری حمید احمد صاحب کے سر ہے۔ خاکسار کینیڈا میں پانچ سال سے تعلیم الاسلام ایسوسی ایشن کا جنرل سیکرٹری ہے۔ کچھ عرصہ غیر فعال رہنے کے بعد اب از سرِ نو اس کو فعال کر رہے ہیں۔

قومیائے جانے کے بعد گورنمنٹ کالج ربوہ کی حالت زار

(پروفیسر محمد شریف خان صاحب۔امریکہ)

ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے دور اقتدار کو طول دینے کے لالچ میں جہاں پاکستانی سیاست میں کئی احمقانہ فیصلے کیے۔ان میں طلباء اور اساتذہ طبقہ کو قابو کرنے کے چکر میں 1974ء میں پاکستان کے تمام تعلیمی اداروں کو قومیانے کا بیوقوفانہ فیصلہ تھا۔اس حرکت نے ملک کے تعلیمی اداروں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔گورنمنٹ اداروں کو تو چھوڑیئے جوان کا حال تھا سو ہے۔دکھ کی بات یہ ہے کہ وہ پرائیویٹ تعلمی ادارے جو اپنے مالکان کے زیر انتظام بہترین نتائج دکھا رہے تھے اور سال بہ سال طلباء کی ایک بڑی کھیپ ملک وملت کی خدمت سے سرشار ہو کر نکلتی تھی عضو معطل بن کر رہ گئے ایسے تعلیمی اداروں میں تعلیم الاسلام ربوہ ایک نمایاں پوزیشن کا حامل تھا۔ ہر سال اس مادر علمی سے طلباء کی ایک معتد بہ تعداد اداروں میں داخلے کی میرٹ پر آتی اور قوم وملت کی خدمت کے لئے تیار ہوتی تھی۔

وائے قسمت جونہی یہ ادارہ گورنمنٹ انتظامیہ کے سپرد ہوا، احمدیت دشمن افسران کو پاکستان کے مختلف علاقوں سے چن چن کر فیصل آباد تعلیمی بورڈ میں متعین کیا گیا۔طرح طرح کے پرنسپل ادلتے بدلتے رہے۔جنہیں کالج میں پڑھائی سے کوئی سروکار نہیں تھا، طالب علم خوش رہیں خواہ پروفیسر صاحبان کالج تشریف لاتے ہیں یا نہیں، اگر تشریف لاتے ہیں تو کلاسیں لیتے ہیں یا نہیں پرنسپل کی جرائت نہیں کہ باز پرس کرے مبادا پروفیسر صاحبان کے اکسانے پر طلباء سڑکوں پر ہائے ہائے کرتے نکل جائیں۔ان کی بڑی دلچسپی مہینہ ختم ہونے پر چیک وصول کرنا اور احمدی سٹاف کو

ہراساں کرنا تھا اور بس۔ چنانچہ یہ ہوگیا کہ تمام احمدی اساتذہ کو ان بلاک نوٹیفکیشن کے ذریعہ پنجاب کے طول وعرض میں پھیلا دیا گیا ان کے متبادل لوگوں نے ربوہ آنے سے انکار کر دیا یوں یہ ایزداہی کا منصوبہ دھرا کا دھرا رہ گیا۔

تعلیم الاسلام کالج میں ایم اے عربی اور ایم ایس سے فزکس کی کلاسیں کئی سالوں سے چل رہی تھیں وزارت تعلیم کے مطابق کالج کی پرانی عمارت انٹر کالج کے لئے مخصوص کر دی گئی تھی۔ جبکہ گریجویٹ اور پوسٹ گرایجوئٹ کلاسز کو علیحدہ عمارت میں منتقل کرنے کے لئے کالج کے غربی جانب چھ فرلانگ پر بڑے تعمیراتی منصوبے پر کام جاری تھا جس میں کیمسٹری فزکس، باٹنی اور زولوجی کے لئے الگ ونگ کی تعمیر شامل تھی۔ ایم ایس سی فزکس کی کلاسیں تو اپنے ونگ میں منتقل ہو چکی تھیں جب کہ دوسرے سائنسی مضامین کے ونگ مکمل ہونے پر ایم ایس سی کلاسیں شروع کرنے کا پروگرام آخری مراحل طے کر رہا تھا۔

عمارت کی مخدوش حالت

1952ء میں تعلیم الاسلام کالج کی عمارت کی تعمیر کے دوران کلر زدہ زمین میں کھاری پانی کا خاص طور سے لحاظ رکھتے ہوئے احمد نگر سے ٹینکر کے ذریعے سے پانی لا کر تعمیر میں استعمال کیا گیا تھا۔ اس احتیاط کے باعث کالج کی عمارت پینتیس چالیس سال تک جب تک کہ کالج انجمن کے زیر انتظام رہا چھوٹی موٹی بروقت مرمت ہونے کے باعث ٹھیک ٹھاک کام میں آرہی تھی۔ نئی انتظامیہ کی بے توجہی کا اثر برآمدوں اور کمروں کے فرش اور چھت کی شکست و ریخت سے ظاہر ہونے لگا۔ گورنمنٹ نے ٹھیکداروں کے ذریعہ کئی دفعہ مرمت کروائی جو الا ماشاء اللہ ہفتہ عشرہ چلی۔ جب فرش کے اوپر پتلی سیمنٹ کی جھلی اتری نیچے سے سیمنٹ اور ریت کا آمیزہ اچھل پڑا پتھریلے صحرا میں سے گزرنے کا احساس لئے راہ داریوں میں گزرتے رہے۔ مرمت کے لئے بڑی بڑی ڈگریوں کے حامل گورنمنٹ کے انجینئر صاحبان معائینہ کے لئے تشریف لاتے تخمینہ لگاتے، ٹینڈر منظور ہوتے

مرمت ہوتی معائینہ ہوتا ہزاروں روپے بلوں میں ادا ہوئے۔ یہ کیا جادو ہوا کہ راہ داریوں میں طلباء کا چلنا پھرنا دوبھر ہوگیا۔ چھتوں میں دراڑیں پڑ گئیں بارش کا پانی بجائے پرنالوں کے کمروں کے اندر تباہی لانے لگا طلباء کا کلاس رومز میں عافیت سے بیٹھنا محال ہوگیا۔ تعلیم گئی بھاڑ میں!

بیالوجی میوزم کی چھت کی مرمت کے دوراں خاکسار ابھی کالج میں تھا۔ چھت ادھڑ رہی تھی نیم دلانہ کوششوں سے چھت کے نہ ٹوٹنے کا بہانہ کیا گیا اور انہیں پر چھت ڈال دی گئی۔ نئے بیموں کی قیمت وصول کی گئی۔ اس جادوئی عمل کے طور پر میرے ریٹائر ہونے تک سیمنٹ کے پلاسٹر کے ٹکڑوں کی بارش طلباء پر ہوتی رہتی تھی۔

الفضل انٹرنیشل 29 دسمبر تا 4 جنوری 2007ء میں چھپنے والی خبر سے معلوم ہوا کہ ان مرمتی مخمصوں کے باوجود کالج کی تمام عمارت خستہ حال ہونے کے باعث کالج کو کسی اور عمارت میں منتقل کیا جا رہا ہے۔ جس کو بہانہ بنا کر ملاؤں نے ہنگامہ آرائی کی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہمارا ایمان ہے کہ تعلیم الاسلام کالج ربوہ نے قائم رہنا ہے بلکہ یونیورسٹی میں ترقی پا کر انسانیت کی خدمت کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب تعلیم الاسلام طریق پر مشتمل اس کالج کی شاخیں سیرالیون گھانا، نائجیریا اور دوسرے ممالک میں قائم ہو چکی ہیں اور دن بدن ترقی پذیر ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں کے طفیل اور خواہش کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ جماعت احمدیہ کو تعلیمی ادارے قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائی جہاں نونہالان احمدیت علمی اور ذہنی جلاء پا کر خدمت دین کے لئے دنیا میں پھیل کر خدمت انسانیت کر رہے ہیں۔ اب ربوہ میں تعلیم الاسلام کالج کی کمی نظارت تعلیم کے زیر انتظام نئے قائم ہونے والے ادارے احسن طور پر پورا کر رہے ہیں۔ امید ہے یہ ادارے ہر سال خدمت انسانیت کے جذبے سے سرشار نوجوانوں کی کھیپ ملک وملت کی خدمت کے لئے پیدا کریں گے۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

(المنار جرمنی اپریل 2012ء صفحہ 20 تا 22)

تعلیم الاسلام کالج کے چند طلباء کا مختصر تعارف

انٹرویو از مکرم ومحترم بشیر احمد رفیق خان صاحب مرحوم

(رانا عبدالرزاق خان)

سوال: آپ نے کب تعلیم الاسلام کالج میں داخلہ لیا اور اُن دنوں کالج کا کیا ماحول تھا؟

جواب: ستمبر 1949ء میں یہ عاجز تعلیم الاسلام کالج لاہور میں داخل ہوا اور اپنے لئے آرٹس کے مضامین کا انتخاب کیا۔ چونکہ میں آرٹس کا طالب علم تھا۔ اسلئے میرا رابطہ زیادہ تر آرٹس کے اساتذہ سے ہی رہتا تھا۔ کالج کے اس دور میں کالج کو بہترین، عالم فاضل اور قابل اساتذہ میسر تھے جن کا واحد مشن یہ تھا کہ کالج کو ہر لحاظ سے دوسرے کالجوں کی نسبت نمایاں مقام دلایا جائے۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل سے انہیں اس میں زبردست کامیابی بھی نصیب ہوئی۔ سائنس سے میرا کوئی تعلق تو نہ تھا لیکن سائنس کے اُستاد حضرت سید سلطان محمود شاہد صاحب سے بہت جلد گہرا دوستانہ تعلق قائم ہو گیا تھا۔ حضرت شاہ صاحب، اخلاق حسنہ کے خوبصورت اور خوشنما گلدستہ کی طرح تھے اور طلباء کے ساتھ مجسّم پیار اور محبت کا سلوک کرنے کی وجہ سے نہایت ہر دلعزیز بھی تھے۔

جناب شاہ صاحب نہایت منکسر المزاج انسان تھے۔ آپ کے چہرہ پر ہر وقت ایک دلفریب مسکراہٹ رہتی تھی جو ہر کسی کو اپنی طرف کھینچ لیتی تھی۔ یوں بھی آپ مردانہ حُسن کے شاہکار تھے۔ میں سائنس میں آپ کا شاگرد نہ ہونے کے باوجود آپ کی شفقتوں اور محبتوں کا مورد رہا۔ تعلیم کے اوقات کے بعد میں اُن کی خدمت میں حاضر ہو جاتا اور دیر تک آپ کی پُر لطف گفتگو سے مستفید ہوتا تھا۔ آپ میں تکلف نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ طلباء سے بھی بہت بے تکلفی، سادگی اور شفقت آمیز رنگ میں گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ ہماری آپس کی محبت کا یہ سلسلہ بڑھتا چلا گیا۔ باقی اساتذہ کے متعلق آپ کے بقول اس

چھوٹی سی نشست میں سب کا ذکر نہیں ہوسکتا مگر انکے حسن کردار کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔

سوال: زمانہ طالبعلمی کا کوئی دلچسپ واقعہ اگر آپ ہمیں بتانا چاہیں۔

جواب: کالج کی سائنس سوسائٹی نے صوبہ سرحد موجودہ خیبر پختونخواہ کے دورے کا پروگرام بنایا۔تو جناب شاہ صاحب نے بہت اصرار کیا کہ میں بھی اُن کے ساتھ چلوں۔ چنانچہ میں دورہ میں شامل رہا۔ پروگرام کے مطابق سوسائٹی کو پشاور سے براستہ مردان، مالاکنڈ، جانا تھااور راستے میں بعض بجلی گھروں کو دیکھنا تھا۔ہم بذریعہ ٹرین درگئی پہنچے۔درگئی کی سرحد قبائلی علاقے سے ملتی ہےاور اُن دنوں یہ محفوظ علاقہ نہیں تھا۔جناب شاہ صاحب نے طلباء کو سختی سے منع کیا تھا کہ وہ کوئی ایسی حرکت نہ کریں جو قبائلی رسم ورواج کے خلاف ہواور اُنہیں مشتعل کرنے کا باعث ہو۔لیکن باوجود جناب شاہ صاحب کی نصیحت کے ایک طالب علم نے ایک پٹھان قبائلی دوکاندار سے سودا خریدنے کی کوشش کی تاہم اس دوران کسی غلط فہمی کی بناء پر کچھ تلخ کلامی ہوگئی اوراس دوکاندار نے طالب علم کو پکڑ کر دکان میں بند کردیا اور باہر جاکر ایک ٹانگہ لے آیا جس میں یرغمالی طالب علم کو قبائلی علاقے میں لے جانا تھا۔جب جناب شاہ صاحب کواس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ بے حد متفکر اور پریشان ہوگئے اور مجھے فرمایا کہ تم بھی پٹھان ہواور قبائلیوں کے ہم زبان ہوتم جاکر کوشش کرکے کسی طرح طالب علم کو چھڑا لاؤ۔میں دعا کرکے بازار بھاگا بھاگا گیا۔اور دیکھا کہ دو مسلح قبائلیوں کے نرغہ میں طالب علم ٹانگہ پر سوار ہو چکا ہے۔میں نے قبائلیوں کوالسلام وعلیکم کہنے کے بعد پشتو زبان میں طالبعلم کی رہائی اور معافی کی درخواست کی۔ دونوں مسلح قبائلی حیرت زدہ ہو گئے کہ میں پٹھان ہوں۔تھوڑی دیر بعد باہمی تعارف کی گفتگو کے بعد میں نے اُن سے کہا کہ یہ کالج کا طالب علم ہے لاہور سے آیا ہے اور ہمارا مہمان ہے۔ پٹھان کبھی بھی اپنے مہمانوں کو گزند نہیں پہنچاتے بلکہ اُن کی حفاظت کیا کرتے ہیں۔اسلئے تمہیں پختون رواج کے مطابق حسن سلوک سے کام لیتے ہوئے اس طالب علم کو رہا کردینا چاہیئے۔ساتھ ہی میں نے طالب علم سے کہا کہ وہ اُن سے معافی مانگے۔قبائلیوں کے دلوں میں رحم

پیدا ہوا اور طالبعلم کو میرے حوالے کر دیا۔ میں نے اُن کا شکریہ ادا کیا اور ہم حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ کچھ دیر بعد شاہ صاحب نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ عجیب بات ہے کہ میں نے تمہیں اس دورہ پر جانے کی اصرار سے دعوت دی۔ اور تمہیں دعوت دینے کی تحریک بڑے زور سے میرے دل میں ڈالی گئی تھی۔ اب سمجھ آئی کہ اللہ تعالیٰ کالج کو اس بدنامی سے بچانا چاہتا تھا کہ اس کا ایک طالب علم اغوا ہو گیا ہے۔ نیز فرمایا کہ تمہارے جانے کے بعد میں دعاؤں میں لگ گیا اور میرا دل اس طالبعلم کی رہائی کے لئے پگھل کر آستانہ الہٰی پر سجدہ ریز ہو گیا۔

سوال: اس تعلیمی ادارے کی ایک بہت بڑی خوش قسمتی یہ بھی رہی کہ اسے براہ راست خلیفۃ المسیح کی راہنمائی بھی حاصل تھی۔ اس کا کوئی واقعہ آپ بیان کرنا چاہیں۔

جواب: اپریل 1950ء تعلیم الاسلام کالج لاہور کا پہلا جلسہ تقسیم اسناد منعقد ہوا۔ کالج کی خوش قسمتی تھی کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ خود بنفسِ نفیس اس میں شامل ہوئے اور آپ نے نہایت ایمان افروز خطاب فرمایا۔ کالج کا ہال طلباء، اساتذہ اور مہمانوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اردگرد کے کالجوں کے پرنسپل صاحبان بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ اخبارات کے نمائندگان بھی شریک محفل تھے۔

حضورؓ نے طلباء کی توجہ اُن کی اُن ذمہ داریوں کی طرف دلائی جو بحیثیت ایک نئی مملکت کے شہری ہونے کے اُن پر عائد ہوتی تھی۔ حضور اقدس کا یہ پُر معارف اور ولولہ انگیز خطاب ایک گھنٹہ سے زائد عرصہ تک جاری رہا۔ تقریر کے آخر میں حضورؓ نے نہایت پُر جوش انداز میں فرمایا:

”پس اے خدائے واحد کے منتخب کردہ نوجوانو! اسلام کے بہادر سپاہیو! ملک کی اُمید کے مرکزو! قوم کے سپوتو! آگے بڑھو کہ تمہارا خدا، تمہارا دین، تمہارا ملک اور تمہاری قوم محبت اور اُمید کے مخلوط جذبات سے تمہارے مستقبل کو دیکھ رہے ہیں۔“

اس تقریب میں شرکت کرنے والے معززین میں سے چند ایک نام یہ ہیں: جناب مشتاق حسین صاحب میئر لاہور، سید جمیل حسین صاحب ڈپٹی کمشنر لاہور، مسٹر ترمذی ڈپٹی ڈائریکٹر

تعلیماتِ عامہ پنجاب نیز صوبہ پنجاب کے ماہرینِ تعلیم اور مدیرانِ جرائد بھی موجود تھے۔خاکسار نے 1953ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا۔28فروری 1953ء کو جلسہ تقسیم اسناد منعقد ہوا جس کی صدارت جناب چودھری ظفر اللہ خان صاحب وزیر خارجہ نے کی۔خاکسار نے بھی ان کے دستِ مبارک سے سند وصول کی۔

سوال: تعلیم الاسلام کالج کے ڈسپلن کے بارہ میں کوئی واقعہ بیان فرمائیں۔

جواب: تعلیم الاسلام کالج لاہور کا ڈسپلن مثالی تھا،طلباء کا تعلق جناب پرنسپل صاحب کے ساتھ دوستانہ تھا۔حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا۔آپ خوش شکل اور خوش لباس انسان تھے۔بارُعب شخصیت کے مالک تھے۔ایک دفعہ جناب ڈاکٹر عبادت بریلوی جو غالباً اُن دنوں اورنٹیل کالج کے پرنسپل تھے۔تعلیم الاسلام کالج لاہور میں کالج یونین کی دعوت پر خطاب کرنے تشریف لائے۔تمام طلباء اور اساتذہ کالج ہال میں جمع ہو گئے۔جناب ڈاکٹر عبادت بریلوی صاحب کی تقریر کے دوران چند منٹ کے لئے اچانک بجلی فیل ہوگئی اور ہال میں گُھپ اندھیرا چھا گیا۔حضرت پرنسپل نے طلباء کو خاموش رہنے کے لئے کہا۔چند منٹ بعد بجلی آ گئی اور کارروائی دوبارہ شروع ہوئی تو جناب ڈاکٹر عبادت بریلوی نے کہا کہ میں کالجوں کی ایسی تقاریب میں شامل نہیں ہوتا کیونکہ طلباء کا روّیہ مقررین سے بعض اوقات اچھا نہیں ہوتا۔لیکن جب آپ کے کالج کی طرف سے مجھے دعوت ملی تو چونکہ میں نے سُن رکھا تھا کہ تعلیم الاسلام کالج لاہور کا ڈسپلن مثالی ہے سو میں چلا آیا اور مجھے بے حد حیرت ہوئی جب بجلی فیل ہونے کے دوران بھی طلباء نے انتہائی ڈسپلن اور اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے معمولی آواز بھی بلند نہیں کی۔

(المنار مئی 2015)

ڈاکٹر سر افتخار ایاز صاحب

(مکرم محمد داؤ طاہر صاحب)

1953 کے سال میں تعلیم الاسلام کالج میں داخل ہونے والے طلبہ میں سب سے اہم نام سر افتخار احمد ایاز صاحب کا ہے جو اللہ کے فضل سے اب سر افتخار احمد ایاز کے نام سے معروف ہیں۔ موصوف آسمانِ احمدیت کے وہ درخشندہ ستارے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے زندگی میں بے شمار کامیابیوں اور اعزازات سے نوازا جن میں سے آخری ملکہ برطانیہ کی طرف سے انہیں 2015ء میں ملنے والا بی ای کا خطاب ہے جس کے بعد سے برطانوی حکومت کے تحت وہ اپنے نام کے ساتھ ''سر'' کا لفظ استعمال کر سکتے ہیں۔ یاد رہے کہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے بعد افتخار ایاز صاحب دوسرے ایسے احمدی ہیں جو اس اعزاز کے مستحق قرار پائے ہیں۔انہوں نے تعلیم الاسلام کالج میں اپنے داخلے اور کچھ ہی عرصہ بعد ٹانگانیکا واپسی کا پس منظر واضح کرتے ہوئے لکھا:

میں نے 1953ء میں ٹانگا شہر ٹانگانیکا سے سینئر کیمبرج کا امتحان پاس کیا میرا نتیجہ اچھا تھا۔ انگریزی میں نمبر بہت اچھے تھے اسکالرشپ ملنے کی اُمید تھی۔ اور اس کے لئے درخواست بھی دے دی تھی سینئر کیمبرج کے معیار کے مطابق میرا اردو کا معیار معمولی تھا۔ عربی تو بالکل نہیں آتی تھی میرے والد صاحب کی یہ خواہش تھی کہ تعلیم میں دین کو مقدم رکھا جائے چنانچہ یہ سارے حالات والد صاحب نے حضرت مصلح موعودؓ کو لکھ دئے۔ اور حضور کا ارشاد آیا کہ میں تعلیم الاسلام کالج میں داخلہ لے لوں۔ کالج اُس زمانہ میں لاہور میں ڈی اے وی کالج کی پرانی عمارت میں تھا۔ میں جون 1953ء میں ربوہ آیا۔ کچی آبادی تھی۔ حضور سے ملاقات ہوئی۔ اور حضور نے مجھے صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم سے ملنے کو کہا۔ اُن کے خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے ایک تعارفی

نوٹ پرنسپل کالج کے نام لکھ دیا۔ اُس وقت پرنسپل صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ تھے۔ بہت محبت سے ملے۔ کالج میں چھٹیوں کے دن تھے رہائش کے لئے انتظام فرمایا۔ اور پوچھتے رہتے کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔ اردو تعلیم کے لئے مجھے پروفیسر محبوب عالم صاحب خالد کے سپرد کیا اور وہ مجھے روزانہ وقت دیتے۔ عربی تعلیم کے لئے غالباً ارجمند خان صاحب تھے۔ وہ روزانہ پڑھاتے اور ساتھ قرآن کریم کا ترجمہ اور احادیث بھی سکھاتے۔ پھر کالج شروع ہوا مجھے سیکنڈ ائر کلاس میں شامل کیا گیا۔ اور اپنی انگریزی کی وجہ سے کالج میں بہت جلد معروف ہو گیا۔ بلکہ بعض سینئر طلباء مجھ سے انگریزی سیکھنے آنے لگے۔ میں کالج کے ہوسٹل میں رہتا تھا۔ چوہدری محمد علی صاحب ہوسٹل کے سپر نٹنڈنٹ تھے۔ اُن کا میرے ساتھ بہت شفقت کا سلوک تھا۔ اخوند عبد القادر صاحب انگریزی پڑھاتے تھے۔ انگریزی پر اُن کو خاص دسترس تھی اور وہ اس کا ذکر بھی کرتے تھے۔ اردو اور عربی کیلئے میرے ذاتی ٹیوشن کا انتظام تھا۔ میں کالج کے ماحول سے بہت متاثر ہوا۔ نمازوں میں پہلے سے میں باقاعدہ تھا لیکن یہاں آکر تہجد میں بھی باقاعدہ ہو گیا۔ اور ترجمہ کے ساتھ روز قرآن کریم پڑھنا میرا معمول ہو گیا۔ کالج کے سٹاف میں بہت سادگی اور ہمدردی تھی۔ طلبہ بھی بہت محنت سے دل لگا کر پڑھتے تھے بلکہ رات دیر تک کلاسیں چل رہی ہوتی تھیں۔ اکثر کتابیں اور لیکچر اردو میں ہوتے تھے اور میرے لئے اُن کو اچھی طرح سمجھنا مشکل تھا لیکن ہر کام کو دل لگا کر خوبصورتی سے کرنا اور کامیابی کیلئے دعا کرنا میں نے وہاں سیکھا۔ ڈسپلن بہت اچھا تھا اور طلباء کا اطاعت کا جذبہ قابل تحسین تھا۔ پرنسپل کا ہر ایک طالب علم کے ساتھ ذاتی تعلق تھا۔ اور وہ ہر ایک کی پڑھائی میں دلچسپی لیتے تھے اور بعض دفعہ کلاسیں بھی لیتے تھے۔ میرے ساتھ بہت شفقت کا سلوک تھا۔ ۱۹۵۳ء میں جب سٹوڈنٹ یونین کے الیکشن ہوئے تو مکرم کنور ادریس صاحب صدر منتخب ہوئے اور میں سکریٹری۔ یہ میرے لئے ایک خاص تجربہ تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ہمارے کالج میں آل پاکستان انٹر کالیجیئیٹ ڈیکلمیشن کانٹیسٹ یکم اور دو فروری 1954ء کو پانچ بجے شام منعقد ہوا۔ یکم

فروری کا دن انگریزی اور دو فروری کا دن اردو مقابلوں کے لئے مخصوص تھا۔ انگریزی مقابلوں کے موضوعات یہ تھے۔

1-Neutrality in the present international political situation

2-Islam and social equality.

اردو کے موضوعات تھے۔ ''قومی سالمیت کے لئے اتحاد کی اہمیت'' اور ''ہمارے تعلیمی مسائل اور ان کا حل'' خدا کے فضل سے تقریری مقابلوں کا معیار بہت سراہا گیا۔

ہم خود بھی ڈیبیٹس کے لئے مختلف کالجوں میں جاتے رہتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ کوئٹہ بھی گئے تھے اور ٹرافی لے کر آئے تھے۔ اب تو سنا ہے کہ حالات بہت بدل گئے ہیں لیکن اُس زمانہ میں کوئٹہ ایک خوبصورت اور پُرامن شہر تھا۔ ہمیں وہاں بہت مزہ آیا۔ گجرات اور لائلپور کے کالجوں میں بھی گئے۔ عموماً جہاں جاتے کوئی نہ کوئی پوزیشن حاصل کر کے لوٹتے۔ پرنسپل صاحب ہماری کارگردگی سے بہت خوش تھے۔ ایک اور بات بھی عرض کروں۔ پرنسپل صاحب نے باہر سے آنے والے مہمانوں کی میزبانی کی ذمہ داری مجھے سونپ رکھی تھی۔ ایک دفعہ انڈونیشیاء کے رئیس التبلیغ مولوی شاہ محمد صاحب تشریف لائے تو اُن کی مہمانداری کے بارہ میں مجھے خاص طور پر تاکید کی۔ اور الحمدللہ مجھ سے جو کچھ بن پڑا میں نے ان کے آرام و آسائش کے لئے کیا۔ ہوسٹل کے طلباء کے لئے جو کھانا بنتا تھا وہ میر ذوق کے مطابق نہیں ہوتا تھا۔ اس کا علم چوہدری محمد علی صاحب کو ہو گیا۔ ایک دن وہ میرے کمرے میں تشریف لائے اور بہت معذرت کی اور شکایت بھی کی کہ میں نے اُنہیں کیوں نہیں بتایا۔ چنانچہ انہوں نے دونوں باورچیوں کو بلایا اور کہا کہ وہ میرے لئے حسب پسند الگ کھانا پکایا کریں اور ایسا ہی ہوا وہ کھانا بنا کر میرے کمرے میں لے آتے۔ طلباء کی آپس میں بہت بے تکلفی تھی۔ چوہدری حمید اللہ، بشیر احمد رفیق خان اور کئی احباب جنہوں نے دین و دنیا میں عالی مقام حاصل کیا وہ اُس وقت کے طلباء میں شامل تھے۔ پرنسپل صاحب اٹھ دس دن کے بعد مجھے دفتر

میں بلا کر حال احوال پوچھتے ۔کمال کے تھے وہ لوگ ۔ایک دفعہ میرے پیسے آنے میں دیر ہوگئی اور ٹک شاپ کا بل ادا نہ کر سکا۔ٹک شاپ والوں نے دو تین دفعہ یاد دہانی کروائی اور پھر غالباً دفتر میں رپورٹ کر دی۔ جب میرے پیسے آ گئے اور میں بل ادا کرنے گیا تو وہ کہنے لگے آپ کا بل تو ادا ہو چکا ہے۔ میں نے پوچھا کس نے کیا ہے۔تو انہوں نے بتانے سے معذرت کی۔ بعد میں مجھے پتہ چلا کے بل پرنسپل صاحب نے خود ادا کر دیا تھا اور مجھ سے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔تعلیم الاسلام اسکول میرے لئے اسکول سے زیادہ ایک تربیتی درس گاہ تھی۔ وہاں میری اردو تعلیم میں یہ بھی شامل تھا کہ الفضل سے حضور کا خطبہ پڑھ کر سناؤں۔اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب میں سے کوئی نہ کوئی کتب زیر مطالعہ رکھوں۔لاہور کالج میں قیام کے دوران ربوہ جانے کا موقعہ اکثر ملتا رہتا تھا۔وہاں حضور اقدس سے ملاقات ہوتی اور دیگر بزرگان سلسلہ سے ملاقات سے خلافت سے تعلق کو بہت تقویت ملی اور یہ تعلق میری زندگی میں مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔خلافت کی اطاعت میں ایک راحت محسوس کرتا اور یقینا بعد کی زندگی میں جو پھل پائے وہ خلافت کی اطاعت سے ہی پائے۔ دین کو دنیا میں مقدم رکھنے کا سبق میں نے پلّے باندھ لیا اور دنیا کے کناروں میں بھی ہمیشہ دین کا مفاد مدِّ نظر رہتا اور اب تک یہی حال ہے۔کالج میں تقریبا ایک سال ہی ہوا تھا کہ ٹانگانیکا میں تعلیم کیلئے سکالرشپ منظور ہو گیا اور حضور کی اجازت سے میں واپس آ گیا۔ جب الوداعی ملاقات کے لئے پرنسپل صاحب کو ملنے گیا تو پیار سے گلے لگا یا اور فرمایا تم سے پیار ڈالا تھا اور تم چھوڑ کر جا رہے ہو۔فی امان اللہ۔تعلیم الاسلام کالج میں ایک سال ہی تھا لیکن میری زندگی کا وہ اہم ترین سال ثابت ہوا کیونکہ یہ کالج میرے لئے تعلیم سے زیادہ تربیتی درس گاہ ثابت ہوا'' تھا۔میرے لئے تو ہو تعلیم سے زیادی تربیتی درسگاہ ثابت ہوا۔

افتخار ایاز سے زمانہ طالب علمی کے مشاغل کی بات ہو تو وہ بتاتے ہیں: کچھ مشاغل کا تو آپ نے اندازہ لگا ہی لیا ہوگا۔ مجھے ڈیبیٹس کا شوق رہا ہے اور الحمد للہ مجھے اپنی عملی زندگی میں اس

صلاحیت سے کئی بار فائدہ اُٹھانے کا موقع ملا۔ مجھ زندگی میں آگے بڑھنے کے ساتھ خدمتِ دین کا شوق تھا اور ہے۔ اور ایک بات شاید آپ کے لئے نئی ہو۔ ٹانگانیکا میں ثانوی تعلیم کے دوران ہائیکس کا خوب شوق رہا۔ ایک ہائیک پچیس میل کی ہوتی تھی۔ جنگلوں میں سے گذرنا اور خود ہی کھانا پکانا ہوتا تھا۔ ایک ہائیک اب تک خاص طور پر یاد ہے جب میرے انگریز سکاؤٹ ماسٹر میری آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر شام کے وقت مجھے جنگل میں کسی جگہ چھوڑ آئے۔ اب مجھے یہ رات وہیں گزرنا تھی اور اگلے دن پچیس میل چل کر شہر واپس پہنچنا تھا۔ یہ رات میری زندگی کی خوفناک ترین راتوں میں سے ایک تھی۔ گھُپ اندھیرا تھا چنانچہ میں نے ساری رات ڈرتے ڈرتے گذاری۔ دہشت کے مارے ٹینٹ بھی نہ لگا سکا۔ ایک درخت کے نیچے سہما بیٹھا رہا۔ وہاں درختوں پر اڑنے والے سانپ ہوتے ہیں اُن کا خوف بھی تھا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ خیریت رہی۔ اچھی بات یہ رہی کہ ان سب دعاؤں کا جو مجھے یاد تھیں رات بھر ورد کرنے کی توفیق ملی۔ صبح ہوئی تو جان میں جان آئی۔ سامنے کچھ گھر تھے۔ اُن سے پانی لیا خود ہی پتے اور لکڑیاں جمع کر کے چائے بنائی اور واپسی کا سفر شروع کیا۔

وہ بتاتے ہیں: 1956ء میں جب ٹیچرز ٹریننگ کالج کا سٹوڈنٹ تھا میں نے Mount Kilimanjaro سر کیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ بہت سے لوگوں کے لئے یہ نام نیا ہوگا لہذا ان کی معلومات کے لئے عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ تنزانیہ کا ایک خاموش آتش فشاں ہے۔ یہ افریقہ کی سب سے بلند چوٹی ہے جو سطح سمندر سے 19341 فٹ بلند ہے۔ یہ پہاڑ کوہ پیماؤں کے لئے اپنے اندر خاص دلچسپی رکھتا ہے۔ اس کوہ پیمائی کی بہت سی خوبصورت یادیں قابلِ بیان ہیں لیکن فی الوقت وہ سنانے کا موقع نہیں۔ زندگی رہی تو پھر کسی وقت تفصیل سے سناؤں گا۔ تکمیل کے بعد افتخار ایاز نے ٹانگانیکا کے محکمہ تعلیم میں ملازمت اختیار کر لی۔ 1961ء میں ملک کی آزادی کے وقت وہ محکمہ تعلیم میں ہی کام کر رہے تھے اور برٹش شہریت رکھتے تھے۔ نئی حکومت غیر ملکیوں کو جلد از جلد فارغ کر کے ان

کی جگہ مقامی لوگوں کو مقرر کرنا چاہتی تھی۔ اس کے لئے ایک پری میچیوئر منٹ سکیم بھی تیار کی گئی جس سے غیر ملکیوں نے خوب فائدہ اُٹھایا اور ان میں سے بہت سی اپنی ملازمتیں چھوڑ کر برطانیہ کینیڈا یا کسی اور ملک چلے گئے۔ آزادی کے بعد ملک میں حالات بہتر ہونے کے بجائے بدقسمتی سے بتدریج بگڑنے لگے یہاں تک کہ جان و مال کا خطرہ پیدا ہو گیا چنانچہ افتخار ایاز 1968ء میں برطانیہ یا کینیڈا منتقل ہونے کے بارے میں سوچنے لگے اور انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی خدمت میں رہنمائی کے لئے خط بھی لکھ دیا۔ اس کے جواب میں حضور نے فرمایا کہ تنزانیہ میں ہی رہیں اور ممکن ہو تو وہاں کی شہریت لے لیں۔ حضور کے اس ارشاد پر افتخار ایاز صاحب نے برٹش شہریت سے دست بردار ہونے کی درخواست دی تو برٹس ایمبیسی کا عملہ ان کے اس فیصلہ پر بہت حیران ہوا۔ دوسری طرف جب انہوں نے اپنے افسران بالہ کو اپنے اس ارادہ سے مطلع کیا تو وہ بہت خوش ہوئے اور اُن کی کوشش سے اُنہیں جلد ہی تنزانیہ کی شہریت مل گئی۔ ان دنوں برطانیہ اور تنزانیہ کے تعلقات میں کافی تناؤ تھا۔ برطانیہ جنوبی افریقہ کو اسلحہ سپلائی کر رہا تھا لہذا تنزانیہ نے برطانیہ کے ساتھ سفارتی تعلقات منقطع کر رکھے تھے۔ اس پر برطانیہ نے تنزانیہ میں موجود اپنے افسران کو فوری طور پر واپس بلا لیا جس کی وجہ سے حکومتی دفاتر میں بہت سی سینئر پوسٹیں خالی ہو گئیں چنانچہ افتخار ایاز کو کالج آف ایجوکیشن میں انگلش ڈیپارٹمنٹ کا ہیڈ لگا دیا گیا۔ انہوں نے حکام بالہ کو یاد دلایا کہ اُن کے پاس تو یونیورسٹی کی ڈگری بھی نہیں لہذا ان کی کوالیکیشن اس پوسٹ کے مطابقت نہیں رکھتی لیکن محکمہ نے انہیں کام شروع کرنے کی ہدایت کی اور انہیں اطمینان دلایا کہ وہ باقی معاملات سے خود نمٹے رہیں گے۔ اس پس منظر میں جلد ہی گورنمنٹ کی طرف سے ان کے لئے انگلستان میں اعلیٰ تعلیم کے لئے سکالرشپ کی کوشش شروع کر دی گئی لیکن اس میں فوری کامیابی نہ ہو سکی۔ ادھر ملکی حالات مزید خراب ہوتے رہے اور ان کی فیملی کا وہاں رہنا مشکل ہو گیا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب افتخار ایاز قادیان گئے جہاں اُن دنوں عبدالرحمٰن جٹ امیر جماعت تھے۔ فجر کی نماز کے بعد افتخار ایاز ان کے ساتھ

بہشتی مقبرہ دعا کے لئے جایا کرتے تھے اور واپسی پر وہ مہمان خانہ میں ان کے کمرے میں آ کر کچھ دیر بیٹھا کرتے تھے۔ ایک دن افتخار ایاز نے ان سے سکالرشپ کے لئے حصول در پیش مشکلات کا ذکر کیا تو اُنہوں نے دعا کرائی اور ''مبارک ہو'' کہہ کر رخصت ہو گئے۔ جب افتخار ایاز تنزانیہ واپس آئے تو دو تین ہفتے میں سکالرشپ کی منظوری کی اطلاع آ گئی۔ قبولیت دعا کا یہ واضح نشان خلیفہ وقت کی اطاعت کا شیریں ثمر تھا۔ انہیں نیوکیسل یونیورسٹی میں بی ایڈ جنرل میں داخلہ مل گیا۔ مئی 1973ء میں وہ اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان چلے گئے۔ یہ دو سال کا کورس تھا جس کا نتیجہ بہت اچھا رہا۔ افتخار ایاز یونیورسٹی میں اوّل رہے تھے۔ اس بنیاد پر انہیں لندن میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے ایک سال کی کامن ویلتھ فیلوشپ مل گئی۔ چنانچہ انہوں نے ٹیچنگ آف انگلش ڈپلومہ کورس میں داخلہ لے لیا۔ ساتھ ہی انہوں نے اپنے طور پر کیمپریٹیو ایجوکیشن کا ڈپلومہ بھی کر لیا۔ جب افتخار ایاز تنزانیہ واپس جانے سے پہلے اپنے ہائی کمیشن گئے تو ہائی کمیشنر نے انہیں بتایا کہ کامن ویلتھ انسٹیٹیوٹ کا ایک سال کے لئے کامن ویلتھ فیلو کی ضرورت ہے اور اگر وہ چاہیں تو وہ ان کا نام انٹرویو کے لئے بھجوا یا جا سکتا ہے۔ افتخار ایاز نے یہ پیشکش بخوبی قبول کر لی اور انٹرویو میں کامیاب بھی ہو گئے۔ انہوں نے انسٹیٹیوٹ میں کام شروع کر دیا۔ اس کام کی تنخواہ نہایت معقول تھی۔ اب انہوں نے ایم اے میں داخلہ لے لیا اور ایک سال کے اندر اندر ڈگری حاصل کر لی۔ افتخار ایاز اپنی اس کامیابی کو اطاعتِ خلافت کا ایک اور پھل تصور کرتے ہیں۔

1977ء کے آخر میں افتخار ایاز تنزانیہ واپس چلے گئے اور ان کی تقرری یونیورسٹی آف دار السلام میں ہوئی۔ اپنے وائس چانسلر کے ساتھ ان کے بہت اچھے مراسم تھے۔ 1981ء میں ایک دن وائس چانسلر نے افتخار ایاز کو بتایا کہ یو این او کی فُوڈ اینڈ ایگریکلچر آرگنائزیشن تنزانیہ کے شہر روشہ میں ''رُورَل انٹیگریٹڈ ڈیویلپمنٹ فار افریقہ'' کا سنٹر کھولنا چاہتی ہے۔ یوں افتخار ایاز یو این او کی ملازمت میں آ گئے۔ اُنہوں نے وہاں تین سال کام کیا۔ یو این او والے ان کے کام سے بہت خوش تھے

چنانچہ 1985ء میں اُنہوں نے افتخار ایاز کو اپنے ہیڈ کواٹر، روم میں ملازمت کی پیشکش کی جو انہوں نے قبول کر لی۔ اسی عرصے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اہل وعیال کے لئے انگلستان میں مستقل قیام کی راہ ہموار کر دی چنانچہ 1984ء میں ان کے بچے انگلستان میں منتقل ہو گئے۔ اور وہ خود بھی اٹلی جانے کے لئے لندن آ مقیم ہوئے۔

ابھی وہ اٹلی کے لئے روانہ نہیں ہوئے تھے کہ انہیں کامن ویلتھ آفس سے اطلاع موصول ہوئی کہ ان کے پاس افتخار ایاز کے لئے Tuvalu میں ایک پوزیشن خالی ہے۔ یاد رہے کہ طوالو بحر الکاہل کے اندر آسٹریلا اور ہوائی کے تقریباً وسط میں ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے جو سولہویں صدی عیسوی میں ایک ہسپانوی جہاز ران نے دریافت کیا تھا اور جس نے انیسویں صدی کے آخر میں برطانیہ کے حلقہ اثر میں شامل ہو کر برطانوی پروٹیکٹوریٹ کا درجہ حاصل کر لیا تھا۔ یہ جزیرہ ابتداء کچھ عرصہ برٹش ویسٹرین ٹریٹریز کا حصہ اور بعدہ مدتِ دراز تک گلبرٹ اینڈ ایلیس آئی لینڈز کالونی کا حصہ رہا تا وقت کہ دسمبر 1978ء جو طوالو برٹش کامن ویلتھ اینڈ ایلیس آئی لینڈز کالونی کا وجود ختم ہو گیا اور اس کے چار سال بعد یکم اکتوبر 1978ء کو طوالو برٹش کامن ویلتھ کے اندر ایک آزاد ملک بن گیا۔ یہ اقوام متحدہ کا ایک سو نواسی واں ممبر مشتمل ملک ہے۔ 2012ء کی مردم شماری کے مطابق اس ملک کی آبادی صرف دس ہزار پر مشتمل ہے اور اس کا کُل رقبہ چھبیس مربع کلومیٹر ہے۔ افتخار ایاز نے یہ نام پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔ تحقیق سے پتا چلا کہ یہ ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے لیکن جب حضرت خلیفۃ المسیح الرابع سے اس کا ذکر ہوا تو حضور نے اس پیشکش میں بہت دلچسپی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ چند قبل آپ کی خدمت میں کسی نے لکھا تھا کہ جزیرہ سو فی صد عیسائی ہے آپ وہاں مبشر بھجوائیں۔ حضور نے افتخار ایاز کو یہ مشورہ دیا کہ آپ کے وہاں جانے کا سبب تو اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے۔ لہذا آپ روم کا چھوڑیں اور مبشر بن کر طوالو جائیں۔ افتخار ایاز خلیفہ وقت کے اس فرمان پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے اور روم جانے کا فیصلہ ترک کر دیا۔ یو این اور اور پھر کامن ویلتھ میں ملازمت ملنا ہی اطاعت ہی کا پھل

تھا کیونکہ ان عالمی اداروں میں ملازمتوں کے لئے ہر ممبر ملک کے لئے ایک کوٹہ مختص ہوتا ہے۔ اگر افتخار ایاز کی شہریت برٹش ہوتی انہیں ان اداروں میں ملازمت ملنا محال تھا لیکن محض تنزانیہ کی شہریت ہونے کی وجہ سے مواقع نصیب ہوتے گئے۔

افتخار ایاز مارچ 1985 میں طوالو آ گئے انہوں نے دیکھا کہ ملک میں ننانوے فیصد عیسائی ہیں۔ کچھ بہائی تو تھے لیکن مسلمان کوئی نہ تھا۔ ملک کا سرکاری مذہب بھی عیسائی تھا لیکن ہیڈ آف سٹیٹ ملکہ برطانیہ تھیں۔ ان کے یہاں پہنچنے کے چند ہی روز بعد چیف سکریٹری نے انہیں بلایا اور کہا کہ وہ افتخار ایاز کے مذہبی عقائد سے بخوبی آگاہ ہیں لیکن چونکہ طوالو کا سرکاری مذہب عیسائیت ہے اس لئے انہیں یہاں اپنے عقائد کے پرچار کی اجازت نہیں ہوگی۔ اس سے افتخار ایاز کو فکر ہوئی کہ آئے تو وہ بطور مبشر ہیں لیکن یہاں صورت حال کچھ اور ہی نظر آ رہی ہے چنانچہ دعا کی طرف توجہ ہوئی جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے آہستہ آہستہ خود ہی لوگوں کو ان کی طرف متوجہ کر دیا اور بیعتیں ہونا شروع ہوگئیں۔ افتخار ایاز وہاں دو سال کنٹریکٹ پر گئے تھے جب دو سال پورے ہونے کو آئے تو حضور کی طرف سے انہیں ہدایت موصول ہوئی کہ مسجد کے لئے زمین خریدی جائے۔ اس کے لئے انہیں وہاں مزید ٹھہرنے کی ضرورت تھی۔ سرکاری کام جو اُن کے سپرد تھا وہ بہت اچھا ہو رہا تھا اور حکومت بھی چاہتی تھی کہ وہ مزید وہاں ٹھہریں اور اپنا پراجیکٹ مکمل کر کے واپس آ جائیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے کنٹریکٹ میں مزید دو سال کی توسیع کر دی جس دوران وہاں مسجد اور مشن ہاؤس کی تعمیر کا کام شروع ہو گیا۔ اسی عرصہ میں طوالو زبان میں ترجمہ قرآن کا آغاز بھی ہو چکا تھا خاص طور پر قرآن کریم کے ترجمہ کا کام۔ چار سال پورے ہونے کو آ گئے لیکن قرآن مجید کے ترجمہ کا کچھ کام ابھی باقی تھا۔ پارلیمنٹ میں چرچ والوں کے شور کے باوجود حکومت نہیں چاہتی تھی کہ افتخار ایاز واپس جائیں چنانچہ ان کا کنٹریکٹ چار سال سے چھ سال کا ہو گیا جس دوران اللہ کے فضل سے قرآن مجید کا طوالو زبان میں ترجمہ مکمل ہو کر شائع ہو گیا۔ حضور کی دعاؤں اور رہنمائی سے احمدیت کا پیغام اردگرد کے

جزائر تک بھی پہنچ گیا اب ضرورت تھی کہ ان ملکوں سے روابط قائم کئے جائیں۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ یو این ڈی پی ان کے پراجیکٹ سے بہت متاثر ہوئی اور انہوں نے مزید چار سال کے لئے انہیں اسی ریجن میں کام کرنے کے لئے بطور کنسلٹینٹ رکھ لیا اور یوں انہیں جزائر میں آنے جانے اور پیغامِ حق کے مواقع ملنے لگے۔

جب یہ معاہدہ ختم ہو گیا اور افتخار ایاز مستقل طور پر لندن واپس آنے لگے تو طوالو کے پرائم منسٹر نے ذاتی طور پر ان کے گھر آ کر اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ وہ برطانیہ میں آنریری قونصل کے حیثیت سے کام کریں۔ یہ بھی خدا تعالیٰ کا خاص فضل اور انعام ہوا تھا کہ ایک عیسائی حکومت کا سربراہ ایک احمدی کو اپنے ملک کی نمائندگی کا فریضہ سونپ رہا ہے۔ طوالو کی نمائندگی کا اعزا ابھی تک قائم ہے۔ پیسیفک ریجن کے جزائر میں انہوں نے جو کام کیا تھا وہ بہت پسند کیا گیا اور ان کے بارے میں کامن ویلتھ کو بہت اچھی رپورٹس موصول ہوئیں جو ہیڈ آف دی کامن ویلتھ ملکہ الزبتھ کو پیش کی گئیں چنانچہ 1998ء میں انہیں ملکہ کی طرف سے OBC یعنی آفیسر آ دی ایکسیلنٹ آرڈر دی بریٹس ایمپائر کا اعزاز دیا گیا۔ افتخار ایاز کہا کرتے ہیں: دیکھئے! اطاعت خلافت کی برکت نے تنزانیہ میں معمولی حیثیت میں کام کرنے والے ایک احمدی کو اللہ تعالیٰ نے دنیوی لحاظ سے کس اعلیٰ مقام پر لا کھڑا کیا۔ یاد رہے کہ جب افتخار ایاز طوالو اور اس کی اردگرد چودہ جزائر میں احمدیت کی تخم ریزی کے بعد واپس برطانیہ میں آئے تو 22 جون 1992ء کو لندن میں ایک استقبالیہ تقریب منعقد ہوئی جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع بھی رونق افروز ہوئے۔ اس تقریب میں افتخار ایاز کی خدمات کو سراہتے ہوئے حضور نے فرمایا: الحمد للہ آج ہم یہاں جمع ہوئے ہیں افتخار ایاز کے اعزازی مبشر سلسلہ کی حیثیت سے خدمات مکمل ہونے پر جو انہوں نے جزائر جنوبی بحر الکاہل میں ادا کیں۔ افتخار ایاز اس علاقہ میں اپنے طور پر گئے تھے۔ انہیں وہ خدمت اقوامِ متحدہ میں کام کے سلسلہ میں سپرد ہوئی تھی۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ ان تمام سالوں میں جو خدمات انہوں نے کیں وہ میرے لئے گہری تسلی کا باعث

ہوئیں اور جس غیر معمولی خدمت کی انہیں توفیق ملی وہ میری امید سے بڑھ کر تھی۔

حضور نے فرمایا: جب میں نے ان کی تقرری بحیثیت اعزازی مبشر جزیرہ طوالو میں کی تو مجھے قوی امید تھی کہ وہ جزیرہ طوالو میں اچھی خدمت انجام دے سکیں گے مگر مجھے اس چیز کا اندازہ نہیں تھا کہ وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے اُن خدمات کو وسیع و عریض علاقے میں موجود جزائر تک پھیلانے کی توفیق پا سکیں گے۔ طوالو میں افتخار صاحب نے مختلف ذرائع بروئے کار لا کر حیرت انگیز طور پر خدمات سرانجام دیں۔ اس کے علاوہ ان کی بیگم امۃ الباسط ایاز نے وہاں کی خواتین اور لڑکیوں کی تربیت کے سلسلہ میں بہت کام کیا اور بہت اچھا مؤثر نمونہ اُن کی زندگیوں کے لئے قائم کیا۔

اس کے بعد حضور انور نے جنوبی بحر الکاہل کے چھبیس میں سے چودہ مختار جزائر کے نام بتائے جہاں افتخار ایاز کو احمدیت کا پیغام پہنچانے کا موقع ملا اور اپنے خطاب کے آخر میں فرمایا: میں آپ کو یہ یاد دہانی بھی کروادوں کہ اس علاقہ میں زیادہ تر لوگ کیتھولک یا چرچ آف انگلینڈ سے تعلق رکھنے والے ہیں بہت کٹر عیسائی ہیں۔ جو مشرقی ممالک میں عیسائی ہیں وہ عموماً زیادہ مخلص اور مضبوط ایمان رکھنے والے ہوتے ہیں بہ نسبت ان عیسائیوں کے جو مغربی ممالک میں رہتے ہیں۔ ان علاقوں مین رہنے والے لوگ اپنے عقیدہ میں ایک شدّت رکھتے ہیں جس کی کچھ وجہ احساسِ کمتری بھی ہے کیونکہ وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم اپنی جِلد کی رنگت تو نہیں بدل سکتے مگر وہی عقائد تو اختیار کر سکتے ہیں جو ہمارے حکمرانوں کے ہیں اور یہ احساس ان کے اندر عیسائیت پر یا عقائد پر بہت شدید ہونے کا ایک حصہ ہے۔ اس وجہ سے نتائج حاصل کرنا ان علاقوں میں جہاں کہ اسلام کا کچھ بھی تعارف نہیں تھا آسان نہیں تھا۔ کچھ جزائر میں جہاں ہلکا سا تعارف موجود تھا وہاں اسلام کو منفی صورت میں پیش کیا گیا تھا۔ اسلام کو کچھ تو ''خومنی ازم'' کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔ اور کچھ ''قذافی اِزم'' کے طور پر۔ بہر حال جو بھی صورت تھی وہ بگڑی ہوئی صورت تھی اس لئے ان ممالک میں سچے اسلام کے لئے کامیابی حاصل کرنا یہاں تک کہ بیعتیں حاصل کرنا جن میں بے حد اخلاص اور وقف ہو جانے کی روح نظر آتی

ہو بہت بڑی کامیابی ہے جو میں نے اُس افراد کے خطوط میں محسوس کی جو اُنہوں نے براہ راست مجھے لکھے ہیں۔ حضور نے فرمایا میرا دل خدا تعالیٰ کی حمد سے بھر جاتا ہے اور میں افتخار ایاز صاحب کا بھی مشکور ہوں کیونکہ ان نئے شامل ہونے والے افراد میں اخلاص اور زندگی کا مقصود حاصل کرنے کی روح اور اسلام کی خدمت کرنے کا مصمم ارادہ محسوس ہوتا ہے جس سے اُن جزائر میں پاکیزہ انقلاب پیدا ہونے کے آچار نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ برکات مزید عطا فرمائے اور آئندہ ہمیں ان جزائر سے مزید خوشخبریاں عطا فرمائے۔

پھر فرمایا: اس تقریب کے بعد ہم ارادہ رکھتے ہیں کہ اس قسم کی تقریبات دوسری جماعتوں میں بھی منعقد کی جائیں۔ انگلستان کی دوسری جماعتوں میں بھی تا کہ افتخار ایاز صاحب احمدی نوجوانوں کو بتائیں کہ اُن کے لئے کیا کام ممکن ہے، دنیا کے مختلف حصوں میں کون کون سے نئے دروازے اُن کیلئے کھل رہے ہیں جہاں ایک مخلص نوجوان نمایاں خدمت کر سکتا ہے اور بہت کامیابیاں حاصل کر سکتا ہے۔ لندن آنے کے بعد افتخار ایاز کو دینی لحاظ سے بھی ترقی کی کئی منازل طے کرنے کی توفیق ملی چنانچہ وہ قاضی اور قائم مقام صدر کی حیثیت سے خدمت کی توفیق پاتے رہے۔ انصار اللہ کی صدارت اور یوکے کی امارت انہیں نصیب ہوئی۔ مرکزی مجلسِ افتا کے اعزازی رکن رہے اور خدمات کا یہ سلسلہ بفضلہٖ تعالیٰ چل رہا ہے۔ وہ آج کل طاہر فاؤنڈیشن اور ورلڈ میڈیا فورم کے ڈائریکٹر ایم ٹی اے بورڈ کے ممبر اور انٹرنیشنل ہیومن رائیٹس کمیٹی کے چیئرمین کی حیثیت میں کام کر رہے ہیں۔ جب افتخار ایاز لندن آئے تو یورپ میں جہاں کہیں جانا ہوا ویزہ لینا پڑتا تھا۔ خلافتِ رابعہ کے دور میں ایک دفعہ حضور کے ارشاد پر ہالینڈ جانا پڑا۔ اس کے لئے ویزہ میں چند دن لگ گئے۔ ایک دن حضور نے انہیں دیکھا اور پوچھا: آپ واپس کب آئے؟ جب بتایا گیا کہ وہ ابھی تو جا ہی نہیں پائے تو فرمایا کہ اب لندن میں رہنا ہے تو یہاں کی شہریت لے لیں چنانچہ حضور کے ارشاد کی تعمیل میں انہوں نے یوکے کی شہریت کے لئے درخواست دی جو منظور ہوگئی۔ اب اللہ تعالیٰ

نے اطاعتِ امام کا ایک اورنشان ظاہر فرمایا اور انہیں ملکہ برطانیہ کی طرف سے کے بی اے اعزاز ملا ہے جس کا خطاب ''سر'' ہے۔ اگرچہ افتخار ایاز گوشہ گمنامی میں رہنا زیادہ پسند کرتے ہیں تاہم ان کے بارے میں اخبارات ورسائل کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے ہیں روزنامہ الفضل (14 اپریل 1990ء) میں مرزا محمد منور کے قلم سے ''جناب افتخار ایاز احمد ایاز صاحب'' کے عنوان سے ایک مختصر سا مضمون شائع ہوا جس کے مطابق جن دنوں افتخار ایاز پیشہ معلمی سے وابستہ تھے، فاضل مضمون نگار نے پہلی بار انہیں دیکھا اور محسوس کیا کہ ''ہر احمدی نوجوان میں آگے ہی آگے بڑھنے کی جو بے پناہ خواہش پائی جاتی ہے وہ۔۔افتخار ایاز میں بتمام وکمال موجود ہے۔ جوں ہی ایک قدم آگے اٹھتا دوسرا قدم آگے بڑھانے کی خواہش دل میں مچلنے لگتی۔ بزرگوں کی دعائیں اور خدا کا فضل ہمرکاب تھا جو منزل کے بعد اگلی منزل کا اشارہ کرتا اور قدم آگے بڑھ جاتا۔'' یوں ہی آگے بڑھتے بڑھتے اللہ تعالیٰ نے اس مقام تک پہنچا دیا جہاں ان کی ملّی خدمات کو ملکہ معظّمہ نے قابل تحسین گردانا اور ان کی جماعتی خدمات خلفائے احمدیت کی نگاہ میں مقبول ٹھہریں۔

(داؤد احمد طاہر از قریہ جاودں)



مکرم رانا عرفان احمد شہزاد صاحب

خاکسار کا تعلق پیر محل ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ سے ہے۔ میرے والد صاحب کا نام رانا حبیب الرحمن خان کاٹھگڑی تھا۔

تعلیم الاسلام کالج (1988 تا 1990) سے MA عربی کی ڈگری حاصل کی۔ کالج کی فٹ بال اور ہاکی کی ٹیموں کا کھلاڑی رہا اور قرار دادِ پاکستان کی گولڈن جوبلی کے سلسلہ میں منعقدہ ڈویژنل فٹ بال ٹورنامنٹ میں سلور میڈل حاصل کیا۔ 1993 سے 1994 تک بطور قائد مجلس خدام الاحمدیہ ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ خدمت کی توفیق پائی۔ دو سال نصرت جہاں سکیم کے تحت گیمبیا مغربی افریقہ میں بحیثیت اُستاد کام کیا۔ 1996 سے لندن میں جماعت فضل مسجد کا رہائشی ہے۔ 2009 تا حال خاکسار کی ناصر کرکٹ کلب کو مجلسِ صحت یو کے کیساتھ مل کر خلافت جوبلی مسرور انٹرنیشنل کرکٹ ٹورنامنٹ منعقد کروانے کی توفیق مل رہی ہے۔ 2010 میں بحیثیت زعیم انصاراللہ فضل مسجد خدمت کی توفیق ملی اور مقامی مجلس کا پہلا علمِ انعامی حاصل کرنے کی سعادت پائی۔

مادرِ علمی تعلیم الاسلام کالج میں بِتائے دو سال زندگی کے یادگار ایّام ہیں جن میں مکرم سلطان اکبر صاحب اور مکرم اسلم صابر صاحب جیسے قابل اساتذ اکرام کی صحبت علمی نصیب ہوئی۔ ہماری کلاس چھ عدد طالبات اور 99 کم 100 طلباء پر مشتمل تھی یعنی خاکسار اپنی کلاس کا اکلوتا سٹوڈنٹ تھا اور اسی خصوصیت کے بنا پر پورے Campus میں مشہور تھا، جب بھی لیکچر Attend کر کے کلاس سے نکلتا تو MSC فزکس کے طلباء کا یہ نعرہ سنائی پڑتا کہ

''سب بہنوں کا ایک ہی بھائی، عرفان بھائی عرفان بھائی''

کالج میں گزرے واقعات میں نصرت وتائیدِ الٰہی کا واقعہ 1989 میں پیش آیا جب بےنظیر بھٹو نے طلباء تنظیموں سے پابندی اُٹھالی، کالج میں الیکشن ہوئے صدر، نائب صدر اور جنرل سیکرٹری کے لیے چناؤ ہونا تھا۔خاکسار نے احمدیہ سٹوڈنٹس فیڈریشن کی طرف سے نائب صدر کے لیے کاغذات جمع کروائے۔ کالج میں ہمارے علاوہ پیپلز سٹو ڈنٹس فیڈریشن (PSF) ، امامیہ سٹوڈنٹس فیڈریشن (ISF) اور اسلامی جمعیت طلباء (IJT) موجود تھیں۔جنرل سیکرٹری کے دو امیدواروں کے علاوہ مجھ سمیت سب کے کاغذات لیکچر short ہونے کی وجہ سے مسترد کر دیے گئے اور ون ٹو ون مقابلہ احمدیہ سٹوڈنٹس فیڈریشن اور اسلامی جمعیت طلباء (IJT) کے درمیان تھا۔ PSF،ASF اور ISF کے اتحاد کے باعث شروع میں یہ مقابلہ میں یکطرفہ محسوس ہو رہا تھا مگر جمعیت والوں نے ختمِ نبوت کا نعرہ لگا کر IJT کی جگہ ختمِ نبوت سٹوڈنٹس فیڈریشن کے نام سے نیا اتحاد بنالیا جسکی وجہ سے ISF کے علاوہ سارے طلباء ہمارا ساتھ چھوڑ گئے مگر خدا کے فضل سے ہمارے امیدوار مکرم نعمان احمد سخت مقابلے اور تین دفعہ گنتی کے بعد ایک ووٹ سے کامیاب ہوئے اور اس میں خاکسار کی کوشش سے میری پانچ کلاس فیلوز طالبات کے قیمتی ووٹ بھی شامل تھے۔کالج کے Part 2 کے امتحانات قریب تھے کہ پیر محل میں کرکٹ ٹورنامنٹ کھیلنے جانا تھا مگر چھٹیاں نہ ملیں، انہی دنوں غوثیہ کالج پیر محل میں بعنوان ''زنجیر ترے پیار کی پاؤں میں پڑی ہے۔'' ایک ڈویژنل بین الکلیاتی مشاعرہ بھی تھا تو خاکسار نے شاعری کا دعویٰ کر دیا اور چھٹی کی درخواست دے دی مگر اُردو ادب کے انچارج صاحب نے ایک اچھا کلام لانے کو کہا اور خاکسار نے احمدی شاعر مکرم میر مبشر احمد طاہر صاحب کے سامنے زانوئے تلّمذ تہ کیا اور دو دن مسلسل اپنا کلام سنانے کے بعد فرمایا کہ جاؤ اور اپنے پاس سے کچھ لکھ کر لاؤ میں اصلاح کر دونگا۔مرتے کیا نہ کرتے ہمارے MSC فزکس کے طالب علم مکرم سید محمود احمد شاہ آف جہلم کی مدد سے اپنا پہلا اور آخری کلام کہا جو کالج والوں کو پسند آگیا اور یوں خاکسار نے کالج کے خرچ پر مشاعرے میں دوسری پوزیشن حاصل کی اور کرکٹ ٹورنامنٹ بھی جیت لیا۔کلام کچھ یوں

تھا:

زنجیر ترے پیار کی پاؤں میں پڑی ہے
بے نام ہزیمت پہ مری سوچ اَڑی ہے
احساس کی سولی ہے کہ جو دل میں گڑی ہے
سیّارے کی مانند ہوں میں تو مرا سورج
زنجیر ترے پیار کی پاؤں میں پڑی ہے
زرخیزیِ دل کے لیے ہے عشق ضروری
کہتی ہے یہ مٹی کہ مجھے آس بڑی ہے
ہر سَمت جفاؤں کے تقاضے ہیں مسخر
تنہا کسی کونے میں وفا آج کھڑی ہے
یوں جیسے اُتر آتی ہیں آکاش سے بوندیں
اِس طرح لگی آنکھ میں اشکوں کی جھڑی ہے
آنکھوں میں تری اشک ہیں قربت کے خزینے
عِرفانؔ کی صورت تو نگینوں میں جڑی ہے



مکرم چوہدری ناز احمد ناصر صاحب

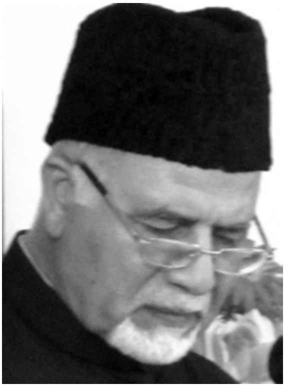
پیدائش 42-7-21 ادرحماں ضلع سرگودھا (حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ اور بعض دیگر صحابہؓ کا جائے پیدائش)

تعلیم : پاکستان: پرائمری : گاؤں میں، مڈل : گولیکی ضلع گجرات، ضلع بھر میں فرسٹ پوزیشن اور وظیفہ کا حقدار، ہائی اسکول : بھلوال ضلع سرگودھا، ہائی فرسٹ ڈویژن؛ انٹرمیڈیٹ اور بی اے (پرائیویٹ) اور بی اے ایل ایل بی (کراچی)، ہومیو پیتھک پریکٹسنگ سرٹیفکیٹ (گورنمنٹ آف پاکستان) TIC ربوہ میں 1964 میں تقریباً دو ماہ پرائیویٹ سٹوڈنٹ کے طور پر انگریزی کے استاد پروفیسر چوہدری محمد شریف خالد صاحب سے پڑھنے کا موقع ملا۔ بہت بھلے مانس، خاموش طبع اور ہمدرد انسان تھے، کالج جماعت کی ملکیت اور انتظام کے تحت چلایا جارہا تھا، ماحول دینی و روحانی تھا۔

1959ء کے شروع میں روزگار کی تلاش میں کراچی آیا۔ پاکستان میں روزگار: 1962ء کراچی میں گورنمنٹ آف پاکستان ،منسٹری آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی ،کے ایک ذیلی محکمہ میں ملازمت (ایڈمنسٹریشن) میں کام شروع کیا جو 1962 تا مارچ 1975ء تک کیا۔ جرمنی میں روزگار: مارچ 1975ء سے مئی 2009ء تک جرمنی میں رہا، جہاں امریکن آرمی کی ٹرانسپورٹیشن کمانڈ فرینکفرٹ میں اور پھر یورپین ہیڈکوارٹرز Stuttgart میں ۔جس میں انسپکٹر اور انسٹرکٹر اور آخر میں Negotiator کے طور پر کام کیا، جو کہ سویلین کے لئے ایک بڑا ذمہ واری اور مینیجریل کام تھا، قریباً 70,000 یورو سالانہ مشاہرہ۔ مناسب پینشن مل رہی ہے۔ 400-500 ملٹری آفیسرز کے سامنے اسلام کی نمائندگی میں Integration پر تقریر کی۔ عیسائیت اور یہودیت کے پادری اور لیگل آدمی بھی مدمقابل

تھے، جنہوں نے صرف چند منٹ تقریر کی۔ بہت پذیرائی ملی۔

جماعتی خدمات: پاکستان :سیکرٹری مال۔ خدام الاحمدیہ ناظم تحریک جدید (اسسٹنٹ سیکریٹری) ضلع کراچی۔ذعیم حلقہ۔وقف بعد ریٹائرمنٹ کیا گیا۔کراچی کے جماعتی روحانی ماحول میں لیلۃ القدر دن دہاڑے کئی روز تک دیکھنے کی سعادت ملی، دعاؤں کی قبولیت دیکھنے میں آئی، جس کا اظہار اب تک جاری وساری ہے۔ایک خواب میں جماعتی رہائش شاندار کوٹھی کی شکل میں دکھائی گئی۔ظاہراً تو نہ اس کی ضرورت پیش آئی اور نہ موقع البتہ جرمنی میں اپنا مکان 1990ء میں خریدنے کا موقع ملا، جس کی قیمت اس وقت بھی کروڑوں روپوں میں تھی اور اب تو اور زیادہ ہے۔جرمنی میں 1976ء کے شروع میں گورنمنٹ کی طرف سے غیر معمولی صورت میں صرف خاکسار کو ایک چار کمرے کا مکان ملا، جس کے متعلق اس وقت کے مشنری انچارج (مکرم فضل الٰہی صاحب) کے منہ سے اچانک یہ الفاظ نکلے کہ یہ تو مکان نہیں محل ہے۔بچوں کے جرمنی آنے سے قبل یہ مکان ملا۔اس وقت ملازمت کی بھی ابتداء تھی ۔یہ محض خدا تعالیٰ کے فضل کا اظہار تھا۔جرمنی میں امریکن فوج میں سویلین آفیسر کام کا ملنا اور ترقیات سے نوازا جانا، نیز یوکے میں حضور انور کا وقف بعداز ریٹائرمنٹ کا منظور کرنا بھی اسی کا تسلسل لگتا ہے۔جرمنی: 1975 میں سویڈن میں پہلی مسجد کے افتتاح کے موقع پر پارٹ ٹائم وقف کی توفیق ملی، جس کے تحت مکرم امیر ومشنری انچارج مکرم فضل الٰہی انوری صاحب نے بطور سیکریٹری مشن کام کرنے کا ارشاد فرمایا۔ 1982ء مجلس عاملہ بننے پر سکریٹری تبلیغ نیشنل آڈیٹر، سیکریٹری جائیداد (سو مساجد کے منصوبہ میں پہلے منصوبہ کے طور پر ناصر باغ کی تعمیر شروع کی گئی)، دوبارہ نیشنل آڈیٹر، ایڈیشنل جنرل سکریٹری، قاضی وممبر قضاء بورڈ۔تسلسل کے ساتھ خدمت کی توفیق ملتی رہی، 1984ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے دورہ کے موقع پر چندہ میں پہلی پوزیشن لینے پر حضور انور نے خوشنودی کا اظہار فرمایا۔یوکے: مئی 2009ء سے تاحال بطور وقف زندگی ،سٹاف ممبر ایڈیشنل وکالت تبشیر لندن (اعزازی خدمت)۔حلقہ بیت الفتوح میں نائب صدر۔



مکرم سید نصیر احمد شاہ صاحب

خاکسار نے ابتدائی تعلیم ضلع سیالکوٹ قلعہ سوبھا سنگھ ہائی اسکول میں حاصل کی اس کے بعد تعلیم الاسلام کالج ربوہ سے Bscانجینئرنگ 1967 ء میں مکمل کی پھر کراچی یونیورسٹی سے Mscفزکس1970ءمیں مکمل کی اسی سال انگلستان مزید پڑھائی کے لئے آ گیا۔

1973ء میں مانچسٹر یونیورسٹی سے Bsc آنرکمپیوٹر سائنس میں مکمل کر کے انگلستان میں ہی کمپیوٹر فیلڈ میں کام شروع کیا۔ جو اب تک جاری ہے۔تعلیم الاسلام ہائی اسکول کا وقت بہت شاندار گذرا بہت دوست بنائے۔ چند ایک ابھی تک دوست ہیں اور اُن سے رابطہ قائم ہے۔جن میں نسیم احمد گجراتی، ارشد اقبال ورمنیر الحق شاہد شامل ہیں۔Fsc کے دوران سائنس سوسائٹی کا جنرل سکریٹری تھا۔ اسی طرح مکرم پروفیسر حبیب اللہ خان صاحب جو کیمسٹری کے پروفیسر تھے، کے ساتھ بہت قریبی تعلق تھا اُن کی شفقت اور پیار اب بھی یاد ہے۔مکرم پروفیسر چوہدری حمید اللہ صاحب جو ریاضی کے پروفیسر تھے اُن کا بھی بہت مقام ہے وہ تو اب بھی جلسہ سالانہ یوکے آتے ہیں تو بہت پیار سے ملتے ہیں۔مکرم نصیر خان صاحب سے فزکس پڑھی وہ بھی ایک مثالی پروفیسر تھے اس طرح مکرم عطاء الرحمان صاحب دوسرے فزکس کے پروفیسر اپنی مثال آپ تھے ہر ایک پروفیسر نے اپنی خداداد قابلیت سے ہمیں ایک مدت دین سمجھ کر پڑھایا۔خاکسار کو شروع سے جماعت سے اچھے تعلق رکھنے کی توفیق ملی۔ ربوہ میں تعلیم کے دوران زعیم حلقہ کے فرائض انجام دینے کی توفیق ملی۔ لندن میں 1982ء سے 1984ء تک زعیم مجلس نیو مالڈن رہا۔

1984ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کی آمد پر اکثر اوقات رات 2 بجے سے 6 بجے تک

پہرے کی ڈیوٹی کی سعادت پائی۔ اس طرح حضور اقدس سے بھی بہت قربت ملی۔ ستمبر 1984ء میں خاکسار سعودی عرب چلا گیا۔ وہاں پر جدہ میں سول ایوی ایشن میں بطور سافٹ ویر انجینیر 14 سال کام کیا۔ اس دوران خاکسار نے نائب امیر جدہ کے فرائض بھی ادا کرنے کی توفیق پائی۔ اور نہایت خوبصورت اور پیاری جماعت کا قیام کیا۔ جدہ میں بیرون ملک سے عمرہ پر آنے واے افراد کی خدمت کا بھر پور موقع ملا چونکہ میرا کام ائیر پورٹ پر تھا اور آسانی سے اندر آجا سکتا تھا اسلئے بھی اُن کو گھر لے جانا عمرہ کرانا اور پھر واپس ائیر پورٹ لے جانے کی خدمت کی سعادت پائی۔

1998ء میں واپس لندن آ گیا۔ آتے ہی مجلس انصار اللہ یوکے میں مکرم چوہدری وسیم احمد صاحب کے ساتھ کام شروع کر دیا۔ اس دوران قیادت تربیت قائد نومبائین اور قائد تعلیم القرآن کی حیثیت سے خدمت کی توفیق مل رہی ہے۔ اس کے علاوہ خاکسار کو پری میرج کونسلنگ PRE MARRAGE اور اصلاحی کمیٹی میں افراد کے مسائل حل کرنے کی بھی توفیق مل رہی ہے۔



مکرم ملک مبارک احمد صاحب

(جماعت ہونسلو ساؤتھ۔لندن)

یہ ستمبر 1965ء کی بات ہے۔آسمان پر جنگی جہاز گرجتے ہوئے اپنے مشن پر روانہ تھے اور نیچے ٹی آئی کالج کے پرنسپل حضرت مرزا ناصر احمد صاحب (جو بعد میں خلافت کے جلیل القدر منصب پر فائز ہوئے) کالج میں داخلہ کے انٹرویو کر رہے تھے۔ میں بھی داخلے کا ایک اُمیدوار تھا۔ یہ میری اُن سے علاوہ سلام و دعا پہلی باضابطہ ملاقات تھی اور گھبراہٹ کا عالم طاری تھا۔اگرچہ پاک بھارت جنگ زوروں پر تھی تاہم صرف ربوہ پاکستان کا واحد شہر تھا جہاں کالج اور اسکول معمول کے مطابق کھلے تھے۔یہی وجہ تھی کہ بہت سے غیر از جماعت لوگ اپنے بچوں کو تعلیم کی خاطر ربوہ بھجواتے تھے۔تا اُن کی تعلیم و تربیت میں بہتر رنگ میں ہو۔کالج میں داخلے کے بعد ٹوپی گھر بھول آنے پر ایک روپیہ جرمانہ ہو گیا۔جو اُس زمانہ میں بڑی رقم تھی۔والد صاحب مرحوم نے جو وقفِ زندگی تھے جرمانے کی معافی کی درخواست لکھی اور مجھے حکم دیا کہ پرنسپل صاحب کے پاس لے جاؤ۔جُرم کی نوعیت کچھ ایسی تھی کہ درخواست کی منظوری کا بظاہر کوئی اِمکان نہ تھا۔اور سخت سرزنش کی توقع تھی۔ پرنسپل صاحب کے دفتر میں داخل ہوتے ہی ڈرتے ڈرتے سلام کے بعد درخواست آگے رکھ دی۔ پڑھنے کے بعد فرمایا ’’آئندہ ٹوپی کا خیال رکھنا‘‘ اور سارا جرمانہ معاف فرما دیا۔بس اتنی سی بات تھی معلوم یہ ہوا کہ مقصد تربیت کرنا تھا نہ کہ سزا دینا۔کالج کے اساتذہ میں سے کچھ ایسے بھی تھے جو پورے ملک میں مشہور تھے۔ڈاکٹر سلطان محمود شاہد صاحب کی کیمسٹری کی کتب تو پورے پاکستان کے کالجوں میں پڑھائی جاتی تھیں۔ پروفیسر عطا الرحمٰن صاحب، پروفیسر خان حبیب اللہ صاحب، پروفیسر پرویز پروازی صاحب اور ڈاکٹر نصیر خان

صاحب جیسے بلند پایہ اُستاد کی شاگردی میرے لیے ہمیشہ باعث فخر رہی۔اگرچہ تمام اساتذہ بلندیوں کو چھوتے تھے لیکن میرے سب سے فیورٹ استاد لطف الرحمٰن محمود صاحب تھے۔جن کی شاگردی کا اعزاز مجھے ٹی آئی اسکول میں حاصل ہوا۔ بعد میں وہ سیرالیون چلے گئے ۔آج کل امریکہ میں ہیں۔1967ء ٹی آئی کالج سے ایف ایس سی پاس کرنے کے بعد پنجاب نیوکیمپس لاہور کے شعبہ اراضیات میں داخلہ لیا۔وہاں فیزکس میرا ایک اضافی مضمون تھا یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ ہمارے ٹی آئی کالج بلکہ ٹی آئی ہائی اسکول کے سائنس کی لیباراٹری یونیورسٹی کی لیبارٹری سے بہتر تھیں۔اس سے ربوہ کے اسکولوں اور کالجوں کے معیار کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔اب کی حالت کا معلوم نہیں لیکن تب ایسا ہی تھا۔اسی طرح ٹوپی پہننے کی ایسی عادت پڑی کہ ہر روز باقاعدہ ٹوپی پہن کر ہی یونیورسٹی میں جایا کرتا تھا لاہور میں تعلیم کے پہلے دو سال تک تو ہر روز باقاعدہ ٹوپی پہن کر ہی یونیورسٹی جاتا رہا۔جس روز ایم ایس سی کا نتیجہ نکلا اُسی روز خدا نے لاہور کی ایک کمپنی میں ملازمت کا بندوبست کر دیا۔اس کمپنی میں ایک سال تک کام کیا۔اس دوران کوٹری حیدرآباد سندھ سے گذرتے ہوئے دریائے سندھ کے اوپر ریل کے متبادل بڑے پُل کی جگہ کے تعیین کا کام میرے سپرد کیا گیا۔ جہاں پُل 70 کی دہائی میں بن گیا۔اگرچہ ابھی مجھے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ایک سال بعد اسلام آباد میں ایک امریکن تیل کمپنی میں ملازمت مل گئی۔کمپنی نے سال بعد انٹرنیشنل سٹاف میں شامل کر کے طرابلس، لیبیا روانہ کر دیا۔ بعد میں اُسی کمپنی کے ساتھ درجن بھر ممالک میں کام کرنے کا موقع ملا جن میں تیونس، مصر، شام، امریکہ، ناروے اور انگلینڈ شامل ہیں۔آخری ٹرانسفر امریکہ سے لندن آفس میں ہوئی۔خلافت کے لندن آجانے کے بعد پھر کسی ملک میں ٹرانسفر کی خواہش نہ رہی۔قریباً 37 سال کمپنی میں ملازمت کے بعد حال ہی میں ریٹائرمنٹ حاصل کی۔اس دوران خاکسار نے مختلف جماعتی شعبہ جات میں خدمت کی توفیق پائی۔جس میں ہونسلو جماعت کی صدارت اور یوکے سکریٹری رشتہ ناطہ بطور خاص ہیں اب بھی خاکسار بفضل تعالیٰ لوکل جماعتی شعبہ جات میں خدمت کی توفیق پا رہا ہے۔

مکرم مرزا حفیظ احمد صاحب



خاکسار مرزا حفیظ احمد ربوہ میں پیدا ہوا میٹرک ربوہ سے کی پھر 1970 تا 1972 دوسال کالج میں پڑھنے کا موقع ملا حضرت قاضی محمد اسلم صاحب نے داخلہ دیا۔ دوسال تک محترم پرویز پروازی صاحب نے اردو سکھانے کی کوشش کی۔ انگریزی مختلف بزرگوں نے پڑھائی اسی لئے نہ آئی۔ محترم چچا شریف خالد صاحب نے زیادہ پڑھائی اس لیے اب سمجھنے کے قابل ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ محترم اسلم منگلا صاحب محترم مسعود خان صاحب میرے اساتذہ میں شامل ہیں کالج کے دوران اور بعد میں بھی حضرت چوہدری محمد علی صاحب کے زیر سایہ باسکٹ بال بھی کھیلنے کا موقع ملا۔ ہماری ٹیم کے کیپٹن مرزا اعزاز رسول صاحب تھے اور دیگر کھلاڑیوں میں محترم شکیل صاحب، محترم رشید چھیدا صاحب، محترم متین چیمہ صاحب، میں کبھی فرسٹ v میں نہیں رہا۔ محترم صدیقی صاحب چونکہ ربوہ میں پلا بڑھا اس لئے بچپن سے ہی جماعت کی کسی نہ کسی رنگ میں خدمت کی توفیق ملتی رہی۔ کالج کی تعلیم کے بعد خدا تعالیٰ کے فضل سے تحریک جدید ربوہ میں 27 سال خدمت کرنے کے بعد یہاں یوکے میں 15 سال سے جماعت کی خدمت کرنے کی توفیق مل رہی ہے۔ اس کے علاوہ قیام ربوہ میں خدام الاحمدیہ مقامی مرکزیہ اور انصار اللہ مقامی اور مرکزیہ میں مختلف عہدوں پر بھی خدمت بجالانے کی توفیق ملتی رہی۔ الحمد للہ۔ یوکے میں چند سال قبل جب TIC اولڈ سٹوڈنٹ ایسوسی ایشن کے قیام کا آئیڈیا محترم امام صاحب (عطاء المجیب راشد صاحب) کے ذہن میں آیا تو مکرم رفیق اختر روزی صاحب، محترم نعمان محمود صاحب، محترم مرزا عبد الرشید صاحب خاکسار اور چند دوستوں نے جلسہ سالانہ یوکے 2006 کے دوسرے دن ایک میٹنگ کی اور پھر محترم امام صاحب نے حضور انور کی خدمت میں خط لکھ کر اس تنظیم کے قیام کی منظوری حاصل کی اور جب باقاعدہ اس کی مجلس عاملہ بنی تو خاکسار کو سکریٹری تجنید تجویز کیا گیا۔ الحمد للہ۔

تعلیم الاسلام کالج کے خوش نصیب شہداء

(پروفیسر ڈاکٹر محمد شریف خان - امریکہ)

تعلیم الاسلام کالج اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ عظیم مادرِ علمی ہے جس کے فارغ التحصیل طلباء نے شعبہ زندگی میں ملک وملت کی ہر ممکن خدمت سرانجام دینے کے علاوہ کٹھن سے کٹھن حالات اور سخت سے سخت امتحانوں میں سرخرو ہونے کا اعزاز حاصل کیا ہے۔ آج کی محفل میں تعلیم الاسلام کالج کے تین ہونہار طلباء کا ذکر کرنا مقصود ہے جنہوں نے طالب علمی کے دوران اپنی جان کا نذرانہ خدا تعالیٰ کے حضور پیش کر دیا اور رہتی دنیا تک امر ہو گئے۔

مکرم محمد منیر صاحب شامی قادیان (1932ء تا 1947ء)



حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے 11 جون 1999ء خطبہ جمعہ میں محمد منیر خاں شامی شہید کا تذکرہ درج ذیل پر از شفقت الفاظ میں فرمایا:

”مکرم محمد منیر صاحب شامی۔ آپ مکرم ڈاکٹر حبیب اللہ صاحب ابو حنیفی کے ہاں تنزانیہ میں 1922ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔ 1947ء کے دوران آپ تعلیم الاسلام کالج قادیان میں بی اے کے طالب علم تھے۔ آپ واقف زندگی تھے اور عربوں سے اپنی

ہمدردی کی وجہ سے آپ کو لوگوں نے شامی مشہور کر دیا حالانکہ ملک شام سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا لیکن عربوں سے محبت تھی۔

اوصاف حمیدہ

آپ خاموش طبع اور محنتی طالبعلم تھے۔ انگریزی زبان پر عبور حاصل تھا۔ جماعت سے انتہائی محبت اور عقیدت رکھتے تھے۔ امام وقت کے ہر حکم پر لبیک کہنے والے تھے۔ مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ مکرم چوہدری فضل داد صاحب مرحوم لائبریرین تعلیم الاسلام کالج قادیان بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے لائبریری کی تقریباً تمام کتب پڑھ لی تھیں۔

واقعۂ شہادت

آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد کے مطابق اپنے گھر دارالرحمت قادیان برمکان خان ارجمند خان صاحب مرحوم محلہ کی حفاظت کے سلسلہ میں مقیم تھے۔ گھر میں دونالی بندوق تھی۔ ادھر ادھر سے سکھوں کے ہونے والے حملوں کے دوران خوب مقابلہ کرتے رہے۔ ایک رات سکھوں نے ان کے گھر کی دیوار پھاند کر اندھیرے میں آپ پر حملہ کیا اور آپ کو شہید کر دیا۔ جب خدام کو حکم ہوا کہ وہ ہوسٹل میں جمع ہو جائیں تو آپ کو نہ پا کر جب پتا کیا گیا تو آپ کو گھر کے صحن میں چت پڑا پایا گیا۔ آپ کی انتڑیاں باہر نکل چکی تھیں اور آپ شہید ہو چکے تھے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے والد صاحب جوان دنوں تنزانیہ میں تھے وہ بھی اللہ کے فضل سے بہت مخلص انسان تھے۔ دراصل ان سے ہی اخلاص ورثہ میں پایا تھا۔ ان کی ڈائری کے اندراج بتاریخ 3/ستمبر 1947ء میں یہ پرخلوص عبارت درج ہے۔ ’’آج قادیان میں عزیز محمد منیر خان شامی نے شہادت پائی۔ الحمدللہ رب العالمین۔‘‘

پسماندگان

آپ غیر شادی شدہ تھے۔آپ کے تین بھائی اور ایک بہن زندہ ہیں۔سب سے بڑے بھائی ڈاکٹر محمد حفیظ خان صاحب آج کل ٹورانٹو میں رہتے ہیں۔شہید کے دو چھوٹے بھائی بھی تھے محمد معین خان صاحب لاہور میں اور پروفیسر محمد شریف خان صاحب ربوہ میں مقیم ہیں۔جبکہ ان کی بہن خدیجہ بیگم صاحبہ مانٹریال میں آباد ہیں۔'' (الفضل ستمبر 1999ء)

محمد منیر خان صاحب شہید خاکسار راقم کے بڑے بھائی تھے والد صاحب ڈاکٹر حبیب اللہ خان صاحب مرحوم کا ایک واقعہ سنایا کرتے تھے'' ڈڈوما۔تنزانیہ کے ہسپتال میں ایک دن ادھر اُدھر جاتے ہوئے میرا پاؤں پھسل گیا تو دوسرے ڈاکٹروں نے جو سب انگریز تھے مزاحاً فقرہ بازی کی کہ'' لگتا ہے ڈاکٹر خان کے بچے رات کے وقت خان کو سونے نہیں دیتے اس لئے دن کے وقت پھسل پھسل پڑ رہا ہے۔بھلا ہمیں بتاؤ تو سہی اتنے بچوں کا کیا کرو گے؟ میں نے انہیں جواب دیا

God willing Iwill make of them a doctor,an engineer, aclergy man and a teacher.

(انشاء اللہ میں ان میں سے ایک کو ڈاکٹر، ایک کو انجینئر، ایک کو مذہبی عالم اور ایک کو استاد بناؤں گا) پھر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہتے کہ اللہ تعالیٰ نے میری خواہش کو بہتر رنگ میں پورا کیا اور مجھے ان بچوں میں سے ایک شہید بھی عطا کر دیا۔فالحمد للہ علی ذالک۔

محترم میاں جمال احمد صاحب شہید لاہور

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ خطبہ جمعہ مطبوعہ الفضل 3 اگست 1999ء میں میاں جمال احمد کا واقعہ شہادت اس طرح بیان کرتے ہیں۔

''میاں جمال احمد شہید کی شہادت کا واقعہ بہت ہی دردناک ہے اور ان کی بہادری پر بھی دلالت کرتا ہے۔ بہت نڈر انسان تھے۔ محترم جمال احمد صاحب ولد مستری نذر محمد صاحب حلقہ بھائی گیٹ لاہور کو 6 مارچ 1953ء کو شہید کیا گیا۔ شہادت کے وقت آپ تعلیم الاسلام کالج لاہور کے ایف ایس سی کے طالب علم تھے جب بھی حضرت مصلح موعودؓ تشریف لے جاتے تو شہید مرحوم ساری رات ڈیوٹی دیتے۔ 5 مارچ 1953ء کو آپ ساری رات گھر کی چھت پر پہرہ دیتے رہے۔

6 مارچ کو جمعہ کے روز آپ اپنی والدہ اور بہن بھائیوں کو ملنے سائیکل پر جا رہے تھے۔ گھر کے فاصلہ پر محلہ والے جو آپ کو جانتے تھے جلوس کی شکل میں کھڑے تھے۔ آپ پاس سے گزرے تو انہوں نے پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ آپ سائیکل سے اتر کر کھڑے ہو گئے۔ ہجوم گالیاں دیتا ہوا یہ کہتا ہوا آگے بڑھا ''یہ مرزائی ہے اسے جان سے مار دو۔'' ایک شخص جو آپ کو ذاتی طور پر جانتا تھا وہ آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا ''جمال تم کہہ دو کہ تم احمدی نہیں ہو میں تمہیں بچا لوں گا۔ اگر تم ویسے نہیں کہنا چاہتے تو میرے کان میں ہی کہہ تو پھر بھی میں اس ہجوم کو سنبھال لوں گا۔ کیوں کہ آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ آپ کہنے لگے کہ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے احمدی ہوں اور اپنی جان بچانے کے لئے جھوٹ نہیں بولوں گا تم نے جو کچھ کرنا ہو کر لو۔'' چنانچہ آپ کو چاقوؤں سے شہید کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر صرف 17 سال تھی۔

محترم مبشر احمد صاحب شہید گکھڑ منڈی

گکھڑ منڈی ضلع گوجرانوالہ کے چوہدری امانت علی صاحب کے ہونہار بیٹے مبشر احمد تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں ایف ایس سی کے طالب علم تھے۔عزیزم خوبصورت، صحت مند، ہنس مکھ اور نوخیز جوان تھا۔ میں ذاتی طور پر عزیزم کو بچپن سے جانتا ہوں۔عزیزم کا ہنستا ہوا چہرہ اب بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے۔اس کی طبیعت میں ایک طرح کا ہلکا پھلکا مزاح تھا۔ بزرگوں کے ساتھ ہمیشہ مودب رہتا۔مجلس اور جماعتی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا۔کسی وجہ سے ان کی شہادت کا واقعہ شہدا کے واقعات میں ریکارڈ میں نہیں آسکا۔

مبشر احمد اپنی لیاقت اور خوش خلقی کے باعث کالج میں ہردلعزیز تھا۔عزیزم مبشر احمد موسم گرما کی چھٹیاں گزارنے گھر آیا ہوا تھا۔ایک دن بازار میں گزر رہا تھا کہ ایک اوباش قصائی عزیزم کے پیچھے چھری لے کر پڑ گیا اور مبشر احمدیت پر جان نثار کرنے کا اعزاز حاصل کر گیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

ان دنوں حضرت میاں صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج ربوہ، کراچی تشریف لے گئے ہوئے تھے۔جب انہیں مبشر احمد کی شہادت کی اطلاع ملی تو اس کا احوال مکرم پروفیسر چوہدری محمد علی صاحب سابق پرنسپل تعلیم الاسلام کالج تاریخ احمدیت جلد 10 صفحہ 341 پر یوں بیان کرتے ہیں

''جب مرحوم مبشر احمد گکھڑ جو بے حد ذہین طالب علم تھا قتل ہوا اور آپ (پرنسپل صاحب) کی خدمت میں شام کو کراچی میں ضمناً ایک لڑکے مبشر احمد کی اطلاع کی گئی تو رات گئے بارہ بجے کا عمل ہوگا کہ آپ کا فون آیا کہ تفصیل بتائی جائی۔آپ نے فرمایا'' مجھے نیند نہیں آرہی اور بے حد بے چینی ہے۔کیا یہ مبشر احمد وہ تو نہیں جو ہر وقت مسکراتا رہتا تھا؟ افسوس کہ یہی وہی مبشر احمد تھا جس کی وفات پر آپ اس طرح بے چین ہو گئے اور کراچی سے فون کیا۔اتنا عرصہ گزرنے کے بعد بھی جب

عزیزم مبشر کی یاد آتی ہے تو طبیعت پر ایک خاص قسم کی افسردگی چھا جاتی ہے۔ اور بے اختیار دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیز شہید کو اپنی رضا کی چادر میں لپیٹ لے۔ آمین۔

یہ سب شہداء اپنے مالک کی رضا کو پا گئے۔ اللہ تعالیٰ تمام شہدائے احمدیت کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ ان جیسے جاں نثار فرزانوں کے بارے میں حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ نے کیا خوب فرمایا ہے: ”اگرچہ دنیا محبت الٰہی سے سرشار ہو کر جان قربان کرنے والوں کی روایات کو بھول چکی ہے مگر ہم نے قرون اولیٰ کی ان روایات کو از سر نو تازہ کر دیا ہے۔ حق و صداقت کے عاشق جہاں اپنی جانیں نثار کرتے رہے ہیں اُسی قربان گاہ تک رسائی ہماری زندگیوں کا نصب العین ہے۔“ (المنار مئی 2011ء)

مکرم ڈاکٹر مہدی علی قمر صاحب شہید



کسے پتا تھا کہ کلاس میں بیٹھا خوش شکل، خوش مزاج اور دھیما سا لڑکا ایک دن دنیا کا معروف ماہرِ امراضِ قلب بن کر افقِ طبابت پر ابھرے گا اور پھر آناً فاناً جامِ شہادت نوش کر کے زندہ جاوید ہو جائے گا۔ تعلیم الاسلام کالج کے 1978-80 کے سیشن میں مہدی علی ایف ایس سی پری میڈیکل کا طالب علم تھا۔ ربوہ شہر میں آتے جاتے ملاقات ہوتی۔ سر، السلام علیکم! مہدی علی کیا کر رہے ہو؟ سر! امتحان کی تیاری کر رہا ہوں، دعا کریں۔ مجھے ایک دو چیزیں پوچھنا ہیں۔ ٹھیک ہے کل عصر کی نماز کے بعد آ جانا۔ یہ سالوں پرانی یادیں، چہرے پر کھیلتی مخصوص شریفانہ مسکراہٹ، مہذب طور و اطوار، آج جواں مرد مہدی علی کی یاد تازہ کر رہی ہیں۔

چند سال پہلے فون کیا، ڈاکٹر مہدی علی! مجلس طلبائے قدیم تعلیم الاسلام کالج امریکہ اپنا ''المنار'' شروع کررہی ہے۔ آپ اچھے شعر کہتے ہو، شامل اشاعت کرنے کیلئے اپنی کوئی نظم بھیجیں۔ جی سر! نظموں کا مجموعہ بھیج رہا ہوں، جو پسند آئے ... ابھی کچھ ہی عرصہ پہلے مجھے کولمبس میں مکرم نورالحق خان صاحب کے فون کی تلاش تھی، ڈاکٹر مہدی کو فون کیا، دو سیکنڈ میں یہ مسئلہ حل ہو گیا! یہ تھا، ہمارا مہدی علی امریکہ کا مشہور کارڈیالوجسٹ! اندازہ کیجئے یہ ڈاکٹر اپنے پیشے کے لحاظ سے کتنا مصروف ہوگا۔ جب بھی فون کیا ہمیشہ ڈاکٹر مہدی کو لائن پر موجود پایا، جب تقدیر نے شہادت کیلئے کال کیا تو بھی مہدی علی کو موجود پایا اور بڑھ کر آبِ حیات نوش کر لیا۔

مہدی مجھے ایک اور حوالے سے بھی یاد رہے گا، جب بھی کوئی سانپ ڈیرے پر مارا جاتا، میری ضرورت کا خیال رکھتے ہوئے، عزیزم مجھے لا دیتا، اس طرح عزیزم ربوہ کے قیام کے دوران میری تحقیق میں اکثر اپنا حصہ ڈالتا رہا۔

مہدی علی شہید نے ابتدائی تعلیم فضل عمر ماڈل اسکول دارالصدر ربوہ سے حاصل کی۔ میٹرک تعلیم الاسلام ہائی اسکول سے اور ایف ایس سی پری میڈیکل کا امتحان تعلیم الاسلام کالج سے اور ایم بی بی ایس کا امتحان 1988 میں پنجاب میڈیکل کالج سے پاس کیا۔ کچھ عرصہ محکمہ صحت پنجاب سے منسلک رہنے کے بعد دو سال فضل عمر ہسپتال ربوہ میں خدمت بجالاتے رہے، جہاں بلڈ بینک قائم کیا۔ 1991 / 92 میں اپنے کزن ڈاکٹر لئیق طاہر کے ہمراہ کینیڈا آ گئے، وہاں سے امریکہ، جہاں سے دونوں نے ایم ڈی کیا۔ مہدی نے Maimonides ہسپتال بروکلین سے ڈاکٹری کی تربیت (residency training) حاصل کی اور Cardiology میں دسترس حاصل کرکے اسی ہسپتال میں کام کیا اور پھر اوہایو یونیورسٹی میں پڑھانا شروع کر دیا۔ جبکہ ڈاکٹر لئیق طاہر نے American Board of Psychiatry and Neurology میں دسترس حاصل کی اور اب بطور ڈائریکٹر ہیلتھ ایجوکیشن، ہیلیفیکس، کینیڈا میں پیشہ وارانہ خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔

ڈاکٹر مہدی علی کی تحقیقی صلاحیتوں کو خراجِ تحسین ادا کرتے ہوئے امریکن کالج آف کارڈیالوجی نے آپکو ''محقق امراضِ قلب'' کا ایوارڈ برائے 2003-2004 عطا کیا۔ اسکے علاوہ آپ مسلسل 2005 سے 2012 تک امریکہ کے قابل ترین ماہرِ امراضِ دل شمار ہوئے۔ عزیز ڈاکٹر مہدی علی شہید نے اپنی پروفائل میں اپنے پیشہ ورانہ مقاصد کو یوں بیان کیا ہے:

''میں مریض کی نگہداشت میں ہر ممکن بہترین صلاحیتوں کے اظہار پر یقین رکھتا ہوں، میں اپنی بہترین پیشہ ورانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر، جس ادارے سے منسلک ہوں اسکی ترقی اور نیک نامی میں اپنا حصہ ڈالنا چاہتا ہوں۔ میری اولین ترجیح اپنی بہترین صلاحیتوں اور ایمانداری اور راست بازی کو بروئے کار لا کر خدمت خلق کرنا ہے۔''

ڈاکٹر مہدی علی معروف سرجن ہونے کے علاوہ کہنہ مشق شاعر اور بہت اچھے کیلیگرافر بھی تھے۔ اوہائیو کولمبس کی مسجد میں قرآنی آیات کی دیدہ زیب کیلیگرافی رہتی دنیا تک موصوف کی یاد دلاتی رہے گی۔

عزیزم ڈاکٹر مہدی 3 ستمبر 1963 کو مکرم چوہدری فرزند علی صاحب کے گھر پیدا ہوئے، ماشاء اللہ تیرہ بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ بچپن ہی سے ذہین اور صاف ستھرا مزاج پایا تھا۔ شہید کے نانا ماسٹر ضیاء الدین ارشد صاحب ربوہ کے پہلے شہید تھے، جبکہ آپ کے ماموں راجہ نعیم احمد صاحب (نعیم جنرل سٹور، رحمت بازار، ربوہ) اور بھائی اشرف علی چوہدری صاحب کو 1974 کے احمدی دشمن فسادات کے دوران اسیرانِ راہِ مولیٰ رہنے کا شرف حاصل ہے۔ مہدی علی اور ڈاکٹر لئیق ربوہ میں مجالس اطفال وخدام کے سرگرم رکن رہے، تقاریر اور دوسری activities میں بھرپور حصہ لیتے اور انعام حاصل کرتے رہے۔ مہدی علی شہید کا خمیر ربوہ کی مبارک بستی سے پہاڑوں کے سے محکم ارادے لئے اُٹھا، سکول اور کالج کی تعلیم وتربیت نے صیقل کیا، امریکہ جیسے ملک میں، جہاں دنیا جہان کے بہترین دماغ بستے ہیں، سب کو پیچھے چھوڑتا ہوا، اپنے بزرگوں کی

دعاؤں کے طفیل اور خداداد صلاحیتوں کے بل بوتے پر مسلسل کئی سال اپنے پیشے پر حکمرانی کرتا رہا اور پھر ایک ہی جست میں رضوانِ الٰہی حاصل کرگیا!

یہ دونوں بھائی ہمیشہ جماعت کی خدمت کے لئے مواقع سوچتے رہتے تھے۔ان کا منصوبہ تھا کہ کینیڈا کے شہر ٹورنٹو میں جماعت کی خدمت کیلئے multi specialty poly clinic قائم کریں،جس کے لئے مہدی کی کینیڈا میں medical practice license حاصل کرنے کی درخواست process میں تھی۔

مہدی علی شہید نے جس خلوص اور رقت میں ڈوب کر یہ دعا کی ہوگی،سوائے خدائے عزّ وجل کے اور کوئی نہیں جانتا:

''اے ذوالمنن ! اے مہرباں!اس سے پہلے کہ گناہ میری نیکیوں سے بڑھ جائیں اور ہو جائے یہ وجود میرا تیری دھرتی پہ بوجھ کی مانند،اس سے پہلے کہ ہو کے بے بس میں کسی انساں کو سجدہ کرڈالوں،اس سے پہلے کہ تیرا فضل وعطا مجھ سے ہونے لگے گریزاں،تُو پاس اپنے مجھے بلا لینا!اس جہاں سے مجھے اٹھا لینا!اپنی بخشی ہوئی حیات اے خدا میری سانسوں سے تو چرا لینا!''

عزیز مہدی علی شہید مسیح موعود علیہ السلام کو عطا کیے گئے شہداء کی صف میں شامل ہونے کا شرف حاصل کرگیا،شہداء کی یہ لڑی قیامت تک ممتد ہے۔

(المنار اکتوبر نومبر 2014)

تاریخ احمدیہ کا ایک ورق

تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے اعزاز اور شاندار کامیابیاں

1۔ نائیجیریا کے مخلص احمدی پریما بالا صاحب ملکی انتخابات میں کامیاب ہو گئے۔

2۔ تعلیم الاسلام کالج کے طارق باجوہ صاحب اور محمود جمالی صاحب یونیورسٹی باسکٹ بال ٹیم کے لئے منتخب ہو گئے۔

3۔ آل پاکستان انٹر کالجیٹ مباحثہ گورنمنٹ کالج سرگودھا میں تعلیم الاسلام کالج یونین کے مقرر عبدالسمیع صاحب (ابن ابوالبشارت مولوی عبدالغفور صاحب فاضل) نے دوسرا انعام حاصل کیا۔

4۔ امسال تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی ٹیم کشتی رانی کے یونیورسٹی ٹورنامنٹ میں چیمپین قرار پائی ۔ہمارا کالج مسلسل گیارہ سال تک یہ اعزاز حاصل کرتا رہا۔

5۔ گورنمنٹ کالج میرپور آل پاکستان انٹر کالجیٹ اُردو اور انگریزی مباحثوں میں تعلیم الاسلام کالج کے مقرر عبدالسمیع صاحب انگریزی مباحثہ میں اوّل اور اُردو مباحثہ میں دوئم رہے۔ نیز محی الدین صاحب اکبر نے انگریزی مباحثہ میں سوم اور نعیم احمد صاحب نے اُردو مباحثہ میں چوتھی پوزیشن حاصل کی۔

6۔ صدر مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں نے پاکستان ریڈ کراس کے سکریٹری جنرل صفدر علی خان صاحب کو ان کی سنہری خدمات کے صلہ میں ستارہ خدمت عطا فرمایا۔

7۔ چوہدری نذیر احمد صاحب باجوہ سیالکوٹ بار ایسوسی ایشن کے صدر منتخب ہو گئے۔

8۔ جامعہ نصرت ربوہ کی طالبہ مبشرہ سلمٰی صاحبہ(بنت اخوند ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب

سندھی) ثانوی تعلیمی بورڈ اُردو کے سالانہ مقابلہ مضمون نویسی میں اوّل رہیں۔ اور یک صد روپیہ انعام کی حقدار قرار پائیں۔

9۔ ارشد محمود صاحب (ابن قریشی محمد اسحق بسمل صاحب) سیکنڈ پروفیشنل بی ڈی ایس کے امتحان میں یونیورسٹی میں اوّل اور سلیم الدین اختر صاحب (ابن چوہدری علیم الدین صاحب آف چنیوٹ) دوئم قرار پائے۔

10۔ لطیف احمد خاں صاحب ابن حضرت صوفی غلام محمد صاحب) طالب علم گورنمنٹ ہائی اسکول پارہ چنار میٹرک میں 686 نمبر لے کر فرنٹیئر ریجن کے تمام طلباء میں اوّل رہے۔

11۔ پشاور کے احمدی جوان مبشر احمد صاحب میٹرک میں پشاور یونیورسٹی میں دوئم اور مبارک احمد صاحب نے چھٹی پوزیشن لی۔

12۔ چوہدری منور احمد صاحب ابن چوہدری ظفر علی صاحب بی اے (صدر جماعت گکھڑ منڈی) نے سیکنڈ پروفیشنل ایم بی بی ایس کے امتحان میں یونیورسٹی میں پانچویں اور ان کی بہن فہمیدہ صاحبہ نے ایم اے سوشیالوجی میں چوتھی پوزیشن لی۔

13۔ مکرم عرفان الحق صاحب (ابن محترم ڈاکٹر محمد عبدالحق صاحب لاہور) پنجاب یونیورسٹی کے ایم اے اکنامکس کے امتحان میں یونیورسٹی میں اوّل رہے۔

14۔ محترمہ طاہرہ نسرین صاحبہ بنت نثار احمد فاروقی بی ایس سی کے امتحان میں 500 میں سے 430 نمبر لے کر پشاور یونیورسٹی میں نہ صرف اوّل آئیں بلکہ نیا ریکارڈ قائم کیا۔

15۔ چوہدری محمد سلطان اکبر صاحب ربوہ ایم اے عربی کے امتحان میں یونیورسٹی میں سوم رہے۔

16۔ تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے طالب علم جناب حمید احمد خان صاحب (ابن خان عبدالحمید خان آف ویرووال) پری میڈیکل ایف اے کے امتحان میں بورڈ میں اوّل قرار پائے۔ اور اعجاز الحق قریشی صاحب (ابن عزیز احمد قریشی صاحب آف ضلع مظفر گڑھ) نے آرٹس

گروپ میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔

17۔ ولی الرحمن صاحب (ابن میجر ڈاکٹر محمد عبدالرحمن صاحب) پشاور یونیورسٹی سے ایف ایس سی نان میڈیکل کے امتحان میں 458 نمبر لے کر دوئم رہے۔

18۔ تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی کے ناصر احمد پروازی (فرزند اکبر مولانا احمد خان نسیم سابق مجاہد برما ناظر اصلاح وارشاد مقامی ربوہ) ایم اے اُردو میں یونیورسٹی میں دوئم رہے۔

19۔ جامعہ احمدیہ ربوہ کی والی بال کی ٹیم نے چیمپئن شپ جیت لی۔

20۔ ثانوی تعلیمی بورڈ سرگودھا کے تحت تعلیم الاسلام کالج ربوہ نے باسکٹ بال کی چیمپئن شپ جیت لی۔ 21۔ تعلیم الاسلام کالج ربوہ نے آل پاکستان کالجیئیٹ انگریزی مباحثہ میں ٹرافی جیت لی۔

22۔ جناب ملک برکت اللہ صاحب نے ایف ای ایل کے امتحان نے اوّل پوزیشن حاصل کی اور گورنر مغربی پاکستان ملک امیر محمد خان صاحب نواب آف کالا باغ سے گولڈ میڈل لیا۔

(تاریخ احمدیت جلد 21 صفحہ 3)

خطبہ جلیلہ

(حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

مورخہ 19 اپریل 1964ء کو تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے سالانہ تقسیم اسناد وانعامات میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدیمی اور مخلص صحابی، سلسلہ احمدیہ جید متبحر عالم اور ممتاز خادم حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری (جو جناب امیر مینائی کی یادگار بھی ہیں) نے کالج کے فارغ التحصیل طلبا کو پُرمغز اور ایمان افروز خطبہ سے نوازا تھا اس کا مکمل متن ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔ اس قیمتی خطبہ کا ایک ایک لفظ اس قابل ہے کہ اس درس گاہ کا ہر طالب علم اسے غور سے پڑھے اور اپنی تعلیمی زندگی اس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرے۔

معظمی ومحترمی حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ وعزیزان برادران گرامی قدر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ کہ تعلیم الاسلام کالج کی تقریب کی اسناد میں اس خاکسار کو یاد فرمایا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

افسوس کہ میں خرابی صحت اور شدت ضعف ونحافت کی وجہ سے جسمانی شمولیت سے معذور ہوں اور بہ نیت امتثالِ امران الفاظ کے ذریعہ جو خود لکھے ہوئے نہیں لکھوائے ہوئے ہیں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں۔ وباللہ التوفیق۔

تعلیم الاسلام کالج میرے آقا ومولیٰ جری اللہ فی حلل الانبیاء حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لگایا ہوا پودہ ہے۔ اور جو عزیزان باتمیز یہاں سے فارغ التحصیل ہو کر جا رہے ہیں وہ اس

کے پھل ہیں ۔ آپ جانتے ہیں کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے لیکن عمدہ سے عمدہ درختوں میں آنے والے پھل بھی کچھ تو ایسے ہوتے ہیں جنہیں کیڑا کھا جاتا ہے۔ کچھ ایسے جو پرندوں اور حشرات الارض کے کام آتے ہیں ۔ کچھ ایسے ہیں جنہیں موسمی حادثات پختگی سے پہلے ہی شاخوں سے جدا کر دیتے ہیں اور کچھ ایسے جو مرادر تک پہنچ کر خلق اللہ کو محظوظ و مسرور کرتے ہیں اور طرح طرح کے فائدے پہنچاتے ہیں ۔ اس لئے آپ کا یہاں سے کامیاب ہو کر جانا جہاں ہم سب کو اور خود آپ کے لئے طمانیت اور بشاشت کا باعث ہے وہاں فکر و تردد کا موجب بھی ۔ اس لئے کہ آپ ہمیشہ تعلیم الاسلام کالج کے فرزندوں کی حیثیت سے دیکھے جائیں گے ۔ آپ کی تمام حرکات و سکنات اور آپ کا ہر قول و فعل ایک آئینہ ہوگا جس میں صاحبان فکر نظر تعلیم الاسلام کالج کی تصویر دیکھنا چاہیں گے وہ آپ کی گفتار و کردار اور آپ کے روحانی صحت و توانائی سے اس شجر کی حالت و کیفیت کا اندزہ لگائیں گے جس کے آپ ثمر ہیں ۔ آپ کے کندھوں پر بہت بڑا بوجھ اور ایک عظم ذمہ داری آ گئی ہے ۔ جب تک آپ کالج میں تھے آپ کے مربی و شفیق اساتذہ آپ کی راہنمائی کے لئے موجود تھے جو آپ کی غلطی پر گرفت کرنے اور آپ کی کمزوری پر حوصلہ دلانے کے لئے آپ کی راہیں متعین کرنے کے لئے ہر وقت آمادہ و کوشاں رہتے تھے لیکن اب آپ ذہنی و اخلاقی بلوغت حاصل کر چکے ہیں اور یہاں سے جا رہے ہیں آپ کو خود ہی اپنا مربی و اتالیق بننا ہوگا ۔ اب آپ کو اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کی یاددہانی نہیں کرائی جائے گی ۔ آپ خود ہی انہیں یاد رکھیں گے ان کے مطابق گامزن ہوں گے بظاہر تو یہ راہ بڑی پیچدار ہے اور آپ کا منزل مقصود تک پہنچنا نہایت دشوار لیکن اگر آپ نے وہ سبق جو اس عظیم ادارہ میں پڑھا ہے اچھی طرح یاد رکھا اور اسکے مطابق عمل کرنے کا تہیہ کر لیا تو انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو تسلی و اطمینان سے اور اعتماد سے میدان عمل میں گرم رفتار ہو جانا کوئی مشکل امر معلوم نہ ہوگا ۔ اور آپ ضرور منزل مقصود تک پہنچ جائیں گے ۔

یاد رکھئے جس عظیم الشان مرد خدا نے (میرے ماں باپ اس پر قربان) اس ادارے کی ابتداء

فرمائی تھی وہ اسکول یا کالج جاری کرنے کے لئے تشریف نہیں لایا تھا۔ یہ کام تو اور بہت سے ادارے بھی انجام دے رہے تھے اور دے رہے ہیں تعلیم الاسلام کالج یا اسکول کے اجراء سے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقصد یہ تھا کہ ہمارے نوجوان زندگی کے نوبنو تقاضوں سے صحیح طرح عہد برآ ہونے کے قابل ہو جائیں۔ اور اسلام کی آخری جنگ میں جدید سامانِ حرب سے مسلح ہو کر شمولیت اختیار کر سکیں۔ اس کالج کا مقصد آپ کو گریجویٹ بنانے کے ساتھ ساتھ بہتر انسان بنانا بھی ہے۔ محض علم نہ صرف بیکار ہے بلکہ بعض اوقات خطرناک بھی۔ دنیا سائنسی ترقی کے منہ زور گھوڑے پر سوار بڑی فطنت ومبادرت سے اپنے مزعومہ مقاصد کی طرف بڑھتی چلی جارہی ہے لیکن اگر کوئی شخص یورپ یا امریکہ تو کیا چاند یا مریخ تک بھی چکر لگا آئے تو وہ اس سے بہتر انسان نہیں بن سکتا۔ اس لئے یونیورسٹی کے نصاب پر جسے آپ نے ختم کر کے کامیابی کی سند حاصل کر لی ہے بس کرنا ہرگز کافی نہیں بلکہ آپ کا اس نصاب میں بھی پاس ہونا ضروری ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے آپ اور ہم سب کے لئے مقرر فرمایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ **وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ** یہ ایسا نصاب ہے جس پر زندگی کی آخری سانس تک عمل کرنا ضروری ہے۔ یہ علم وحکمت اور طریق تزکیہ سکھلانے والا نصاب انسانوں کا مجوزہ وکخو دساختہ نہیں بلکہ اس قوی اور قادر اور علیم وخبیر کا نازل فرمایا ہوا ہے جس کے قبضہ قدرت سے کوئی شئے باہر اور جس کی نظر سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ اور اس نصاب کے رموز واسرار بتانے اور سمجھانے والے رحیم وکریم استاذ سیدنا وشفیعنا حضرت سید المرسلین وخاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور حضور نے اس نصاب کے تمام رموز واسرار براہ راست عزہ اسمہ وجل شانہ سے حاصل کیے ہیں جو علم وحکمت اور نیکی کا پہلا اور آخری سرچشمہ ہے۔

اے عزیزان ہمایوں خصال! علم تو آپ نے سیکھا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے خوب سیکھا کامیابیاں بھی حاصل کیں اور خوب حاصل کیں۔ مقابلے کے میدان میں ممتاز وسرفراز رہے لیکن یاد رکھیں کہ آپ کا علم اور آپ کی کامیابیاں آپ کو نیکی طہارت تزکیہ نفس اور تعلق باللہ کا مبارک

پیغام بھی دے رہی ہیں۔آپ صرف گریجوئیٹ نہیں بفضلہٖ تعالیٰ تعلیم الاسلام کالج کے گریجوئیٹ ہیں۔آپ پر یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ آپ دین کو دنیا پر مقدم رکھیں گے۔آپ دنیا کو فتح کریں گے اورانشاءاللہ ضرور فتح کریں گے۔لیکن اپنی خاطر نہیں بلکہ اپنے پیارے دین اسلام کی خاطر آپ چاند کی انظام سماوی کی سیر کر آئیں لیکن اپنی خاطر یا اپنی عظمت ظاہر کرنے کے لئے نہیں بلکہ اپنے خالق و مالک اللہ عزاسمہ وجل شانہ کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے۔اور پھر اپنے ہادی پاک صاحب لولاک سیدنا حضرت محمد مصطفی احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے۔آپ علم و حکمت سیکھیں لیکن تقویٰ اور طہارت کے حصول و قیام کی کوشش کے ساتھ۔آپ ہر حال میں اسلام کے جیتے جاگتے چلتے پھرتے نمونے نظر آئیں۔آپ کا ہر قول و فعل آپ کی تمام حرکات وسکنات آپ کی دوستیاں اور آپ کی مجلسیں آپ کے کھیل اور آپ کے مقابلے، آپ کی کاگزاریاں اور آپ کی کامیابیاں اسلام کی خاطر اور اسلام کی روح کے مطابق ہوں۔آپ کا کام ساری دنیا کو اسلام کی آغوش میں لانا ہے۔

آپ کا کام اکناف عالم میں سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظمت کا پرچم لہرانا ہے۔آپ کا کام کفر و اسلام کی اس آخری جنگ میں ایک جری سر بکف اور جاں بز مرد میدان کا کردار دکھانا ہے۔آپ کا ہر کام بہت بڑا ہے اور نتیجہ تک پہنچنے کا فاصلہ بہت لمبا۔ چلنے سے پہلے اپنے نفسوں کا محاسبہ کر لیں کہیں بیمار پھل کی طرح کوئی کیڑا تو موجود نہیں جو اندر ہی اندر نقصان پہنچانے کا موجب ہو۔ کبر غرور، خود پسندی، خودنمائی، طمع وحرص، بدظنی وعیب، چینی اور بخل واسراف بڑے زہریلے کیڑے ہیں۔اور کچل کر نیست و نابود کر دئے جانے کے لائق ہیں۔آپ علم حاصل کریں اور اس پر عمل کرنے میں پوری کوشش سے کام لیں۔آپ اپنے کالج کے شعار ''علم و عمل'' کو ہمیشہ یاد رکھیں۔اپنے استادوں کی عزت کریں کہ اسلام اس کی بڑی تاکید کرتا ہے اور سب سے بڑھ کر اس استاد ازل سے اپنا تعلق استوار کرنے کی کوشش کریں جس کے بغیر تمام کامیابیاں بے فائدہ

ہیں اور ساری سرفرازیاں بے کار۔ قرآن کریم کو اپنا لائحہ مل بنائیں۔ اور اس کے ہر عمل پر سر تسلیم جھکائیں۔ اور اس کی لائی ہوئی تعلیم پر اچھی طرح قائم ہو جائیں۔ عشق رسول کریم ﷺ کو اپنی روح کی غذا بنائیں یہاں تک کہ آپ کے ہر قول و فعل سے انوار عشق رسول ظاہر ہو جائیں۔ آپ دوسروں کو اسلام کی عظمت ہرگز نہیں منوا سکتے تاوقتیکہ وہ آپ کی عظمت خود آپ کے دل میں راسخ نہ ہو چکی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے بڑی فتوحات مقدر کی ہیں۔ اگر اپنے فرائض کو ادا کرتے رہے تو آپ کا خالق و مالک آپ سے راضی ہو جائے گا۔ اور آپ کو حیات جاوید عطا فرمائے گا اور آپ کا نام رہتی دنیا تک عزت و احترام سے لیا جائے گا۔ آپ آج پنے دلوں میں یہ عہد کر لیں کہ اللہ تعالی نے جو امانت ہمارے سپرد فرمائی ہے اس کے ادا کرنے کا حق ادا کرنے کی پوری پوری کوشش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور اُس کے فضل و کرم اور رحمت و نصرت کا سایہ آپ کے سروں پر قائم رہے۔ آپ کو قوموں کی اصلاح کا مہتمّ بالشان کام سپرد کیا جانے والا ہے اس لئے پہلے آپ اپنی اصلاح کریں آپ اچھے سائنسدان اچھے فلسفی اچھے ادیب اور اچھے کھیلنے والے کھلاری ہونے کے ساتھ اچھے انسان بلکہ نمونہ کے انسان بننے کی بھی کوشش کریں۔ آج دنیا کو آپ کی ضرورت ہے۔ آپ کا وجود بہت قیمتی ہے۔ آپ بڑے خوش قسمت ہیں کہ آپ کے سپرد وہ کام کیا گیا ہے جو مدتہا مدت سے کسی کے سپرد نہیں کیا گیا تھا اور زمانہ سالہا سال سے جس کا متقاضی تھا۔ اگر آپ کے ہاتھ سے وہ کام انجام پا گیا تو کون ہے جو آپکی کامیابی پر خوش نہ ہوگا۔ اور کس کے دلسے آپ کے لئے دعا نہ نکلے گی۔ آپ کی عالی ہمتی پر قومیں رشک کریں گی اور آپ نہایت عزت و محبت سے یاد کیے جائیں گے۔ ہم نہیں رہیں گے لیکن ہماری روحیں آپ کی کامیابیوں سے واقف ہو سکیں گی تو بڑی راحت پائیں گی اور مرحبا اور صلِ علیٰ کے پھول برسائیں گی۔ آپ اٹھیں اور اپنے فرائض ادا کرنے میں مشغول ہو جائیں کہ وقت بہت قیمتی ہے اور تھوڑا۔ راہ دل بڑی کٹھن ہے اور نہایت دراز منزل دور ہے اور بہت دور۔

اب میں کالج کے واجب الاحترام اساتذہ اور معظمی ومحترمی صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں اس تعلیمی سال کے خوبی سے خوش اسلوبی اور کامیابی سے ختم ہونے پر گوناگوں دعاؤں کے جھرمٹ میں ہدیہ مبارکباد پیش کرتا ہوں ۔ یہ سال بیش از پیش کامیابیوں کا سال تھا تعلیمی و تنظیمی لحاظ سے بھی اور کھیل کے لحاظ سے بھی۔ جہاں اور کالجوں میں افراتفری ہنگامہ آرائی پریشان خاطری اور انتشار پسندی کی کھلی بندوں نمائش کی گئی وہاں اللہ تعالیٰ کے فضل کرم سے تعلیم الاسلام کے محترم اساتذہ اور عزیز طلبا نے صحیح اسلامی تعلیم کا نمونہ دکھایا اور حسب منشاء سابق فساد فی الارض اور اسی قسم کے دوسرے تمام غیر اسلامی طُروق کار سے عملاً نفرت وحقارت کا اظہار کر دیا۔ فجز اہ اللہ احسن الجزاء۔ اور یہ نتیجہ ہے تعلیم الاسلام کالج سے وابستگی اور شیفتگی کا۔ چونکہ پچھلا تجربہ بتا رہا ہے کہ آنے والے دنوں میں خطرات پیش آنے کا احتمال ہے اسلئے عزیز طلباء ومحترم اساتذہ کو بہت ہوشیار اور خبردار رہنے کی ضرورت ہے تعلیم الاسلام کالج کے طلباء جب تک تعلیم حاصل کرتے ہیں ان کا اہم کام تحصیل علم اور واقفیت اسلام ہے۔ سیاست ان کے لئے سمّ قاتل تحصیل علم سے فارغ ہونے کے بعد ضرورت اور تقاضائے وقت سے جائز سیاسی یا مفید غیر سیاسی مشاغل میں حصہ لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

تعلیم الاسلام کالج کی جو تعلیمی و تنظیمی ترقیاں ہم سے سبکے لئے موجب مسرت و بشاشت ہوئی ہیں ان میں سے ایک ہمارے عزیز القدر طلباء کے کھیل کی ترقی بھی ہے کیوں کہ اس سال انہوں نے اکثر کھیلوں میں کوئی نہ کوئی پوزیشن ضرور حاصل کی ہے۔ الحمد للہ کھیل نہ صرف صحت جسمانی کے لئے ایک ضروری وظیفے کا حکم رکھتے ہیں بلکہ ذہنی اور اخلاقی صحت کے بھی معاون و مددگار بنتے ہیں اور بیرونی دنیا سے بے تکلف وخوشگوار تعلقات کے قیام کا باعث اور تبلیغ کے لئے نئی نئی راہیں کھل جانے کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے کھیلنا بھی ایک نیکی ہے بشرطیکہ نیت بھی نیک ہو۔ میں بڑی مسرت سے تمام کھیلنے والوں (کھلاڑیوں) کو مبارکباد کہتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تعلیم

الاسلام کالج کا پرچم ہر مقابلے اور ہر میدان میں بلند و بالا رکھے اور فاستبقوا الخیرات کی روح ہمیشہ آپ میں زندہ و قائم رہے۔ میں محترم اساتذہ کے لئے بھی دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے خاص فضل و رحمت سے نوازے اور اپنی خاص تائید سے تمام فرائض کو صحیح معنوں میں انجام دینے کی توفیق بخشے میں تحصیل علم سے فارغ ہو کر جانے والے طلباء اور موجودہ و سابقہ طلباء اور آنے والے طلباء کے لئے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں حسنات دارین سے سرفراز فرمائے اور دین و دنیا میں سرخروئی بخشے اور حقیقی معنوں میں تعلیم الاسلام کالج کا مثالی طالب علم بنائے۔ انہیں ہر قسم کے شر سے محفوظ رکھے اور تمام وعدوں کا جو اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے بارے میں ہیں وارث بنائے۔ آمین یا ارحم الراحمین۔ آمین

(المنار ربوہ جولائی اگست ستمبر 1964ء صفحہ 41 تا 45)

تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے متعلق غیروں کے تاثرات

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ کی براہ راست قیادت کے زمانے میں کالج کا نظام تعلیم وتربیت کس درجہ کامیاب رہا اس کا کسی قدر اندازہ ان تاثرات سے بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے جن کا اظہار غیر از جماعت حلقوں سے تعلق رکھنے والے مشہور اہل علم اور سر برآوردہ اصحاب نے کیا ہے۔

1۔میاں افضل حسین صاحب (وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی)

''میرے لئے یہ امر باعث مسّرت ہے کہ تعلیم الاسلام کالج ہر اعتبار سے ترقی کی راہ پر گامزن ہے''

2۔پروفیسر سراج الدین صاحب (سیکرٹری محکمہ تعلیم مغربی پاکستان)



''خالصتہً ذاتی عزم وکوشش کے نتیجہ میں ربوہ میں تعلیم الاسلام کالج جیسی درسگاہ کو قائم کر دکھانا اور پھر اسے پروان چڑھا کر اسے میعار پر لانا ایک عظیم کارنامہ ہے۔تعلیم الاسلام کالج کی یہ ایک خوش قسمتی ہے کہ اسے ایک ایسے پرنسپل کی رہنمائی حاصل ہے جو ایمان ویقین،خلوص وفدائیت اور بلند کرداری کے اعلیٰ اوصاف سے مالا مال ہے۔آج ہمیں ایسے ہی باہمت ،بلند حوصلہ اور اہل انسانوں کی ضرورت ہے۔ہر چند مجھے پہلی بار تعلیم الاسلام کالج کی حدود میں قدم رکھنے کا اتفاق ہوا ہے تاہم میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرے دل میں اور ان تمام لوگوں کے دلوں میں جو اس صوبے میں تعلیم سے کسی نہ کسی طرح متعلق ہیں محبت کا ایک خاص مقام ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ تعلیم الاسلام کالج دو نمایاں شخصیتوں والد اور فرزند کی محنت، محبت اور شفقت کا ثمرہ ہے۔ میری مراد آپ کی جماعت کے واجب الاحترام امام جو اس کالج کے بانی ہیں اور ان کے لائق و فائق فرزند مرزا ناصر احمد سے ہے۔ وہ اپنے مشہور و معروف خاندان کی قائم کردہ روایات کو وقف کی رُوح اور ایک ایسے جذبہ و جوش کے ساتھ چلا رہے ہیں جو دوسرے ممالک میں شاذ ہی نظر آتا ہے۔ جب میں اس کالج پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے انگلستان اور امریکہ میں علم کی ترویج اور اس کے فروغ کے متعلق انسانوں کے وہ عظیم محسن یاد آئے بغیر نہیں رہتے جنہوں نے خدمت کی نیت سے آکسفورڈ، کیمبرج اور ہارووڈ میں کالج قائم کیے۔ خالصۃً ذاتی عزم و ہمت کے بل بوتے پر ربوہ میں ایک ایسی درسگاہ قائم کر دکھانا ایک عظیم کارنامہ ہے اور پھر اس کی آبیاری کرنا اور پروان چڑھا کر اسے حسن و خوبی اور مضبوطی و استحکام سے مالا مال کر دکھانا اور بھی زیادہ قابل ستائش ہے ایک ایسے پرائیوٹ ادارے کو دیکھ کر جو باہمی مخاصمت اور ایک دوسرے کے خلاف سازشوں سے پاک ہو اور جس کی تمام تر کوششیں اعلیٰ تر مقاصد کے حصول کے لئے وقف ہوں، استعجاب اور رشک کے جذبات کا اُبھرنا ایک قدرتی امر ہے۔ آپ کے امامِ جماعت کو علم اور اس کی ترویج سے جو محبت ہے آپ کے پرنسپل صاحب اور ممبران سٹاف ایسے ماہرین تعلیم بھی اس میں حصہ دار ہیں۔ مرزا ناصر احمد صاحب جنہیں اپنے شاگردوں میں شمار کرنا میرے لئے باعث عزت ہے برصغیر ہند و پاکستان کے نامور فاضل اور ماہر تعلیم ہیں۔ یہ کالج کی خوش قسمتی ہے کہ اسے ایک ایسے پرنسپل کی رہنمائی حاصل ہے جو اپنی زندگی میں آج کے دن تک بڑی مستقل مزاجی کے ساتھ مقررہ نصب العین کے حصول میں کوشاں چلے آ رہے ہیں اور زمانے کے اُتار چڑھاؤ ان کے لئے کبھی سدّ راہ ثابت نہیں ہو سکے۔ ان سے کم اہلیت اور کم عزم و حوصلہ کا انسان ہوتا تو زمانے کے اُتار چڑھاؤ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا۔ ہمیں ایسے ہی آدمیوں کی ضرورت ہے جو ایمان و یقین، فدائیت اور بلند کرداری کے اوصاف سے متصف ہوں۔ مرزا ناصر احمد سے تعارف اور ان کی دوستی کے شرف سے مشرف ہونا

عزم وہمت کے ازسر نو بحال ہونے کے علاوہ خود اپنے آپ کو اس مستقبل کے بارے میں جو زمانے کے پریشان کن بادلوں کے پیچھے پوشیدہ ہے ایک پختہ اور غیر متزلزل اتحاد سے بہرہ ور کرنے کے مترادف ہے۔''

3۔جناب حماد صاحب کمشنر سرگودھا ڈویژن

''تعلیم الاسلام کالج جیسا ادارہ قائم کرنے اور اسے ترقی دینے پر اس کے بانی مستحق مبارک باد ہیں۔ میں پرنسپل صاحب اور ان کے سٹاف کو بھی ایسے ادارہ کی سر براہی پر دلی مبارک باد دیتا ہوں۔جناب حماد صاحب کمشنر سرگودھا ڈویژن۔

''سرگودھا ڈویژن کے کمشنر محترم جناب حماد رضا صاحب نے 15 اکتوبر 1962ء کو تعلیم الاسلام کالج میں طلبا اور ممبران اسٹاف سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تعلیم الاسلام کالج جیسا ادارہ قائم کرنے اور اسے ترقی دینے اور اس کی مزید ترقی کے لئے کوشاں رہنے پر اس کے بانی مستحق مبارک باد ہیں۔آپ نے کالج کی رفتار پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے مزید فرمایا کہ میں کالج کے پرنسپل صاحب اور اُن کے سٹاف کو بھی دلی مبارک باد دیتا ہوں کہ وہ ایک ایسے ادارہ کی سر براہی کا فرض ادا کر رہے ہیں جس پر وہ فخر کر سکتے ہیں۔

جناب حماد رضا صاحب بزم اردو تعلیم الاسلام کالج کے سال رواں کے افتتاحی اجلاس میں صدارتی تقریر ارشاد فرما رہے تھے۔اس اجلاس میں کالج کے طلبا اور ممبران اسٹاف کے علاوہ صدر انجمن احمدیہ کے بعض ناظران صاحبان اور دیگر حضرات نے بھی شرکت فرمائی۔

محترم جناب حماد رضا صاحب کمشنر سرگودھا ڈویژن نے حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا میں بزم اردو تعلیم الاسلام کالج کے کارکنوں کا ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے یہاں آنے کا موقع دیا۔ ایسے ادارہ میں اور ایسے لوگوں کے ساتھ لمحے گزارنا ہمیشہ ایک سعادت ہوتی ہے جو نامساعد حالات کے باوجود سرگرم عمل رہ کر آگے قدم بڑھنے والے ہوں۔آپ نے فرمایا جہاں تک اس بزم کی سال

گزشتہ کی کارگزاری اور مساعی کا تعلق ہے میں اسے مبارک باد دیتا ہوں کی دقتوں اور مشکلات کے باوجود اس کے کارکنان ہمت سے آگے بڑھتے رہتے اور ترقی کرتے رہے ہیں۔"

اس کے بعد آپ نے تعلیم الاسلام کالج کی رفتار ترقی پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا میں ابھی یہاں آیا ہوں اور یہاں آنے کے بعد چند منٹ میں نے آپ کے محبوب پرنسپل صاحب سے باتیں کیں۔ میں مبارک باد دیتا ہوں اس کالج کے بانیوں کو کہ انہوں نے اس ادارہ کو قائم کیا اور پھر اسے ترقی دے کر اس حد تک لائے اور اب اسے اور ترقی دینے کہ خواہاں ہیں مجھے پرنسپل صاحب سے پتا چلا ہے کہ ہر سال ہی کالج کے نتائج یونیورسٹی اور بورڈ کی شرح فیصد سے زیادہ رہتے ہیں۔ یہ امر واقعی باعث مسرت ہے۔ میں پرنسپل صاحب اور ان کے سٹاف کی خدمت میں دلی مبارک باد عرض کرتا ہوں کہ وہ ایسے ادارہ کی سربراہی کا فرض ادا کر رہے ہیں جس پر وہ فخر کر سکتے ہیں۔ میری دعا ہے اور میری دعا سے زیادہ آپ کی اپنی ہمت اور کوشش پر انحصار ہے کہ آئندہ یہ کالج پہلے سے کہیں بڑھ کر ترقی کے منازل طے کرے۔

(الفضل 17 اکتوبر 1962ء صفحہ 1)

4۔سابق سکریٹری محکمہ تعلیم جناب انور عادل صاحب سی۔ایس۔پی سکریٹری صوبائی وزارت داخلہ

"بلا شبہ آپ کا یہ تعلیمی ادارہ اس لحاظ سے بہت خوش قسمت ہے کہ اسے وہ ماحول میسر ہے جیسے ہم صحیح معنوں میں ماحول کہتے ہیں۔ یہاں دھیان بٹانے اور توجہ ہٹانے والی بے مقصد قسم کی غیر علمی مصروفیات ناپید ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس خالص تعلیمی ماحول میں حصول تعلیم اور کردار سازی کے نقطہ نگاہ سے آپ کو یہاں ایک بھرپور زندگی بسر کرنے کا زرّیں موقع حاصل ہے اور آپ لوگ سیرت و کردار کے یکساں سانچوں میں ڈھلتے ہوئے نظر آتے ہیں"

5۔جسٹس سجاد احمد خان جج عدالت عالیہ مغربی پاکستان لاہور

’’اس ادارہ میں تربیت کی کشتی کے چپّو بڑے ہی پختہ کار ہاتھوں میں ہیں جو جانتے ہیں کہ ماحول کے ساتھ مناسبت پیدا کر کے بالآخر ماحول پر کس قدر غلبہ پایا جاسکتا ہے۔ یہ بجائے خود بہت بڑی خوبی پر دلالت کرتا ہے‘‘

6۔جسٹس انوار الحق صاحب جج ہائیکورٹ مغربی پاکستان لاہور

’’عدالت عالیہ مغربی پاکستان کے جج مسٹر انوار الحق صاحب نے 11 دسمبر 1962ء کو بزم اردو تعلیم الاسلام کالج کے زیر انتظام ایک خصوصی اجلاس میں طلبا کو خطاب کرتے ہوئے انہیں مستقبل کی عظیم ذمہ داریوں سے کما حقہٗ عہدہ برا ہونے کے لئے اعلیٰ کردار کی تشکیل و تعمیر کی تلقین کی اور اس بات پہ مسرت کا اظہار کیا کہ تعلیم الاسلام کالج کا پرسکون علمی ماحول اس مقصد کے حصول کے لئے مثالی اور بے نظر ماحول ہے جہاں دوسری جگہوں کے غیر ضروری اور مضرت رساں اثرات بالکل معدوم ہیں۔ بزم اردو کا یہ خصوصی اجلاس ساڑے چار بجے شام کالج ہال میں انعقاد پذیر ہوا جس میں طلبا کے علاوہ دوسرے تعلیمی اداروں کے طلبا اور ربوہ کی چیدہ علمی شخصیتوں نے بھی شرکت کی۔

مسٹر جسٹس انوار الحق نے بزم اردو کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کالج کا جملہ نظام اور طلبا کی تنظیم و تربیت کا اظہار فرمایا اور کہا کہ آج آپ کے ادارہ میں آکر میری اپنی طالب علمی کا دور میری آنکھوں کے سامنے آ گیا ہے۔آکسفورڈ جیسی فضاء کو دیکھ کر میرے دل میں پرانی یادیں تازہ ہوئی ہیں اور میں یہ سوچ رہا ہوں کہ آپ لوگ خوش قسمت ہیں کہ آپ کو مثالی تعلیمی اور تربیتی ماحول میسر ہے جہاں دوسری جگہوں کی مضرت انگیز مصروفیات ناپید ہیں۔‘‘ (الفضل ربوہ 14 دسمبر 1962ء صفحہ 8)

7۔ پروفیسر حمید احمد خاں صاحب وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی

’’یہ کالج دوسری غیر سرکاری درسگاہوں کی طرح ہمارے قومی نظام میں ایک خاص مقام رکھتا

ہے۔ مجھے اس میں قطعاً شبہ نہیں کہ قومی جماعتوں اور انجمنوں کی قائم کی ہوئی درسگاہیں اپنی خامیوں اور کمزوریوں کے باوجود ہماری اجتماعی زندگی میں ایک بنیادی ضرورت کو پورا کر رہی ہیں اور ان کے نہ ہونے سے ہماری زندگی میں ایک خلا ہوگا۔''

8۔مولانا صلاح الدین احمد ایڈیٹر ''ادبی دنیا''

''جون 1963ء کو تعلیم الاسلام کالج کا سالانہ جلسہ تقسیم اسناد انعقاد پذیر ہوا۔ ادیب بزرگ مولانا صلاح الدین احمد مہمان خصوصی کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ پرنسپل تعلیم الاسلام کالج نے ان کو خوش آمدید کہتے ہوئے فرمایا

''ہمارے کالج میں ہمارے آج کے معزز مہمان جناب مولانا صلاح الدین احمد کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اپنی ذاتی صلاحیتوں اور عدیم المثال خدمات کے باعث آپ ملک کے علمی ادبی اور اصلاحی حلقوں میں ہمہ گیر شہرت اور عزت کے مالک ہیں۔ آپ کی یہ خدمات عظیم بھی ہیں اور اہم بھی۔ آپ کی پُرکشش شخصیت اور صدق نیت کے دوست دشمن سبھی مداح ہیں۔ مولانا ایک عظیم ادیب ہی نہیں بلکہ ایک عظیم انسان بھی ہیں۔ آپ ایک فرد ہی نہیں ادارہ ہیں۔ آپ صرف ''ادبی دنیا'' ہی کے نہیں بلکہ دنیائے ادب کے بھی سربراہ ہیں۔ آپ کی ادبی تخلیقات شہرہ عام اور بقائے دوام کی سند حاصل کر چکی ہیں۔ یہ امر ہمارے لئے تشکر و امتنان اور فخر کا باعث ہے کہ ہمارا مولانا کا ہمیشہ چولی دامن کا ساتھ رہا ہے اور مولانا کی کرم فرمائی نے تعلیم الاسلام کالج کو ہمیشہ ایک متاع عزیز کی حیثیت سے نوازا ہے۔ آپ اپنی علالت طبع اور تنوع مصروفیات کے باوجود بنفسِ نفیس کالج میں تشریف لا کر ہمارے علمی ادبی و سرگرمیوں میں شمولیت فرماتے ہیں۔ مولانا ایک بے غرض، بے باک، روشن دماغ اور غیور پیر جواں ہمت ہیں۔ آپ ادب عالیہ کی عظیم ترین روایات کے حامل اور علمبردار خود ایک صاحبِ طرز ادیب نثر نگار اور نقاد اور زبان اُردو کے قدیم وشیدائی ہیں ۔قوم کے ادبی فکری مزاج کی تہذین وتزئین میں مولانا نے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں

اور گیسوئے اردو کو کئی لحاظ سے اب تک منت پذیر شانہ تھی اسے ریاضت اور انہماک اور محبت سے سنوارا ہے۔قوم اگر آج نہیں تو کل اُنہیں ضرور پہچانے گی اور اس داستان عظیم کی جس میں مولانا نے قدم قدم پر ایک ہیرو کا کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں ایک قومی دستاویز کی حیثیت سے ایک دن قدر کرے گی۔علمی وادبی کساد بازاری اور قحط الرجال کے اس دور میں آپ کا وجود بسا غنیمت ہے۔ہم ممنون ہیں کہ آپ نے جلسہ اسناد کی تقریب میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے شمولیت فرما کر ہماری عزت افزائی فرمائی ہے۔فجز اکم اللہ احسن الجزا۔ہم آپ کو صددل سے خوش آمدید کہتے ہیں۔"

مولانا صلاح الدین صاحب نے اس کے جواب میں جو خطبہ ارشاد فرمایا اُس کے بعض اہم حصص مندرجہ ذیل ہیں۔

جناب استادِ کبیر اساتذہ کرام حضراتِ محترم وعزیزان گرامی!

جادہ حیات کا یہ مسافر اپنے سفر کے آخری مراحل طے کرتا ہوا اس نخلستانِ معرفت میں حاضر ہوا ہے اور ابھی اُس کی آنکھیں اس کی شادابیوں سے طراوت کے حصول میں محو اور اُن کی روح اِس کی نسیمِ جاں نواز کے جھونکوں سے فرحاں ہونے کی اولیں کوششوں میں مصروف تھی کہ باغبان نے اس کے شانوں پر احسان مروت کے بہت بڑے بڑے بوجھ رکھ دیئے اور اُس کی ناتوانیوں کا قطعاً کوئی خیال نہیں فرمایا۔کیوں صاحب آپ کے یہاں تھکے ہارے مسافروں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جاتا ہے؟

میں جناب والا سے نہایت عاجزی سے التجا کرتا ہوں کہ میں واقعی اُس لطف کریمانہ کا بار نہیں اٹھا سکتا جو آپ نے آج صبح میرے لئے تجویز فرمایا ہے از راہ ترحم مجھے اس سے سبکدوش فرمایئے تاکہ میں اطمینان کا سانس لے کر اپنے دل کی چند باتیں اس انجمن حکمت ومعرفت اور اس محفل خلوص ومحبت میں یک گونہ احساس فراغت سے کہہ سکوں۔

عزیزان گرامی! آپ نے خوش بختی سے زندگی میں داخل ہونے کا وہ زمانہ پایا ہے جب

عروج آدم خاکی سے انجمن سہمے جاتے ہیں۔ انسان اپنی مادی ترقی کی انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ اگر حقیقتاً ہم نہیں جانتے کہ کتنی اور انتہائیں اپنی ابتداؤں کی منتظر ہیں۔ میں نے آپ کو خوش بخت اس لئے کہا ہے کہ زندگی کا وہ چیلنج جو آج نصف صدی پہلے نو واردان عرصہ تنگ و تار کے سامنے تھا اس دعوتِ مبارزت کے سامنے ہیچ ہو چکا ہے جو زمانہ آج آپ کو دے رہا ہے۔ پھر کیا آپ خوش قسمت نہیں ہیں کہ آپ کے بازوؤں کی توانائیاں، ذہنوں کی روشنیاں، قلوب کی گرمیاں اور ارواح کی بالیدگیاں اُس جہان تازہ کے مسائل سے پنجہ آزما ہونے والی ہیں جسے خالق ارض و سماء کے جدید ترین ادارے اور مصالح معرضِ وجود میں لا رہے ہیں۔ اور جسے رُوح حیات اور روح آدم دونوں خوش آمدید کہہ رہی ہیں۔

میرے عزیزو! یہ ساعت عید جو سر پر آن پہنچی ہے اپنے اندر بے پناہ ممکنات رکھتی ہے۔ یہ وقت ڈرنے اور تامل کرنے کا نہیں ہے۔ زمانہ زبان حال سے بار بار پکار رہا ہے کہ اے نیند کے مارو اور اے مئے غفلت کے متوالو! اٹھو کہ کاروان حیات کو برق و باد کے پر لگ گئے ہیں اور وہ مہینوں کا فاصلہ منٹوں میں طے کرتا چلا جا رہا ہے اور اس کی تیزی رفتار کی ہی نسبت سے اس کا افق بھی پھیلتا اور دُور ہوتا جا رہا ہے۔ پھر وہ کون پست ہمت ہے جو آخر شب کی ان گھڑیوں میں فرسودگی کی چادر اوڑھے سوتا رہے گا اور تقدیر کی اذان سُننے سے انکار کر دے گا۔

عزیزان گرامی! آپ ایک اعتبار سے بھی خوش بخت ہ بلکہ بدرجہ غایت خوش بخت ہیں۔ آپ نے ایسی روح افروز روایات ورثے میں پائی ہیں جو آپ کی معاصر قوموں کو نصیب نہیں ہوئیں۔ مسیح ناصری کی اُمت سے خداوند خدا نے انسان سے مایوس ہو کر بیزار ہو کر کہا تھا کہ یعنی اے انسان تو خاک ہے اور تیرا ملجاء ماویٰ بھی خاک ہے لیکن اسلام کے خدا نے یہ فرمایا ہے کہ

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ○ اس کا رتبہ کائنات کی سب بلندیوں سے بلند اور موجودات کی تمام شرافتوں سے شریف تر کر دیا اور بنی نوآدم کو نوید دی کے وَلَا تَهِنُوْا وَلَا

تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ تم اپنے آپ کو کمزور مت جانو اور اس احساس سے اپنے آپ پر حزن و ملال، مایوسی اور نا امیدی مت طاری کرو کیونکہ اگر تم اپنے خدا پر اور اسکے خلیفہ کی حیثیت سے اپنے آپ پر ایمان رکھو گے تو تم اس کائنات کے سب سے اونچے مقامات پر فائز کیے جاؤ گے۔

میرے نوجوان دوستو! آپ کی تیسری خوش بختی یہ ہے کہ آپ نے جس ادارے میں تعلیم و تربیت پائی ہے وہ دُنیا میں دین کے امتزاج کا نہایت متوازن تصور پیش کرتا ہے نہ صرف پیش کرتا بلکہ اس عمل مسلسل میں ملبوس بھی کرتا چلا جاتا ہے۔ خدا وہ دن جلد لائے جب ہم اِس کو ایک معیاری اور مکمل اور منفرد کلیہ کی حیثیت وصورت میں دیکھ سکیں۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ جہاں کام کو کام نہیں بلکہ ایک مشن تصور کیا جاتا ہے، جہاں طلباء کو فقط کو پڑھایا نہیں جاتا بلکہ ان کے مزاجوں میں ایک کوہ شکن سنجیدگی اور کردار میں ایک شریفانہ صلاحیت پیدا کی جاتی ہے اور جہاں اساتذہ کی قربانیاں اور جانفشانیاں اپنے پیچھے ایک کہکشانِ نور چھوڑتی چلی جاتی ہیں وہاں اہل خیر کی تمنائیں کیوں نہ فروغ پائیں گی اور اہل علم کے عزائم کیوں نہ پُورے ہوں گے۔ آپ اب زیور علم سے آراستہ ہو کر زندگی کی دہلیز پر کھڑے ہیں اور کوئی دن کی بات ہے کہ آپ آنے والی مصروفیات میں گُم ہو جائیں گے لیکن یاد رکھیئے کہ اب آپ کی علمی زندگی کے ساتھ آپ کی عملی زندگی کا بھی آغاز ہوگا۔

کالج کے سنہری ایام محض تیاری کے ایام ہیں۔ یہاں آپ نے تحصیل علم کا فقط ذوق حاصل کیا ہے حقیقی تحصیل کا زمانہ اب آ رہا ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اس تحصیل کو اپنی زندگی کے ساتھ ساتھ تکمیل تک پہنچاتے ہیں اور پھر اسے نامکمل نہیں سمجھتے۔

پس اے نونہالانِ قوم اپنے سروں کو جُھکا کر اس مادر علمی سے اجازتِ رخصت لو اور جب اس کی حدود سے نکلو تو سروں کو پھر سے بلند کر لو اللہ کی سرزمین اللہ ہی کے اطاعت شعار بندوں کی میراث ہے خدا کرے تمہارے ایمان اپنے خالق پر اور اس کی بخشی ہوئی قوتوں کی بدولت خود اپنے

آپ پر ہمیشہ تازہ رہیں اور جب بھی اس نخلستانِ علم اور اس ایوان سکون و عافیت کا خیال تمہارے دلو ں میں آئے تو ان نفوس قدسی پر اپنا سلام بھیجنا ہرگز نہ بھولو جنہوں نے تمہارے ذہنوں کو جلا بخشی تمہارے کرداروں کو تعمیر کیا اور تمہیں ایک تیزی سے بدلتے ہوئے زمانے سے پنجہ آزمائی کے لئے تیار کیا۔ وماتوفیق الا باللہ العلی العظیم۔ (المنار اکتوبر نومبر دسمبر 1963ء جلد 13 شمارہ 4 صفحہ 13 تا 17)

9۔ڈاکٹر ظفر علی ہاشمی وائس چانسلر زرعی یونیورسٹی لائلپور



''وزارتی یونیورسٹی لائل پور کے وائس چانسلر جناب ظفر علی ہاشمی صاحب نے 10 اکتوبر 1963ء سالانہ اجلاس تعلیم الاسلام کالج میں طلبا تعلیم الاسلام کالج کے جذبہ حصول علم کو سراہتے ہوئے فرمایا۔

''مجھے مسرت ہے کہ میں تعلیم الاسلام کالج کے طلبا کے درمیان موجود ہوں جن کا اوڑھنا بچھونا علم ہے اور جو علم کے حصول کو بھی عبادت تصور کرتے ہیں۔ بزم اردو کی گذشتہ سال کی مساعی پر اظہار مسرت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ آپ لوگ اپنی قومی زبان کی جو خدمت کر رہے ہیں وہ ہر لحاظ سے قابل تحسین اور قابل ستائش ہے۔ یاد رکھیئے! خدمت ہمیشہ صلہ اور ستائش سے بالا ہو کر کی جاتی ہے اور وہی افراد قوموں کی کشتی کو کنارے لگاتے ہیں جو بے لوث ہو کر میدان عمل میں آتے ہیں، جس کا جذبہ قابل قدر ہے۔ جب میں اپنے نوجوانوں میں خدمت کے لئے ایسے سلجھے ہوئے جذبات دیکھتا ہوں تو میرا دل خوشی سے بھر جاتا ہے اور میں کہتا ہوں کہ کاش ہمارے سب نوجوان اس جذبہ سے معمور ہو جائیں۔'' اُردو کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ

''اردو ہماری قومی زبان ہے لیکن افسوس ہے کہ ہم اس کی طرف کما حقہ توجہ نہیں دیتے میں نوجوانوں سے یہی کہتا ہوں کہ وہ آگے آئیں اور اس کام کو سنبھالیں اپنی قومی زبان کی ترویج وترقی میں کوشاں ہوں تاکہ ہماری زبان جلد از جلد اپنا صحیح مقام حاصل کر سکے۔''

آپ نے یہ انکشاف بھی فرمایا کہ زراعتی یونیورسٹی میں ایک شعبہ اردو قائم کیا گیا ہے جس کا نام

زرعی اصطلاحوں کو اردو میں منتقل کرنا ہے اور یہ کام بڑی سرعت سے ہو رہا ہے آپ نے یہ توقع ظاہر کی کہ اگر ہماری قومی زبان کے بارے میں زیادہ ذمہ داری سے کام لیں تو یہ امر چنداں مشکل نہیں۔

(الفضل ربوہ 13 اکتوبر 1963ء صفحہ 1)

10۔مولانا عبدالمجید صاحب سالکؔ مدیر ”انقلاب“ لاہور

”تعلیم الاسلام کالج احمدی جماعت اور پرنسپل میاں ناصر احمد کی مخلصانہ مساعی اور شبانہ روز محنت کا ایک عظیم الشان معجزہ ہے۔اس کالج کے کارکن جماعت کے تعمیری و تعلیمی تصورات کی تکمیل میں ہمہ تن مصروف ہیں اور میرے نزدیک اس درسگاہ کی سب سے بڑی خصوصیت اور برکت یہ ہے کہ ربوہ کی فضاء آجکل کی شہری آلودگیوں سے قطعی طور پر محفوظ ہے اور وہ ترغیبات سے بالکل مفقود ہیں جو تربیت اخلاق میں حائل ہو کر تعلیم کے بلند تصورات کو برباد کر دیتی ہیں۔اللہ تعالیٰ اس درسگاہ کو پاکستانیوں کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید و بابرکت بنائے اور اس کے کارپردازوں کو بیش از بیش سعی وجدوجہد کی توفیق عطا فرمائے۔

ربوہ 11 فروری 1956ء عبدالمجید سالک“

11۔جناب عبدالحمید صاحب دستی وزیر تعلیم مغربی پاکستان



”تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی اسلامی روایات قابل تقلید وستائش ہیں ۔پرنسپل میاں ناصر احمد کی مساعی ادارے کی ہر نوع میں تعمیر کے متعلق مبارکباد کی مستحق ہیں ۔ادارے کے معائنہ سے مجھے بہت اطمینان اور راحت نصیب ہوئی ہے۔اللہ تعالیٰ اس درسگاہ کو برکت عطا فرمائے۔

عبدالمجید دستی 17 مارچ 1957ء“

12۔صوفی غلام مصطفی صاحب تبسّم مدیر"لیل ونہار"



"تعلیم الاسلام کالج اور متعلقہ اداروں کو دیکھ کر ہمیں روحانی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ چند سالوں میں یہاں جس تیز رفتاری اور خوش اسلوبی سے ترقی ہوئی ہے وہ کارکنوں کے خلوص، بلند ہمتی اور استقلال کا نتیجہ ہے۔توقع ہے کہ یہ جگہ تھوڑے ہی عرصے میں ہمارے ملک کی ایک معیاری اور قابل رشک جگہ ہوگی"

13۔جسٹس جناب ایم آر کیانی چیف جسٹس سپریم کورٹ پاکستان



تعلیم الاسلام کالج کے سالانہ جلسہ تقسیم اسناد کے موقع پر سپریم کورٹ کے چیف جسٹس جناب ایم آر کیانی کے دلچسپ اور خیال آفریں خطاب کے چند منتخب حصص پیش خدمت ہیں۔

صاحب صدر! آپ نے میرے مسلسل انکار کے باوجود مجھ سے جس زبردستی سے یہاں آنے کا وعدہ لیا تھا اس کے پیش نظر شکریے سے تو قاصر ہوں اور یوں بھی ایسے موقعوں پر شکریہ ادا کرنا ایک بدرسم ہوگیا ہے۔ میں سوچ رہاں ہوں کہ ان برخورداروں کو جو قومی زندگی کی دہلیز پر ہیں کون سی کام کی بات سنا سکتا ہوں؟ علی بابا چالیس چور کی کہانی یا داستان امیر حمزہ۔ یہ قصے تو پہلے ہی سن چکے ہوں گے۔ یہ کہنا بھی بیکار ہے کہ آپ قوم کا بیش بہا سرمایہ ہیں یہ بار تو آپ پشت در پشت سنتے چلے آئے ہیں۔ یہ بھی سنا ہوگا کہ آپ کو قومی زندگی کی بڑی بڑی ذمہ داریاں اٹھانی پڑیں گی۔

ابھی تھوڑے دن ہوئے کہ کسی بزرگ نے طلبا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ محنت کرو! انعام لو! اکرام لو! ہم تو اٹھارہ گھنٹے کام کرتے ہیں آپ آٹھ گھنٹے ہی کریں کیونکہ آپ ہم سے کچھ زیادہ ہی جوان ہیں۔قوم کا بیش بہا سرمایہ ہونے کے باوجود آپ سب گورنر ویز یا جج نہیں بن سکیں گے

آپ میں سے بہت سے معمولی عہدوں کے حامل ہوں گے اس لئے یہ کہنا ضروری ہے کہ

گر نہ نکبت برسی پست نہ گردی مردی

گر بدولت برسی مست نہ گردی مردی

یعنی غریبی آئے اور پھر بھی طبیعت میں پستی پیدا نہ ہوتو تُو صاحب کردار کہلانے کا مستحق ہے یا اگر خدا زندگی میں دولت اور ثروت عطا کرے اور تُو مست نہ ہوتو تُو صحیح معنوں میں مرد ہے۔ آپ سے ہمیشہ کہا جاتا ہے کہ محنت محنت کرو ممکن ہے کہ یہ سن سن کر آپ پر ہراس کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہو اس لئے میں اس کے نعم البدل کے طور پر یہ کہوں گا کہ کچھ کھیلا بھی کروتا کہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکو۔شاید کھیلتے کھیلتے یہ احساس پیدا ہو کہ دنیا تو کھیل کود ہے ذرہ کچھ کام بھی کر لیں۔ جولڑکا ورزش نہیں کرتا اور شام کو نفیس کپڑے پہن کر بال بنا کر نکلتا ہے اور زمین پر نرم نرم قدم رکھتا ہے تاکہ زمین کو دکھ نہ ہو وہ اگر دنیا میں کامیاب ہو بھی جائے تو صرف اپنے لئے ہی کامیاب ہو گا۔مرزا ناصر احمد نے جو مختصر تعارف میں جو یہ کہا ہے کہ 1947ء کے بعد اس کالج کی ابتداء ایک ڈیری فارم کی عمارت سے ہوئی جس کا نچلا حصہ اصطبل کا سا رنگ رکھتا تھا، تاہم لٹے پٹے طلباء نے یہ سختیاں خندہ پیشانی کے ساتھ سہیں۔آپ اُس ڈیری فارم کا یہ مثبت تصور دل میں رکھیں کہ وہ محض اس لئے چلایا جاتا ہے کہ دودھ اور مکھن جیسی مفید چیزیں لوگوں کے لئے تیار کی جائیں۔آپ بھی اپنی ذات کے علاوہ دیگر لوگوں کے لئے مفید بننے کی کوشش کریں۔ کالج کے زمانے کو ایک مستقل صندوق کی طرح آئندہ زندگی سے علیحدہ نہیں رکھ سکتے۔ کیونکہ جو عادتیں آپ یہاں بنائیں گے وہ مستقبل میں آپ سے علیحدہ نہیں ہوں گی۔ یہ برفانی پہاڑوں کی ندی جو آپ کے منبع سے جاری ہے آپ کے ساتھ ریت کے ٹیلوں میں بھی جاری رہے گی۔ یہ غلط ہے کہ اچھا کاروبار مل گیا تو عادتیں خودبخود اچھی ہو جائیں گی۔اتنا ضرور کہوں گا کہ آپ کے عیب دولت میں چھپ جائیں گے چنانچہ ایک بزرگ نے کہا کہ دولت خدا تو نہیں مگر بخدا وہ خدا کی طرح ستار العیوب اور قاضی الحاجات ہے۔اور زندگی میں بیشتر

حصہ ان لوگوں کا ہے جو ظاہری خوش خرامی کے ساتھ صبح کرتے ہیں شام کرتے ہیں اور عمر یونہی تمام کرتے ہیں۔ لیکن نہ دوسو گدھوں کے مغز سے اور نہ دو ہزار خوش خراموں کے صبح و شام کرنے سے کوئی اہل فکر پیدا ہوتا ہے۔

میں مرزا ناصر احمد سے امید رکھتا ہوں کہ اگر بعض طالب علموں کی مِٹّی میں واجبی چکناہٹ نہ پائیں تو اس کی کمی محنت اور تربیت سے پوری کر لیں گے اور جب اس کالج کے طلباء اس محدود جگہ کو چھوڑ کر زندگی میں قدم رکھیں تو لوگوں کو محسوس ہو کہ یہ کسی خاص تربیت گاہ سے آئے ہیں۔ یہ جفا کش بھی ہیں ایثار کا مادہ بھی رکھتے ہیں اور ان دونوں باتوں سے بڑھ کر یہ تنگ دل نہیں۔ ان کے دل دریا جیسے ہوں جس میں موتی اور پانی بہتا ہوا۔ ہر تنکے کے گرنے سے ان کی پیشانی پر بل نہ پڑے۔ میں یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا ہوں کہ اس کالج میں قریباً 45 فیصد طلبا اس گروہ کے نہیں جس کا ربوہ سے خاص تعلق ہے۔ میں آپ کا یہ جذبہ ایثار دیکھ کر تعریف کیے بنا نہیں رہ سکتا۔ سنا ہے کہ آپ کا کالج کشتی رانی میں کئی سال سے یونیورسٹی میں اوّل آرہا ہے، یہ کشتی رانی جاری رکھئے گا۔ ہماری کشتی کبھی بھنور کے قریب جانے لگتی ہے تو کبھی اس میں سراخ ہو جاتا ہے اور کچھ نہیں تو اس کے چپو مرمت کے محتاج رہتے ہیں۔ جب آپ کی باری آئے تو اس طرح چلائیں جس طرح مشاق کشتی رانی چلایا کرتے ہیں۔

(المنار مارچ 2011ء صفحہ 6)

فہرست تعلیم الاسلام کالج اولڈسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن یوکے

(1) حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز۔
(2) مکرم ڈاکٹر عبدالباری ملک صاحب (3) مکرم اے ایم احسن صاحب (4) مکرم عبدالرازق خان رانا صاحب (5) مکرم عبدالرافع صاحب (6) مکرم عبدالواحد صاحب (7) مکرم عبدالقدوس ارشد صاحب (8) مکرم عبدالباسط ملک صاحب (9) مکرم عبدالباسط ملک صاحب (10) مکرم عبدالباسط راجپوت صاحب (11) مکرم عبدالغفار عابد صاحب (12) مکرم عبدالحفیظ خان صاحب (13) مکرم عبدالحق میر صاحب (14) مکرم عبدالحی خان صاحب (15) مکرم ڈاکٹر عبدالخالق مانگٹ صاحب (16) مکرم عبدالخالق تعلقدار صاحب (17) مکرم عبداللطیف احمد صاحب (18) مکرم عبداللطیف رانا صاحب (19) مکرم عبدالمجید طاہر صاحب (20) مکرم عبدالمنعم رشید صاحب (21) مکرم عبدالقدیر کوکب صاحب (22) مکرم عبدالرشید صحرائی صاحب (23) مکرم عبدالرزاق قریشی صاحب (24) مکرم عبدالرحمن صاحب (25) مکرم عبدالسلام سید صاحب (26) مکرم عبدالشکور اظہر صاحب (27) مکرم عبدالشکور خان صاحب (28) مکرم عبدالشکور مرزا صاحب (29) مکرم عبدالوہاب بٹ صاحب (30) مکرم عبدالوہاب چیمہ صاحب (31) مکرم عبدالوہاب صاحب (32) مکرم عبداللہ بھٹی صاحب (33) مکرم عبدالمنان اظہر صاحب (34) مکرم عدنان احمد عنصر صاحب (35) مکرم افضل طاہر صاحب (36) مکرم احمد شریف رندھاوا صاحب (37) مکرم عامر انیس صاحب (38) مکرم عامر خالد محمود صاحب (39) مکرم انس احمد صاحب (40) مکرم انصر احمد مرزا صاحب (41) مکرم انور اے۔ آر۔ مرزا صاحب (42) مکرم ارشد محمود صاحب (43) مکرم

ارشد اقبال صاحب (44) مکرم عبدالرحمان صاحب (45) مکرم اسداللہ ؟ رانا صاحب (46) مکرم اشفاق احمد صاحب (47) مکرم آصف علی پرویز صاحب (48) مکرم عطاء العالیٰ ظفر صاحب (49) مکرم عطاالمجیب صاحب (50) مکرم امام عطاء المجیب راشد صاحب (51) مکرم عطاء القادر طاہر صاحب (52) مکرم عطاالحق صاحب (53) مکرم عطاءالکریم شاہد صاحب (54) مکرم عزیز احمد طاہر صاحب (55) مکرم بشارت محمود صاحب (56) مکرم ڈاکٹر بشارت نذیر صاحب (57) مکرم بشارت اللہ خان صاحب (58) مکرم بشیر احمد اختر صاحب (59) مکرم بشارت احمد چیمہ صاحب (60) مکرم بشارت احمد پیر صاحب (61) مکرم بشیر اختر صاحب (62) مکرم بشیر احمد رفیق صاحب (63) مکرم بشیر احمد شریف صاحب (64) مکرم چوہدری منصور احمد کاہلوں صاحب (65) مکرم چوہدری ناز احمد ناصر (66) مکرم چوہدری وسیم احمد صاحب (67) مکرم داود احمد پیر صاحب (68) مکرم ڈاکٹر داود احمد طاہر صاحب (69) مکرم فہد احمد جاوید صاحب (70) مکرم فیصل ندیم صاحب (71) مکرم فیض الرحمان خان صاحب (72) مکرم فلاح الدین خلیفہ صاحب (73) مکرم فضل احمد صاحب (74) مکرم فضل احمد ڈوگر صاحب (75) مکرم فضل احمد ناصر صاحب (76) مکرم فضل عمر ڈوگر صاحب (77) مکرم فیض احمد کاہلوں صاحب (78) مکرم غلام عباس صاحب (79) مکرم حبیب بیگ مرزا صاحب (80) مکرم حبیب اللہ اغا صاحب (81) مکرم ڈاکٹر حفیظ بھٹی صاحب (82) مکرم حفیظ ملک صاحب (83) مکرم حفیظ احمد مرزا صاحب (84) مکرم حمید الدین ملک صاحب (85) مکرم حمید اللہ کاہلوں صاحب (86) مکرم حامد احمد صاحب (87) مکرم سر ڈاکٹر افتخار احمد ااز صاحب (88) مکرم اعجاز احمد صاحب (89) مکرم اعجاز احمد صاحب (90) مکرم اعجاز احمد شاہد صاحب (91) مکرم اکرام اللہ مجیب صاحب (92) مکرم عمران احمد شہزاد صاحب (93) مکرم عمران احمد عامر صاحب (94) مکرم انعام الحق قرشی صاحب (95) مکرم اقبال احمد نجم صاحب (96) مکرم عرفان شہزاد گل رانا صاحب (97) مکرم جلال الدین صاحب (98) مکرم جمیل الرحمان

صاحب (99) مکرم جاوید اقبال صاحب (100) مکرم جاوید اقبال صاحب (101) مکرم جاوید احمد صاحب (102) مکرم کلیم گلزار شاہ صاحب (103) مکرم کلیم احمد صاحب (104) مکرم خالد محمود صاحب (105) مکرم خالد احمد مرزا صاحب (106) مکرم خالد محمود اکرم صاحب (107) مکرم خالد منیر احمد صاحب (108) مکرم خلیفہ صفی محمود صاحب (109) مکرم خلیل احمد خان صاحب (110) مکرم خلیل احمد ناصر صاحب (111) مکرم خلیل الرحمان صاحب (112) مکرم خرم منظور صاحب (113) مکرم خورشید احمد جاوید صاحب (114) مکرم لئیق احمد چیمہ صاحب (115) مکرم ایم نفیس چوہدری صاحب (116) مکرم یاسین ملک صاحب (117) مکرم ڈاکٹر ایم۔زبیر رانا صاحب (118) مکرم محفوظ اللہ خان رانا صاحب (119) مکرم محمود احمد صاحب (120) مکرم ملک زاہد محمود صاحب (121) مکرم منصور احمد ابرار صاحب (122) مکرم منصور احمد قمر صاحب (123) مکرم منظور احمد صاحب (124) مکرم مقبول احمد صاحب (125) مکرم مقصود الحق صاحب (126) مکرم مسعود الدین رحمان چیمہ صاحب (127) مکرم مشہود اسلم صاحب (128) مکرم مسعود احمد صاحب (129) مکرم متین احمد خان صاحب (130) مکرم مطیع اللہ درد صاحب (131) مکرم مظہر سلیم صاحب (132) مکرم محمود احمد خان صاحب (133) مکرم مرزا عبد الرشید صاحب (134) مکرم مرزا اطہر بیگ صاحب (135) مکرم مرزا مظفر احمد صاحب (136) مکرم مرزا وقاص احمد صاحب (137) مکرم مرزا ظفر احمد صاحب (138) مکرم محمد احمد صاحب (139) مکرم محمد انور صاحب (140) مکرم محمد ہارون صاحب (141) مکرم محمد شہباز صاحب (142) مکرم محمد طاہر صاحب (143) مکرم محمد افضل ترکی صاحب (144) مکرم محمد اسلم خالد صاحب (145) مکرم محمد ابراہیم چیمہ صاحب (146) مکرم محمد اسحاق ناصر صاحب (147) مکرم محمد رفیق صاحب (148) مکرم محمد اسحاق رانا صاحب (149) مکرم محمد یوسف ناصر صاحب (150) مکرم محمد یوسف شیخ صاحب (151) مکرم مبارک احمد ملک صاحب (152) مکرم مبارک احمد صدیقی صاحب

(153)مکرم مبارک احمد ظفر صاحب (154)مکرم مبارک احمد صاحب (155)مکرم مبشر احمد صاحب(156)مکرم مبشر احمد چیمہ صاحب(157)مکرم مبشر احمد طاہر صاحب(158)مکرم مبین احمد بلوچ صاحب (159)مکرم مدثر احمد صاحب (160)مکرم محمد ناصر صاحب(161)مکرم محمد طاہر صاحب(162)مکرم محمد سلیم صاحب (163)مکرم محمد اظفر احمد صاحب (164)مکرم ڈاکٹر محمد ثاقب گھمن صاحب (165)مکرم محمد ظفر اللہ خان صاحب(166)مکرم ممتاز احمد بٹ صاحب(167)مکرم ممتاز احمد چیمہ صاحب (168)مکرم ڈاکٹر منور احمد صاحب (169)مکرم منور احمد کاہلوں صاحب (170)مکرم ڈاکٹر منور احمد صاحب(171)مکرم منور احمد صاحب (172)مکرم منور احمد باجوہ صاحب (173)مکرم منور اصف صاحب (174)مکرم منیر احمد جتوئی صاحب (175)مکرم منیر احمد مرزا صاحب (176)مکرم منیر احمد جاوید صاحب (177)مکرم مظفر احمد چٹھہ صاحب(178)مکرم مظفر احمد شیخ صاحب(179)مکرم ندیم طاہر صاحب(180)مکرم نعیم احمد خان صاحب (181)مکرم ڈاکٹر نفیس حمید صاحب(182)مکرم نصر محمود صاحب (183)مکرم ڈاکٹر نصیر احمد صاحب (184)مکرم ڈاکٹر نصیر احمد صاحب (185)مکرم نصیر ظفر صاحب (186)مکرم نصیر احمد رانا صاحب (187)مکرم نصیر احمد سردار صاحب (188)مکرم نصیر احمد حبیب صاحب (189)مکرم نصیر احمد عابد صاحب (190)مکرم ناصر احمد خان صاحب (191)مکرم نصیر احمد قمر صاحب (192)مکرم ناصر جاوید خان صاحب (193)مکرم ڈاکٹر نصر اللہ چیمہ صاحب (194)مکرم ناصر الدین ڈوگر صاحب (195)مکرم نذیر احمد ملک صاحب (196)مکرم نذیر احمد سندھو صاحب (197)مکرم نور الجمیل نجمی صاحب (198)مکرم نثار محمد خان صاحب(199)مکرم نعمان محمود صاحب (200)مکرم نعمان سلیم صاحب(201)مکرم پرویز احمد صاحب(202)مکرم قمر احمد صاحب(203)مکرم رفیق احمد روزی صاحب(204)مکرم راجہ محمود احمد صاحب(205)مکرم راجہ مسعود احمد صاحب (206)مکرم رشید احمد شیخ صاحب (207)مکرم رشید احمد زاہد صاحب

(208) مکرم رشید الدین رانا صاحب (209) مکرم ایس فرید ڈوگر صاحب (210) مکرم سعد احمد صاحب (211) مکرم سعید احمد انور صاحب (212) مکرم صغیر احمد صاحب (213) مکرم سلیم الحق خان صاحب (214) مکرم سلمان محمود صاحب (215) مکرم سمیع اللہ صاحب (216) مکرم ڈاکٹر سردار حمید احمد صاحب (217) مکرم سعود احمد پیر صاحب (218) مکرم شفیق اے طاہر میر صاحب (219) ڈاکٹر شاہ محمد جاوید صاحب (220) مکرم شاہد ناصر صاحب (221) مکرم شاہد احمد جنجوعہ صاحب (222) مکرم شمیم ؟؟احمد بھٹی صاحب (223) مکرم شمس الحق صاحب (224) مکرم شیریف خان نیازی صاحب (225) مکرم شیخ سعید احمد صاحب۔

فہرست تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن امریکہ

(1) مکرم عبدالہادی ناصر صاحب (2) مکرم عبدالحلیم صاحب (3) مکرم عبدالحمید حمیدی صاحب (4) مکرم عبدالمنان ملک صاحب (5) مکرم عبدالرشید فوزی صاحب (6) مکرم عبدالسلام جمیل صاحب (7) مکرم عبدالسمیع صاحب (8) مکرم عابد اے بٹر صاحب (9) مکرم احمد طاہر ناصر صاحب (10) مکرم اکرم خالد صاحب (11) مکرم اکرم محمود صاحب (12) مکرم امجد قریشی صاحب (13) مکرم انور حسن صاحب (14) مکرم ارشد قریشی صاحب (15) مکرم عطاء الرحمان حمید صاحب (16) مکرم بشیر شمس صاحب (17) مکرم بشیر احمد سعید صاحب (18) مکرم برگیڈیئر (ریٹائرڈ) مرزا ارشاد علی (19) مکرم چوہدری ایم ارشاد صاحب (20) مکرم کرنل فضل احمد صاحب (21) مکرم داؤد احمد چٹھہ صاحب (22) مکرم داؤد احمد صاحب (23) مکرم داؤد احمد منیر صاحب (24) مکرم ڈاکٹر عبدالمنان ملک صاحب (25) مکرم ڈاکٹر انیس احمد صاحب (26) مکرم ڈاکٹر فلاح الدین صاحب (27) مکرم ہدایت خان صاحب (28) مکرم ڈاکٹر حمید الرحمان صاحب

(29) مکرم ڈاکٹر عنایت اللہ منگلا صاحب (30) مکرم ڈاکٹر محمد شریف خان صاحب (31) مکرم ڈاکٹر مرزا ارشاد علی صاحب (32) مکرم ڈاکٹر منیر احمد نذیر (این آر) صاحب (33) مکرم ڈاکٹر سید محمد احمد صاحب (34) مکرم ڈاکٹر طاہر محمود صاحب (35) مکرم ڈاکٹر شفیع اللہ صاحب (36) مکرم غلام احمد نسیم صاحب (37) مکرم حبیب الرحمان مرزا صاحب (38) مکرم حبیب الرحمن صاحب (39) مکرم حفیظ اللہ صاحب (40) مکرم حافظ سمیع اللہ صاحب۔ (41) مکرم حلیم چوہدری صاحب۔ (42) مکرم حمید احمد خان صاحب۔ (43) مکرم حنیف محمود صاحب۔ (44) مکرم حسن خان صاحب۔ (45) مکرم ادریس منیر صاحب۔ (46) مکرم امتیاز احمد چوہدری صاحب۔ (47) مکرم امتیاز احمد راجیکی صاحب۔ (48) مکرم اسماعیل وسیم صاحب۔ (49) مکرم جمیل احمد چوہدری صاحب۔ (50) مکرم کلیم اللہ خان صاحب۔ (51) مکرم کریم اللہ زیروی صاحب (52) مکرم کریم الدین خاں صاحب (53) مکرم کریم احمد شریف صاحب۔ (54) مکرم کریم ناظر صاحب۔ (55) مکرم خالد احمد عطا صاحب۔ (56) مکرم لئیق احمد لئیق صاحب۔ (57) مکرم لطیف خلیل ناظر صاحب۔ (58) مکرم لطیف احمد طاہر صاحب (59) مکرم لطف الرحمان صاحب۔ (60) مکرم لطف الرحمان محمود صاحب (60) مکرم محمود احمد بھٹی صاحب۔ (61) مکرم محمود احمد چوہدری صاحب۔ (62) مکرم محمود عالم صاحب۔ (63) مکرم ملک اے حسن صاحب۔ (64) مکرم ملک مجیب الرحمٰن صاحب (65) مکرم منصور احمد خان صاحب۔ (66) مکرم میاں نصیر احمد صاحب۔ (67) مکرم مرزا لقمان صاحب (68) مکرم مرزا مغفور احمد صاحب (69) مکرم مبشر احمد سولنگی صاحب (70) مکرم محمود اقبال خان صاحب۔ (71) مکرم محمود اکرام چوہدری صاحب۔ (72) مکرم محمد اکرم سندھی صاحب۔ (73) مکرم محمد اسلم چوہدری صاحب۔ (74) مکرم محمد عظیم قریشی صاحب (75) مکرم محمد ادریس صاحب (76) مکرم مبشر احمد صاحب (77) مکرم مبارک احمد شاہ صاحب۔ (78) مکرم مبشر احمد سولنگی صاحب (79) مکرم مبشر عالم صاحب۔ (80) مکرم محمد عبد الخالق صاحب۔ (81) مکرم محمد عظیم قریشی

صاحب ۔(82) مکرم اسماعیل بھٹی صاحب ۔(83) مکرم محمد راہد خان صاحب ۔(84) مکرم ڈاکٹر محمد ظفر اللہ خان صاحب ۔(85) مکرم مجیب ملک صاحب ۔(86) مکرم مجیب اللہ چوہدری صاحب ۔(87) مکرم مجیب اللہ خان صاحب ۔(88) مکرم منور اے انیس صاحب ۔(89) مکرم منور احمد چوہدری صاحب ۔(90) مکرم نور چوہدری صاحب ۔(91) مکرم منور سعید صاحب ۔(92) مکرم مشتاق احمد چوہدری صاحب ۔(93) مکرم مطہر احمد چوہدری صاحب ۔(94) مکرم مظفر احمد چوہدری صاحب ۔(95) مکرم نعیم احمد صاحب ۔(96) مکرم مظفر احمد صدیقی صاحب ۔(97) مکرم نعیم احمد صاحب ۔(98) مکرم نعیم احمد ملک صاحب ۔(99) مکرم نعیم ملک صاحب ۔(100) مکرم نصیر احمد صاحب(101) مکرم نصیر اے خان صاحب ۔(102) مکرم نصیر اے قریشی صاحب ۔(103) مکرم نصیر احمد مبشر صاحب ۔ (104) مکرم نصیر خالد صاحب ۔(105) مکرم نصیر صدیقی گورداسپوری صاحب ۔(106) مکرم نصیر صدیقی صاحب ۔(107) مکرم نصیر اے راجا صاحب ۔(108) مکرم نصیر جمیل صاحب ۔(109) مکرم پرویز احسان الحق صاحب ۔(110) مکرم پرویز اسلم چوہدری صاحب ۔(111) مکرم قمر شمس صاحب ۔(112) مکرم رانا شفیق ایاز صاحب ۔(113) مکرم رشید احمد گلگتی صاحب ۔(114) مکرم ریاض الدین صاحب شمس ۔(115) مکرم صفی اللہ چوہدری صاحب ۔(116) مکرم سفیر رامہ صاحب ۔(117) مکرم سیف اللہ ملک صاحب ۔(118) مکرم صاحبزادہ عبد الحیٔ لطیف صاحب ۔(119) مکرم صاحبزادہ جمیل لطیف صاحب ۔(120) مکرم صاحبزادہ مہدی لطیف صاحب ۔(121) مکرم سیف اللہ چیمہ صاحب ۔(122) مکرم سلیم ناصر ملک صاحب ۔(123) مکرم سردار حفاظت احمد صاحب ۔(124) مکرم سردار رفیق احمد صاحب ۔(125) مکرم شفیق الرحمٰن صاحب ۔(126) مکرم شاہد احمد صاحب ۔(127) مکرم طارق احمد صاحب ۔(128) مکرم وسیم احمد طاہر چیمہ صاحب ۔(129) مکرم وسیم احمد ملک صاحب ۔ (130) مکرم ڈاکٹر ظہیر الدین منصور احمد صاحب ۔(131) مکرم ظریف احمد صاحب ۔(132) مکرم

زندہ محمود باجوہ صاحب۔(133) مکرم ڈاکٹر مبشر سولنگی صاحب۔

فہرست تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

(1) مکرم مولانا فضل الٰہی انوری صاحب۔(2) مکرم ڈاکٹر عبدالرحیم بھٹہ صاحب۔(3) مکرم پروفیسر حمید احمد چوہدری صاحب۔(4) مکرم میجر (ریٹائرڈ) عبدالوحید ظفر رانا صاحب۔(5) مکرم بشارت احمد ایڈووکیٹ صاحب۔(6) مکرم پروفیسر چوہدری نصیر احمد صاحب۔(7) مکرم سید محمد احمد گردیزی صاحب۔(8) مکرم چوہدری منیر احمد ناصر صاحب۔(9) مکرم چوہدری انیس احمد صاحب (10) مکرم محمد عقیل احمد خان صاحب۔(11) مکرم ڈاکٹر نعیم احمد طاہر صاحب۔(12) مکرم عرفان احمد خان صاحب۔(13) مکرم چوہدری عبد العزیز ڈوگر صاحب۔(14) مکرم سیف الرحمان صاحب۔(15) مکرم شیخ منصور احمد صاحب۔(16) مکرم محمود احمد لون صاحب۔(17) مکرم طاہر اختر صاحب۔(18) مکرم سعید احمد ناز صاحب۔(19) مکرم مولانا الیاس منیر صاحب۔(20) مکرم راجا عبد الرشید جاوید صاحب۔(21) مکرم داؤد احمد چیمہ صاحب۔(22) مکرم مبشر احمد شاہین صاحب۔(23) مکرم چوہدری حبیب اللہ طارق صاحب۔(24) مکرم عبد الغفور ڈوگر صاحب۔(25) مکرم محمد اسحاق اطہر خان صاحب۔(26) مکرم ڈاکٹر مظفر احمد صاحب۔(27) مکرم ڈاکٹر مظفر احمد صاحب۔(28) مکرم محمد اسحاق ساجد صاحب۔(29) مکرم ملک مسیح الدین صاحب۔(30) مکرم نعیم الدین وسیم صاحب۔(31) مکرم میاں اعجاز احمد صاحب۔(32) مکرم عزیز احمد حیدی صاحب۔(33) مکرم محمود احمد حیدی صاحب۔(34) مکرم لطیف احمد سرویہ صاحب۔(35) مکرم دلدار احمد باجوہ صاحب۔(36) مکرم رضا الدین احمد صاحب۔(37) مکرم عطاء الجبار مہدی صاحب۔(38) مکرم عبدالحنان ڈوگر صاحب۔(39) مکرم ڈاکٹر محمود احمد طاہر صاحب۔(40) مکرم

طارق محمود صاحب۔(41) مکرم محمد ظافر رفیق رزاق صاحب۔ (42)مکرم مظفر حمید چوہدری صاحب۔ (43)مکرم مبارک احمد صاحب۔(44) مکرم زاہد احمد صاحب۔(45) مکرم نصیر احمد صاحب۔(46) مکرم بشارت احمد چوہدری صاحب۔(47) مکرم محمد رزاق مہدی صاحب ۔ (48)مکرم مولانا حیدر علی صاحب۔(49)مکرم ملک گلفام صاحب ۔ (50)مکرم عبدالسلام چیمہ صاحب۔(51)مکرم ماجد احمد طاہر صاحب۔(52)مکرم راجہ محمد یوسف صاحب۔(53)مکرم حمید اللہ ظفر صاحب۔(54)مکرم رفیق احمد شاہد صاحب۔(55)مکرم شاہد احمد عباسی صاحب۔(56) مکرم عبد الرحمان مبشر صاحب۔(57)مکرم مسرور احمد باجوہ صاحب۔(58)مکرم عبد الماجد طاہر صاحب۔(59)مکرم حمید اللہ ناصر صاحب۔(60)مکرم عبد الرشید بھٹی صاحب۔(61)مکرم امان اللہ بھٹی صاحب۔(62)مکرم عزیز رسول کوکب صاحب۔(63)مکرم چوہدری نعیم الدین صاحب (64)مکرم چوہدری سلیم الدین صاحب۔(65)مکرم سید الیاس بشیر صاحب۔(66)مکرم ملک نصیر احمد صاحب۔(67)مکرم حفیظ اللہ باجوہ صاحب۔(68)مکرم نعمت اللہ چھٹہ صاحب۔(69)مکرم رفیق الرحمان انور صاحب ۔(70) مکرم ملک منصور احمد صاحب ۔(71) مکرم زندہ محمود باجوہ صاحب (72)مکرم کلیم اللہ مظہر صاحب ۔(73) مکرم محمد ہادی دراز صاحب۔(74) مکرم عبدل خان نیازی صاحب۔(75)مکرم عامر افتخار صاحب۔(76)مکرم خاور افتخار صاحب۔(77)مکرم غضنفر محمود خان صاحب۔(78) مکرم صاحبزادہ مرزا فخر احمد صاحب ۔(79)مکرم سلیم احمد طور صاحب۔(80)مکرم بشارت احمد طور صاحب۔(81)مکرم چوہدری منیر احمد صاحب۔(82)مکرم مبشر حمید چوہدری صاحب۔(83)رضاء الدین صاحب۔(84)مکرم عطاء الجبار صاحب۔(85) مکرم ادریس احمد صاحب۔(86) مکرم مبشر احمد کاہلوں صاحب۔ (87)مکرم منور احمد باجوہ صاحب۔(88)مکرم عبد الرزاق ڈوگر صاحب۔(89)مکرم چوہدری نصیر احمد صاحب(90)مکرم کلیم اللہ مظہر صاحب۔(91)مکرم محمد رزاق صاحب۔(92)مکرم قمر احمد عطاء صاحب۔(93)مکرم

حفیظ الرحمٰن انور صاحب۔(94) مکرم داؤد احمد ناصر صاحب(95)مکرم سعید اللہ ہادی صاحب۔(96)مکرم محمد ظفر رزاق صاحب۔(97)مکرم دانیال دووصاحب۔(98)مکرم محمد ریاض نوید صاحب۔(99)مکرم شرافت اللہ خان صاحب(100)مکرم چوہدری محمود احمد وڑائچ صاحب۔(101)مکرم ادریس احمد صاحب۔(102)مکرم دلدار احمد باجوہ صاحب۔(103)مکرم غلام مصطفیٰ ودود صاحب ۔(104)مکرم مبارک احمد ساہی صاحب ۔(105)مکرم حمید احمد خالد صاحب(106)مکرم انوار اللہ خان صاحب۔(107)مکرم رانا محمود خالد صاحب۔(108)مکرم نصیر احمد باجوہ صاحب۔ (109)مکرم اکرام اللہ رانجھا صاحب ۔(110)مکرم محمد ریاض نوید صاحب۔(111)مکرم عبدالرؤف صاحب(112)مکرم عزیز احمد حیدی صاحب۔(113)مکرم مبشر احمد ظفر صاحب۔(114) مکرم سلمان احمد خان صاحب۔(115)مکرم شاہد تواب مخدوم صاحب(115)مکرم ثاقب محمود صاحب۔(116)مکرم ماجد احمد طاہر صاحب۔



Message From Dr Abdul Karim Sahib

(Dr Abdul Karim was one of the first to be admitted to Talim-ul-Islam College at Qadian in 1944 and one of the first graduates of the college. He did his M.A. in Economics as well from the Punjab University as a candidate of Talim-ul-Islam College, Lahore.)

Let me indicate, not for any pride but as a humble expression of gratitude some unique aspects of my long association with T.I. College. I ws a student of the very first batch when the college started in Qadian in 1944 and had all my education inthat institution right up to M.A. I was the first M.A. when the college was in Lahore. This needs to be explained. At the time of partition, when Non-Muslims left, there was shortage of teachers and it was decided that for post-graduate studies, students enrolled in colleges and their common instruction arranged at the University. So I was the only flag-bearer of T.I. College, not only in the Economics department, but also in the entire University. I was able to combine studies with sports at a fairly high level. I had my first lesson in Economics from the Principal, Hadhrat Mirza Nasir Ahmad Sahib, who later became the third Khalifatul Masih (akshsalam). He taught Economics on for two years as no other teacher of the subject was available. He gave that up when Faiz-ur-Rehman Faizi Sahib, the younger brother of famous Malik Abdur Rehman Khadim Sahib of Gujrat joined the college staff. Thereafter he taught Political Science.

My interest in Economics continues even after retirement. Though with some shift in focus. I occasionally write on current problems of Pakistan, not just for the sake of writing or to satisfy my ego, but only when I am really infuriated with the situation. With my rate exposure to both monetary and fiscal management, I highlight, without fear or favour, those aspects of the problems which may be lost sight of or deliberately held back so far. More than one hunred articles have been published, mostly in the DAWN. However, my

main focus, rather pre-occupation, is Islamic Economics, with particular emphasis on interest-free economic system. I have already published a 545-page book titled “Islam, Philosophy of Life and Economic Principles” and am currently working on follow up entitld “Interest-free Economy” which is likely to be of the same size.

This is an attempt to dispel the common notion that interest cannot be abolished and provide a workable alternative. (God willing- wa ma taufiqi illah Biallahil Azim) To my mind, those who entertain the idea that interest cannot be abolished doubt the two basic attributes of Allah, that is his being Khabir (all aware) and Qadir-e-Mutiq (Almighty) He certainly knew when He revealed the Holy Quran how the Economic system will develop in future and has all the power to enforce His edict to abplish interest. Interest, therefore, has to go The Quranic warning “ O ye who believe! Fear Allah and relinquish what remains of interest, if you are believers. But if you do it not, then beware of war from Allah and His Messenger” (2:279-280) is being implemented through the current global economic crisis, which is primarily due to interest-based economic system. I had summed up the prevailing situation in my article “Failure of Debt-Driven Model”, published in the DAWN of April 18, 2011 (Dawn.com/business). My analysis of the current great recession already runs into 200 pages. The situation is quite fluid, particularly in the European Union, where a clear effective approach is awaited. As soon as it crystalizes , I plan to put out a booklet entitled “The Great Recession- 2008-9, Experience and Lessons.” Without waiting for the completion of the book, with the material available that should also be soon (God Willing) Hazrat Khalifatul Masih V, (ayedehullah taala) desired a committee, consisting of Ulema and experts, be set up in Darul Qaza to consider the problem of mortgage and other interest dealings. Hazoor nominated me as a member. I wrote a paper of 75 pages “Hurmate Sud” – prohibition of interest in April 2010. The shadows are lengthening. Statistically speaking, at 83, I am on bonus when the average span of life for males in Pakistan is 65. I wish to leave behind something worthwhile. For this, I badly need and humbly request help through prayers. Finally, a word of advice for Ahmadis living in the West. Do not be overwhelmed by your environment. Take cognizance of the menace of consumer credit and do your best to avoid it. This is not only following Islamic teachings of living within ones means, but also necessary for their real welfare. Islam does not allow raising

ones standard of living by borrowing, even if the loan is interest free. One of the basic demands of Tehrik-e-Jadid is simple living. I am sure if they keep their eyes open, they can easily see havoc around them due to consumer credit in the recession. If not, let me give some cold statistics about the bitter experience, particularly in the United States, and the lesson already learnt before the recession, mot of the commeon people there were heavily indebted and little personal saving. The recession has made them cautious and they have started saving. As a result, household saving in the US has increased from $ 242 billion in 2007 to $ 608 billion in 2011. At the same time, they have reduced their consumer credit. Outstanding revolving consumer credit declined from $ 846 billion to $ 383 billion, or less than half….

CV of Dr. Abdul Karim

Date of Birth 1-1-1929

Education :Matric-T.I.High School, Qadian (1944) F.A.-T.I.College, Qadian (1946)B.A.-T.I.College, Lahore (1948) M.A. (Econ)-T.I.College, Lahore (1951) Ph.D. (Econ)-George Washington University, Washington D.C.(1966) **Sports:** Captain T.I.College football (1944-46) and hockey (1946-51) teams. In hockey also represented University (1950) and Province (1952)

Service: Joined State Bank of Pakistan-5-5-1952 Retired-31.12.1988 as Economic Advisor in Grade 21

Deputation: Seconded to Ministry of Finance, Government of Pakistan twice-1954-58,1969-78

Foreign Assignment: IMF Advisor, Bank of Sudan, Khartum, August 1986-October 1987 Asian Development Consultant, Bhutan, March-September 1989

Teaching Experience: Visiting Professor, State Economic University, Tashkand, Uzbikstan, March-September, 1994(Wakfe Arazy)

Publications: Assistant Editor, T.I.College Lahore magazine “Young Economist” 1950 Islam: the Basics, a collection of articles published in the Friday feature of Dawn, 2004 Islam: Philosophy of life and Economic Principles, 2004 Interest Free Economy (forthcoming, God willing)

Occasional articles on Economic problems of Pakistan in weekly feature, Economic and Business Review on Mondays in Dawn (dawn.com)